انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

مستقل سلسلے

نومبر 2016

جلد 39 شمارہ 8

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

اچھی کتابیں ہماری دوست، ہمدرد، ساتھی اور رہنما ہوتی ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر سچائی، نیکی اور راست بازی کی جانب ہماری رہنمائی کرتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ کہانیاں تفریح کا ذریعہ بھی ہوتی ہیں۔ کہانی میں مقصدیت ہونا چاہیے لیکن اس حد تک نہیں کہ کہانی نصیحت و تبلیغ بن کر رہ جائے۔ کہانی میں براہ راست نصیحت و تقریریں اچھی سے اچھی کہانی کا تاثر ختم کر دیتی ہیں۔

ایک اور رجحان جو ہمارے ہاں مصنفین میں فروغ پا رہا ہے، وہ مذہب اور شرعی مسائل پر لکھنے کا ہے۔ مذہبی اور شرعی مسائل پر لکھنے کے لیے وسیع مطالعہ کے ساتھ ساتھ مستند عالم کی رہنمائی بھی بہت ضروری ہے۔

ہم مصنفین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہلکے پھلکے موضوعات پر لکھیں۔ براہ راست نصیحت و تبلیغ کے بجائے ہلکے پھلکے لطیف پیرائے میں اپنی بات قارئین تک پہنچائیں۔ کہانی میں دلچسپی کا عنصر بہت اہم ہے۔ اسے قائم رہنا چاہیے۔ ایک اچھی کہانی معاشرتی مسائل کو سامنے ضرور لاتی ہے لیکن امید کا دیا بجھنے نہیں دیتی۔

اس شمارے میں،

- اداکار علی رحمن سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "عدیل اظہر"،
- اداکارہ "نازیہ ملک" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "صائمہ مشتاق کے" مقابل ہے آئینہ"،
- "من موہ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "ذرا پنزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "گل کہسار" فرح بخاری کا مکمل ناول،
- "جانشین" نایاب جیلانی کا مکمل ناول،
- "تجھ پہ دل ہارا" نازیہ جمال کا مکمل ناول،
- "شکر پارے" ام طیفور کا دلچسپ ناولٹ،
- نفیسہ سعید، بشریٰ گوندل، ماریہ یاسر، حنا اشرف، مریم جہانگیر اور آسیہ عارف کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت ما

کرن کتاب "خود کو جانیے دوسروں کو پہچانیے" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

ہے بندوں پہ اس کا کرم لحظہ لحظہ
یہ محسوس کرتے ہیں ہم لحظہ لحظہ

جو افگار سینہ ملا ملتزم سے
تو ہوتی رہی آنکھ نم لحظہ لحظہ

وہی عالم الغیب ہے اپنا آقا
نہیں دیکھے جام جم لحظہ لحظہ

بھروسا رہا کارسازی پہ اس کی
تو کھلتے رہے پیچ و خم لحظہ لحظہ

اسے یاد کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں
فلک کی طرف دم بدم، لحظہ لحظہ

کہا پھول نے حسبی اللہ جب بھی
تو مٹتے رہے رنج و غم لحظہ لحظہ

تنویر پھول

تہی دامن ترے در پہ جو آئے
ترے در سے وہ جھولی بھر کے جائے

مجھے اذنِ حضوری ہو تو آؤں
مرے دل کی کلی بھی مسکرائے

بیان کیسے کروں میں شان اُن ؐ کی
سراپا کرم جو بن کے آئے

حبیبِ کبریا ہیں بالیقیں وہ
جہاں پر اُن ؐ کی رحمت کے ہیں سائے

وہ عالی شان ہے دربار اُن ؐ کا
کھڑے ہیں بادشاہ بھی سر جھکائے

نہیں دیتے کسی کو بددُعائیں
اگرچہ اُن ؐ کو ہر دُشمن ستائے

قمر جن کو سرِ عرشِ معلیٰ
خداوندِ مقدس خود بلائے

ریاض حسین قمر

علی رحمٰن سے ملاقات

شاہین رشید

علی رحمٰن تو جب بھی اسکرین پہ آئے۔ ایک یادگار رول ہی کیا۔ علی نے اب تک صرف تین سیریز میں کام کیا لیکن میں دعوے سے کہتی ہوں کہ تینوں سیریلز کے کردار ناظرین کو یاد ہوں گے۔ خاص طور پر "دیار دل" اس میں اگرچہ علی رحمٰن کا کردار مختصر تھا مگر آخر تک اس کردار کا ذکر کہانی میں رہا اور یہ کردار کہانی میں "مر" کر بھی زندہ رہا۔۔۔ ان کی فلم "جاناں" نے بھی بہت اچھا بزنس دیا ہے۔

★ "کیسے ہیں علی۔۔۔ کیا مصروفیات ہیں آج کل؟"

✱ "مصروفیات تو اس فیلڈ سے متعلق ہیں۔ کافی پروڈکشن ہاؤسز سے بات چیت چل رہی ہیں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ ابھی سب کچھ پائپ لائن میں ہی ہے۔"

★ "دیار دل کے بعد گیپ کیوں دیا؟"

✱ "اس لیے کہ تھوڑا آرام کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑا ٹریولنگ کرنا چاہتا تھا بس اس لیے چوتھا پروجیکٹ جلدی نہیں لیا۔۔۔ ویسے بھی اچھے پروجیکٹ کے انتظار میں تھا۔"

★ "تو کیا اس لیے کم نظر آتے ہیں اسکرین پہ؟"

✱ "جی جی۔۔۔ بالکل۔۔۔ اصل میں میرا بسیرا "ویانا" "آسٹریا" میں ہے تو جب پاکستان آتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ کام اچھا کروں۔ کردار بہت پاور فل ہو، پھر اچھے ڈائریکٹر اور اچھے پروڈیوسرز کے ساتھ کام کروں۔ لوگ بھی اچھے ہوں اور ٹیم بھی اور سب سے بڑھ کر اچھا اسکرپٹ ہو کیونکہ ٹی وی اسکرین پہ ہر وقت آن ایر رہنے کی بجائے میں اچھے کردار کو ترجیح دیتا ہوں۔ اپنا ہنر دکھانے کو دل چاہتا ہے۔ اچھا کردار ملتا ہے تو کام کرنے کو بھی دل چاہتا ہے اور ساتھ میں اچھے اداکار ساتھی ہوں تو ان سے سیکھنے کو بھی بہت کچھ ملتا ہے۔"

★ "کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

✱ "میرا پورا نام علی رحمٰن خان ہے۔ نام بگڑا نہیں سب علی ہی کہتے ہیں۔ 6 مئی کو اسلام آباد میں پیدا ہوا۔ شادی ابھی ہوئی نہیں اس لیے ڈیٹ آف برتھ نہیں بتاؤں گا (قہقہہ) پانچ فٹ گیارہ انچ کا بندہ ہوں اور ستارہ ٹورس ہے اور لندن اسکول آف اکنامکس کا گریجویٹ ہوں۔ اور جناب ہم ــ دو ہی بھائی ہیں۔ میرا نمبر پہلا ہے۔۔۔ اور کچھ پوچھنا ہے۔"

★ "جی پوچھنا ہے۔ فیملی بیک گراؤنڈ؟"

✱ "پٹھان فیملی سے تعلق ہے اسلام آباد میں ہی پرورش پائی۔ بنیادی طور پر ہمارا تعلق "ڈکی مروت"

سے ہے والد صاحب بیوروکریٹ ہیں اور گورنمنٹ میں ہیں اور ان کا نام "حبیب الرحمٰن" ہے اور چونکہ والد گورنمنٹ میں ہیں تو سب نے مجھے بھی فورس کیا کہ سی ایس ایس کرلو۔ اور والد صاحب کی طرح گورنمنٹ جاب کرو۔۔۔ مگر میرا تو ہمیشہ سے ہی رجحان ایکٹنگ کی طرف ہے اور مجھے پتا تھا کہ اگر میں والد صاحب کی طرح گورنمنٹ کا حصہ بن گیا تو اپنے شوق کی تکمیل نہیں کرسکوں گا۔ والدہ میری ہاؤس وائف ہیں۔"

★ "آپ دیانا میں کیا کرتے ہیں؟"

☼ "میں یہاں مائیگریشن مینجمنٹ کا کام کرتا ہوں اور باقی تو اداکاری میرا جنون ہے۔"

★ "آپ کا ستارہ ٹورس ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ ٹورس والے ہمیشہ کسی نہ کسی پرابلم میں ہی رہتے ہیں ۔۔۔ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے؟"

☼ ہنستے ہوئے۔۔۔ "الحمدللہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوتا اور میں نے کبھی مسائل کو اہمیت نہیں دی۔ کوئی بھی مسئلہ ہو تو اسے حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور سوچ لیتا ہوں کہ اسے کسی نہ کسی طریقے سے حل کرنا ہی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ حل ہو ہی جاتا ہے۔ کبھی کسی کام کے لیے ٹینشن نہیں لیتا اور میں سمجھتا ہوں کہ ٹینشن لینے کی بجائے مسئلہ کے حل کے لیے سوچنا چاہیے۔"

★ "آپ نے ڈیٹ آف برتھ نہیں بتائی کہ ابھی شادی نہیں ہوئی تو کب ارادے ہیں؟"

☼ "ہنستے ہوئے ابھی شادی کا وقت نہیں آیا۔ ابھی میں چھوٹا ہوں۔۔۔ یہ تو مذاق ہے۔۔۔ جوڑ آسمانوں پہ لکھے ہوتے ہیں۔ وقت آئے گا تو شادی بھی ہوجائے گی۔"

★ "شوبز میں کیسے آئے؟"

☼ "بس بچپن سے ہی شوق تھا اور مائیکل جیکسن ہمیشہ سے ہی مجھے پسند تھا' بہت بڑا فین تھا میں اس کا' اینا بھی بچپن سے بہت متاثر تھا۔ گھر میں رہتا تھا تو ایکٹنگ کرتا رہتا تھا آئینے کے سامنے لوگوں کی نقلیں اتارنا ڈانس کرنا اور کوشش کرتا تھا کہ اس فیلڈ میں آجاؤں اور بڑا اداکار بن جاؤں۔ ہمیشہ سے ہی اداکار بننے کا "کیڑا" تھا میرے اندر۔"

★ "تو یہ "کیڑا" نکالا کس نے؟"

☼ "اصل میں شوق پروان چڑھا اسکول میں۔ اسکول میں سب کو معلوم تھا کہ یہ ایک نمبر کا ایکٹر ہے۔ تو ہمارے اسکول میں ایک چھوٹا سا پلے تھا اور یونٹری کا

مقابلہ تھا اور لاہور کے ایک ڈائریکٹر شہنشاہ نبیل اسلام آباد آئے ہوئے تھے بہ حیثیت جج کے اور ان کا بڑا نام تھا اور یہ بڑے پیمانے پر کمرشلز پلے کیا کرتے تھے۔ انہوں نے میری پرفارمنس دیکھی تو کہا کہ آپ کسی دن آکر مجھ سے ملیں پہلے تو بہت ڈر لگا مگر مل لیا۔ انہوں نے کہا کہ آڈیشن دے دو۔ وہ ایک انگریزی پلے کر رہے تھے میں آڈیشن کے لیے راضی نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن میرے دوستوں نے مجھے ہمت دلائی اور کہا کہ ضرور جاؤ اور یہ بھی کہا کہ ہم تمہارے ساتھ جائیں گے تاکہ تمہاری ہمت بندھی رہے اور جب دوستوں نے بہت زیادہ زور زبردستی کی تو آخر میں نے آڈیشن دے ہی دیا۔ مگر یہ دیکھ کر بہت مایوس ہوا کہ بہت اچھے' قابل اور پروفیشنل لڑکے آئے ہوئے تھے۔ جن کی پرفارمنس بہت عمدہ تھی۔ خیر مجھے بھی ایک چھوٹا سا ڈائیلاگ والا پیپر دیا گیا کہ یہ لائنیں آپ نے بولنی ہیں تیاری کرلیں۔ میں نے پڑھا اور آڈیشن دے دیا۔ انہیں پسند آیا اور انہوں نے تین چار کردار میرے سامنے رکھ دیے کہ آپ خود چوز کریں کہ آپ کون سا کردار کرنا چاہیں گے۔ میں حیران بھی ہوا اور خوش بھی ... خیر اس طرح تھیٹر کے ایک انگریزی پلے سے اداکاری کا آغاز کیا۔ تھیٹر میں تو آپ کو پتا ہی ہے لائیو پرفارمنس دینی ہوتی ہے۔ تو بس پھر تھیٹر کرتا رہا اور اعتماد آتا گیا... پھر مجھے ایک فلم کرنے کا موقع ملا۔ مگر پاکستان میں اس پر پابندی لگ گئی تھی۔ پھر اس کے بعد ایک سیریل "رشتے کچھ ادھورے سے" میں کام کرنے کا موقعہ ملا اور وہ کافی ہٹ گیا۔"

★ "مجھے یاد ہے وہ سیریل ... بڑے صابر و شاکر دکھائے گئے تھے آپ' تو اصل زندگی میں بھی ایسے ہی ہیں کیا؟"

✳ "نہیں اصل میں اتنا نہیں ہوں جتنا دکھایا گیا اور یہی سیریل میری شہرت کا باعث بنا... ٹی وی ایک ایسا میڈیا ہے جو ہر گھر میں دیکھا جاتا ہے۔ تو اگر پسند کیا گیا تو ساتھ میں تنقید بھی کی گئی۔"

★ "عجیب کہانی تھی۔ نکاح کی بات کو کچھ زیادہ ہی لمبا کھینچا گیا۔ خیر جب تھیٹر شروع کیا تو کچھ کمائی شمائی بھی ہوئی تھی؟"

✳ "ہاں... ہاں بالکل پہلی بار جب ایک پروڈکشن ہاؤس کے ساتھ کام کیا تھا تو چار ہزار روپے ملے تھے اور اس وقت تو سارا خرچہ موبائل کارڈ کا ہی تھا سو خرچ ہو جاتے تھے۔"

★ "ملک سے باہر رہتے ہیں تو زیادہ کام تو خود ہی کرتے ہوں گے؟"

✳ "جی بالکل ... اکثر اوقات تو کھانا بھی خود پکاتا ہوں۔ لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ مجھے بھوک لگی ہوئی ہو۔ کیونکہ جتنی زیادہ بھوک ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ اچھا میں کھانا پکاتا ہوں۔"

★ "اچھا... لوگ تو بھوک کے وقت چڑچڑے ہو جاتے ہیں اور؟"

✳ "میرا تو یہ حال ہے کہ جب مجھے ٹریولنگ کرنی ہوتی ہے تو طبیعت میں تھوڑی بے چینی آجاتی ہے اور جب مجھے کوئی پروجیکٹ کرنا ہوتا ہے تو پتا نہیں کہاں سے

طاقت آجاتی ہے اور بڑی خوشی محسوس ہوتی پاکستان جانے کی' ایک تو یہ کہ پروجیکٹ کروں گا اور دوسری خوشی یہ کہ والدین سے ملوں گا۔"

★ "دیار دل" کافی بڑا پروجیکٹ تھا اور سینئر جونیئر سب ہی اسٹار تھے 'کوئی گھبراہٹ کوئی مشکل پیش آئی؟

✻ "نہیں اللہ کا شکر ہے.... عموماً" اتنے سینئر آرٹسٹوں کے ساتھ کام کرکے بندہ گھبرا جاتا ہے 'لیکن اللہ کا شکر ہے کہ سب نے حوصلہ افزائی کی اور تعریف بھی کی۔ ورنہ ایک مقام پر میں بھی سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں کرسکوں گا کہ نہیں اور میری بڑی خواہش تھی کہ میں قوی صاحب کے ساتھ کام کروں 'عابد علی صاحب کے ساتھ کام کروں تو یہ خواہش تو پوری ہوگئی اور اب خواہش ہے کہ انور مقصود صاحب کے ساتھ بھی کام کروں۔ اور فلم میں کام کرنے کی بھی بہت خواہش ہے۔"

★ "ڈراموں میں جو کردار آپ فنکار لوگ کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں کچھ کہیں گے؟"

✻ "دوسروں کی کیا رائے ہوگی مجھے نہیں معلوم' لیکن اپنے لیے میں یہ کہوں گا کہ میری کوشش ہوتی ہے کہ میری جو شخصیت ہے اس سے بہت مختلف کردار کروں۔ لیکن ہم جتنے بھی فنکار ہیں کسی نہ کسی موڑ پر کسی نہ کسی شخصیت سے ہمارا میل جول ہوجاتا ہے 'ہماری اپنی پرسنالٹی ڈراموں کی پرسنالٹی میں آجاتی ہے۔ لیکن میری کوشش ہوتی ہے کہ اپنی شخصیت کا عکس نہ دوں۔"

★ "لوگ پہچانتے ہیں؟"

✻ "مجھے.... کبھی پہچان لیتے ہیں کبھی نہیں۔ لیکن زیادہ تر لوگ مجھے پہچانتے ہیں' تھوڑے کنفیوزڈ بھی ہوجاتے ہیں کیونکہ میں ڈراموں سے بہت مختلف نظر آرہا ہوتا ہوں.... زیادہ غور سے دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتا ہوں کہ میں وہی ہوں جو آپ کو نظر آرہا ہوں۔"

★ "گھر سے دور رہ کر کیا سیکھا؟"

✻ "ڈسپلن' تھوڑی سی وقت کی پابندی' صفائی ستھرائی' بہت عادی ہوگیا ہوں اس چیز کا' ہر چیز قرینے سلیقے سے رکھنے کا عادی ہوگیا ہوں اور کوکنگ بہت اچھی سیکھ گیا ہوں۔"

★ "فیلڈ کے حوالے سے کوئی خواہش؟"

✳ "کہ بین الاقوامی سطح پہ پہچانا جاؤں۔ کسی ہالی ووڈ کی فلم میں کام کروں اور آسکر ایوارڈ بھی حاصل کروں۔"

★ "اور پاکستان کے حوالے سے کوئی خواہش؟ کبھی دل چاہا کہ اسے چھوڑ کر کہیں اور بسیرا کرلوں؟"

✳ "نہیں ایسی کوئی خواہش نہیں ہے' پلٹ پلٹ کر کسی نہ کسی بہانے پاکستان آتا رہتا ہوں اور کہیں بھی کسی بھی ملک میں مستقل قیام کو دل نہیں چاہتا۔ اپنے ملک کے لیے بس ایک ہی خواہش ہے کہ اس کا سسٹم اچھا ہو جائے۔ بس پھر اس کے بعد اس سے اچھا کوئی ملک نہیں ہو گا۔ ہمارے یہاں تو ہر چیز میں ایک کلچر بن گیا ہے۔ ڈرائیونگ میں کلچر بن گیا ہے۔ کھانے پینے میں کلچر بن گیا ہے اس کلچر سسٹم نے بھی ہمیں خراب کیا ہے اگر صحیح طریقے سے ہم لوگوں کو دیکھنا شروع کر دیں تو بڑا سکون ہو جائے زندگی میں۔"

★ "لوگ اپنا وقت بھی تو بہت ضائع کرتے ہیں' کیا خیال ہے آپ کا؟"

✳ "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ... ایک دوسرے کی برائیاں کرکے غیبت کرکے اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اگر یہی وقت کام پہ لگائیں تو ہمارا ملک کتنا ترقی کر جائے۔"

★ "لڑکوں کو شاپنگ کی عادت نہیں ہوتی' آپ کرتے ہیں شاپنگ؟"

✳ "ہاں کیوں نہیں... مجھے شاپنگ کرنا اچھا لگتا ہے اور نہ صرف ونڈو شاپنگ' بلکہ سچ مچ کی شاپنگ کا بھی بہت شوق ہے اور میں زیادہ تر شاپنگ ملک سے باہر ہی کرتا ہوں۔ ویسٹرن ڈریس کے لیے ملک سے باہر شاپنگ کرتا ہوں اور ایسٹرن کے لیے اپنا ملک بہترین ہے۔"

★ "شہرت کے زوال سے ڈرتے ہیں؟"

✳ "ڈر تو لگتا ہے... مگر کیا کہہ سکتے ہیں۔ اگر قسمت میں ایسا کچھ لکھا ہے تو اسے روک تو نہیں سکتے اور میں تو اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ کسی کے بھی کیریئر میں زوال نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ سب کو عزت کی روٹی دیے رکھے۔ (آمین) میں تو اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔ نہ اپنے لیے ایسا سوچنا چاہیے نہ دوسروں کے لیے' ہمیشہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے اچھا ہی سوچنا چاہیے۔"

★ "جب آپ شوٹ پہ وقت سے پہنچ جائیں۔ لوگ نہ آئیں تو اس وقت کیا احساسات ہوتے ہیں آپ کے؟"

✳ "احساسات کیا ہونے ہیں۔ تھوڑی گھبراہٹ ہوتی ہے۔ مگر انتظار کرتے ہیں۔ چائے پی لیتے ہیں تھوڑی گپ شپ لگا لیتے ہیں' سوشل میڈیا کو "آن" کر لیتے ہیں تو ٹائم پاس ہو جاتا ہے۔"

★ "کس قسم کے رولز کرنے میں اچھا لگتا ہے۔ رومانٹک یا لائف کے قریب ترین؟"

✳ "زندگی کے قریب ترین رول ہی کرنے میں اچھے لگتے ہیں اور میں نے ابھی تک رومانٹک رول کیے نہیں ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ کروں اور یقیناً" کروں گا۔ ہر طرح کے رول کرنا چاہتا ہوں۔"

★ "فطرتاً" کیسے ہیں آپ اور مزاجاً"؟"

✳ "مزاج کے بارے میں تو آپ دوسروں سے ہی پوچھیں میں تو اپنے آپ کو اچھا ہی بولوں گا' ہاں فطرتاً" تھوڑا سا شرمیلا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری یہ عادت ختم ہو جائے... اور اگر میں میڈیا میں زیادہ رہا تو یقیناً" میرا شرمیلا پن دور ہو جائے گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے علی رحمٰن سے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہم کو وقت دیا۔

✡ ✡

میری بھی سنیے

نازیہ ملک

شاہین رشید

1 "پورا نام؟"

"نازیہ ملک۔"

2 "پیار کا نام؟"

"کسی نے پیار سے پکارا ہی نہیں" (قہقہہ)۔

3 "دنیا میں آمد؟"

"20 فروری۔"

4 "شہر/ اسٹار؟"

"کراچی/ Pisecs۔"

5 "بہن بھائی؟"

"دو بھائی۔۔۔ ہم چار بہنیں۔۔۔ میں آخری مال ہوں۔"

6 "تعلیم؟"

"اتنے ڈپلومے لیے ہیں کہ آپ کیا کیا لکھیں گی۔۔۔ یوں سمجھیں کہ آرٹ کی فیلڈ میں ہر شعبے کا ڈپلومہ میرے پاس ہے۔ کیونکہ مجھے کوکنگ، میک اپ، فیشن ڈیزائننگ ہر چیز سیکھنے کا شوق ہے۔"

7 "شادی؟"

"الحمدللہ شادی شدہ ہوں۔"

8 "پریکٹیکل لائف؟"

"کم عمری میں ہی آ گئی تھی جب کالج میں تھی تو مجھے فیشن ڈیزائننگ کا شوق تھا۔ تب میں ڈریسز بنا بنا کر بڑے آؤٹ لیٹ پہ رکھوا دیا کرتی تھی جہاں اچھے ریٹ کے ساتھ بک جایا کرتے تھے تو بس پھر اس طرح آہستہ آہستہ میرے اس کام میں ترقی ہوتی گئی۔"

9 "لوگوں میں پہچان؟"

"ٹی وی ون سے ایک کوکنگ شو کیا تھا "کچن کوئین" کے نام سے اور یہ کافی مقبول ہوا تھا۔ اس طرح ایک اور چینل "سی این بی سی" سے ٹی ٹائم کے نام سے ایک پروگرام کیا تھا۔ وہ بھی کافی مقبول ہوا تھا اور انہی دو پروگراموں سے میری شہرت ہوئی تھی۔"

10 "میرا مشاہدہ ہے کہ؟"

"ہر برے انسان کو دوسروں میں برائی ہی نظر آئے گی اور ہر اچھے انسان کو دوسروں میں بھی اچھائی ہی نظر آتی ہے اس لیے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ اچھا کون ہے اور برا کون ہے۔"

11 "مجھے عزت ملی ہے؟"

"شوبز سے۔۔۔ اور اس بات سے کہ میں لوگوں کے دلوں میں پیار محبت سے جگہ بناتی ہوں۔۔۔ اور اپنے اچھے کام سے جو کہ میں انتہائی ایماندارانہ طریقے سے انجام دیتی ہوں۔"

12 "محبت ایک بار ہوتی ہے؟"
"عشق کی حد تک محبت تو زندگی میں ایک ہی بار ہوتی ہے۔ ویسے پسند ناپسند کا عمل تو چلتا ہی رہتا ہے۔"

13 "ضدی ہوں؟"
"جی بہت زیادہ... اپنے کام کے معاملے میں بہت زیادہ ضدی ہوں... ہر کام کو چیلنج سمجھ کر کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے کامیاب بھی ہوتی ہوں۔"

14 "طبیعت چڑچڑی ہو جاتی ہے؟"
"جب بھوک لگی ہو اور کچھ کھانے کو نہ ہو۔ تب دماغ کام نہیں کرتا۔"

15 "سیاست کے بارے میں...؟"
"یہی کہنا چاہوں گی کہ خدا کرے وہ دن جلدی آئے جب اس ملک میں مثبت تبدیلیاں آئیں اور ہم دوسروں کے لیے قابل فخر ہو جائیں۔"

16 "صبح اٹھ کر میری روٹین؟"
"پانی پیتی ہوں۔ پھر کچھ اور کرتی ہوں۔"

17 "ملک سے باہر جا کر متاثر ہوتی ہوں؟"
"کسی ایک بات سے نہیں، ہر بات سے... رشک آتا ہے۔ باہر جا کر لگتا ہے کہ پتا نہیں کس دنیا میں آ گئے ہیں۔"

18 "کیفیت بدلتی رہتی ہے؟"
"غصے میں... کبھی دل چاہتا ہے سنا دوں... کبھی سوچتی ہوں کہ میں سامنے والے کے ساتھ زیادتی نہ کر رہی ہوں... بس اسی کشمکش میں پھر غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔"

19 "مردوں کے لیے ایک نصیحت؟"
"کہ خدا نہ بنیں... اس زمین پر انسان ہی بن کے رہیں اللہ نے اگر پاور دی ہے تو اس کا غلط استعمال نہ کریں... دوسروں کی عزت کریں۔"

20 "تحفے میں کیا دیتی ہوں؟"
"زیادہ تر قرآن پاک ترجمے کے ساتھ... اس سے بہتر کوئی تحفہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

21 "فیس بک + انسٹا گرام اور انٹرنیٹ سے دلچسپی؟"

"بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ فیس بک آپ کو لوگوں سے قریب کرتا ہے میں تو بہت استعمال کرتی ہوں اور اپ ڈیٹ رہتی ہوں۔"

22 "ماضی کی ایک نامور پسندیدہ شخصیت؟"

"قائد اعظم۔۔۔ بہت پسند ہیں۔ ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

23 "غلطی تسلیم کرلیتی ہوں؟"

"جی فوراً"۔۔۔

24 "میرے بیگ کی تلاشی لی جائے تو؟"

"ارے بہت کچھ نکلے گا۔۔۔ ہر چیز ہی تو ڈال کر گھر سے نکلتی ہوں۔"

25 "اگر خدانخواستہ کبھی اغوا ہو گئیں تو؟"

"تو اغوا کرنے والا خود ہی پریشان ہو جائے گا کہ کس کو اغوا کرلیا' کیونکہ اس پر مجھے چھڑانے کے لیے اتنا پریشر پڑے گا کہ وہ گھبرا جائے گا۔"

26 "وقت کی پابندی؟"

"بہت زیادہ کرتی ہوں۔۔۔ اصل میں لائیو پروگرام کر کر کے وقت کی پابندی کی عادت پڑ گئی ہے۔"

27 "بچپن میں کیا چیزیں جمع کرتی تھیں؟"

"سہیلیاں اور خوب صورت پتھر۔۔۔ اور اب اچھے میگزین جمع کرتی ہوں کہ انہیں پڑھنے میں مزا آتا ہے۔"

28 "مرد جو اچھے لگتے ہیں؟"

"جو محنتی ہوں اور گھر کا پورا نظام سنبھالنے کی صلاحیت ہو اور ہارڈ ورکنگ ہوں۔"

29 "کس محفل میں دل لگتا ہے؟"

"جہاں کوئی دینی لیکچر دیا جا رہا ہو' قرآن کو ترجمے کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہو۔"

30 "کیا' کچھ وقت سے پہلے ملا؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ کیونکہ شاید اللہ کو پتا ہے کہ وقت سے پہلے یا اس کی دعا سے پہلے کچھ دے دیا تو یہ قدر نہیں کرے گی۔"

31 "شاپنگ میں پہلی ترجیح؟"

"کپڑے۔۔۔ کیونکہ کپڑوں کا ہی بہت شوق ہے۔"

32 "بچت کی عادت۔۔۔؟"

"بہت زیادہ۔۔۔ کیونکہ پیسا بہت مشکل سے کمایا جاتا ہے اس لیے خرچ بھی سوچ سمجھ کر ہی کرتی ہوں۔"

33 "سکون ملتا ہے؟"

"اپنے بیڈ روم میں۔۔۔ میرے بیڈ پہ ہی میرا لیپ ٹاپ رکھا رہتا ہے۔۔۔ جہاں بیٹھ کر میں کام کرتی ہوں۔"

34 "شادی میں اسراف کرنا چاہیے؟"

"نہیں ہرگز نہیں۔۔۔ یہ نہ سوچیں کہ شادی تو ایک ہی بار ہوتی ہے۔۔۔ یہ دیکھیں کہ آپ کی جیب کتنی اجازت دیتی ہے۔ مجھے وہ شادیاں بہت اچھی لگتی ہیں جن میں سادگی ہوتی ہے۔"

35 "میری بری عادت؟"

"میرا غصہ بہت تیز ہے۔"

36 "میری اچھی عادت؟"

"دوسروں کا بہت خیال رکھتی ہوں' ضرورت کے وقت سب کے کام آتی ہوں۔"

37 "گھر میں کس کی کوکنگ پسند ہے؟"

"میری دونوں مائیں بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں۔ دو ماؤں سے مراد ایک ماں جس نے مجھے جنم دیا اور ایک ماں جو میری ساس کہلاتی ہیں۔۔۔ دونوں بہت لذیذ کھانا پکاتی ہیں اور بھابھی کا بھی جواب نہیں۔"

38 "نیند جلدی آتی ہے یا دیر سے؟"

"اگر تھکن ہو تو پھر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے۔۔۔ لیکن اگر تھکن نہ ہو تو نیند کو بھی لوریاں دینی پڑتی ہیں قہقہہ۔"

39 "میں پچھتاتی ہوں؟"
"دوسروں کو اپنے فون نمبر دے کر۔۔۔ کیونکہ ایک تو لوگ پریشان بہت کرتے ہیں۔۔۔ اور سوال بہت کرتے ہیں۔"

40 "اچانک مہمان آجائیں تو؟"
"اگر کہیں جا رہی ہوں اور مہمان آجائیں تو پھر تھوڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔۔۔ ورنہ نہیں' ویسے آج کل کے دور میں مہمانوں کو بتا کر ہی آنا چاہیے۔۔۔ خواہ وہ نزدیکی رشتے دار ہوں یا پھر دور کے۔"

41 "دلہن دولہا کو کیش دینا چاہیے یا تحفہ؟"
"یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ دولہا دلہن کا ہمارے سے کیا ریلیشن ہے اس حساب سے دینا چاہیے۔ ویسے میں تو کیش ہی دیتی ہوں۔"

42 "اپنے میں چینج لانا چاہتی ہوں؟"
"کہ مجھ میں غصہ کم ہو جائے۔ کیونکہ غصہ ہمیشہ نقصان ہی پہنچاتا ہے۔"

43 "جھوٹ بولتی ہوں؟"
قہقہہ۔۔۔ "بولنا پڑتا ہے۔۔۔ مگر میرا جھوٹ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔۔۔ حسب ضرورت بولتی ہوں۔"

44 "زندگی کب بدلی؟"
"جب میں نے ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھنا شروع کیا۔"

45 "اپنے بیڈ کی ٹیبل پہ کیا کیا رکھ کر سوتی ہیں؟"
"کچھ نہ پوچھیں۔۔۔ بہت کچھ رکھا ہوا ہوتا ہے۔"

46 "بچپن کی ایک عادت' جواب بھی ہے؟"
"کہ جب غصہ آتا تھا تو کھانا پینا چھوڑ دیتی تھی اور اب بھی میں ایسا ہی کرتی ہوں۔۔۔ یہی میری ناراضی کا اظہار بھی ہے۔"

47 "میں خیال رکھتی ہوں کہ۔۔۔؟"
"کہ مجھ سے کوئی ایسی غلطی نہ ہو جس سے کسی کو دکھ اور تکلیف پہنچے۔"

48 "لوگ ملتے ہیں تو؟"
"عجیب عجیب توقعات وابستہ کر لیتے ہیں بھئی ہم بھی آپ کی طرح ایک نارمل انسان ہیں۔ کوئی دنیا کی انوکھی مخلوق نہیں ہیں۔"

49 "کوئی گہری نیند سے جگا دے تو؟"
"تو غصہ آتا ہے۔ کیونکہ میرا سونے اور جاگنے کا اپنا ٹائم شیڈول ہے۔ کوئی اس میں خلل ڈالے تو مجھے برا لگتا ہے۔"

50 "زندگی کب بری لگتی ہے؟"
"کبھی بھی نہیں۔۔۔ زندگی بہت خوب صورت چیز ہے۔۔۔ یہ دنیا بہت خوب صورت ہے زندگی کو انجوائے کر کے گزارنا چاہیے۔"

51 "کبھی برا وقت گزارا؟"
"ہاں۔۔۔ جی جب میرے ڈیڈی بیمار تھے۔"

52 "بوریت دور کرتی ہوں؟"
"بور ہونے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ ہر وقت مصروف ہی رہتی ہوں۔"

53 "کہاں بار بار کھانے کے لیے جاتی ہوں؟"
"جس جگہ کا کھانا اچھا لگے وہاں بار بار جاتی ہوں۔"

54 "میری فیوچر پلاننگ؟"
"میں ایک اچھا سا بیوٹی سیلون بنانا چاہتی ہوں۔"

55 "میں کیا اچھا پکا لیتی ہوں؟"
"چائنیز اور اسٹیک۔"

56 "مجھے ڈر لگتا ہے؟"
"چھپکلی سے۔"

57 "پسندیدہ پروفیشن؟"
"یہی جس میں میں ہوں۔"

58 "میری کس بات کی تعریف لوگ کرتے ہیں؟"
"کہ نازیہ ملک بہت تمیزدار لڑکی ہے اور سب سے مختلف کام کر رہی ہے۔"

59 "پاور میں آکر؟"
"ٹیکس چوروں کو سزا اور قوانین پر پابندی کرواؤں گی۔"

60 "اپنے بارے میں ایک لفظ یا جملہ؟"
"میں ایک محبت کرنے والی شخصیت ہوں یا انسان ہوں' ایک بے ضرر انسان۔"

☼ ☼

آواز کی دنیا سے

عدیل اظہر

شاہین رشید

انسان اور ریڈیو دونوں کا "چولی دامن" کا ساتھ ہے۔ دنیا کتنی ہی ترقی کر جائے ریڈیو کی اہمیت کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ ٹی وی چینلز کی طرح اب ایف ایم ریڈیو کی تعداد بھی کافی ہو گئی ہے اور اب تو ٹی وی چینلز والوں نے بھی اپنے ایف ایم ریڈیو چینل کھول لیے ہیں۔

★ "کیا حال ہیں عدیل اظہر؟"

✱ "الحمد للہ..... آپ کیسی ہیں۔"

★ "بالکل ٹھیک ٹھاک.... آج کل "ایف ایم سما" میں سنائی دے رہے ہیں.... ایف ایم اپنا کراچی 107 چھوڑ دیا کیا؟"

✱ "جی 2013ء میں ہی میں نے ایف ایم 107 کو چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ میری خواہش تھی کہ میں کسی بڑی نیٹ ورک کے لیے کام کروں اور میری آواز ہر جگہ سنی جائے۔ چنانچہ اس کے لیے مجھے "سما" سے بہتر کوئی ایف ایم نظر نہیں آیا۔ اور ایف ایم سما 107.4 ایک بڑا نیٹ ورک ہے جو کراچی، لاہور، اسلام آباد، پشاور، سیالکوٹ، بہاولپور اور اردگرد کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں سنا جاتا ہے۔"

★ "آپ کی لسنر شپ Listenership پہلے
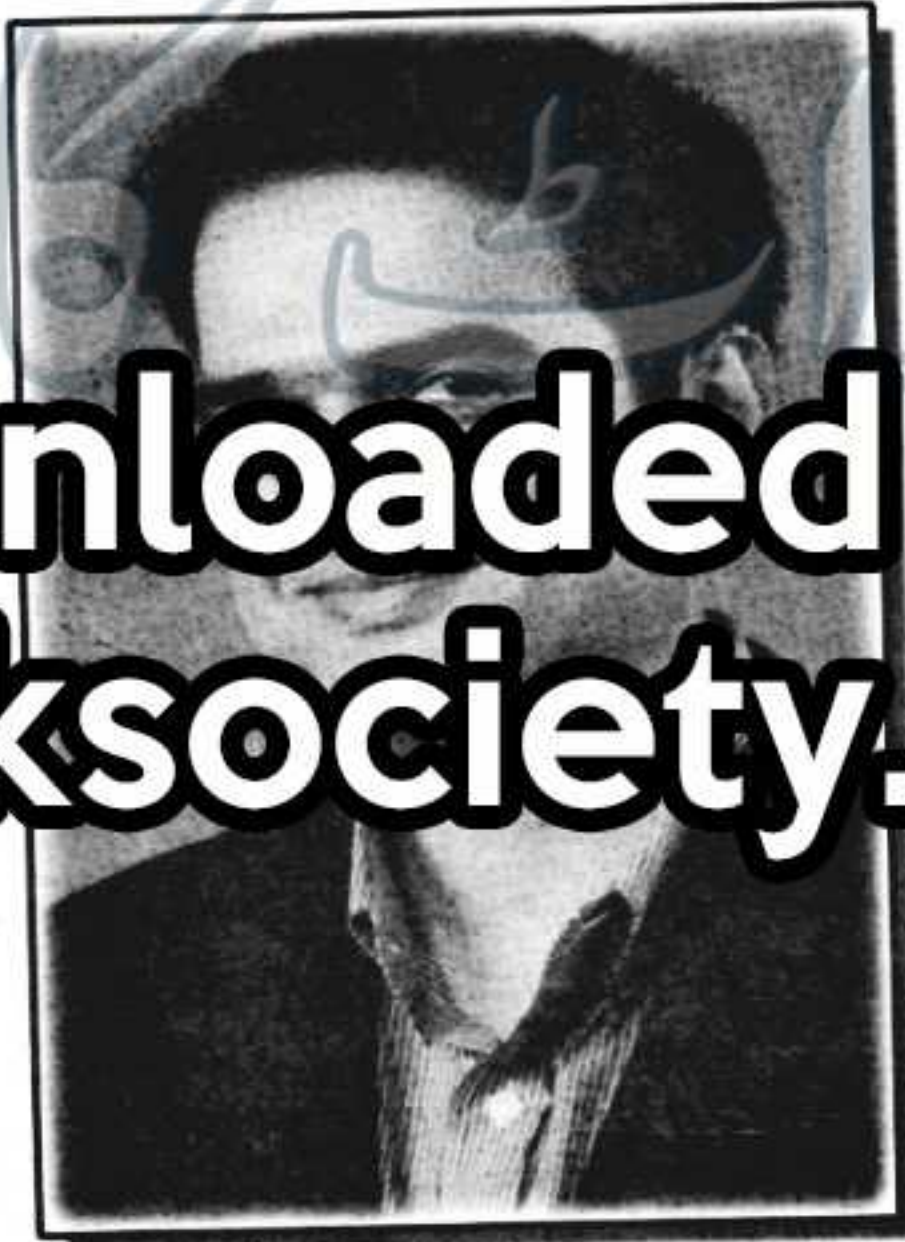
جیسی ہے؟"

* "الحمد للہ... بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوا ہے کیونکہ ہم بہت سے شہروں میں سنے جاتے ہیں' لوگ اچھا فیڈ بیک دیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ سامعین کی کافی بڑی تعداد ہمیں سنتی ہے۔"

★ "ابھی بھی صبح کے وقت آپ کا پروگرام ہوتا ہے؟"

* "جی... Samaa Rise کے نام پروگرام ہوتا ہے۔ صبح 7 بجے سے 9 بجے تک... اور یہ ڈرائیونگ ٹائم اور آفس جانے کا ٹائم ہوتا ہے تو لوگ ریلیکس موڈ میں انجوائے کرتے ہوئے جاتے ہیں۔"

★ "بہت خوب... اور جاب کی کیا صورت حال ہے؟"

* "جاب کی صورت حال یہ ہے کہ ایک میں جاب

پروگرام کو انجوائے کرتے ہیں اور جلدی جلدی اپنے کام بھی کرتی جاتی ہیں۔ کیونکہ میں اپنی باتوں سے اور سریلے نغمات سے ان کو انٹرٹینڈ کر رہا ہوتا ہوں... اور رات کو میں کتنی ہی دیر سے کیوں نہ سوؤں' سامعین کی محبت اور میرا ریڈیو کا جنون مجھے صبح جلدی اٹھا دیتا ہے۔"

★ "صبح کا ٹائم آپ نے جاب کی وجہ سے لیا۔ یا صبح جلدی اٹھنے کی عادت کی وجہ سے؟"

* "دونوں وجوہات سے... جاب کی وجہ سے میرے پاس اور کوئی ٹائم نہیں ہوتا... اور مجھے صبح اٹھنے کی عادت ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر میں سوتا نہیں ہوں بلکہ ریڈیو اور جاب پہ جانے کی تیاری کرتا ہوں۔ اس طرح

کرتا تھا جو کہ میں نے گزشتہ سال چھوڑ دی۔ اور اب میں TCS میں سینئر پوسٹ پہ ہوں۔"

★ "جاب گھر چلانے کے لیے اور ریڈیو اپنا پر سامعین کا دل بہلانے کے لیے... ایسا ہی ہے نا؟"

* "جی... بالکل ایسا ہی ہے مجھے اندازہ ہے کہ صبح کے وقت آفس جانے والے لوگ' گھر میں مردوں اور بچوں کو ناشتا بنا کر دینے والی خواتین... سب میرے
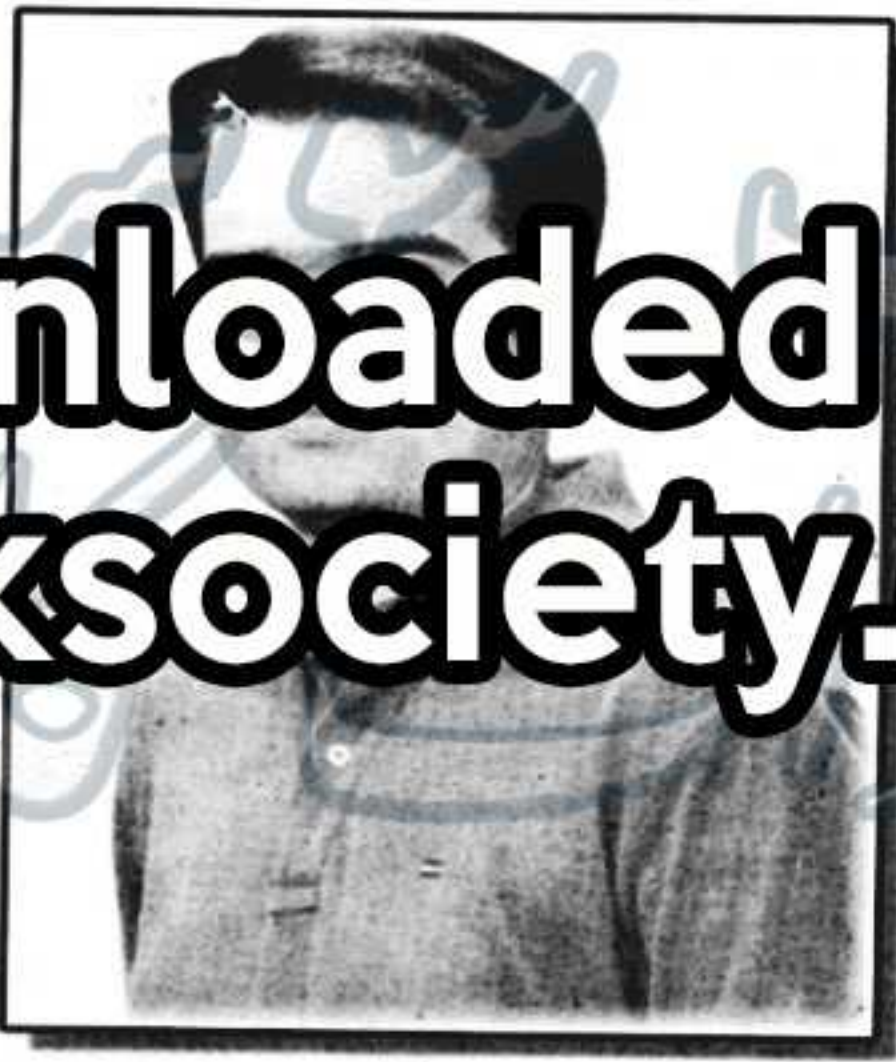
فیملی لائف ڈسٹرب بھی نہیں ہوتی اور فیملی کے ساتھ وقت گزارنے کا بھی کافی ٹائم مل جاتا ہے... اور میرے پروگرام کی جو ٹائمنگ ہے اس میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ پروگرام سن رہے ہوتے ہیں۔ تو مجھے ہر عمر کے لوگوں کا اور ہر فیلڈ کے لوگوں کا خیال ذہن میں رکھ کر پروگرام تیار کرنا ہوتا ہے۔"

★ "ریڈیو پہ کیا کشش آپ کو لے کر آئی؟"

٭ "کشش... کوئی کشش لے کر نہیں آئی... کشش تو بعد میں پیدا ہوئی... ہاں ریڈیو کتنا مقبول ہے اس کا احساس مجھے بہت تھا میں بینک میں جاب کرتا تھا اور ہمیں اپنے بینک کے کریڈٹ کارڈز لانچ کرنے تھے اور اس کے لیے ہم اپنی "ایڈ کمپین" بنا رہے تھے اور اس کام کے لیے ہم نے اپنی ایڈ کمپنی سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ آپ ایف ایم 107 جائیں وہ آپ کو ریکارڈنگ کی سہولت دے گا اور مہنگا بھی نہیں پڑے گا... میں وہاں گیا... مارکیٹنگ لیڈ کے ساتھ ایڈ ڈسکس کیا... اور اپنے پوائنٹس دیے' شام کو آفس سے آف ہونے کے بعد ایف ایم کے آفس گیا جہاں

... پسند کیا گیا اور بات آئی گئی ہو گئی... کچھ دن کے بعد "مہدی رضا" کا فون آیا کہ آپ ہمارے ایف ایم پہ پروگرام کرنا پسند کریں گے؟... کیونکہ مجھے آپ میں ایک بہت اچھا آر جے نظر آرہا ہے... میں نے یس کہا... اور یہ بات ہے 2005ء کی ہے... 2013ء تک اس اسٹیشن سے کام کیا اور اب گزشتہ ساڑھے تین سال سے "سما" میں ہوں۔"

★ "جب لوگوں کے محبت بھرے فیڈ بیک ملتے ہیں تو کیسا محسوس کرتے ہیں آپ؟"

٭ "بہت اچھا لگتا ہے... بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے اپنی تعریف سن کر اپنے پروگرام کی تعریف سن کر...

سی او مہدی رضا صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا کہ آپ کے ایڈ کے لیے ہم نے یہ کاپی لکھی ہے... مجھے کاپی کوئی خاص اچھی نہ لگی' میں نے کچھ ترامیم کے ساتھ انہیں کاپی پڑھ کر سنائی اور کہا کہ اب آپ اسے پڑھ کر سنائیں... تو وہ مسکرائے اور بولے کہ آپ تو خود بہت اچھا بول لیتے ہیں... آپ اپنی ہی آواز میں اس ایڈ کو ریکارڈ کروالیں... سو ایڈ بنا... چلا

اور اس حوصلہ افزائی سے مزید پروگرام کو اچھا کرنے کی طاقت آجاتی ہے۔"

★ "لوگ آپ سے ملتے ہیں آپ کی تعریف کرتے ہیں... کبھی آپ کی عدم موجودگی میں بھی ایسا فیڈ بیک ملا کہ آپ کو اندازہ ہوا ہو کہ آپ واقعی بہت مقبول ہیں؟"

٭ "میرے پروگرام کی مقبولیت کا اندازہ مجھے اس

طرح بھی ہوتا ہے کہ میرے پروگرام کو کمرشلز سب سے زیادہ ملتے ہیں۔۔۔ اور مجھے بتایا جاتا ہے کہ ایڈور ٹائزرز کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے کمرشل "عدیل اظہر" کے پروگرام میں آن ایئر ہوں۔ تو اس سے بڑھ کر فیڈ بیک کیا ہوگا۔"

★ "فیس بک پہ بھی آپ کے بہت فینز دیکھے ہیں میں نے؟"

✽ "یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ میں سامعین میں اتنا مقبول ہوں۔ اور میں جب دیگر آر جے ز سے اپنا موازنہ کرتا ہوں تب بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مجھے لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ میٹنگز ہوں، تقریبات ہوں۔ کوئی گیدرنگ ہو۔۔۔ اپنے بارے میں پسندیدگی کے جذبات ملتے رہتے ہیں۔"

★ "کوئی خاص بات آپ کے پروگرام کی جو لوگوں کو متوجہ کرتی ہو آپ کی طرف؟"

✽ "بالکل ہے۔۔۔ میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ جن سامعین کو گانے سننے کا شوق ہے وہ کسی دوسرے ایف ایم کا انتخاب کریں لیکن اگر آپ کو خبریں سننی ہیں کوئی اچھی بات سننی ہے اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ آفس جاتے وقت ،کالج جاتے وقت یا کہیں بھی جاتے وقت کچھ اچھی بات سن کر اور سیکھ کر جائیں تو پھر میرا پروگرام سنیئے۔۔۔ میرا پروگرام وہی لوگ سنتے ہیں جنہیں کچھ نئے موضوعات پر بات سننا پسند ہوتا ہے یا اچھی بات ذہن نشین کرنے کا شوق ہوتا ہے۔۔۔ یا معلومات حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے۔"

★ "آپ ٹی وی پہ بھی کافی ایکٹو تھے۔ خاص طور پر اسپورٹس پروگرام کے لیے۔۔۔ اب نظر نہیں آتے۔۔۔؟"

✽ "فی الحال ٹی وی نہیں کر رہا۔۔۔ کیونکہ ٹائم ہی نہیں ہے میرے پاس ٹی وی پہ کام کرنے کا۔"

★ "عدیل مزید سوالات بعد میں پہلے اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

✽ "جی۔۔۔ بالکل۔۔۔ 2 اگست 1980ء میرا جنم دن اور جنم سال ہے۔ والدین کا تعلق انڈیا سے ہے اور الہ آباد کی پیدائش ہے۔۔۔ ننھیال کا تعلق میرٹھ انڈیا سے ہے۔۔۔ مادری زبان ہماری اردو ہے میرے والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے ہجرت کر کے آئے تو لیاقت آباد میں قیام پذیر ہوئے۔۔۔ پھر پھر ناظم آباد آباد ہوا تو وہاں رہے۔ پھر نارتھ ناظم آباد۔۔۔ اور میری پیدائش نارتھ ناظم آباد میں ہوئی۔ اس لیے مجھے صرف اگر سکون ملتا ہے تو نارتھ ناظم آباد میں ہی ملتا ہے۔۔۔ میرے والد صاحب ہمارے لیے ایک گھنا درخت تھے۔"

★ "کیا کرتے تھے آپ کے والد صاحب؟"

✽ "والد صاحب فلائٹ سروس سے وابستہ تھے۔ کافی عرصہ پی آئی اے میں کام کیا اور انہی کی وجہ سے ہم نے آدھی دنیا بھی دیکھی۔۔۔ والد صاحب بہت قابل انسان تھے ان کے پاس معلومات کا خزانہ تھا۔۔۔ اور جو معلومات آج میرے پاس ہیں وہ سب والد صاحب کی دی ہوئی ہیں۔۔۔ میری والدہ ہاؤس وائف ہیں۔"

★ "بہن بھائی آپ کے؟"

✽ "جی۔۔۔ دو بہنیں ہیں ماشاء اللہ۔۔۔ دونوں شادی شدہ ہیں۔۔۔ ایک کینیڈا اور ایک سعودی عرب میں ہیں۔"

★ "اور آپ کی شادی؟ اور تعلیم؟"

✽ "جی الحمدللہ میری بھی شادی جنوری 2006ء میں ہوئی اور میری پسند سے ہوئی۔ بیگم کا نام نسیمہ۔۔۔ اور ماشاء اللہ سے میرے دو بیٹے ہیں "احمد" 10 سال کا ہے اور احیان Ahyaan 3 سال کا ہے۔ اور بہت اچھی لائف گزر رہی ہے ہماری۔۔۔ اور ہاں آپ نے تعلیم کے بارے میں پوچھا ہے تو آئی بی اے سے میں نے "بی بی اے آنرز" اور "ایم بی اے" کیا ہے۔ دسمبر 2002ء میں الحمدللہ میں اپنی تعلیم سے فارغ ہو گیا تھا۔"

★ "کمبائن پروگرام کرنے میں ایزی فیل کرتے ہیں یا

سولو؟"

* "مجھے تو دونوں طرح سے پروگرام کرنا اچھا لگتا ہے۔ بس کمبائن کے لیے ضروری ہے کہ جس کے ساتھ آپ پروگرام کر رہے ہیں اس کے ساتھ آپ کی کیمسٹری ملنی چاہیے۔۔۔ ورنہ پروگرام کرنے کا مزا نہیں آتا۔"

★ "موڈ پروگراموں پر کتنا اثر انداز ہوتا ہے؟"

* "موڈ اثر انداز ہوتا ہے اکثر لوگوں کا۔۔۔ مگر میں اپنے موڈ کو اپنے پروگراموں پر حاوی نہیں ہوتا۔۔۔ خوشگوار موڈ سے پروگرام مزید اچھا ہو جاتا ہے۔۔۔ مگر خراب موڈ کو بالائے طاق رکھ کر پروگرام کرتا ہوں کہ موڈ میرا خراب ہے سامعین کا اس میں کیا قصور ہے۔ جب میں شو کر رہا ہوتا ہوں تو صرف میں ہوتا ہوں۔۔۔ کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔"

★ "پھر بھی۔۔۔ آخر انسان کے بھی کچھ جذبات ہوتے ہیں؟"

* "بالکل ہوتے ہیں۔۔۔ دیکھیں میں سمجھتا ہوں کہ اس دنیا میں دو ہستیاں ایسی ہیں کہ جن کے موڈ خراب ہیں یا جن سے آپ کی لڑائی ہوتی ہے تو آپ کی پرفارمنس پر اثر پڑے گا۔۔۔ اور وہ دو ہستیاں ایک آپ کی ماں ہوں گی اور ایک آپ کی بیوی اگر ان سے آپ کی لڑائی ہوگی یا ان سے آپ کی ناراضی چل رہی ہوگی تو آپ کی پرفارمنس بھی خراب ہوگی۔۔۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ میں سب کے ساتھ ہیپی لائف گزار رہا ہوں۔"

★ "گھر والوں کو کتنا ٹائم دیتے ہیں؟"

* "جتنا ممکن ہوتا ہے۔۔۔ چھٹی کا دن تو گھر والوں کے ساتھ ہی گزرتا ہے۔۔۔ چھٹی کے دن فیملی کے ساتھ کہیں نہ کہیں گھومنے ضرور جاتے ہیں۔"

★ "ہوٹلنگ کرتے ہیں؟"

* "بالکل جی۔۔۔ ویک اینڈ پر گھر سے باہر ہی کھانا کھانے جاتے ہیں بچوں کو ڈریم لینڈ بھی لے جاتا ہوں

۔۔۔ البتہ سنڈے کو میرا دل چاہتا ہے کہ میں گھر پر رہوں اور آرام کروں۔۔۔ کیونکہ پورا ہفتہ کام کرنے کے بعد آرام کرنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ مگر بچوں کی خاطر گھر سے نکلنا پڑتا ہے۔"

★ "طبیعت کے نرم ہیں یا گرم؟"

* "اگر اپنا تجزیہ خود کروں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں ٹھنڈے مزاج کا انسان ہوں۔۔۔ غصہ کم آتا ہے اور اگر کبھی آ بھی جائے تو جلدی اتر جاتا ہے۔"

★ "ٹینشن کا شکار ہوئے؟"

* "ٹینشن کا شکار تو ہر فرد ہوتا ہے۔۔۔ مگر مجھے پریشر لینا اور ٹینس ہونا آتا ہی نہیں ہے۔ میں زیادہ تر ریلیکس موڈ میں رہتا ہوں کیونکہ مجھے اپنے رب پر بھروسا ہے کہ جو پریشانیاں دیتا ہے وہ انہیں دور بھی کرتا ہے۔"

★ "آپ نے بتایا کہ آپ اب ٹی وی پروگرام نہیں کر رہے تو کیا آئندہ بھی کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟"

* "نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔۔ ان شاء اللہ موقعہ ملا اور ٹائم بھی ملا تو ضرور کام کروں گا۔"

★ "اتنا کام کیا اور کرتے بھی ہیں کبھی کوئی ایوارڈ بھی ملا آپ کو؟"

* "جی بالکل ملا۔۔۔ میں نے پاکستان میڈیا ایوارڈ ون کیا ہے۔ سامعین کے ووٹ سے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ عوام کے ووٹ سے۔"

گڈ۔۔۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے عدیل اظہر سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ٹائم دیا۔

✿ ✿

مقابل ہے آئینہ

صائمہ مشتاق

ادارہ

☆ "آپ کا پورا نام گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

○ "میرا پورا نام صائمہ مشتاق ہے۔ گھر والے صائمہ ہی پکارتے ہیں۔"

☆ "آئینے نے آپ سے یا آپ نے کبھی آئینے سے کچھ کہا؟"

○ "ہاں میں آئینے سے پورے دن کی باتیں کرتی ہوں اور وہ خاموشی سے سنتا رہتا ہے۔"

☆ "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

○ "میری فیملی میرے پھوپھو کے بیٹے رومان اور میری دوست کزن اقراء اور افراء اینڈ سوئٹ سی پھوپھو شگفتہ ان کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔"

☆ "اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

○ "میری زندگی کا دشوار لمحہ وہ تھا۔ جب میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی سب یہ ہی سمجھتے تھے کہ میرا قصور ہے۔ یہ اگست 2009ء کی بات ہے۔ وہ لمحات میں کبھی بھی نہیں بھول سکتی۔ میری پیاری امی جان میرے ساتھ تھیں۔ جنہوں نے مجھے زندگی کے بارے میں جینا سکھایا' ورنہ اس واقعے کے بعد شاید اگر میری ماں نہ ہوتیں تو شاید میں بھی زندہ نہ ہوتی۔"

☆ "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

○ "پھولوں کی طرح نرم اور پانی کی طرح شفاف۔"

☆ "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟"

○ "اپنی بوتیک بناؤں اور بہت سارا پڑھوں۔"

☆ "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور کیا؟"

○ "خواتین میں میرا لیٹر شائع ہوا ستمبر 2015ء میں میری ہے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

☆ "آپ اپنے گزرے کل' آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

○ "گزرے ہوئے کل کی بات ہے تو نٹ کھٹ آج بہت دشوار اور کل پوری امید۔"

☆ "اپنے آپ کو بیان کریں؟"

○ "نرم دل حساس ہر کسی کی بڑی سے بڑی غلطی معاف کر دینے والی۔"

☆ "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟"

○ "نہیں ابھی تک تو کوئی بھی نہیں۔"

☆ "آپ کی کمزوری اور آپ کی طاقت کیا ہے؟"

○ "میری کمزوری خوب صورت آنکھیں میری ماں کے دکھ اور میری امی جان ابو اور میرے شوہر مزمل میری طاقت ہیں۔"

☆ "آپ کے نزدیک دولت کیا ہے؟"

○ "کچھ بھی نہیں بس ایک اچھا سا گھر جس میں امن سکون ہو۔"

☆ "آپ خوش گوار لمحات کس طرح مناتی ہیں؟"

○ "میری زندگی میں خوش گوار لمحات بہت کم آئے لیکن جو آئے وہ اپنی پھوپھو شگفتہ کزن اقراء اور اپنی آپی افراء کے ساتھ مناتی ہوں۔"

☆ گھر آپ کی نظر میں؟

○ "محفوظ پناہ گاہ۔"

☆ "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کردیتی ہیں؟"

○ "ہاں میں ہر کسی کی غلطی معاف کردیتی ہوں۔ کبھی دل میں ملال نہیں رکھتی۔"

☆ "اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟"

○ "جب میں 8th کلاس میں تھی۔ تو ابو نے اسکول چھڑوا دیا تھا۔ لیکن اپنی پھوپھو شگفتہ کو دیکھا تو احساس ہوا اگر وہ خود گھر بیٹھ کر پڑھ سکتی ہیں تو میں کیوں نہیں انہوں نے مجھے حوصلہ دیا اور میری پڑھائی میں میری مدد کی ان کی وجہ سے اور اپنے شوہر کی وجہ سے میں نے ابھی FA کے امتحانات دیے ہیں۔"

☆ "کامیابی کیا ہے آپ کی نظر میں؟"

○ "سب کو مجھ پر فخر ہو میرے لیے سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

☆ "سائنس نے ہمیں مشینوں کا محتاج کردیا ہے یا واقعی یہ ترقی ہے۔"

○ "جی بالکل یہ ترقی ہے۔"

☆ "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"

○ "میری خواہش یہ ہے کہ پاکستان سے ناخواندگی اور غربت ختم کردو۔"

☆ "برکھات کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

○ "مجھے سردیوں کی بارش بہت پسند ہے۔ پہلے بارش میں نہاتی ہوں پھر گھر میں ہی پکوڑے وغیرہ بنا کر ساتھ ایک عدد رسالہ پڑھتی ہوں۔"

☆ "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتی تو کیا ہوتی؟"

○ "اللہ کا شکر ہے میں جو ہوں ٹھیک ہوں۔"

☆ "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں۔ جب؟"

○ "جب میں نماز پڑھتی ہوں کسی کے کام آتی ہوں۔"

☆ "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

○ "انسان کی صورت سے زیادہ سیرت کا اچھا ہونا متاثر کرتا ہے۔"

☆ "کیا آپ نے زندگی میں وہ سب پالیا جو آپ پانا چاہتی تھیں؟"

○ "کچھ پالیا ہے اور کچھ ابھی رہ گیا ہے۔ ان شاءاللہ مستقبل قریب میں وہ بھی مل جائے گا۔"

☆ "ایک خوبی اور ایک خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"

○ "جلد دوسروں پر بھروسا کرتی ہوں بعد میں مایوسی ہوتی ہے۔ ہر کسی کی غلطی معاف کردیتی ہوں۔"

☆ "کوئی ایسا واقعہ جو آپ کو شرمندہ کرتا ہے؟"

○ "ابھی تک کوئی بھی نہیں۔"

☆ "کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہوجاتی ہے؟"

○ "جی ہاں میں مقابلے کو انجوائے کرتی ہوں۔"

☆ "متاثر کن کتاب، مصنف، مووی؟"

○ "قرآن مجید۔ نمرہ احمد۔ میرا شریف طور سازی گر"

☆ "آپ کا غرور؟"

○ "میرا غرور کچھ بھی نہیں۔"

☆ "کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کردیتی ہے؟"

○ "کوئی بھی نہیں۔"

☆ "آپ کی پسندیدہ شخصیت؟"

○ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔"

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے' مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے' مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا' مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی سے بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یاور علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے' مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنا لیتی ہے جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی حوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات

وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بابر سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا ہے بابر سے ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا۔۔۔(اب آگے پڑھیے)

دسویں قسط

فضا کا پورا بدن پسینے سے شرابور تھا۔ کنپٹیوں پر سے پانی کی باریک دھاری سی بہتی گردن میں گھستی تکیے میں جذب ہو رہی تھی۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتی چھت پر لٹکتے پنکھے کو تکنے لگی۔ پنکھا ہنوز فر فر چل رہا تھا بس ایک پل کا خواب تھا کہ خیال... ابھی تو آنکھ لگی تھی اور اتنا حسین خواب... آن واحد میں لوٹ کر آنکھوں میں کرچیاں بھر گیا تھا۔ وہ بے بسی کی انتہا تھی۔

وہ ایک بار پھر آنکھیں میچ کر پھر اسی سلسلے کو جوڑنا چاہ رہی تھی، مگر بے سود۔ کبھی ٹوٹا ہوا خواب... گم ہو جانے والا خواب... کھو جانے والا خواب لوٹا کرتا ہے۔

"فضا! ایک خواب کے ٹوٹ جانے سے خوابوں کا سلسلہ نہیں ٹوٹ جانا لگی۔ تم اپنے مستقبل کے اور بھی سہانے خواب دیکھ سکتی ہو۔" حوریہ اس سے کہا کرتی تھی۔

"ہاں خوابوں کا سلسلہ نہیں ٹوٹ جاتا، مگر دل تو ٹوٹ جاتا ہے نا۔"

یقین تو ٹوٹ جاتا ہے ناں
زندگی پہلے سی تو نہیں رہتی
گزر تو جاتی ہے مگر زندگی نہیں رہتی

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھوں کی نرم نرم ہتھیلیوں کو دیکھنے لگی جس میں اب بھی بابر کے گرم ہاتھ کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

"کاش... کاش۔ اس کی آنکھ نہ کھلتی۔ وہ یوں ہی اس کے نزدیک کھڑا اسے پکارتا رہتا۔" اس نے تکیے کے نیچے چھپا موبائل نکالا اور ایک امید سے بابر کا نمبر ڈائل کرنے لگی اور دعا کرنے لگی کہ ایک بار فقط ایک بار وہ اس کی کال ریسیو کر لے۔

✡ ✡ ✡

حازم کا فون آیا تھا۔ اس نے حوریہ کو تیار ہونے کو کہا تھا۔

"بس پندرہ منٹ میں آتا ہوں۔ تم ریڈی ہو جاؤ۔ ڈنر باہر جا کر کریں گے۔"

"آپ کے پروگرام بس ایسے ہی اچانک ہوتے ہیں اب میں پھیلاوا لے کر بیٹھی ہوں۔" وہ وارڈ روب کی طرف دیکھنے لگی۔

"اب اتنی جلدی کیسے سمیٹوں گی۔"

"تم رہنے دو۔ نصیبہ کو کہہ دو وہ کر دے گی۔ تم بس خود کو میرے لیے سمیٹ لو۔ فٹافٹ۔" اس کے سمیٹنے کا کہنے پر اسے ہنسی آگئی "سنو میک اپ زیادہ نہیں کرنا تم یوں ہی اچھی لگتی ہو... اور ہاں... وہ بلیک والا سوٹ پہننا جو کل لے کر آیا تھا۔" وہ تاکید کرتے ہوئے بولا۔

"او کے او کے۔ آپ کے فرمائشی پروگرام بند ہوں تو میں تیار ہو جاؤں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"آہ... بہنا شروع ہوتے ہی تم بند باندھنے لگ جاتی ہو۔" حازم نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ "شکر کرو لڑکی کہ یہ ساری ندیاں تمہاری جانب ہی رواں ہیں۔"

"کیا مطلب! کہیں اور بھی ہو سکتی ہیں۔" وہ مصنوعی پن سے چیخی۔

"ہو بھی سکتی ہیں۔"

"خیر اتنا تو مجھے یقین ہے کہ یہ کہیں نہیں جائیں گی۔" وہ دھیمے سروں میں بولی۔

"آہ۔ کاش۔ اس وقت میں تمہارے نزدیک ہوتا ہمیشہ خوب صورت باتیں تم دور ہو کر ہی کرتی ہو۔" وہ جواباً

یوں بولا جیسے حقیقتاً" اسے افسوس ہو رہا ہو اپنے آفس میں بیٹھنے پر۔ حوریہ شرما کر انس دی اور خدا حافظ کہہ کر جلدی سے لائن منقطع کر گئی کہ حازم مزید کچھ نہ کہنے لگ جائے۔

مگر دوسرے لمحے حازم خوب صورت میسجز کرنے لگا۔

"آئی لو مائی وائف شی ڈیزرو اینی تھنگ اینڈ ایوری تھنگ۔" وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ کر میسج پڑھنے لگی۔

اس کے رخسار انوکھی حدت سے تپنے لگے۔ دل کی دھڑکن ہر لفظ سے ہم آہنگ ہو کر دھڑکنے لگی۔ محبت بھی عجیب ہی ٹانک ہے۔ رگ رگ میں توانائی بھر دیتا ہے۔ محبوب کے لفظوں سے عورت کا دل بندھا ہوا ہوتا ہے جیسے دھڑکن، کچھ لفظ واقعی دھڑکن پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ وہ ریپلائی کرنے لگی۔ معاً" دروازے پر کھڑکا ہوا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تو جیسے دل سینے کی دیوار میں دبا تھا۔ بابر دروازے پر کھڑا تھا۔ بلیک جینز اور نیلی ٹی شرٹ میں وہ لمبا چوڑا گویا پورے نقشی دروازے کی فریم میں فٹ ہو گیا تھا۔

"سوری میں سمجھا حازم بھی ہو گا۔ مجھے کام تھا کچھ اس سے۔" وہ اس کے چونکنے اور دوپٹا بیڈ سے اٹھا کر اسے اوڑھتے دیکھ کر ایک لمحہ خود بھی خفیف ہو گیا تھا۔

"کسی کے روم میں آنے سے پہلے دروازے کو ناک کیا جاتا ہے اسے شاید ایٹی کیٹس کہتے ہیں۔"

"میں سوری کر چکا ہوں۔ میں نے کہا نا میں سمجھا حازم ہو گا۔" وہ کہیں سے بھی نادم دکھائی نہ دے رہا تھا۔

"حازم ہوتے تب بھی ناک کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اتنے آداب تو آنے چاہئیں۔" وہ دوپٹے کو اچھی طرح لپیٹ کر رخ موڑتے ہوئے بولی۔

"آج تک تو اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔" وہ تنک سا گیا تھا۔

"آئندہ احتیاط کیجئے گا۔" وہ اس کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی نہ اس کی موجودگی کو مزید لمبا کرنا چاہتی تھی۔ دروازہ بند کرنے کے لیے آگے بڑھی۔

"اتنا خوف ہے تو لاک رکھا کرو۔ یوں بھی قیمتی چیزیں لاکر میں ہی محفوظ رہتی ہیں۔ کھلی پڑی ہوں تو کوئی بھی غضب کر سکتا ہے۔" ایک بھینچی بھینچی سانس بھر کر وہ اسے جائزہ لیتی نظروں سے دیکھنے لگا۔ حوریہ کو یک دم آگ کی لپٹیں اٹھتی محسوس ہوئیں۔ اس نے پلٹ کر اس کی طرف سلگتی نظروں سے دیکھا۔ دل تو چاہا کوئی چیز اٹھا کر اس کے سر پر ہی دے مارے۔

"ہر کوئی غاصب نہیں ہوتا۔ کچھ ہی ہوتے ہیں بدنیت بدباطن اور غاصب۔" باوجود ضبط کے وہ چیخ گئی تھی۔ بابر پلٹتے پلٹتے یک دم ٹھٹک کر ایڑیوں کے بل پلٹا۔ حوریہ کا جملہ اور جتانے والا لہجہ۔ سیدھا اس کے دل پر لگا تھا۔

"دو منٹ بھی نہیں لگیں گے تمہیں بدکردار ثابت کرنے میں۔ حوریہ ڈیئر۔ میری برداشت کا امتحان مت لینا۔ میں معاف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" اس نے اسے دروازہ بند کرنے سے پہلے زور سے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اس کی جانب قدرے جھکا۔

"تم کتنی پارسا اور نیک نام ہو۔ اس کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس۔" پھر زہر خندہ لہجے میں گویا ہوا۔ "فضا جیسی لڑکی کی بیسٹ فرینڈ تھیں تم۔ اس کے ساتھ گھومنا پھرنا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تم میں اور اس میں فرق ہو۔ تم بھی اس کی طرح اپنے جسم۔"

"شٹ اپ۔ آگے ایک لفظ بھی مت بولنا۔ اپنی زبان کو لگام دے دو۔" غصے سے اس کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا۔ بابر کی خوش نما آنکھیں سکڑ کر ایک مسکراہٹ سے بھر گئیں۔ وہ گویا تیر نشانے پر لگا دیکھ کر محظوظ ہوا تھا۔

"نیک نامی کسی کی پیشانی پر لکھی نہیں ہوتی نہ بدکرداری ماتھے پر سجی دکھائی دیتی ہے۔ یہ انسان کے رویوں اور عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔ تم نے اپنا کردار اپنے عمل سے ظاہر کیا ہے۔ میں نے تمہاری بدکرداری تمہاری پیشانی

پر لکھی ہوئی نہیں دیکھی تھی۔ نہ برنا ہے تمہیں اور ہٹ جاؤ دروازے سے۔" وہ شرارے برساتی نگاہ اس پر ڈال کر اپنے تمام اعصاب سنبھال کر دروازہ بند کرنے کے لیے آگے بڑھی۔

"برنا...." بابر اپنی جگہ ڈٹا کھڑا رہا اور یوں ہنسا جیسے کوئی کسی بچے کی بچکانا بات پر ہنستا ہے۔ پھر اپنی مسکراہٹ سمیٹتے ہوئے اس کی طرف ذرا سا جھک کر سرسراتے لہجے میں بولا۔

"ابھی برنا کہاں ہے مجھے تم نے۔" اس کی نگاہوں میں جانے کیا تھا حوریہ سرعت سے نگاہیں جھکا گئی۔ اسے اپنے جسم کا سارا خون چہرے پر دوڑتا محسوس ہوا اور گویا آگ بن کر تپنے لگا۔

"ہیلو ہیلو۔ کیا ہو رہا ہے۔" حازم کی چاپ اور پشت سے ابھرتی آواز پر بابر یک دم سنبھل کر پیچھے ہٹا اور پلٹا تھا۔

"ارے تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" حازم حوریہ کو دیکھ کر بولا۔ حوریہ کچھ کہے بنا پلٹ کر اندر چلی گئی۔

"میں ابھی حوریہ سے تمہارا ہی پوچھنے آیا تھا۔" بابر جلدی سے وضاحت کی۔

"اچھا اندر آجاؤ۔" حازم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خوش دلی سے بولا اور موبائل اور چابی سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا جہاں بابر بدستور کھڑا تھا۔

"نہیں مجھے جانا ہے 'ایکچوئلی میری گاڑی کچھ پرابلم کر رہی ہے' میں نے سوچا تمہاری گاڑی لے جاؤں.... کہیں جانا ہے کیا تمہیں بھی؟" حازم سے نظریں ملنے پر اس نے سوال کیا۔

"ہاں۔ ڈنر پر جا رہے ہیں میں اور حوریہ۔ تم ایسا کرو پاپا کی لے جاؤ۔"

"ہوں ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ او کے۔" وہ ہنسا اور حوریہ پر ایک اچٹتی نگاہ پھینک کر بولا۔ "او کے انجوائے کرو۔" وہ پلٹ کر چلا گیا۔ اس کے جانے پر حوریہ نے شکر ادا کرتے ہوئے ایک بھینچی بھینچی سی سانس کھینچی۔ اور وارڈ روب کی طرف بڑھی مگر اس کے اعصاب پر سخت کبھدگی اور دل گرفتگی طاری تھی۔ سارا موڈ غارت ہو کر رہ گیا تھا۔

"ہاں تو جناب.... کیا پروگرام ہے....!" حازم کے ہاتھوں کا گرم گرم لمس اپنے کندھوں پر محسوس کر کے وہ جلدی سے خود کو اس مضمحل سی کیفیت سے نکالتے ہوئے زبردستی مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

عباد گیلانی لابی میں بیٹھے ہوئے تھے جب بابر بے زار سا اندر داخل ہوا تھا۔ امیر علی نے عباد گیلانی اور عاظمہ کو چائے سرو کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"چائے پئیں گے آپ چھوٹے صاحب۔"

"چائے کا ٹائم ہے تو چائے ہی پیوں گا۔ کچھ اور تو پینے سے رہا۔" وہ جواباً بدتمیزی سے بولا اور صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ امیر علی خاموشی سے پلٹ گیا۔

"کہاں سے آ رہے ہو۔" عاظمہ نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔

"آیا نہیں ہوں۔ فی الحال جانے کا پروگرام ہے۔"

"گھر پر تھے تم۔" عاظمہ نے چونک کر دیکھا پھر منہ بناتے ہوئے بولیں۔ "گھر میں ہوتے ہوئے بھی تم دکھائی نہیں دیتے۔" ریموٹ اٹھاتے ہوئے انہوں بابر کو گھورا۔

"سلطانی ٹوپی پہن لیتا ہوں۔ تاکہ کسی کو نظر نہ آؤں۔"

"کم آن۔" عاظمہ نے چڑ کر اسے گھورا۔ "کبھی سیدھا جواب بھی ہوتا ہے تمہارے پاس۔"

"مما.... اگر آپ کو دکھائی نہیں دیتا تو اس میں قصور میرا نہیں 'آپ کی آنکھوں کا ہے۔"

"اچھا بحث نہیں کرو۔ بے کار میں مت الجھا کرو عاظمہ۔" عباد گیلانی نے ترشی سے اسے ٹوک دیا۔ پھر بابر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔

"تمہاری لاپروائیاں کچھ بڑھ سی گئی ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو حازم شادی کے بعد تھوڑا بزی ہو گیا ہے میں چاہتا ہوں تم آفس ریگولر جایا کرو۔ اسے ذرا ریسٹ مل جایا کرے۔ یوں بھی میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ میرے بعد تم دونوں کو ہی سنبھالنا ہے اور حازم سے تو مجھے امید ہے ہی' مگر تمہاری طرف سے میں پریشان رہتا ہوں۔" وہ فکر مندی سے کہہ رہے تھے' وہی فکر مندی ان کے چہرے سے بھی عیاں تھی۔ بابر نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔ وہ موبائل میں مصروف ہنسی ان سنی کر گیا۔

"میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ۔ اب اس کی بھی شادی کر دوں۔۔۔ خود ہی ذمہ دار ہو جائے گا۔" عاظمہ نے کہا تو بابر نے صوفے کی پشت پر نیم دراز لیٹے لیٹے ابرو اچکا کر ان کی طرف دیکھا۔ "کیا خیال ہے عباد!" جواباً" عباد گیلانی ہنکارا بھر کر رہ گئے۔ ان کی نظریں بابر پر مرکوز تھیں اس کا متکبرانہ انداز۔ لاپروائی' بے اعتنائیاں انہیں تشویش میں مبتلا کر رہی تھیں۔ بابر کی یہ غیر ذمہ دارانہ انداز زندگی انہیں اپنے اعصاب پر ضرب کی طرح لگتی تھی۔

عجیب سی بات تھی بابر انہیں اپنی جوانی کا عکس ہی لگا کرتا تھا ویسا ہی تکبرانہ انداز۔ غیر ذمہ دارانہ زندگی' غصہ مگر اب یہ سب بابر میں جب دکھائی دینے لگیں تو انہیں بے حد دکھ سا ہوتا وہ سوچتے رہ جاتے کہ کوئی جادوئی چھڑی ہو ان کے پاس جس کو گھما کر وہ بابر کو یکسر بدل ڈالیں۔

"پاپا۔ آپ جانتے ہیں مما کی تان شادی پر ہی کیوں ٹوٹتی ہے اصل میں انہیں میری نہیں لائبہ کی شادی کی فکر زیادہ ہے۔" چھیڑانے کے انداز میں ہنس کر بولا۔ "وہ مما کی اکلوتی ہی فین ہے۔ سو مما اس پر واری صدقے جاتی ہیں۔"

"فضول ہی بکواس کرنا۔ لائبہ ایک اچھی لڑکی ہے اور میں اسے بہو بنانے کا سوچتی ہوں تو کوئی ایسا غلط بھی نہیں ہے۔ تمہیں تو خواہ مخواہ ہی لائبہ سے الرجی ہے۔"

"آہا۔ اب تو شادی سے بھی الرجک ہو گیا ہوں۔ آپ کی اس لاڈلی بھانجی کی وجہ سے۔" عاظمہ کی پیشانی سلوٹ زدہ ہو گئی۔ انہوں نے کشن اٹھا کر بابر کو دے مارا۔

"تم نان سیریس ہی رہنا۔"

"چلو لائبہ کی چھوڑو۔ تمہاری اپنی کوئی چوائس ہو تو۔۔۔ وہ بتادو۔" عباد نے عاظمہ کو وہاں سے اٹھتے دیکھ کر ایک اچٹتی نگاہ ان پر ڈال کر بابر کو ہلکے سے آنکھ ماری۔ "کیا خیال ہے اگر مناسب لگی تو ہم اوکے کر دیں گے۔" عاظمہ نے پلٹتے پلٹتے ایک ناگوار نگاہ شوہر پر ڈالی۔ بابر اور عباد گیلانی ہنسنے لگے۔ اس پل حوریہ اور حازم اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوئے۔ سیاہ اور سفید نفیس کڑھائی والے شیفون کے کرتے اور وہائٹ ٹراؤزر میں بڑے سے دوپٹے کو سلیقے سے اوڑھے ہوئے حوریہ بے حد خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ ہلکی جیولری اور میک اپ سے ظاہر تھا کہ وہ کہیں جانے کو تیار تھی۔ حازم کی انگلی میں گاڑی کی چابی جھول رہی تھی۔

"فکر نہیں کریں مما۔ میرے جیسا آدمی محبت پر بلیو نہیں کرتا۔" بابر یک دم کچھ سوچ کر بظاہر پلٹ کر جاتی عاظمہ سے کہہ رہا تھا' مگر اس کا ٹارگٹ حوریہ تھی جو اسے دیکھ کر مزید آگے آنے کے بجائے وہیں رک گئی تھی اور اپنا رخ دانستہ عاظمہ کی جانب کر کے ان سے سلام دعا کرنے لگی تھی۔

"بھئی محبت کا کون کہہ رہا ہے ڈائریکٹ شادی کر لو۔" عباد گیلانی اس وقت بابر کو مکمل گھیرنے کے موڈ میں دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی طبیعت بھی کسی حد تک بہتر دکھائی دے رہی تھی۔

"کون ڈائریکٹ شادی کر رہا ہے اور کس سے؟" حازم نزدیک چلا آیا۔

"فی الحال تو کوشش جاری ہے کہ یہ نیک کام ہو جائے۔" عباد مسکرائے۔ پھر حازم پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے بولے۔
"کہیں جا رہے ہو کیا؟"
"جی۔ ڈنر پر۔ ایک فرینڈ کی فیملی نے انوائٹ کیا ہے۔" حازم عباد گیلانی کی طرف متوجہ تھا۔ بابر نے اچٹتی نگاہ حوریہ پر ڈالی ہلکے بھورے بال پشت پر پھیلے ہوئے تھے کسی چمکدار آبشار کی مانند۔
"لگتا ہے آج آپ بابر کو ٹریپ کرنے کے موڈ میں ہیں۔" حازم نے یہ کہتے ہوئے درمیانی میز پر رکھی پلیٹ سے مٹھائی کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا اور بابر پر مسکراتی نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ "آج تو اسے ہرا ہی ڈالیے پاپا۔"
"ایکسکیوز می۔ بابر گیلانی اتنی آسانی سے ٹریپ ہونے والوں میں سے نہیں ہے نا ہی ہارنے والوں میں سے۔"
"اوہو..." حازم نے بھنویں اچکائیں پھر قدرے اس کی طرف جھک کر رازدارانہ انداز میں بولا۔ "کبھی کبھی ہار ماننے میں بھی مزا ہے۔" پھر بھنوؤں کو ہلکی سی جنبش دے کر ہنس دیا۔

مرنے کا مزا ہم سے پوچھیے

اس کی معنی خیز نظریں حوریہ پر اٹھیں۔ پھر ہلکی ہنسی کے ساتھ بولا۔
"اوکے۔ میں چلتا ہوں۔ ایسا نہ ہو ڈنر کے بجائے ہم بریک فاسٹ پر پہنچیں۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر اچٹتی نگاہ پھینک کر آگے بڑھ گیا۔ حوریہ بھی اس کی ہم قدمی میں داخلی دروازے کی جانب بڑھی۔
"مائنڈ اٹ۔ مجھے ہرانے میں زیادہ مزا آتا ہے۔" بابر کی آواز پشت سے ابھری تھی۔ حازم ہنس دیا۔ مگر حوریہ کو لگا یہ انگارہ خاص اس کی جانب پھینکا گیا ہے۔
"یہ بابر بھی بس نا۔ نائی بوائے۔" حازم گلاس ڈور دھکیلتے ہوئے سر کو خفیف سے جنبش دے کر ہنس رہا تھا جب کہ حوریہ اس "نائی بوائے" کے اس انگارے کی تپش دل پر محسوس کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج بتول آپا جو فیملی اور نصیر سمیت فضا کو انگوٹھی پہنانے آئے تھے۔ بتول آپا انگوٹھی کے ہمراہ فضا کے لیے دو جوڑے چپل کی جوڑی۔ چوڑیوں کا بکس اور ایک میک اپ کٹ بھی لائی تھیں۔ کانچ کی جگر جگر کرتی چوڑیوں کا ڈبا تو یوں پیش کر رہی تھیں گویا سونے کے کنگن کا ڈبا ہو۔
"لو۔ اس میں سے اپنی میچنگ کی نکال کر کلائیوں میں ڈال لو۔"
"نہیں بس ٹھیک ہوں۔" اس نے بے زاری سے ان کانچ کی چوڑیوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔
"ارے۔ کلائیاں سونی ہیں۔ پہن لو۔ یہ اچھی لگ رہی ہیں۔" وہ کہتی خود ہی ایک سیٹ نکال کر اس کے آگے رکھنے لگیں۔ سبز اور میرون کنٹراس کے جوڑے میں وہ کرسی پر دوپٹا سر پر ٹکائے مارے باندھے بیٹھی تھی۔ جب کہ جہاں آرا پھولے نہ سما رہی تھیں ان کی باچھیں خوشی سے پھٹی جا رہی تھیں۔ گویا کوئی بڑی مہم سر کر لی ہو۔ اس کے برعکس ابا بڑے سنجیدہ چپ چپ اور قدرے اداس دکھائی دے رہے تھے۔
"ارے کہاں گم ہیں۔ اب داماد کو انگوٹھی پہنا دیجیے۔ آپ بھی۔" جہاں آرا نے انہیں ٹھوکا مارا۔ وہ سٹپٹا کر سر ہلانے لگے اور کرسی سے اٹھ کر نصیر کی جانب بڑھے۔
"لو دیکھو ذرا۔ انگوٹھی لیے بنا ہی بھاگے جا رہے ہیں۔" جہاں آرا کی پکار پر ابا ٹھٹک کر رک گئے۔ پھر قدرے شرمندہ سے ہو کر پلٹ کر جہاں آرا کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
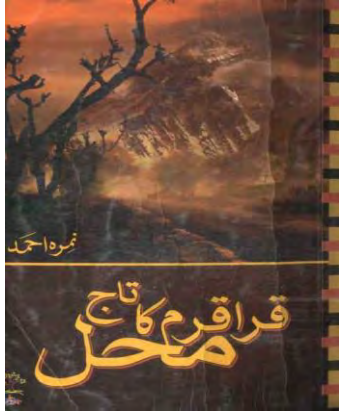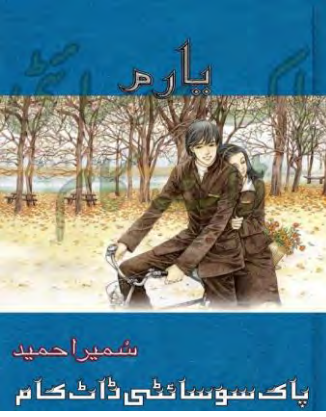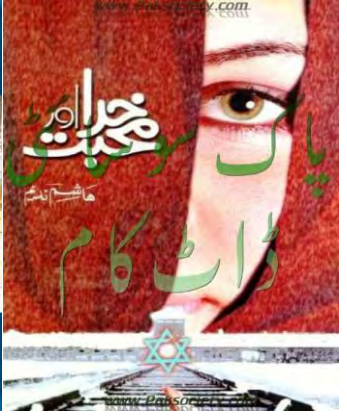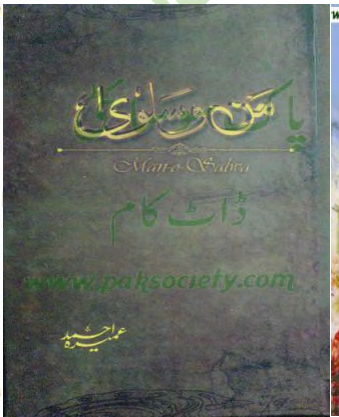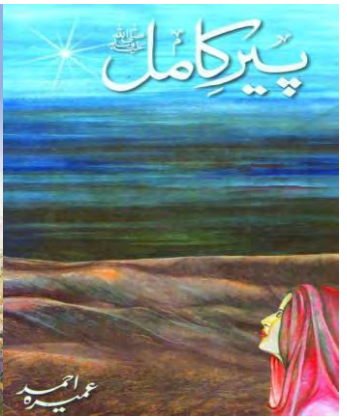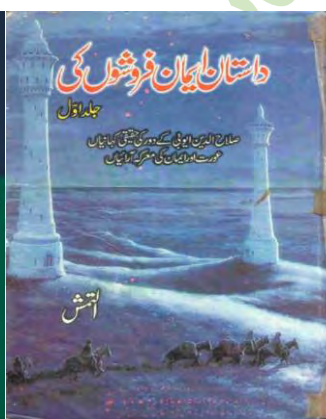
"نانو اتنی خوشی ہے کہ سدھ بدھ ہی کھوئے جا رہے ہیں۔" جہاں آرا ہنسیں۔ "آخر داماد بھی تو ایسا کماؤ پوت مل رہا ہے کیوں آپا۔" جواباً "بتول آپا نے ہلکے سے اس کی چٹکی کاٹ لی۔ اور سرگوشی کی۔

"بڑبڑ کیے جا رہی ہو۔ چپکی بیٹھی رہو۔"

ابا نے نصیر کو انگوٹھی پہنا کر بتول آپا کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سے مٹھائی کا ٹکڑا اٹھا کر نصیر کے منہ میں ڈالا اور دوسرا ٹکڑا فضا کے منہ کی جانب بڑھایا۔ فضا کا دل چاہ رہا تھا وہ زرتار دوپٹا نوچ کر پھینکے اور اٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے۔ ابا کی آنکھوں میں تاسف ہلکورے لے رہا تھا وہ ان نگاہوں سے نظریں نہ ملا پا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ خفا تھے افسردہ اور بے حد دکھی تھے۔ رات کو ابا نے اس سے کہا بھی تھا لجاجت بھرے لہجے میں۔

"سوچ لو فضا ایک بار سوچ لو۔ نصیر تمہارے قابل ہرگز نہیں ہے۔" اور فضا مسہری پر بیٹھی گود میں رکھے ہاتھوں کو گھورتی رہ گئی تھی اور ابا اسے متاسفانہ نظروں سے گھورتے رہ گئے۔

"تو تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے۔ چلو جیسی تمہاری مرضی۔ پر میں تمہارے اس فیصلے سے بہت دکھی ہوا ہوں۔ میں نے تمہارے لیے بڑے اچھے خواب دیکھے تھے۔" وہ ناراض ناراض سے مسہری سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیے تھے مگر اس نے پوری رات یوں ہی بیٹھے بیٹھے گزار دی۔

اور آج کی رات ایسی ہی بھاری تھی۔ مہمانوں کے جانے کے بعد۔ وہ اپنی مسہری پر بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی جب کہ ابا صحن میں بیٹھے بیٹھے سگریٹ پھونکتے رہے۔

✡ ✡ ✡

تنہائی ڈس رہی ہے مجھے
درد کے بادلوں نے گھیرا ہے
لو چراغوں کی تیز تر کر دو
شہر دل میں بڑا اندھیرا ہے

"صاحب۔ صاحب۔" امیر علی ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے انہیں پکار رہا تھا۔ وہ آنکھیں موندے صوفے پر سر ڈالے بہت دیر سے بیٹھے تھے اور شاید پوری رات ہی گزر جاتی وہ یوں ہی بیٹھے رہتے اگر امیر علی نہ پکارتا۔ انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"بہت دیر سے بیٹھے ہیں آپ یہاں پر، تھک جائیں گے۔ کمرے میں لے جاؤں۔" امیر علی کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح اپنائیت کی گرمی تھی۔

"ہاں امیر علی تھک تو بہت گیا ہوں۔ پر یہ تھکن اب اترنے والی نہیں ہے۔ سو عادی ہو گیا ہوں اس تھکن کا۔ مزا آتا ہے اس میں مجھے۔ بہت اچھا لگتا ہے امیر علی۔ یوں ہی آنکھیں موندے، بہت دور تک کا سفر کرتے رہنا۔"

"کیا فائدہ صاحب۔ پھر خالی ہاتھ پلٹ کر آنا۔" امیر علی ان کے نزدیک کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ "کب تک کرتے رہیں گے یہ سفر۔ اب ان راہوں سے باہر نکل آئیے آپ۔" امیر علی کا لہجہ مغموم ہو گیا تھا اس پر افسردگی کا حملہ سا ہوا تھا اس نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا پھر یک دم بلکنے لگا عیاد گیلانی کو اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ امیر علی کے آنسو فضا کو اور زیادہ مضمحل سا کرنے لگے۔ ایسا ہی اضمحلال ان کے دل کی فضا پر بھی پھیلنے لگا۔ وہ بس امیر علی کے کندھے کو ہولے سے تھپک کر رہ گئے۔

"ٹھیک ہی تو کہتا ہے امیر علی۔ جتنا بھی سفر طے کر کے آؤ۔ واپسی تو خالی ہاتھ ہی لوٹنا ہے۔" ایک افسردہ مسکراہٹ ان کے لبوں پر بکھر گئی۔ وہ امیر علی کو تھپکنے لگے۔

"پاگل نہ بنو امیر علی۔ چپ ہو جاؤ۔ اب میں اس عمر میں کوئی نئی شمع تو جلانے سے رہا۔ چلو شاباش چپ ہو جاؤ۔" وہ اپنا لہجہ بشاش بشاش بناتے ہوئے بولے۔

"بے شک نئی شمع نہ جلائیں مگر ماضی کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیں صاحب۔" امیر علی اپنے کندھے پر پڑے رومال سے آنکھیں رگڑنے لگا۔ "صاحب قسم کھا کر کہتا ہوں آپ کی ساری بیماریاں دور ہو جائیں گی۔ آپ بالکل تندرست ہو جائیں گے۔" امیر علی یوں سمجھانے لگا جیسے عباد گیلانی ننھا بچہ ہو۔

"اچھا چلو قسمیں وسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سوچوں پہ کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ اگر ہو جائے تو دنیا کے آدھے مسائل ختم نہ ہو جاتے۔ لاؤ میری کرسی ادھر لا کر دو۔ تم بھی امیر علی، ملکہ جذبات ہو۔"

"صاحب! بادشاہ جذبات" امیر علی بھی ماحول کی اداسی کو کاٹنے کی غرض سے ہی مسکرا دیا تھا، عباد گیلانی بے ساختہ ہنس دیے۔ امیر علی جلدی سے کارپٹ سے اٹھ کر ان کی چیئر گھسیٹ کر ان کے نزدیک لایا اور انہیں تھام کر اس میں بٹھانے لگا۔

"تمہیں کیا پتا امیر علی۔ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ جی رہا ہوں تو صرف ان ہی سوچوں کے سہارے۔ ان ہی یادوں کی وجہ سے۔ جس دن یہ نہ رہیں۔ میں بھی نہ رہوں گا۔"

"خدا نہ کرے صاحب۔" امیر علی جیسے لرز سا گیا۔ "آپ کو پروردگار لمبی عمر دے۔ میری عمر بھی لگا دے۔ ابھی تو آپ کو حازم کے بچے بھی دیکھنے ہیں۔ گود میں کھلانے ہیں۔" ان کی وہیل چیئر چلاتے ہوئے وہ دعائیہ لہجے میں بولا۔ اس کے لہجے میں عباد گیلانی کے لیے پیار بہہ رہا تھا۔

"ارے ہاں امیر علی۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ مجھے تو ابھی دادا بھی بننا ہے۔" وہ سر ہلانے لگے اور شگفتہ سے انداز میں امیر علی کو دیکھا۔ امیر علی نم نم آنکھوں سے مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں ریسٹورنٹ کی راہ داری میں لکڑی کی خوب صورت ریلنگ سے لگ کر کھڑے تھے۔ ان کے سامنے سمندر پھیلا ہوا تھا جس کی دھیمی دھیمی موجیں نیم تاریکی میں چمک رہی تھیں۔ ریسٹورنٹ کی بڑی بڑی لائٹیں پانی پر پڑ کر اسے اور بھی خوش نما بنا رہی تھیں۔

"آپ نے کبھی سمندر کو غور سے دیکھا ہے حازم۔" حوریہ ریلنگ پر ہاتھ ٹکائے پانی کی چمکتی سطح پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ حازم نے ہاتھ میں پکڑے چائے کے مگ سے بڑا سا گھونٹ بھرا اور سر نفی میں ہلا دیا۔

"کبھی اتنے غور سے نہیں۔" پھر اس کے نزدیک آکر کھڑا ہو گیا اور سمندر کو ایک نظر دیکھا۔ "شاید سمندر میری کمزوری نہیں ہے۔"

"ہوں۔ ہونا بھی نہیں چاہیے۔" اس نے خفیف سی سانس بھر کر نظریں سمندر کی طرف سے ہٹائیں اور حازم کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"دادا ابو کہتے تھے کہ محبت کو کبھی سمندر کی طرح منہ زور... پرشور نہیں ہونا چاہیے۔ جانے کب کون سی لہر بہت اونچائی پر لے جائے مگر پھر کب کوئی لہر اٹھا کر ساحل کی ریت پر پٹخ دے۔"

"تو پھر محبت کو کیسے ہونا چاہیے کس طرح کی؟" حازم نے دلچسپی سے پوچھا۔ محبت اس کے لیے کبھی اہم ٹاپک نہیں رہا تھا مگر اب تو ایسا لگتا تھا محبت ہی اور اسی کا ٹاپک اس کے لیے بے حد اہم ہو کر رہ گیا تھا۔

"میرا تو خیال ہے محبت کو سمندر کی طرح پرجوش لہروں کی مانند ہیجان خیز اور جارحانہ ہونا چاہیے۔" حازم کی نظریں اس کے خوب صورت چہرے پر جم گئیں۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔ حوریہ نے اپنا ہوا کے زور سے پھڑپھڑاتا

دوپٹا سمیٹ کر اس کی طرف دیکھا۔
"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا' مگر انہوں نے سچ ہی کہا کہ لہر تو جتنی بھی بظاہر اونچی' مضبوط اور طاقت ور دکھائی دیتی ہے ساحل پر بکھر کر اپنا وجود کھو دے گی۔ محبت کو تو ندی کی طرح عمر بھر دھیرے دھیرے بہتے رہنا چاہیے۔ بے آواز راستہ بناتے ہوئے۔ پہاڑوں کا سینہ چیر کر بھی آگے بڑھتی رہتی ہے۔ جسے دیکھ کر ٹھنڈک اور سیرابی کا احساس ہوتا ہے۔ ایسی محبت نہ سوکھتی ہے نہ بکھر کر ٹوٹتی ہے۔"
"تو تمہارا خیال ہے میری طوفانی محبت کی لہر کسی دن ساحل پر دم توڑ دے گی۔" وہ اسے چھیڑنے کی غرض سے بولا۔ حوریہ لرز کر رہ گئی۔
"خدا نہ کرے حازم... یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ!" اس کے اعصاب پر حازم کا یہ جملہ بہت بھاری لگا تھا۔
"آئندہ سے ایسی بات نہ کیجیے گا۔ میں تو ایسے ہی ایک بات یاد آگئی تو کہہ رہی تھی۔" وہ ریلنگ سے ہٹ کر صوفوں کی جانب چلی آئی۔ پھر موبائل پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔ خاصی دیر ہوگئی ہے۔"
"او کے۔" حازم بھی ٹیبل پر آیا اور جیب سے والٹ نکالنے لگا بل پے کرنے کے لیے۔ وہ دونوں گاڑی میں آکر بیٹھے تو حوریہ بے حد خوش تھی ایک عجیب سی سرشاری اس کے اندر اتری ہوئی تھی۔ اس نے رخ موڑ کر حازم کو دیکھا۔ سفید شلوار سوٹ میں ملبوس آستین کہنی تک فولڈ کیے ہوئے ڈرائیونگ کرتے ہوئے۔ اسے وہ ایسا مضبوط اور بھرپور چھاؤں دیتے درخت کی مانند محسوس ہو رہا تھا جس کے نیچے وہ بے فکر اور بے خوف ہو کر ستا رہی ہو۔
"ویسے نانو کی کمپنی نے تمہیں اچھا خاصا فلاسفر بنا دیا ہے۔ کبھی کبھی مما بھی اسی طرح کی باتیں کرتی ہیں۔" حازم نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس پر نگاہ ڈالی۔ جو بڑی محویت سے اسی کو تکے جا رہی تھی۔ حازم کے لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ بکھر آئی۔
"نظر لگانے کا ارادہ تو نہیں ہے۔"
"اپنی چیز پر نظر لگانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ جلدی سے نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے بولی۔
"اپنی چیز پر جب بہت زیادہ پیار آ رہا ہو تو اپنی ہی نظر لگ جاتی ہے۔" حوریہ اس کے جملے پر محظوظ ہو کر ہنس دی۔ اور کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھنے لگی۔
"خیر۔ اب میں نے یہ بھی نہیں کہا کہ مجھے دیکھنا ہی چھوڑ دو۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "تم مجھے اتنے ہی پیار سے دیکھ سکتی ہو۔"
"آپ گاڑی چلانے پر دھیان دیجیے مسٹر۔" وہ شرمائی' اسی پل حازم کا سیل فون بجنے لگا۔ دوسری طرف امیر علی تھا۔
"آپ کب تک آ رہے ہیں حازم بابا۔" امیر علی کے لہجے میں تشویش تھی۔
"آ رہا ہوں۔ خیریت تو ہے نا۔"
"جی۔ وہ۔ صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی ہے مجھے تو۔"
"اوہ! میں آ رہا ہوں۔ تم ان کا خیال رکھو بس میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ حازم نے فون بند کر دیا... اس کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔
"امیر علی تھا پاپا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ حوریہ کی اٹھنے والی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں بتانے لگا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

✲ ✲ ✲

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی آنکھ لگی ہے۔" حازم پہنچا تو امیر علی عباد گیلانی کی کنڈیشن بتانے لگا۔ حازم ان کے روم میں آیا پھر انہیں سوتا دیکھ کر بے آواز قدموں سے باہر آ گیا تھا۔

"میڈیسن تو سب لے چکے ہیں نا۔"

"جی۔ آج صاحب آپ کے جانے کے بعد اس اکیلے لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے بڑی مشکل سے کمرے میں لے کر آیا تھا۔ مجھے کہہ رہے تھے کہ حازم کو مت بتایا کرو میری طبیعت کے بارے میں۔ پر کیا کروں صاحب کیسے نہ بتاؤں۔ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے نا۔ جی کو ہر وقت دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔" امیر علی کے بوڑھے باریش چہرے سے اس کی دل گرفتگی کا اندازہ بخوبی ہو رہا تھا۔

"مما۔ کہاں ہے۔" حازم پلٹتے پلٹتے آن کر پوچھنے لگا۔ امیر علی نے یک دم نظریں جھکا کر فرش پر جما دیں۔

"گھر پر نہیں ہیں وہ۔ میں نے انہیں ہی پہلے فون کیا تھا۔ وہ کسی پارٹی میں تھیں۔ کہہ رہی تھیں انہیں دیر ہو جائے گی۔" امیر علی یہ بتاتے ہوئے جیسے بے چارہ خود ہی چور سا بن گیا۔ حازم فقط ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

اب تو اس طرح کی باتوں پر حازم "تاسف کرنا بھی چھوڑ چکا تھا اس نے اپنی پوری زندگی میں عاظمہ کو کبھی بیوی کے روپ میں نہیں دیکھا تھا۔ ماں تو بہت دور کی بات تھی۔

"آپ جائیں آرام کریں۔ میں صاحب کے روم میں ہی سو جاتا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو آپ کو بلا لوں گا۔" امیر علی اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"تھینک یو امیر علی۔" حازم نے اسے تشکرانہ نظروں سے دیکھا اور اس کے کندھے کو ہلکے سے تھپک کر اپنے روم کی جانب بڑھ گیا۔

میاں بیوی کا کتنا مقدس اور اس زمین کا سب سے خوب صورت اور مضبوط رشتہ کتنا بد صورت اور ناپائیدار سا دکھائی دیتا تھا۔ اسے حقیقتاً کبھی کبھی اپنے ماں باپ کے اس تعلق پر شدید دکھ اور اذیت کا احساس ہوتا تھا۔ مومنہ سے ملنے کے بعد تو یہ احساس اور بڑھ گیا تھا۔

✲ ✲ ✲

مومنہ ایک عرصے بعد اپنا۔۔۔ دھاگوں کا باکس نکال کر بیٹھی تھی اور دوپٹے پر نفیس کڑھائی میں مصروف تھی جب فضا اندر داخل ہوئی اور اسے سلام کیا۔

"ارے فضا تم۔۔۔ آؤ آؤ۔ بڑے عرصے کے بعد شکل دکھائی تم نے۔" وہ تخت پر بکھرے دھاگوں کو سمیٹ کر اس کے بیٹھنے کو جگہ بنانے لگی۔ "حوریہ کیا گئی تم نے بھی آنا ہی چھوڑ دیا۔ آؤ بیٹھو۔" وہ اسے دیکھ کر حقیقتاً "خوش دکھائی دے رہی تھی۔

"آپ کیسی ہیں۔" وہ تخت کے کنارے ٹک گئی۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ اپنی۔ یہ اتنی کمزور کیوں دکھ رہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"جی۔" وہ سر جھکا کر تخت پر پڑے دھاگے کی ریل اٹھانے لگی۔

"ارے آرام سے بیٹھو۔" انہوں نے گاؤ تکیہ اس کی طرف بڑھایا۔

"بس ٹھیک ہوں پھپھو۔" پھر صحن میں طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔ گھر میں بہت سناٹا دکھائی دے رہا ہے۔ حوریہ کے جانے کے بعد ایسا لگ رہا ہے یا گھر کے باقی لوگ نہیں ہیں۔"

"ہاں۔ رقیہ بھابھی اور ابا کسی کی فوتگی میں گئے ہیں۔۔۔ میں اکیلی ہوں۔ ویسے حوریہ کے جانے کے بعد۔ سناٹا تو

ہو گیا ہے ہمارے گھر میں۔" پھر مومنہ سے دھاگا توڑ کر دوپٹا فریم کے ساتھ ہی لپیٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔ "اب تو وہ گیلانی ہاؤس کی رونق ہو گئی ہے۔ خیر تم سناؤ۔ تم تو حوریہ کی شادی میں بھی نہیں آئی تھیں۔"

"بس کچھ ایسا ہی ہے۔ اب تو اپنی بھی خبر نہیں آتی خود کو۔ یوں بے خبر ہو گئی ہوں خود سے۔" وہ دھاگے کی ریل سے کھیلتے ہوئے پھیکے سے انداز میں ہنس دی۔

"خود سے بے خبر ہونے کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔ کوئی بے سبب تو اردگرد سے نہیں کٹ جاتا۔" مومنہ نے دھاگے کی ادھر ادھر بھاگتی ریل پر ہاتھ رکھا۔ فضا سر اٹھا کر بے اختیار ان کی طرف دیکھنے لگی۔ مگر دوسرے پل سرعت سے نظریں چرالیں اسے اپنی آنکھوں کی سطح پر ریت سی چبھتی محسوس ہونے لگی۔ مومنہ کے مہربان ہاتھ کا لمس اپنے کندھے پر محسوس کر کے دل جیسے پگھل کر آنکھوں سے بہہ جانے کو مچل اٹھا..... وہ پلکیں جھپکنے لگی۔

"کبھی کبھی رونے سے دل واقعی ہلکا ہو جاتا ہے۔ نہ رونا کوئی کمال نہیں ہوتا۔ اس لیے رو لو۔" مومنہ نے بڑی نرمی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں کی سطح جھلملا رہی تھی۔ کتنا بوجھ لے کر وہ یہاں تک آئی تھی۔ نہ اتارتی تو مر ہی جاتا تھا اس کی آنکھوں میں جمع ہونے والا پانی یک دم پلکوں کی باڑھ توڑ کر یوں بہہ نکلا گویا کسی دریا کا بند ٹوٹ گیا ہو۔ وہ ان کے کندھے سے آ لگی۔ مومنہ کے مہربان بازو اس کے گرد لپٹ گئے۔

"اچھی بات ہے کہ آنسو بہا دیے جائیں..... مگر تشویش کی بات تو یہ ہے کہ یہ آنسو جمع کیوں ہوئے۔ اس کے پیچھے کیا محرک ہے۔" مومنہ اسے تھپکنے لگی۔

"پھپھو۔ میری منگنی ہو گئی ہے اور اگلے مہینے شادی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ پھر ان کے کندھے سے سر اٹھایا۔

"ارے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ تم رو رہی ہو۔ کس سے۔ جس کو تم پسند کرتی تھیں یا..." مومنہ کے لہجے میں خوش گوار حیرانگی تھی۔ حوریہ نے انہیں بابر کے بارے میں خاصی تفصیل سے بتایا تھا۔

"اتنی خوش نصیب کہاں ہوں میں۔" وہ آزردگی سے ہنس پڑی۔ پھر نصیر کے بارے میں بتانے لگی۔ اس کا پورا جغرافیہ۔

"خوش بختی یا بد بختی کا فیصلہ انسان خود نہیں کر سکتا۔ یہ تو وقت کرتا ہے فضا۔" وہ اسے پانی پلا کر پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"وقت ہی نے تو کر دیا ہے پھپھو۔" وہ گلاس ایک طرف رکھ کر دیوار سے سر ٹکا کر کیلے کے بڑے بڑے پتوں کو گھورنے لگی۔

"نہیں فضا۔ ابھی زندگی ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ شروع ہوئی ہے۔ آنے والے حالات تمہارے لیے خوشی کا باعث بھی ہو سکتے ہیں۔ ضروری تو نہیں جس کو تم چاہو وہی تمہارے لیے خوش نصیبی کی علامت بن جائے۔ جس نے تم کو چاہا۔ وہ بھی تو تمہارے لیے خوشی کا باعث بن سکتا ہے۔" فضا مغموم سے انداز میں مسکرائی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پھپھو۔ جس کو آنکھ دیکھ کر نا پسند کرے۔ دل جسے قبول ہی نہ کر پا رہا ہو۔ اس سے کیسی امید۔"

"مگر یہ بھی کون جانتا ہے کہ جسے تم پسند کر کے اپنا لو۔ وہ تمہاری امیدوں پر پورا اترے۔" یہ کہتے ہوئے مومنہ کی بھوری آنکھوں کی سطح پر ایک لمحے جیسے دھندلا سا کوئی عکس پھیلا تھا۔

"کسی انگارے کو پھول کے دھوکے میں پکڑ لو۔ بعد میں پتا چلے کہ..... خیر۔" اس نے یک دم کسی خیال سے نکل کر سر کو جھٹکا اور اس کا ہاتھ تھام کر پیار سے تھپکنے لگی۔

"دیکھو فضا خوشی غمی، دکھ سکھ کا تعلق کسی ایک انسان سے مشروط نہیں ہے۔ تم اپنے تئیں اپنی خوشی کا سبب ڈھونڈ پاتیں مگر وہ ذات تو مسبب الاسباب ہے۔ اس کے بس میں ہزاروں سبب ہیں۔ تمہیں خوشی پہنچانے کے

لیے۔ تقدیر نے تمہارے نصیب کی خوشیاں کسی انسان کی مٹھی میں نہیں رکھ دی ہیں۔"
"مگر دل کسی دلیل سے بہل بھی تو نہیں جاتا۔" وہ افسردگی سے بولی۔ "ایک بددلی اور بے زاری سے محسوس ہو رہی ہے' اس کا کیا کروں۔ مر جانے کو دل چاہتا ہے پھپھو۔" وہ حد سے زیادہ آزردہ اور بکھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔
"کبھی کبھی تو لگتا ہے نبضیں تھم جائیں گی۔ مگر نہیں تھمتیں۔ سانس رک جائے گی مگر نہیں رکتی۔" میں تھک گئی ہوں۔ پھپھو بہت تھک گئی ہوں۔"
وہ مومنہ کے سفید سفید نرم گداز ہاتھ اپنے مرتعش ہاتھوں میں تھام کر کسی بچے کی طرح ایک بار پھر بلکنے لگی۔
"میں ابا کے سامنے سر اٹھا کر جینا چاہتی ہوں۔ مگر یہ طوق گلے میں ڈال کر جی بھی نہیں پاؤں گی۔ مجھے کوئی راستہ نہیں سجھائی دے رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی اندھیری گلی میں مسلسل سفر کر رہی ہوں۔ اور جتنا آگے بڑھتی ہوں تاریکی اور بڑھنے لگتی ہے۔"
"یہ محض تمہاری اپنی سوچ ہے فضا۔ تم نے دراصل ایک خواب کو' ایک انسان کو اپنے اعصاب پر سوار کر لیا ہے۔ اپنی ہر خوشی اسی سے وابستہ کر لی ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ خوابوں کا کوئی ساحل نہیں ہوتا۔ یہ لہروں کی طرح بس اٹھتے رہتے ہیں۔ اور گم ہو جاتے ہیں۔" خوشی کا احساس ہمارے اپنے اندر سے اٹھتا ہے۔ تم کو تو بابر جیسے آدمی سے اصولاً" نفرت محسوس ہونا چاہیے تھی کہ آج وہ تم کو ایسے مقام پر لے کر آ گیا ہے کہ تم اپنے باپ کے سامنے سر اٹھا کر کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ اپنے گھر میں چور بن کر رہ گئی ہو۔ اور الٹا تم نصیر سے نفرت کرتی ہو جو تمہیں عزت سے بیوی کا درجہ دے رہا ہے...... ٹھیک ہے تم اس کو پسند مت کرو۔ شادی کرو نہ کرو یہ الگ مسئلہ ہے مگر نفرت کے قابل وہ نہیں بابر ہے۔ تم ایک بددیانت شخص کے لیے رو رہی ہو۔" مومنہ کے لہجے میں تاسف تھا وہ ناصحانہ لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی۔ "یاد رکھنا فضا۔ مرد کا کردار۔ عورت کی پرسکون اور مطمئن زندگی کی ضمانت ہے۔ ایک باکردار اور شریف مرد ایسی گھنی چھاؤں ہوتا ہے۔ جس میں عورت آنکھیں موند کر بے فکر ہو جاتی ہے۔"
فضا بے آرامی کی کیفیت میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اور بے مقصد کھڑکی کے باہر گھورنے لگی۔ مگر درحقیقت وہ اپنے اعصاب کو سنبھال رہی تھی۔
"حوریہ بھی ایسی ہی باتیں کرتی تھی۔ اور خوش نصیب ہے وہ کہ اس نے ایک ایسے شخص کو پا بھی لیا۔ یہ چھاؤں اسے میسر آ گئی۔ وہ فقط سوچ کر رہ گئی۔"
"اچھا چلو۔ چائے پیتے ہیں۔" وہ اسے زبردستی کچن میں لے آئی اور چائے کا پانی رکھنے لگی۔
"پھپھو۔ آپ حوریہ سے کچھ مت کہیے گا۔" فضا کیبنٹ سے پشت ٹکا کر کچھ سوچتے ہوئے بولی۔
"کیا نہ کہوں۔ کہ تم آئی تھیں۔" وہ چائے کے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے چونکی۔
"میری منگنی والی بات۔ نصیر والی بات......"
"ارے کیوں بھئی۔" کیوں نہ بتاؤں۔ مومنہ نے اسے مصنوعی پن سے گھورا۔ "وہ تو خوش ہو جائے گی سن کر چلو فضا میں تھوڑی سی عقل آ گئی۔" مومنہ شگفتہ سے انداز میں اس کی دل جوئی اور اس کے ذہن میں برپا انتشار کو کم کرنے کی غرض سے کہنے لگی۔ مگر فضا کو یک دم اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔
"تو کیا پھپھو میں نصیر جیسے شخص کے ہی قابل ہوں۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا کھنچاؤ آ گیا۔ "حوریہ کے خیال میں نصیر سے شادی کر لینا عقل مندی ہے۔" وہ بوجھل سے انداز میں ہنس پڑی۔ ہاں شاید اب میں کسی اچھے پر آسائش اور قابل آدمی کو ڈیزرو نہیں کرتی۔ میں اب قابل سزا ہوں۔" وہ یکدم پلٹی۔

"ارے فضا۔" مومنہ پلٹی مگر وہ کچن کی حدود سے نکل کر تقریباً" بھاگتی لابی سے گزر کر باہر کی طرف جا چکی تھی۔
مومنہ لمحہ بھر ششدر رہ گئی۔ اسے بھاگ کر روک بھی نہ سکی۔ پر ڈھیلے ہاتھ سے برنر بند کر کے خود بھی کچن سے ملحقہ حصے میں آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ سمجھ نہ پائی کہ آیا فضا بابر کی بے وفائی پر اب تک دکھی ہے یا نصیر جیسے شخص کی بیوی بننے کا دکھ اسے رلا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بابر ایک طویل انگڑائی لے کر اٹھا۔ اور سرہانے پڑا موبائل اٹھا کر اس پر نظریں دوڑنے لگا۔ فضا کی مس کالز دیکھ کر اس کے حلق تک میں جیسے کڑواہٹ گھل گئی۔

"بے وقوف لالچی لڑکی۔ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔۔۔۔ دیسی شراب جیسی یہ لڑکیاں۔ اونہہ سمجھتی ہیں عمر بھر ان کے آگے پیچھے پھرتے رہیں گے۔ جیسے لڑکیاں دیکھی نہیں۔" وہ بڑبڑاتا موبائل ایک طرف پھینک کر بیڈ سے اترا اور سگریٹ سلگا کر اس کے ہلکے ہلکے کش لگاتا ہوا یوں ہی کھڑکی کی سلائڈ کھولی۔ شام کی خوش گوار ہوا کا ایک معطر جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ مگر اس سے کہیں زیادہ خوش گوار منظر اس کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگا۔

لان کے احاطے میں حوریہ اسے دکھائی دی۔ گلاب کی کیاری کے پاس کھڑی وہ بڑے بڑے خوش نما گلابوں سے کھیلتی خود بھی ایک گلاب ہی دکھائی دے رہی تھی۔ چمکتا سرخ تروتازہ گلاب۔ بابر کے لب میکانکی انداز میں باہم سکڑ گئے۔ اس نے سگریٹ کا ایک لمبا سا کش لیا اور جلدی سے ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں بجھادی اور اپنی شرٹ صوفے سے اٹھا کر پہننے لگا اور اوپری بٹن بند کرتا ہوا تیزی سے کمرے سے نکل کر لان کے اسی حصے کی طرف چلا آیا۔ جہاں وہ اردگرد سے بے نیاز پودے سے کھیل رہی تھی۔ درحقیقت وہ حازم کا انتظار کر رہی تھی۔

"آ ہ۔ آ۔" وہ ہلکے سے کھنکارا۔

گلابوں کے گھروندے میں تمہارا ذکر ہوتا ہے
تمہیں بیلے کی کلیوں کی ہنسی آداب کہتی ہے

وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس کی راہ میں کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر حوریہ کے اعصاب سخت قسم کی کشیدگی سے تن گئے۔ وہ کہیں نہ کہیں سے اس کی راہ میں آہی جاتا تھا۔

"موسم تو بہت ہی پلیزنٹ ہو رہا ہے۔ مگر اکیلے اکیلے انجوائے کرنا سمجھ نہیں آیا۔" اس کے پلٹنے پر وہ بولا۔

"میں حازم کا انتظار کر رہی ہوں۔ وہ آنے والے ہیں۔" وہ اس پر ایک نگاہ غلط ڈال کر رخ موڑ گئی۔

"واؤ۔ انتظار۔" اس کے لب ستائشی انداز میں سکڑے تھے پھر اس کے سراپے پر ایک تفصیلی نگاہ ڈال کر بولا۔

"خاصا رومانٹک قسم کا انتظار معلوم ہو رہا ہے یہ تو۔ اسپیشلی ریڈ روز بھی نزدیک ہی ہیں" آئی مین اویلیبل ہیں "آنے والے کو پیش کیے جاسکیں۔ واؤ۔ خاصی رومانٹک بیوٹی فل سچویشن ہوگی جب حازم آئے گا تو۔"

وہ سراہا رہا تھا' طنز کر رہا تھا یا حظ اٹھا رہا تھا' وہ سمجھ نہ پائی تاہم خاصی بدمزہ ہو چکی تھی۔ اس کا خوش گوار موڈ غارت ہو چکا تھا۔ اوپر سے اس کی نگاہیں اس کے اندر آگ لگا رہی تھیں۔ اسے اپنے بدن پر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہونے لگیں وہ دوپٹے کو اچھی طرح اپنے گرد پھیلانے لگی۔ اور اس کی ساری بکواس کا جواب دینا بحث خیال کرتے ہوئے پلٹ کر قدم اندر کی جانب بڑھانے لگی۔ کہ وہ بڑی سرعت سے ہاتھ پھیلا کر اس کے آگے بڑھنے کی راہ روک گیا۔

"جب تک حازم نہیں آجاتا تم میری کمپنی میں انجوائے کر سکتی ہو۔ آ۔ آہ۔ دیکھو دیکھو۔ میرا مقصد صرف تمہیں کمپنی دینا ہے اینڈ نتھنگ۔" وہ وضاحت دیتے ہوئے بولا پھر ہلکے سے ہنس دیا۔

بہت برا سہی مگر

کچھ خوبیاں بھی ہوا کرتی ہیں آدمی میں
وہ شعر کو انتہائی بگاڑ کر نثر کے انداز میں پڑھنے لگا۔ حوریہ ایک متاسفانہ سانس بھر کر رہ گئی۔ اس کا ضبط جواب دینے لگا۔
"کم از کم اس رشتے کا تو پاس کرلو۔ جو تمہارے اور میرے درمیان ہے۔ ایک مقدس رشتہ۔"
"اسی کا تو پاس ہے ورنہ....." اس نے ہاتھ اس تنے پر ٹکا دیا جہاں وہ کھڑی تھی پھر اس کی جانب قدرے جھکا۔
"ورنہ....." حوریہ کے تن بدن میں آگ کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔ اس نے تاسف آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔
"ورنہ کیا کرتے۔" اس کا لہجہ دبنگ تھا وہ شاید برداشت کی آخری حد کو چھو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ گئی۔
بابر لحظہ بھر مومنہ کے اعتماد پر بھونچکا رہ گیا۔ کچھ نہ بول پایا فقط اس کو دیکھتا رہ گیا۔ اسے لگا جیسے ان شہد رنگ آنکھوں میں آتی سورج کے ڈوبنے کا لمحہ آن ٹھہرا ہو۔ وہ آہستگی سے سیدھا ہو کر پیچھے ہٹا اور چہرے پر ہاتھ پھیر کر ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔
"میرے جیسا شخص رشتوں کے تقدس سے کوئی خاص واقفیت نہیں رکھتا۔ یہ بات ذرا دھیان میں رکھنا۔" وہ استہزائیہ آمیز لہجے میں بولا۔ "اور پھر عیاش اور اوباش آدمی تو یوں بھی بے لگام گھوڑے کی طرح ہوتا ہے۔ بھاگتے بے لگام گھوڑے کو لگام ڈالنا آسان کام نہیں ہوتا۔" جواباً حوریہ نے ملامت سے اسے دیکھا اور بولی۔
"بے لگام گھوڑا خود ہی اپنے زور پر منہ کے بل گرتا ہے جب ہی سنبھلتا ہے۔ یوں بھی جو کام انسان نہیں کر سکتا وقت خود کرتا ہے وہی لگام ڈالتا ہے اور کھینچ بھی لیتا ہے۔" اس کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔
"چلو..... یوں ہے تو یوں ہی سہی وقت کا انتظار کیے لیتے ہیں۔" بابر نے ڈھٹائی سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا۔ "وقت کس کے حصے میں کیا ڈالتا ہے۔ یہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔" وہ لفظوں پر خاصا زور دے کر بولا۔
"اور ہاں۔" اسے برہمی سے پلٹ کر قدم اٹھاتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے بولا۔ "ذرا اپنی اس "بیسٹ" فرینڈ سے کہہ ضرور دینا کہ وہ مجھے کالز کر کے تنگ نہ کیا کرے۔ میرا پیچھا چھوڑ دے۔" حوریہ کے قدم ٹھٹکے تھے۔
"وہ کیا کہتے ہیں کہ۔ ایک مشورہ دینا کہ۔"

جو تجھ کو بھولے ہیں تو تجھ پہ بھی لازم ہے میر
خاک ڈال، آگ لگا، نام نہ لے، یاد نہ کر

اس شعر پر خود ہی محظوظ ہو کر ہنس رہا تھا۔ حوریہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔
"دکھ اس بات پر نہیں ہوتا کہ تم نے اس کے ساتھ بے وفائی کی۔ دکھ اس بات کا ہوتا ہے کہ فضا نے تم جیسے شخص پر اپنے جذبے ضائع کیے۔"
"صرف جذبے نہیں اپنا سب کچھ بھی۔" وہ کمینگی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ حوریہ نے یکدم اپنی نظروں کا رخ پھیر لیا اور اس کی طرف سے ہو کر تیزی سے اندر کی جانب بھاگتے ہوئے گئی تھی۔ بابر نے بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس کے ڈھلکتے دوپٹے سے نکل کر لہراتے بالوں کے آبشار کو یوں دیکھا جیسے کوئی نامراد شکاری جال توڑ کر بھاگنے والے ہرن کو دیکھتا ہے۔ اس کے لبوں کی تراش میں ایک زہر خندسی مسکراہٹ لہرا کر معدوم ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ لابی میں داخل ہوئی اور وہیں ایک کنارے والے صوفے پر بیٹھ گئی اسے اپنے وجود سے کنٹرول اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہی یک دم ضبط ہار بیٹھی۔ آنسو بے آواز اس کی آنکھوں کے گوشوں سے ٹپکنے

لگے۔ اتنی بڑی کوٹھی سے وحشت زدہ سی کرنے لگی تھی۔ اسے لگتا۔ حازم کے نہ ہونے سے وہ بے حد تنہا ہو جاتی ہے۔ غیر محفوظ سی۔ بے بس سی۔ بے اختیار سی۔ سچ کہتی تھیں پھپھو۔ دیواریں جتنی اونچی' بلند ہوں گی' دم اتنا ہی گھٹتا ہے' وحشت اور تنہائی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔"

اسے بے آواز روتے ہوئے جانے کتنی دیر ہو گئی معا" اسے پشت سے عباد گیلانی کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے حوریہ۔ آر یو اوکے۔" گداز قالین پر ان کی وہیل چیئر بے آواز اس کے نزدیک آ رہی تھی۔ وہ سٹپٹا کر جلدی سے دوپٹے کا کونا چہرے پر پھیرنے لگی۔

"تم یہاں اکیلے کیوں بیٹھی ہو۔ حازم کدھر ہے آیا نہیں کیا ابھی تک۔" اس کے حلق میں ابھی تک آنسوؤں کا پھندا پڑا ہوا تھا وہ سر نفی میں ہلا کر رہ گئی۔ پھر صوفے سے اٹھنے لگی جب عباد گیلانی کی نظریں اس کے چہرے کی جانب گئیں۔ "کیا بات ہے حوریہ۔ تم رو رہی تھیں۔"

اس کے پلٹتے قدم تھم سے گئے۔ ان کا اپنائیت آمیز لہجہ اس کا دل جکڑنے لگا۔ تاہم وہ اپنا اعتماد حاصل کر چکی تھی۔ آنکھیں خشک ہونے لگی تھیں۔

"حازم سے جھگڑا ہو گیا ہے کیا۔"

"ارے نہیں۔ میں تو بس یوں ہی یہاں آ کر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ اب تک آئے نہیں' اس لیے کچھ پریشان تھی۔"

"وہ تو ہر روز شاید اسی وقت پر آتا ہے۔" وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ بے ساختہ ان کی طرف بس دیکھ کر رہ گئی۔

"بیٹھو ادھر۔" وہ اپنی وہیل چیئر گھسیٹ کر اس کے نزدیک چلے آئے۔ ان کے لہجے میں پیار بھرا حکم تھا وہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آنکھیں ہی ہمارا واحد سچ ہیں جو جھوٹ نہیں بولتیں۔ اور تمہاری آنکھیں تو بالکل۔۔۔" وہ ایک لمحے بولتے بولتے رک گئے۔ شاید مومنہ کا حوالہ دینا چاہ رہے تھے۔ "تمہاری آنکھیں تو بالکل بھی جھوٹ نہیں بولتیں۔" انہوں نے صوفے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا تسلی آمیز ہاتھ رکھا۔

"تم جانتی ہو میں نے مومنہ سے ایک وعدہ لیا ہے کہ تمہاری آنکھ میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔ اور تم آج رو رہی ہو اور میں بے خبر ہوں۔"

"نہیں میں رو تو نہیں رہی تھی۔" اسے اپنی حماقت پر شرمندگی سی ہونے لگی۔ کم از کم وہ ان کا تو خود پر کنٹرول رکھ لیتی۔ رونا ہی تھا تو اپنے روم میں بیٹھ کر آنسو بہا لیتی۔ وہ خود کو سرزنش کرنے لگی۔

"تم گئی تو مجھے لگے گا میں نے مومنہ کو رلا دیا ہے۔ میں اسے نہیں رلانا چاہتا۔ پہلے ہی اپنے لگائے زخموں کا ازالہ نہیں کر پایا۔" وہ بجھے بجھے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ان کے دل میں وہی مانوس درد کروٹیں لینے لگا۔ پھر سر جھٹک کر کسی خیال سے نکلتے ہوئے اسے بغور جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"حازم نے تمہیں ہرٹ کیا ہے۔ تم بتاؤ مجھے۔ میں اسے سزا دوں گا۔ ابھی تو تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔ مسکرانے کے دن ہیں' تمہیں کوئی ہرٹ کرے میں برداشت نہیں کروں گا۔"

"نہیں انکل۔ میں بہت خوش ہوں۔ حازم تو بے حد کیئرنگ ہیں۔ میں تو بس یوں ہی۔۔۔" وہ ایک پل رکی۔ پھر جلدی سے بولی میں ایکچوئلی مومنہ پھوپھو کو مس کر رہی تھی۔" وہ نادانستگی میں عباد گیلانی کے دل پر مضراب مار گئی۔ ہر تار جھنجھنا اٹھا۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھتے دیکھتے یک دم اپنے ہی دل کے کسی چور جذبے سے گھبرا کر نظریں سامنے دیوار پر جما دیں۔

"ہاں مس تو میں بھی کرتا رہا ہوں۔ بلکہ بھولا ہی کب ہوں اسے۔" وہ کہنا چاہتے تھے۔ دوسرے پل اس افسردگی کے سحر سے خود کو جیسے آزاد کرتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی۔
"ہاں، تم بہت دنوں سے اپنے میکے گئی نہیں ہو شاید۔ حازم کے ساتھ جا کر مل آنا۔" وہ یک دم اپنی وہیل چیئر کا رخ موڑنے لگے۔
"آئی ایم ساری انکل۔ میں نے آپ کو پریشان کر دیا۔" وہ سرعت سے ان کی وہیل چیئر کے دونوں ہینڈل پکڑ کر خود ہی چلانے لگی۔ "ریئلی میں بہت خوش ہوں۔ یہاں سب بہت اچھے ہیں۔"
"شیور۔" انہوں نے سر اٹھا کر محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا۔
"شیور" وہ دھیرے سے سہلا کر مسکرا دی۔ ✡ ✡ ✡

فضا کو پہلے تو اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آیا تھا کہ بابر نے اس کی کال ریسیو کرلی ہے۔ اسے لگا جیسے اس کی سماعتوں پر ایک عرصے کے بعد یہ بھاری خوب صورت آواز سنائی دی ہو گویا کوئی سریلا رس انڈیل دیا گیا ہو۔ اس کی سماعتیں بھی بصارت کا روپ دھارنے لگیں۔
"بابر... میں... میں فضا بول رہی ہوں۔" اس کے لہجے میں بے تابیاں چھلکنے لگیں۔ مگر بابر کے لہجے میں ایسی کوئی بے تابی نہیں تھی۔
"ہاں معلوم ہے مجھے۔ بولو۔" وہ یکسر بے کیفیت لہجے میں بولا تھا۔ "اتنی مس کالز ہوتی ہیں تمہاری کہ کبھی کبھی تو اپنا موبائل توڑ دینے کو دل چاہتا ہے میرا۔" اس کا لہجہ زہر اگلتا ہوا تھا۔ فضا دم بخود رہ گئی۔ ساری خوشی دھوئیں کے غول کی طرح غائب ہو کر رہ گئی۔ اتنے برے رد عمل کی اسے توقع نہ تھی۔ "اب بولو بھی کیوں یہ زحمت کی ہے۔" وہ اس کی خاموشی پر جھنجلا رہا تھا۔
"بس دل چاہ رہا تھا تم سے بات کروں۔ تم نے میری کال ریسیو کرنا ہی چھوڑ دی ہے۔" وہ مغموم سی سانس کھینچ کر اپنی آنکھ سے ٹپکنے والے بے رحم سے آنسو کو انگلی سے پونچھتے ہوئے پست لہجے میں بولی۔
"آخر ہم اچھے دوست بھی تو رہے ہیں نا۔"
"دوست... واؤ۔" اس کی ہنسی سراسر توہین آمیز تھی۔ "ہمارے درمیان دوستی کا تو کبھی کوئی رشتہ نہیں رہا ہے تم بھول رہی ہو۔ ہم دونوں کے درمیان تو بس غرض کا رشتہ تھا۔" اس کا انداز جتانے والا تھا۔ وہ اب بھی ایسا ہی تھا پتھر مار کر تماشا دیکھنے والا۔ فضا آزردگی سے ہنس دی اور یوں سرہلایا گویا وہ اس کے سامنے کھڑا اسے دیکھ رہا ہو۔
"ہاں غرض کا رشتہ... اور غرض پوری ہو جانے کے بعد وہ رشتہ بھی ٹوٹ گیا ہے۔ ہے نا۔"
"بالکل۔" دل تو ہمیشہ ہی اس نے توڑا تھا اس کا ہر لفظ ضرب ہی ہوتا مگر اس وقت یہ ضرب کچھ زیادہ ہی بھاری لگی تھی فضا کو۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اتنے عرصے بعد اس کی آواز سن کر ضرور نارمل لہجے میں بات کرے گا۔ اس کی خیریت پوچھے گا یہ تو ضرور پوچھے گا کہ کہاں غائب تھی۔
"میرا تو خیال تھا کہ تمہیں اب تک عقل آچکی ہوگی۔ تم نے شادی وادی کر کے اپنا گھر بسا چکی ہوگی، مگر تم تو..." وہ انتہائی بے زاری سے کہہ رہا تھا۔ فضا کے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔
"شادی ہی کر رہی ہوں۔ یہی خبر سنانے کو کال کر رہی تھی میں۔" وہ صاف جھوٹ بول گئی۔
"گڈ... ویری گڈ۔ اٹس گڈ نیوز... تمہیں یہ نیوز تو مجھے پہلے ہی سنا دینی چاہیے تھی۔"
"ہاں میں جانتی ہوں۔ تمہیں سن کر بے حد خوشی ہوگی۔" اس کا لہجہ پست تھا۔
"ویسی ویسی۔ اینی وے یہ بتاؤ کہ کون ہے وہ بیڈ لک۔ جو تم سے شادی کر رہا ہے۔" اس کا لہجہ سراسر تضحیک آمیز تھا۔ فضا سلگتی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر چٹخنے لگی۔ اسے اپنے دماغ کی رگیں اس لہجے اور ہنسی سے کٹتی

محسوس ہونے لگیں۔

"وہ بیڈ لک جو بھی ہو۔ تم سہر حال نہیں ہو۔" وہ جواباً" تڑخ کر بولی۔ "بس تمہیں ایک اور بھی گڈ نیوز دینی تھی۔ سن کر اس سے زیادہ خوشی ہوگی۔"

"واؤ۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"حوریہ کی شادی ہو چکی ہے' ایک بے حد شریف نیک اور باکردار آدمی سے۔ جیسا وہ ڈیزرو کرتی تھی۔"

"ہا۔ اور تم جو ڈیزرو کرتی تھیں تم کو ویسا ہی ملا ہے۔" اب کے وہ ہلکے سے ہنسا تو اس میں توہین آمیزی نہیں تھی بلکہ ایک کھولن تھی' ایک زہر تھا۔ وہ اچھی طرح جان گیا تھا کہ وہ اسے یہ خبر سنا کر مینٹلی ٹارچر کرنا چاہ رہی تھی۔ اتنا ہی اس بے چاری کے بس میں تھا۔

"تم واقعی اس قابل نہیں ہو بابر کہ تمہارے لیے خوار ہوا جائے' تم پر جذبے لٹائیں جائیں۔ بلکہ تم سے بات تک کی جائے۔ حوریہ ٹھیک ہی کہتی تھی کہ برے آدمی کا دل بھی برا ہی ہوتا ہے اس کے اندر بھی ایک برا آدمی ہی چھپا ہوتا ہے۔" وہ دبے دبے لہجے میں کہتی کال کاٹ دینا چاہتی تھی کہ بابر جلدی سے بولا۔

"پلیس! وہ پارسا تمہیں کہیں ملے تو اسے یہ ضروری کہہ دینا کہ بابر کہہ رہا تھا کہ برے آدمی کے اندر برا آدمی نہیں بلکہ "بہت" برا آدمی چھپا ہوتا ہے۔" فضا عجیب سے احساس میں گرفتار رہ گئی۔ بابر نے کال کاٹ دی اور اپنے موبائل کو نفرت اور غصے سے گھورا گویا وہ حوریہ ہو۔ موبائل نہ ہو پھر موبائل بے دردی سے ریک پر ہی پھینک دیا۔

"برا آدمی۔ اونہہ ابھی تم نے برے آدمی کو برتا نہیں ہے حوریہ صاحبہ۔ سانپ کو چھیڑا نہیں کرتے اس کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگ سکتا۔" وہ اپنی کنپٹیوں کو سہلاتے ہوئے نائٹ سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں جا گھسا' مگر کتنی دیر ٹھنڈے پانی کا شاور لیتے رہنے سے بھی تپش کا احساس کم نہ ہو رہا تھا۔ عجیب سی آگ تھی جو دل سے دماغ میں گھستی جا رہی تھی۔ کم از کم پانی سے بجھنے والی نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

حوریہ اور حازم بڑے دنوں بعد یاور علی ہاؤس میں آئے تھے اور آج تو وہ دونوں بہت بڑی خوش خبری لے کر آئے تھے۔ مومنہ سے شیئر کرنے۔۔۔ حوریہ' رقیہ کو نہ بتا سکی تھی کہ وہ پریگننٹ ہے۔ مومنہ کی گود میں سر ڈال کر اس نے انہیں یہ خبر دی تھی۔ مومنہ مارے خوشی کے گنگ رہ گئی۔ دوسرے پل اسے خوشی سے سینے سے چمٹا لیا۔

"ارے رے پگلی۔ ایسے سناتے ہیں خبر!" وہ اس کا سر اٹھانے لگی۔

"پھپھو۔۔۔" وہ شرما کر ان کے کندھے سے پھر جا لگی۔

"کہاں ہے حازم۔ ابھی اس کے کان کھینچتی ہوں لو بھلا ایسے سناتے ہیں اتنی بڑی خبر۔"

"انہوں نے تو کہا تھا مٹھائی لے کر جاتے ہیں' مگر میں نے منع کر دیا تھا۔ مجھے شرم آ رہی تھی۔" وہ دھیرے سے بولی۔ جب حازم کمرے میں داخل ہوا تو حوریہ نئی نویلی دلہن کی طرح شرمائی شرمائی بیٹھی تھی۔ وہ دل آویز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ایسے سناتے ہیں اتنی بڑی خبر۔" مومنہ کی نظریں حازم پر گئی تھیں اس کی محویت کو بھی اس نے نوٹ کیا تھا پھر مسکرا کر حوریہ کو دیکھا۔

"اوہو۔ اس کا مطلب ہے خوشبو پھیل چکی ہے۔" وہ اندر چلا آیا۔

"بالکل۔ خوشبو کو پھیلنے سے بھلا کوئی روک سکتا ہے۔" جواباً" وہ شگفتگی سے بولی پھر آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ حازم نے اپنا بازو پھیلا کر انہیں خود سے قریب کر لیا۔

"بلیو می مام۔ میں تو مٹھائی کے ٹوکرے لے کر آنے والا تھا' مگر اسی نے روک دیا۔" آپ کی بہو کے اندر شرم

کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ وہ تو یوں گھبرا رہی ہے جیسے کچھ چوری کر لیا ہو۔"

"چوری ہی کر لیا ہے۔ تمہارا دل۔" وہ پیار بھری چپت مار کر ہنسی۔

"جی نہیں۔ میں نے وہ کیا کہتے ہیں... ہاں... ڈنکے کی چوٹ پر دیا ہے۔" یہ کہہ کر حازم نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ مومنہ بھی ہنس دیں اور اسے محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ شادی کے بعد بہت ہی خوش تھا مگر آج تو اس کے چہرے کی رونق ہی کچھ اور تھی... آنکھوں میں الوہی چمک تھی۔ باپ بننے کی۔ ایک فطری خوشی چمک رہی تھی اس کی نظریں حوریہ کے سراپے پر رہ رہ کر بھٹک رہی تھیں۔

"میں رقیہ بھابھی اور ابا کو یہ خبر سنا کر آتی ہوں۔ یہ تو عجیب لڑکی ہے۔ ماں سے بھی شرمانے لگی ہے۔" مومنہ نے کچھ سوچ کر حازم کی طرف دیکھا۔ "اور سنو۔ گیلانی ہاؤس میں یہ خبر دی ہے تم نے۔" ان کے اس سوال پر حازم گڑبڑا سا گیا اور بے اختیار حوریہ کی طرف دیکھا۔ جس نے خود مومنہ کی طرف بس ایک نظر دیکھ کر نظریں جھکا لی تھیں۔

"کتنی غلط بات ہے۔ سب سے پہلے تمہیں یہ خبر وہیں دینی چاہیے تھی۔ حازم تمہارے اندر عقل نہیں ہے کیا۔ یہ تو ہے ہی پاگل۔" ان کا لہجہ سرزنش کرنے والا تھا۔

"سوری ماما!" حازم خفیف سی ہو گیا۔

"وہ باپ ہے تمہارا..."

"تو کیا۔ ماں کو اگر پہلے یہ خبر سنا دی تو... ہرج ہے!" حازم ان کے نزدیک چلا آیا۔ پھر بڑے پیار سے ان کے ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر بولا۔

"آپ دونوں بھی عجیب ہی ہیں۔ میں اگر پاپا کو یہ خبر دیتا تو پتا ہے وہ مجھ سے کیا کہتے۔ یہی کہ تمہیں اپنی ماما کو پہلے یہ خوش خبری دینی چاہیے تھی۔" مومنہ بے ساختہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ پھر پلکیں جھپک کر بے مقصد مسکرا کر پلٹتے ہوئے بولی۔

"او کے۔ تم بیٹھو۔ میں ابھی آئی۔ بلکہ تم دونوں بھی اباجی کے کمرے میں ہی چلے آنا۔" وہ سرعت سے کمرے سے نکل گئی۔ حازم انہیں بس دیکھ کر رہ گیا۔ پھر ہلکی سانس کھینچ کر حوریہ کی جانب رخ کیا۔ وہ مومنہ کی بات کے اثر میں بیٹھی تھی اسے ندامت ہو رہی تھی کہ اسے پہلے یہ خبر عباد گیلانی کو دینی چاہیے تھی۔

"ہاں جناب۔ آپ کی شرم میں کچھ کمی آ گئی ہو تو بندہ کچھ جسارت کر لے۔" وہ چونکی۔ وہ دل آویز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔

"سچ تو یہ ہے حور کہ اس خوشی سے بڑھ کر یہ سوچ کر خوشی ہوتی ہے کہ تمہارا میرا تعلق کچھ اور مضبوط ہو جائے گا۔" وہ اس کے رخسار پر جھولتی لٹ سے کھیلتے ہوئے ایک پل اس کے چہرے میں کھو سا گیا۔ وہ بے ساختہ پلکوں کی باڑھ جھکا گئی۔

"ہمارا تعلق بہت مضبوط ہے حازم۔ اسے حوالوں کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے باندھے رکھنے کے لیے کسی ڈور کی ضرورت نہیں ہے مگر... یہ تحفہ ہماری محبت کی ہی دلیل ہے۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ "ہے یا نہیں۔"

"نہیں۔ جن میں آپس میں محبت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ان کے بھی بچے تو ہوتے ہیں۔"

"وہاٹ۔" حازم نے مصنوعی پن سے اسے گھورنے لگا۔ وہ لب دبا کر اپنی شریر سی مسکراہٹ کو روک رہی تھی۔

"دھت تیرے کی۔ یہ بھی سچ ہے۔ کڑوا سچ۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر بولا پھر ہنس دیا۔ پھر اس کے کندھے پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے بولا۔

"میں بہت خوش ہوں حوریہ۔ بہت زیادہ۔ اور پتا ہے جب بابا کو پتا چلے گا کہ میں پاپا اور وہ دادا بننے والے ہیں تو.... کس قدر خوش ہوں گے۔ ان کا بس نہیں چلے گا کہ وہ کیا کر ڈالیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" حوریہ کے لبوں کی تراش میں پھیلی مسکراہٹ پھیل کر منجمد ہو گئی۔ عباد گیلانی کی محبت ' شفقت کا تو اسے اندازہ تھا ہی 'وہ اسے مومنہ کے حوالے سے بے پناہ چاہتے تھے۔ پھر حازم کے لیے تو وہ ہر خوشی اس کے قدموں میں ڈھیر کرنے کو تیار تھے۔ اس خبر پر ان کا کیا ردعمل ہو گا۔ وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتی تھی۔

مومنہ اندر داخل ہوئی اور اس کے ہمراہ رقیہ بھابھی بھی تھیں جن کا چہرہ مارے خوشی کے دمک رہا تھا۔ ہاتھ میں مٹھائی کی پلیٹ تھی۔ حوریہ بڑے جذباتی انداز میں انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھی۔ دوسرے پل ان کے سینے سے جا لگی۔

"آپ لوگ بیٹھ کر اپنی باتیں کریں میں نانو کے روم میں ہوں ان کے پاس۔" حازم ماں بیٹی کا روایتی جذباتی قسم کا پیار دیکھ کر بے ساختہ مسکرائے بنا نہ رہ سکا اور اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس پل اس کا سیل فون بجنے لگا۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ رقیہ بھابھی اور مومنہ پہ معذرت خواہانہ نگاہ ڈال کر ایک طرف ہو کر کال ریسیو کرنے لگا۔ "حازم۔ کہاں ہو تم۔ فوری اسپتال پہنچو۔" دوسری طرف عاظمہ تھی۔ "عباد کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔ بہت زیادہ۔ بابر انہیں اسپتال لے کر گیا ہے۔"

"وہاٹ۔ کیا....؟" اس کے اعصاب پر ضرب سی لگی وہ جلدی سے سنبھل کر بولا۔

"کیا ہوا ہے انہیں؟"

"مجھے تو پتا نہیں' میں گھر آئی تو امیر علی نے بتایا کہ وہ گر گئے تھے شاید چکر آگیا تھا پھر اٹھ نہیں پا رہے ہے۔ تھینکس گاڈ! بابر گھر پر ہی تھا بس ابھی آدھا گھنٹہ ہوا ہے انہیں نکلے ہوئے۔"

"اوکے۔"

"سنو۔ سرجن بخاری سے کانٹیکٹ تو کرو۔" عاظمہ جلدی سے بولیں۔ اس نے جواب دیے بنا لائن منقطع کر دی۔ موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے وہ پلٹا۔ مومنہ اس کی طرف بڑھی اس کے چہرے کے تغیر اور گفتگو سے وہ اتنا تو اخذ کر چکی تھی کہ کوئی بری خبر سنائی گئی ہے اسے۔ حوریہ اور رقیہ بھابھی بھی اس کے نزدیک آئیں۔

"کیا بات ہے۔" مومنہ کا دل انجانے خوف سے لرزنے لگا۔ اس کی آواز ہلکے سے لڑکھڑا گئی۔

"پاپا کی طبیعت خراب ہو گئی ہے بابر انہیں اسپتال لے گیا ہے۔" وہ اپنے اعصاب کو سنبھالتا ہوا افسردگی سے بولا۔ مومنہ صدمے سے جیسے گن سی رہ گئی۔ اس کا دل سینے کی دیوار میں زور سے سکڑا تھا۔

"مام۔ پلیز۔ ان کے لیے دعا کیجیے گا کہ سب خیر ہو جائے۔" حازم ان کا ہاتھ تھام کر ننھے بچے کی طرح خوف زدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے کوئی قیمتی شے چھن جانے کا خوف ہو۔

"چلو حوریہ۔" وہ حوریہ کی طرف پلٹ کر کہتا تیزی سے دروازے کی جانب لپکا۔ پھر ذرا سا رکا اور ایڑیوں کے بل گھوم کر پتھرائی ہوئی مومنہ سے بولا۔

"ہو سکے تو مام۔ پاپا کو معاف کر دیجیے گا۔ پلیز....!" اس کا لہجہ بھاری سا ہو گیا۔ وہ پلٹ کر باہر نکل گیا۔ حوریہ بھی اس کی ہمراہی میں بھاگتے ہوئے پیچھے نکلی تھی۔

مومنہ دم سادھے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کے اعصاب پر صحرا جیسا سناٹا اتر آیا تھا۔ جیسے جسم سے کسی نے روح کھینچ لی ہو۔ اسے لگ رہا تھا رگوں میں خون رک رک کر دوڑ رہا ہو سانس جیسے ٹھہر ٹھہر کر چل رہی ہو۔ وہ ڈھیلے قدموں سے چل کر نزدیکی صوفے پر یوں بیٹھ گئی جیسے ٹانگوں نے جسم کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہو۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

وراثت
نفیسہ سعید

"یہ آج کل جاذبہ کے یہاں اتنے چکر کیوں لگ رہے ہیں تقریباً" روز ہی آئی ہوتی ہیں۔"
ثنا جیسے ہی اوپر گئی مائرہ بھابھی اسے دیکھتے ہی بول اٹھیں۔

"امی سے ملنے آتی ہیں۔" ثنا کے نپے تلے جواب نے فوراً" انہیں احساس دلا دیا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہے اور اس بات نے ان کے موڈ کو قدرے خراب کر دیا۔

"امی تو اتنے سالوں سے یہاں' اسی گھر میں تھیں پہلے تو کبھی ان سے محبت نہ چمکی کہ روز آن موجود ہوں اب ایسی کون سی انوکھی بات ہو گئی جو دن رات چکر لگ رہے ہیں۔" حسب عادت وہی مشکوک اور تفتیشی انداز جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھا اب ثنا کی سمجھ میں نہ آیا وہ انہیں کیا جواب دے۔

"دیکھو بھئی اگر تم نہ بتانا چاہو تو تمہاری مرضی ہے' ورنہ کوئی بچی نہیں ہوں جو یہ نہ سمجھ پاؤں کہ ان کی روز روز یہاں آمد بے مقصد نہیں۔"

ثناء کو صاف لگا کہ اب اگر اس نے مزید کچھ چھپانے کی کوشش کی تو یقیناً" بھابھی ناراض ہو جائیں گی یہ ہی سوچ کر وہ گلا کھنکارتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی۔

"پہلے مجھ سے ایک وعدہ کریں' جو بات میں آپ کو بتاؤں گی' آپ اس کا ذکر فی الحال کسی سے نہیں کریں گی یہاں تک کہ جاوید بھائی سے بھی نہیں' جب تک امی آپ کو خود کچھ نہ بتائیں۔" مائرہ سے رازداری کا وعدہ لیتے ہوئے ثنا بھول گئی کہ وہ بات جو زبان سے نکل جائے کبھی راز نہیں رہتی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو مجھے یہاں وہاں باتیں کرنے کی عادت نہیں۔" یقیناً" ان کی تمام عادتوں کے متعلق ثنا بہت اچھی طرح جانتی تھی' مگر پھر بھی اس بات کا کوئی منفی جواب دے کر بھابھی کو ناراض کرنا اس کا مقصد نہ تھا۔

"جی" چاہتی تو بہت کچھ کہہ سکتی تھی' مگر اتنا ہی کہہ پائی۔

"ہاں تو اب بتا بھی دو کہ ایسی کون سی قیامت رونما ہونے والی ہے' جس کے مدنظر جاذبہ گھر کے بار بار چکر لگا رہی ہیں۔" وہ بہت جلد سب کچھ جاننا چاہتی تھیں۔

"دراصل عذیر کا داخلہ انگلینڈ کی ایک اچھی یونیورسٹی میں ہو گیا ہے' اور اب وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے باہر جانا چاہتا ہے۔"

"ہاں تو چلا جائے ہم نے کون سا روکا ہے ویسے بھی بہت فالتو پیسہ ہے ان لوگوں کے پاس' بڑے والے کو پرائیویٹ کالج سے ڈاکٹر بنا رہی ہیں ہر سال لاکھوں روپیہ وہاں بھرتی ہیں چھوٹے والے کو لندن بھیج دیں۔" ثنا مسکرا دی جانتی تھی کہ اصل بات معلوم ہوتے ہی بھابھی کا جواب پہلے سے بالکل مختلف ہو جائے گا۔

"وہ تو بھیجنا چاہتی ہیں' مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان کے پاس اب اتنی رقم کا انتظام نہیں ہو رہا جس سے عذیر کی داخلہ فیس بھر سکیں۔"

"تو پھر..." اب کے مائرہ بھابھی کا ماتھا ٹھنکا۔

"تو پھر یہ پیاری بھابھی اس سلسلے میں انہیں اپنی ماں کی مدد درکار ہے۔"

"ماں کی مدد..." بھابھی اب صحیح معنوں میں شاکڈ ہوئیں۔

"امی ان کی کیا مدد کر سکتی ہیں ان کے لیے تو خود ابا جی کی پنشن ناکافی ہے ایسے میں بھلا عذیر کی داخلہ فیس کیا بھریں گی۔" وہ ابھی بھی غلط ہی سمجھ رہی تھیں۔

"خیر ابا جی کی پنشن اچھی خاصی آتی ہے' اس کے علاوہ دونوں دکانوں کا کرایہ بھی ہے جو اس گھر میں ہی استعمال ہوتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو کھل کر بتاؤ۔" اب بھابھی کو اندازہ ہوا کہ بات اتنی چھوٹی نہیں ہے جتنا وہ اب تک سمجھ رہی تھیں۔

"جاذبہ آپا اپنی وراثت میں سے حصہ کی دعویدار ہیں۔" اتنی بڑی بات ثنا نے تو اطمینان سے انہیں بتا دی' یہ جانے بنا کہ جواباً" بھابھی کا ردعمل کیا ہو گا۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ان کا میاں لاکھوں روپیہ ماہانہ کما رہا ہے اور بے شرمی دیکھو نظریں باپ کی

جائیداد پر گاڑ رکھی ہیں اور جائیداد بھی تو دے لے دے کے دو دکانیں، جن کا کرایہ بمشکل چند ہزار آتا ہے وہ بھی محترمہ کو برداشت نہیں۔"

"دکانوں کے علاوہ یہ مکان بھی ابا جی کا ہے، جس میں ان کا شرعی حصہ بنتا ہے، جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔" ثنا کی شروع سے عادت تھی وہ کوئی بات لگی لپٹی نہ رکھتی تھی، بلکہ جو سچ ہوتا وہ ہمیشہ بیان کردیتی یہ جانے بنا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

"اس مکان میں ہم رہتے ہیں تو اب کیا اسے بیچ کر حصہ بخرے کروائیں گی محترمہ، حد ہے بھئی ہم بھی تو بیٹیاں ہیں اس کے باوجود کبھی باپ کی جائیداد پر نظر نہیں ڈالی۔ جو ہے بھائیوں کو مبارک اور یہاں تو یہ حال ہے کہ ایک مکان برداشت نہیں۔"

"جو بھی ہو بھابھی سچ تو یہ ہے کہ مکان بیچا جائے یا بنا بیچے انہیں رقم دی جائے۔ دونوں صورتوں میں حصہ تو ان کا بنتا ہے، جو شرعی اور قانونی دونوں لحاظ سے درست ہے۔"

ثنا تو یہ کہہ کر چلی گئی، مگر بھابھی کو کوئلوں کی ایک ان دیکھی بھٹی پر بٹھا گئی، جس میں وہ اس وقت تک سلگتی رہیں جب تک جاوید بھائی گھر نہ آئے۔

☼ ☼ ☼

"ثنا یہاں آؤ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔"

امی کے چہرے پر چھائے تاثرات دیکھ کر ثنا کو اندازہ ہوا کہ بات ضرور کچھ خاص ہے وہ ندبان کو بستر پر لٹا کر ان کے پیچھے ہی باہر نکل آئی۔

"جی امی بولیں۔"

"تم نے مائرہ سے کیا بات کی ہے؟" امی کا سوال سنتے ہی وہ سمجھ گئی کہ باوجود منع کرنے کے بھابھی نے راز کو راز نہیں رہنے دیا "تو یقیناً" غلطی اس کی تھی، میں نے باوجود امی اور جاذب کے منع کرنے پر گھر کی کوئی بات باہر شیئر کی۔

"سوری امی میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ جاذبہ آپا وراثت میں حصہ کی طلب گار ہیں اور میرا نہیں خیال کہ اس میں کچھ ایسی بات ہے جو ان سے چھپائی جاتی۔"

"اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں تمہیں منع کیوں کرتی اس سے کوئی بات نہ کرنا۔ اتنے سال ہوگئے تمہیں اس کے ساتھ رہتے ہوئے اور کمال یہ ہے کہ ابھی تک تم اس کی عادتیں ہی نہیں سمجھ پائی ہو۔" امی کے انداز گفتگو سے ان کی خفگی واضح طور پر ظاہر ہو رہی تھی۔

"دراصل وہ اتنا کرید رہی تھیں کہ میں باوجود کوشش کے جھوٹ نہ بول پائی۔" ثنا نے نہایت شرمندگی سے اعتراف جرم کیا، لیکن اسے ابھی تک یہ نہ پتا چلا تھا کہ بھابھی نے کیا کہا ہے۔

"ویسے کیا وہ آپ سے کوئی بات کرنے نیچے آئی تھیں۔" وہ جاننا چاہتی تھی کہ امی کو یہ سب کیسے پتا چلا۔

"وہ نیچے آکر کیا کرے گی ایک کاٹھ کا الو ہے تو سہی اوپر، جسے میرا بڑا بیٹا ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔" امی کے لہجہ میں غصہ سے زیادہ دکھ کا عنصر نمایاں تھا۔

"کیا کہہ کر گئے ہیں جاوید بھائی؟" ڈرتے ڈرتے ثنا نے سوال کیا مبادا امی کو اب اس کی کوئی بات بری نہ لگ جائے۔

"یہ ہی کہ آپ جاذبہ کو صاف منع کردیں بھلا جو مکان رہائش کے استعمال میں ہو ہم اسے بیچ کر کیسے حصہ ادا کریں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر آپ انہیں ایک دکان دے دیں جسے بیچ کر وہ اپنا وراثتی حق حاصل کرلیں، یہ بات آپ جاوید بھائی کو سمجھا دیتیں۔" اپنے طور پر ثنا نے سارا قصہ ختم کرتے ہوئے کہا۔

"دکان کی قیمت محض دس یا پندرہ لاکھ ہے، جبکہ یہ مکان جس میں تم دونوں رہ رہے ہو کم سے کم بھی ساٹھ سے ستر لاکھ کی مالیت کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تینوں املاک ملا کر کل رقم ایک کروڑ بنتی ہے۔ اب سوچو ذرا اس کروڑ کی وراثت سے صرف پندرہ لاکھ لے

کر کیسے مانے گی؟ ظاہر ہے جب وہ حصہ مانگ رہی ہے تو تقسیم شرعی طور پر ہونی چاہیے۔ ویسے بھی غلطی میری ہے جب تمہارے ابا فوت ہوئے تھے تب ہی یہ حصے کر دیتی تو آج اتنی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔"

ثنا جانتی تھی کہ اتنے دنوں سے جاذبہ کے حصہ میں صرف دکان ہی کی بات چل رہی تھی اب جو اچانک امی نے برابر وراثتی حصہ کی بات کی ہے تو اس کے پس پردہ بڑی بھابھی کا وہ واویلا ہے۔ جس کے نتیجہ میں جاوید بھائی نے جو کچھ نیچے آکر امی سے کہا اس نے امی کو مجبور کر دیا کہ اب وہ وہی فیصلہ کریں جو قانونی اور شرعی طور پر جائز ہو۔

"کیا مسئلہ ہو گیا امی کیوں اتنی پریشان ہیں؟" جاذب کب آیا دونوں کو علم ہی نہ ہوا' اب اس کی آواز سنی تو امی کے ساتھ ساتھ ثنا بھی چونک گئی۔

"کچھ نہیں بیٹا وہی جاذبہ کا مسئلہ لے کر پریشان ہوں کسی طرح مائرہ کو بھنک پڑ گئی ہے' اس نے حسب عادت جاوید کو بھڑکا دیا اور وہ نیچے آکر خوب بول کر گیا ہے۔" امی نے ثنا کا نام لیے بنا بات بتا دی۔

"کیوں انہیں کیا پرابلم ہے؟" جاذب نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔

"وہ کہتا ہے کہ یہ گھر بیچ کر حصے نہیں ہونے دے گا۔"

"ان سے کس نے کہا کہ ہم یہ گھر بیچ رہے ہیں آپ بتا دیتیں کہ جاذبہ آپا دکان لے رہی ہیں اور بس۔"

"اس کی باتوں نے مجھے بہت دکھی کر دیا ہے۔ نیچے آتے ہی بنا کوئی جانچ پڑتال کیے جو بولنا شروع ہوا تو سمجھو زبان پر قابو پانا مشکل ہو گیا اس لیے میں نے بھی جوابی طور پر غصہ سے کہہ دیا کہ ساری جائیداد کی شرعی تقسیم ہو گی جس کے حساب سے جاذبہ "تقریباً" اٹھارہ سے بیس لاکھ کی مالک بن رہی ہے۔ لہٰذا اگر اتنی رقم کا انتظام تم دونوں بھائی کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ میں دونوں دکانیں بیچ کر اس کو حصہ دے دوں گی' مکان تمہارے حصہ میں آجائے گا اور میری یہ بات سنتے ہی وہ اس قدر بھڑکا کہ فی امان اللہ۔"

جاذب جانتا تھا کہ جاوید بھائی ایسے ہی ہیں پل میں تولہ اور پل میں ماشہ' غصہ کی حالت میں جو منہ میں آتا بول کر چلے جاتے اور جیسے ہی غصہ ختم ہوتا سب کچھ بھول جاتے۔ جب کہ امی کا معاملہ دوسرا تھا انہیں عام طور پر کم ہی غصہ آتا' مگر جب بھی آتا اس حالت میں وہ جو فیصلہ کر لیتیں اس سے کبھی ایک انچ آگے پیچھے نہ ہوتیں۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اس وقت جذباتی ہو رہی ہیں اسی لیے تھوڑا سا اپنے دماغ کو ٹھنڈا کریں۔ جاذبہ آپا ایک دکان پر رضامند ہیں انہیں ایک دکان دے دیں دوسری آپ اپنے نام کر لیں اور مکان ہم دونوں کے نام کر دیں۔" اپنی طرف سے جاذب نے اس مسئلہ کا ایک نہایت آسان سا حل پیش کیا۔

"تاکہ میرے مرنے کے بعد تم دونوں بھائی اس دکان کی خاطر لڑ مرو۔" اپنی بات کہتے ہوئے امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں امی میری عادت ایسی نہیں ہے۔"

"پیسا بہت بری چیز ہے بیٹا۔ اس کے حصول کی کوشش ساری عادتوں کو بدل دیتی ہے۔"

امی نے تو اپنا فیصلہ سنا دیا' مگر اس کے نتیجہ میں گھر کے ماحول میں ایک عجیب سی ٹینشن پھیل گئی جس کا علم جلد ہی جاذبہ کو بھی ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا کہ کسی سے کوئی بات مت کیجیے گا جب تک امی خود آپ سے یا جاوید بھائی سے کوئی بات نہ کریں' مگر آپ نے پھر بھی جاوید بھائی کو سب کچھ بتا دیا۔" آج کئی دنوں بعد ثنا کو مائرہ ملی تو وہ چھوٹتے ہی گلہ کر بیٹھی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو ثنا' میں غلط بات کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔" اپنی ہر برائی کو خوبی بنا کر پیش کرنا وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔

"اور تم خود سوچو ذرا پیچھے اتنا سب کچھ ہو رہا ہے اور بڑا بیٹا ہونے کے ناطے جاوید صاحب بالکل بے خبر ہیں یہ بے حسی نہیں تو اور کیا ہے مکان بیچ کر رقم نواسے کی تعلیم کے لیے دے دی جائے۔"

"پلیز بھابھی آپ جو سوچ رہی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے امی تو سیدھے سبھاؤ انہیں دکان دینے کا ارادہ رکھتی تھیں اور ہیں' جبکہ مکان کا تو کسی نے ذکر بھی نہ کیا تھا۔ خواہ مخواہ مکان کا ذکر کر کے جاوید بھائی نے امی کے موڈ کو سخت خراب کر دیا ہے اور اب ان کا کہنا ہے کہ ساری جائیداد شرعی طریقے سے تقسیم ہو گی اور شاید وہ دونوں دکانیں بیچ کر آپا کو حصہ دے دیں۔" مائرہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"جی! جبکہ اس سے پہلے جاذب انہیں سمجھا چکے تھے کہ ایک دکان آپا کو دے دیں اور دوسری اپنے نام لکھ کر مکان ہمارے حصہ میں ڈال دیں' لیکن معاف کیجیے گا مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے آپ کی جلد بازی نے معاملہ قدرے بگاڑ دیا ہے۔"

"کچھ نہیں بگڑا یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا جاذب اور امی نے سمجھ رکھا ہے۔ ابا جب فوت ہوئے تو مکان ایک کھنڈر تھا اس پر روپیہ ہم نے لگایا تو یہ محترمہ کیسے دعویدار بن گئیں۔"

"زمین ابا کی تھی اور آج بھی انہیں کے نام ہے اس پر آپ جو بھی رقم لگائیں وہ کسی حساب میں نہیں آئی' حقیقت یہ ہے کہ باپ کے نام جو جائیداد ہو اس میں دو حصہ بیٹے کے' ایک بیٹی اور چوتھائی بیوی کا ہوتا ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی وراثت درست طریقے سے تقسیم ہو تو ہی برکت ہے ورنہ سارا مال برباد ہو جاتا ہے۔" بڑی بھابھی اور جاوید بھائی کے رد عمل نے ثنا کو بہت غصہ دلایا تھا اس لیے اس نے کھل کر بات ان کے سامنے واضح کر دی۔

"جو بھی ہے میں تو یہ ہی کہوں گی جاذبہ بہت غلط کر رہی ہیں اور اس طرح وہ بھائیوں سے چھٹ جائیں گی۔"

بھابھی ڈھٹائی سے اپنے موقف پر برقرار تھیں۔

لہٰذا ان سے مزید بحث کرنا بے کار سمجھتے ہوئے ثنا خاموش ہو گئی۔

٭ ٭ ٭

"یہ بڑی بھابھی کو کیا ہوا ہے؟ اس قدر موڈ خراب تھا کہ میرے سلام کا جواب دینے کی زحمت بھی نہ کی۔" جاذبہ ابھی ابھی آئی تھی اور آتے ہی اس کا ٹکراؤ سیڑھیوں پر مائرہ سے ہو گیا اور چونکہ وہ ابھی تک گھر میں ہونے والی کسی بھی بات سے بے خبر تھی' اس لیے بھابھی کے رویہ کو محسوس کر کے سخت دل برداشتہ ہو رہی تھی۔

"رہنے دو اسے دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔" شاید امی نہیں چاہتی تھیں کہ جاذبہ کو کسی بات کا علم ہو اس لیے بتانا مناسب نہ سمجھتے ہوئے ٹال دیا۔

"پھر بھی امی پتا تو چلے وہ تو کبھی ایسی نہ تھیں کہ سلام کا جواب نہ دیں اس کے علاوہ بھی ان کا رویہ خاصا تبدیل تھا دیکھنے میں محسوس ہی نہ ہو رہا تھا کہ بڑی بھابھی ہیں۔"

"وہ شروع سے ایسی ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے آج کل اس نے اپنے اوپر چڑھا اچھائی کا لبادہ اتار رکھا ہے' جس کی بدولت اس کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے آ گیا ہے۔" جاذبہ کو محسوس ہوا بھابھی کے ساتھ ساتھ امی بھی سخت چڑی ہوئی ہیں وہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر شرمندہ ہو گئی کہ شاید اس غصہ اور ناراضی کی وجہ اس کی ذات ہے نہ وہ حصہ مانگتی اور نہ گھر کا ماحول اس طرح خراب ہوتا۔

میرا خیال ہے کہ بھابھی کو میراوراثت میں حصہ کا تقاضا برا لگا ہے۔" بچی تو نہ تھی بھابھی کا رویہ دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ اصل معاملہ کیا ہے پھر بھی اپنی ماں کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

"لگتا رہے برا یہ جائیداد اس کے باپ کی تو ہے نہیں جس میں سے تم حصہ مانگ رہی ہو۔ وہ اگر عمر صاحب کی بہو بیگم ہونے کا اعزاز رکھتی ہے تو تم بھی بیٹی ہو تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا بھائیوں کا۔" امی

کے جواب نے جاذبہ کو قدرے مطمئن کردیا۔
"اگر کچھ ناجائز ہوتا تو میں بھی تمہاری مخالفت میں اپنے بیٹوں کے ساتھ کھڑی ہوتی' مگر چونکہ تمہارا مطالبہ بالکل جائز ہے اس لیے میں بھی نہیں چاہوں گی کہ تمہاری حق تلفی ہو۔ تم اطمینان رکھو میں نے آج رات جاوید اور مائرہ کو نیچے بلایا ہے اور پھر میں ان سب کو بٹھا کر وہ فیصلہ سناؤں گی جو مجھے بہتر لگے گا۔"
جاوید بھائی کے رویہ نے یقیناً" امی کے لیے فیصلہ کرنا قدرے آسان کردیا تھا جس کا احساس ان دونوں میاں بیوی کو بالکل نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم نے آج جاذبہ سے بات کی تھی۔" جاوید بھائی' بھابھی کے پیچھے پیچھے ہی اوپر آئے تھے اور انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اوپر آتے ہی بیگم صاحبہ کا موڈ سخت آف ہوگیا ہے وجہ غالباً" جاذبہ تھی جو سیڑھیوں پر ہی انہیں ملی تھی۔
"نہیں۔۔۔ اور نہ ہی مجھے کرنی ہے ایسی بہن جو اپنے بھائیوں کے سر پر موجود چھت چھیننے کی کوشش کرے اس کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی کوئی عزت ہے۔"
"میں ایک بات سوچ رہا ہوں مائرہ۔" جیسے جاوید بھائی نے ان کی بات سنی ہی نہ ہو۔
"تمہارے پاس تو صرف باپ کا ایک گھر اور دو دکانیں ہیں جن میں سے شرعی طور پر جاذبہ کا حق بھی بنتا ہے۔"
"ہاں تو پھر۔" جاوید بھائی کی تمہید ابھی تک ان کی سمجھ میں نہ آئی۔
"پھر یہ کہ تمہارے ابا کی تو کروڑوں کی جائیداد ہے کئی مکانات جن کا کرایہ تمہارے دونوں بھائی کھا رہے ہیں۔ پھر اتنا بڑا پولٹری فارم جہاں سے مہینوں کی آمدنی لاکھوں میں ہوتی ہے' تو ایسے میں میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی اپنے بھائیوں سے جائیداد میں حصہ کا مطالبہ کرنا چاہیے' جو کہ تمہارا شرعی حق ہے۔ سوچو ذرا۔ جاذبہ کو محض پندرہ سے بیس لاکھ دینے سے ہمارا اس قدر فائدہ ہوگا کہ بدلے میں تمہارے حصہ میں کم از کم پچاس لاکھ تو ضرور آئیں گے۔" اس بات پر تو اس نے کبھی غور ہی نہ کیا تھا اب تو جاوید نے توجہ دلائی تو سوچ میں پڑ گئی۔
"اچھا میں آج ہی زویا سے بات کرتی ہوں کہ وہ کیا کہتی ہے۔" زویا' مائرہ کی چھوٹی بہن کا نام تھا۔
"ضرور کرو کیونکہ میں آج آفس سے واپسی پر ایک دینی مدرسے کے عالم سے مل کر آرہا ہوں' جن کا یہ کہنا ہے کہ باپ کے فوت ہونے کے بعد پہلی فرصت میں ہی جائیداد کی منصفانہ تقسیم کردینی چاہیے۔ جس کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جائیداد کی قیمت لگانے کے بعد ایک دکان کے علاوہ جو اضافی رقم جاذبہ کو دینی پڑے وہ میں اور جاذب مل کر دے دیں گے۔ آخر اتنے سالوں سے اپنے باپ کی جائیداد سے فائدہ بھی تو ہم دونوں ہی اٹھا رہے ہیں ورنہ تم خود سوچو اس مہنگائی کے دور میں ایک گھر بنانا کس قدر مشکل کام ہے۔" جاوید بالا ہی بالا تمام فیصلہ کرچکا تھا اس لیے اب اسے مزید کچھ کہنا بے کار تھا لہٰذا عزت اسی میں تھی کہ خاموشی اختیار کرلی جائے لہٰذا جواباً" مائرہ بالکل خاموش رہی۔
"اور تم بھی اپنی دونوں بہنوں سے بات کرنے کے بعد اپنے بھائیوں سے جاکر ملو اور انہیں بتاؤ کہ باپ کی جائیداد میں تم تینوں کا بھی شرعی حق بنتا ہے۔"
یقیناً" جاذبہ کی ضرورت نے ایک اہم نقطہ سب کو سمجھا دیا تھا اور وہ تھا "وراثت" جسے مسلمان ہونے کے باوجود ہم میں سے کسی نے کبھی قابل درخور اعتنا نہ سمجھا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ تم میرے فیصلے سے نہ صرف متفق ہو بلکہ اسی سلسلے میں پوری طرح میرا ساتھ دینے کو بھی تیار ہو۔" جاوید بھائی کی زبانی جاذبہ کے حق میں کی جانے والی گفتگو نے امی کو قدرے مطمئن کردیا۔

"ظاہر ہے امی بڑا بیٹا ہونے کے ناطے میرا یہ فرض ہے کہ چھوٹے بہن بھائیوں کا کوئی حق مجھ پر نہ رہ جائے جو کل کو میری اولاد کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر تم دونوں کی اجازت سے میں اپنی ایک دکان جاذبہ کے نام کر رہی ہوں جبکہ باقی پانچ لاکھ کی رقم تم دونوں بھائی مل کر اسے ادا کرو گے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" امی کی بات سنتے ہی جاذب نے جواب دیا۔

"اور نہ ہی مجھے۔" جاوید بھائی کے جواب نے بھی امی کو مطمئن کر دیا۔

"ویسے بھی بیٹیوں کا حق کھانے والے کبھی پھلتے پھولتے نہیں اور میں تو اس معاملے میں شروع دن سے ہی جاذبہ کے ساتھ تھی۔"

مائرہ بھابھی کی زبان سے ادا ہونے والا یہ جملہ سنتے ہی ثنا نے چونک کر ان کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں کچھ دن قبل والی سختی اور نفرت کی جگہ نرمی اور محبت نے لے لی تھی جسے محسوس کر کے ثنا کو دل ہی دل میں ان پر رشک آیا کیونکہ دیگر تمام خوبیوں کی طرح یہ خوبی بھی ان میں بدرجہ اتم موجود تھی کہ وہ اپنے دلی تاثرات چھپانے میں کمال مہارت رکھتی تھیں۔ وقت اور حالات کو دیکھتے ہوئے اپنا روپ بدلنے میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

کل تک جاذبہ کو باتیں سنانے والی بھابھی آج خوب بڑھ چڑھ کر اس کے حق میں بول رہی تھیں اور کچن میں چائے بناتی ثنا ان کی گفتگو سن کر مسکرا رہی تھی، جس کا علم باہر بیٹھی بڑی بھابھی کو قطعی ہی نہ تھا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو آپ کے ظاہر و باطن کو بالکل اس طرح جان جاتے ہیں جیسا وہ ہوتا ہے اور ثنا بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھی جو بڑی بھابھی کا اچھا اور برا ہر رنگ جان چکی تھی۔

☆ ☆

نازیہ جمال

مکمل ناول

"کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے بھائی کے لیے۔"
علیہ خاصی ترنگ میں باآواز بلند گنگنائی تھی۔
"یہ کیا فضول بات ہے؟" وہ جو لیدر کوٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے علیہ سے دو قدم آگے چل رہی تھی' ایک دم سے رک گئی۔ گھوم کر علیہ کو گھور کے دیکھا۔
"فضول بات نہیں ڈیئر! بلکہ یہ تو میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ صرف میری ہی خواہش نہیں بلکہ کسی کے لیے تو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔" علیہ اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے خاصی معنی خیزی سے بولی تھی۔
"ہونہہ! دیوانے کا خواب" وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ موسم میں رچی یخ بستگی نے ایسی پھریری اس کے جسم میں دوڑائی تھی کہ بے ساختہ اس نے دونوں بازو اپنے سینے پہ لپیٹ لیے تھے۔ دور نیلگوں پہاڑوں پہ بادلوں کا دھواں اتر رہا تھا۔
"قسم سے حائقہ! میری بھابھی بننے میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے ہمیں تمہاری بیسٹ فرینڈ اکلوتی نند بن کر بھی بہن کی طرح رہوں گی۔ میری مما جو تمہیں اپنی دوسری بیٹی کہتی ہیں۔ ان کی محبتوں کے چشموں میں تم کمی نہ دیکھو گی۔ اور رہ گیا میرا ہینڈسم اور چارمنگ بھائی۔۔۔"
"شاپ اٹ علیہ!" اس نے بے ساختہ علیہ کی روانی سے چلتی زبان روکی تھی۔ خوب صورت پیشانی پہ ناگواری کی لہریں نمودار ہوئی تھیں۔
"میں تمہیں بارہا کہہ چکی ہوں کہ میرے فیوچر کا ہر فیصلہ میرے پاپا کریں گے۔ اس لیے تم کوئی ایسی ویسی خواہش مت پالو دل میں۔"
"اوکے! تو گویا شیرازی انکل تک ڈائریکٹ اپروچ کرنی ہوگی۔ وہ اوکے کردیں تو پھر تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا؟" اس کے چہرے کو تولتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے علیہ آرام سے بولی تھی۔
حائقہ کی نگاہوں میں فواز کا سراپا اتر آیا تھا۔ جو بلاشبہ ہینڈسم اور چارمنگ تھا مگر ظاہری سراپے سے ہٹ کر اس کا دیکھنے کا انداز اور گفتگو اس کے چہرے پہ ایک دم سے سختی چھا گئی تھی۔
"وقت آنے پہ دیکھا جائے گا۔ تم پہلے سے کوئی امید مت باندھو۔"
حائقہ اور علیہ بہترین دوست ہونے کے ساتھ ساتھ کلاس فیلوز بھی تھیں۔ ان کا کالج کا ٹرپ چار دنوں کے لیے ناران' کاغان اور دیگر شمالی علاقہ جات کی سیر کے لیے آیا ہوا تھا۔
صبح ناشتے کے بعد ہی وہ دونوں فطری خوب صورتی سے لطف اندوز ہونے کے لیے نکل پڑیں۔ حالانکہ ان کی ٹیچرز انہیں گروپس میں آؤٹنگ کا کہہ رہی تھیں۔ علیہ اپنے موبائل کیمرہ میں کھٹا کھٹ اس کی اور اپنی درجنوں تصاویر لے چکی تھی۔ ابھی جو ارغوانی پھولوں کے جھنڈ پہ نظر پڑی تو اس کا بازو کھینچ کر لے گئی۔
"آؤ حائقہ! ان پھولوں کے آگے ایک سیلفی لیں۔"
"نہیں تم لو۔ کافی پکس لے چکی ہو۔" وہ اپنا بازو

چھڑاتی آگے بڑھ گئی۔ سامنے منظر پہ نظر پڑی تو نظریں خیرہ ہو جانے والے انداز میں جم گئی تھیں۔ جابجا قدرتی حسن بکھرا پڑا تھا۔ مگر یہ نظارہ تو حد سے سوا تھا۔

شفاف چشمے کی تہ میں رنگ برنگی خوب صورت مچھلیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔ وہ ایک خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھتی گئی۔

پانی کی سطح پہ سر نکالے پتھروں پہ احتیاط سے پاؤں دھرتے ہوئے وہ چشمے کے عین وسط میں پہنچ گئی۔ شفاف پانی میں تیرتی مچھلیوں کو کئی بار پکڑنا چاہا مگر ہر بار وہ اس کی مٹھی سے نکل جاتیں' اسے اس کھیل میں لطف آنے لگا تھا۔

کتنی ہی دیر بیٹھی مچھلیوں کو پکڑتی اور اپنے ہاتھ سے پھسلتا دیکھتی رہی۔ اپنے موبائل کیم سے ان مچھلیوں کی پکس لے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ علیہ دور پھولوں کے کنج کے پاس ہی رہ گئی تھی۔ چشمے کے کنارے نرم نرم گھاس اور بے شمار خوب صورت خودرو پھول اگے ہوئے تھے۔

نرم مخملیں گھاس پہ پاؤں رکھتے ہی تراوٹ کا گہرا احساس اس کے اندر تک اتر گیا تھا۔ وہ ننگے پاؤں کتنی ہی دیر تک گھاس پہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی۔ واک کرتی رہی تھی۔ کہ اچانک اسے اپنے پیروں کے قریب سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔

اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ ایک سبز رنگ کا پتلا سا سانپ تھا جو اس کے پاؤں پہ کاٹ کر تیزی سے رینگتے ہوئے نکل گیا۔

اسے اپنے پاؤں پہ ایک چٹکی سی محسوس ہوئی' پھر ایک دم سے درد کی ایک لہر اٹھی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ٹانگ پھر پورے جسم کا احاطہ کرلیا۔ درد کی شدت سے وہ پہلے تو دہری ہوئی پھر ایک دم سے نرم گھاس پر گر گئی۔

☼ ☼ ☼

اس کے دوست کئی دنوں سے اسے آؤٹنگ پہ نکلنے کا کہہ رہے تھے۔ مگر ہر بار کوئی نہ کوئی مصروفیت اس کے آڑے آجاتی۔ کبھی زمینوں کا کوئی مسئلہ ہو جاتا تو کبھی مزارعوں کی شکایات کا ازالہ کرنے میں وقت لگ جاتا۔

ایسے میں وہ دوستوں کو کسی نہ کسی بہانے سے ٹالتا آیا تھا۔

سعد اور شارق کراچی کے رہائشی تھے جو اکثر اس کے گاؤں شکار یا کسی اور غرض سے مدعو ہوتے رہتے تھے۔ اس بار وہ بیسٹی سائیڈ لو ایگری کلچر کے آفس کسی کام سے کراچی آیا تو سعد اور شارق شمالی علاقہ جات کی سیر کا ارادہ کیے بیٹھے تھے۔

"چل بھئی شیری! ہر بار کوئی نہ کوئی تیرا بہانہ چل جاتا ہے۔ مگر اب تجھے ہمارے ساتھ ناردرن ایریاز چلنا ہی پڑے گا۔ گاؤں سے تو نکل ہی آیا ہے۔" شارق نے اس کی چوڑی پشت پر زور سے دھپ لگاتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا تھا۔ ان کی محبت بھری دھونس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ گھر واپسی کا سفر ملتوی کر کے ان کے ہمراہ ان مرغزاروں میں چلا آیا۔

گلے میں ٹیلی سکوپ ڈالے وہ ہر دلکش منظر کو اپنے موبائل کیم میں محفوظ کرتا جا رہا تھا کہ ایک دم سے سامنے دکھائی دینے والے منظر نے اسے ٹھٹکا کر روک دیا تھا۔

ایک بیس سالہ حسین دوشیزہ کے چہرے پہ اذیت کے آثار کافی دور سے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی شدت تکلیف کے مارے دہری ہوئی پھر گر گئی۔

"او خدایا! اسے کیا ہوا ہے؟"

تفکر سے بڑبڑاتے ہوئے وہ اس کے قریب آیا پھر گھٹنوں کے بل قریب بیٹھ کر بغور اس کا جائزہ لیا۔

لڑکی اچھی خاصی خوش شکل تھی مگر بے ہوشی کی حالت میں دہری ہوئی پڑی تھی۔ بلو جینز کے اوپر کھدر کا ڈھیلا ڈھالا کرتا اور اس کے اوپر براؤن لیدر کوٹ' گلے میں سرخ اونی مفلر لپٹا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ انجان لڑکی کو چھوڑ کر چل دے مگر شخصی وقار اور تربیت اسے وہاں بیٹھے رہنے پر مجبور کر رہے تھے۔

"پتا نہیں کون ہے؟ فیملی کے ساتھ آئی ہے یا میری طرح دوستوں کے ساتھ چل پڑی ہے اور ایکا ایکی بے ہوش کیوں ہوئی ہے؟"

خود کلامی کرتے ہوئے اس نے حائقہ کا سرتاپا پھر سے جائزہ لیا۔ سفید پاؤں سینڈلز سے آزاد تھے۔ سینڈلز کچھ فاصلے پر پڑی تھیں۔

جائزے کے دوران اس کی نگاہیں دائیں پیر پر جم گئیں۔ پاؤں پہ واضح کانٹے کا سرخ نشان تھا۔

"پتا نہیں کس زہریلے کیڑے نے اسے کاٹا ہے کہ یہ بے ہوش ہو گئی ہے یا پھر سانپ...؟" ایک دم سے خدشہ اس کے ذہن میں سرسرایا تو وہ بے طرح پریشان ہو اٹھا۔

"سنیں مس! آپ کے ساتھ کون ہے؟" وہ اس کے رخسار ہولے ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر کوٹ کی اندرونی جیب کے ابھار نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔

"شاید اس کے سیل سے کوئی کانٹیکٹ مل جائے۔" ابھی پاکٹ سے موبائل نکالا ہی تھا کہ اسکرین پہ "علیہ کالنگ" سے ٹون بج اٹھی۔

"ہیلو! حائقہ تم کہاں چلی گئی ہو۔ میڈم کی کال آئی ہے۔ وہ ہمیں واپس بلا رہی ہیں، لنچ ٹائم ہونے والا ہے۔"

اس کے اوکے کرنے پر دوسری طرف سے ایک متفکر نسوانی آواز سنائی دی۔

"دیکھیں محترمہ! آپ جو کوئی بھی ہیں۔ آپ کی یہ دوست یہاں ندی کے کنارے مجھے بے ہوش پڑی ملی ہیں۔ شاید انہیں کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ ان کی کنڈیشن سے میں تو یہی اندازہ کر پایا ہوں۔"

جواب میں وہ مفصل انداز میں مضبوطی سے گویا ہوا۔

"کیا؟ کیڑے نے کاٹ لیا...؟ بے ہوش..." علیہ کے تو ہاتھوں کے توتے اڑ گئے تھے۔ فوراً "اسٹاف کو مطلع کیا۔

پندرہ منٹ بعد دو تین ٹیچرز اور علیہ گرتی پڑتی ندی کنارے پہنچ گئیں۔

"میں ایسے ہی سیر کو نکلا ہوا تھا تو انہیں بے ہوش حالت میں دیکھ کر ادھر آ گیا۔" وہ ان سب کے متوحش چہروں کو دیکھتے ہوئے وضاحتی انداز میں بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ گاڈ! میں نے منع بھی کیا تھا کہ زیادہ دور نہ جاؤ۔ اگر جانا ہے تو گروپس میں جاؤ مگر یہ ایڈیٹس گرلز۔" ایک ٹیچر فکرمندی سے بے ہوش پڑی حائقہ کو دیکھتے ہوئے ناراضی سے بولی تھیں۔ ہوٹل کال کر کے وین بلوائی گئی۔

ان سب کے رخصت ہو جانے کے بعد وہ بھی جانے کے لیے مڑا تو وہاں پڑیں سینڈلز پہ نظر پڑی۔ شاید افراتفری میں اسے اٹھانا بھول گئی تھیں۔ وہاں ایک کارڈ بھی پڑا ہوا تھا جو شاید اس لڑکی کا تھا۔

اس نے جھک کر اٹھالیا۔ اسٹوڈنٹ کارڈ تھا۔ پورا بائیوڈیٹا تفصیل سے موجود تھا۔
نام حائقہ شیرازی ولدیت آصف شیرازی
تعلیم بی اے آنرز۔
کارڈ پڑھتے ہوئے اس کی آنکھیں پرسوچ انداز میں سکڑ گئی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"اللہ! حائقہ! تمہیں اگر کچھ ہو جاتا تو میں انکل کو کیا جواب دیتی۔ سوچو ہم سب کا کیا ہوتا۔" علیہ محبت سے اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔ بروقت طبی امداد مل جانے سے حائقہ کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ سانپ اتنا زہریلا نہیں تھا۔ حائقہ اگر اس کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی تو کبھی بے ہوش نہ ہوتی۔ اصل میں زہر سے زیادہ خوف نے اس کے اعصاب پہ حملہ کیا تھا تبھی تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔
"ہاں یار! پاپا تو میرے بغیر مر جاتے۔" کہتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ جان سے عزیز باپ سے دوری کے خیال نے اسے کتنی بار رلایا تھا۔ یقین ہی نہ آرہا تھا کہ وہ موت کی سرحد کو ہاتھ لگا کر آئی ہے۔
"دعا دو اس اجنبی پرنس کو جو نجانے کہاں کہاں سے بھٹکتا ہوا ادھر آنکلا۔ تم پر نظر پڑی اور مجھے انفارم کیا۔ ورنہ نجانے تم کب تک وہاں پڑی رہتیں۔"
"ہاں یہ بھی پاپا کی کوئی نیکی تھی کہ اللہ نے ایک مددگار وہاں بھیج دیا۔" اس نے سادگی سے اثبات میں سرہلا دیا۔
"اس نے اپنا کوئی کانٹیکٹ نمبر نہیں دیا؟ اس کو تھینکس کہنا تو فرض بنتا ہے۔"
اس نے نحیف آواز میں استفسار کیا۔ علیہ کی زبانی اسے اپنے غیبی مددگار کا احوال مل چکا تھا۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ وہ اس کی ہمدردی اور انسان دوستی پر اس کا شکریہ ادا کرے۔
"کہاں سے نمبر لیتی۔ ادھر اس نے انفارم کیا۔ ادھر ہم لوگ تمہارے سر پر پہنچ گئے۔ ویسے ایک بات تو ہے۔ بندہ تھا بہت ہینڈسم اور اعلیٰ کمنٹ۔ کم بخت کی ہائٹ بھی غضب کی تھی۔" علیہ کا لہجہ رشک آمیز تھا۔ کیونکہ صبح روانگی تھی اس لیے علیہ بیگ میں اپنی اور اس کی چیزیں رکھنے لگی۔
"سنو، سنو، ہمارے پاس ایک پلان ہے۔" ان کی گروپ فرینڈ ملائکہ نے دروازے سے جھانک کر کہا۔
دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
"ہمارا ارادہ واپسی پہ اسلام آباد میں ارسلہ کے گھر ایک دن قیام کرنے کا ہے ارسلہ اپنی انگیجمنٹ کی ٹریٹ گھر پر دے رہی ہے یقیناً" تم دونوں ہمارے ساتھ اتفاق کرو گی۔" ملائکہ پورا دروازہ کھول کر اندر آگئی۔
"اوکے! ہم بھی رکیں گے ساتھ میں ارسلہ کی فیملی سے بھی مل لیں گے۔" علیہ نے فوراً "ڈن کر دیا مگر اس نے دو ٹوک انکار کر دیا۔
"نہیں، میں نے گھر جانا ہے۔ بس آئی ایم فیلنگ ہوم سک نیس۔"
"کم آن حائقہ! تم تو ایسے گھر کی رٹ لگا رہی ہو جیسے تمہارا کوئی وہاں بیٹھا ہو۔ جو تمہارا شدت سے انتظار کر رہا ہو۔ جیسے تمہارا اتنے دن باہر رہنا گراں گزر رہا ہو۔"
ملائکہ نے بھی اسے پروگرام میں شامل کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ مگر اسے تو ملائکہ کی بات سن کر ہی غصہ آگیا۔
"واٹ ڈو یو مین؟ کہ گھر میں میرا کون انتظار کر رہا ہے؟" وہ بے حد ترشی سے ملائکہ سے مخاطب ہوئی تھی۔
"میری زندگی بوا! میرے پاپا، کیا یہ سب لوگ میرا ویٹ نہیں کر رہے ہوں گے۔" وہ سخت نگاہوں سے ملائکہ کو دیکھتے ہوئے خلاف عادت چیخ کر اونچی آواز میں بولی تھی۔
"یہ دیکھو! ان کی فون کالز، ٹیکسٹ میسجز" اس نے اپنا سیل آگے کیا۔
"سوری حائقہ! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"
اس کے جارحانہ تیوروں سے خائف ہوتے ہوئے

ملائکہ بس یہی کہہ پائی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس کی کس بات نے حائقہ کو اتنا ہائپر کیا ہے۔ علیہ بھی اس کی بے حد سرخ پڑتی رنگت اور تیز تنفس سے پریشان ہو گئی تھی۔

"چِل ڈاؤن! ملائکہ نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی جس پہ تم اتنا شاؤٹ ہو رہی ہو۔ صرف ارسلہ کے گھر ایک دن رکنے کا کہہ رہی تھی۔" علیہ نے نرمی سے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"تم نے دیکھا نہیں کیسے مجھے جتا رہی تھی کہ گھر میں میرا کوئی منتظر نہیں ہے۔" وہ بھیگے لہجے میں علیہ سے ایسے شکایتی انداز میں بولی جیسے ایک چھوٹا بچہ کسی بڑے سے کسی کی شکایت کر رہا ہو۔

"زینت بوا، میرے پاپا، پوری کمپلیٹ فیملی ہے میری، میرے برڈز۔" آنسو اب بے ساختہ مخملیں رخساروں پہ لڑھک آئے تھے۔ علیہ بے ساختہ ایک لمبی سانس کھینچ کر رہ گئی تھی۔

"اس کا مقصد تمہیں کچھ جتانا تھوڑی تھا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ انکل دبئی میں رہتے ہیں۔ تم زینت بوا کے ساتھ گھر میں رہتی ہو۔ اس کا مطلب تھا کہ گھر میں تمہیں کوئی ڈانٹے گا نہیں کہ ایک دن مزید کیوں لگایا۔ دیٹس اٹ۔ وہ انکل کی روشن خیالی کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایسا کہہ رہی تھی، ورنہ تو کتنی گرلز ہیں جنہیں اس ٹرپ کی بمشکل اجازت ملی ہے۔" علیہ نرمی سے بولتے ہوئے اس کا ملال کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

بات واقعی ایسی نہیں تھی جس پہ وہ اتنا مائنڈ کر جاتی۔ پتا نہیں کیوں طبیعت بگڑنے پر اسے ہر چیز شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔ بلاوجہ کی زود رنج ہو رہی تھی۔ خواہ خواہ زور زور سے رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ ورنہ تو ملائکہ، ارسلہ سب اس کی گہری دوست تھیں۔ سبھی کا ایک دوسرے کے گھر آزادانہ آنا جانا لگا رہتا تھا۔ سبھی اسی کی طرح روشن خیال اور ویل آف فیملیز سے تعلق رکھتی تھیں۔

سب جانتے تھے کہ اس کے پاپا آصف شیرازی نے

اس کی مما ایمن شیرازی کی وفات کے بعد دبئی میں دوسری شادی کرلی تھی۔

آصف شیرازی کے دو بچے تھے۔ وہ ایک مکمل فیملی کے ہمراہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ زینت بوا اس کے ماما پاپا کی چچازاد بہن تھیں۔ جنہوں نے اس کی پرورش و تربیت کا فریضہ پوری ذمہ داری اور جانفشانی سے نبھایا تھا۔ خود بے اولاد تھیں۔ شوہر نے اولاد کی خاطر دوسری شادی کی تو یہ ناراض ہو کر میکے کی دہلیز پہ آبیٹھیں پھر مڑ کر واپس نہیں دیکھا۔

صاحب حیثیت آصف اور ایمن اکثر اپنی چچازاد زینت کو ضرورت کی اشیاء فراخ دلی سے بھجواتے رہتے تھے کہ بے گھر اور لاچار خاتون ہی ان کی خیرات و زکواۃ کی صحیح حق دار ہے۔ پھر جب ایمن امید سے ہوئیں تو آصف نے زینت کو بلا بھیجا کہ گھر کے کاموں کی ذرا دیکھ ریکھ کرلیں۔ حائقہ کی پیدائش، پھر دو سال بعد ایکسیڈنٹ میں ایمن کی وفات کے بعد زینت بوا نے گھر کے تمام معاملات مکمل طور پر اپنے ذمے لے لیے۔ محبوب بیوی کی ناگہانی موت کا صدمہ جو تھا سو تھا، ننھی حائقہ کی دیکھ بھال کی طرف سے آصف کو اچھی خاصی تسلی ہوگئی تھی۔

اگلے کچھ سالوں میں صورت حال ایسی بنی کہ انہیں اپنا بزنس دبئی منتقل کرنا پڑا۔ پھر حالات کے تقاضوں کے تحت انہیں اپنے بزنس پارٹنر سہیل کی بہن لامعہ سے شادی کرنا پڑی۔ یوں ان کی نئی زندگی وہاں شروع ہوگئی جس میں خدیج اور آئنہ نے آکر رنگ بکھیرے۔

ادھر حائقہ، بوا زینت کے زیر سایہ پل کر جوان ہوئی۔ بوا زینت کی محبت کے چشموں سے جی بھر کر سیراب ہوتے ہوئے حائقہ ایک مکمل متوازن اور با اعتماد زندگی گزار رہی تھی۔ کسی قسم کا کوئی احساس کمتری اس کی شخصیت میں موجود نہ تھا۔ آصف شیرازی ہر دو ماہ بعد اس کے پاس چکر لگاتے۔ وکیشنز میں وہ دبئی ہو آتی۔ لامعہ آنٹی اور خدیج و آئنہ سے بہت گاڑھی نہیں تو اچھی بنتی تھی۔ ایک احتیاط کے غلاف میں لپیٹ کر وہ ان سے ملاقات کرتی۔

سب کچھ ٹھیک تھا تو اس نے ملائکہ کی بات کو اتنا دل پہ کیوں لے لیا تھا۔

شاید سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے اس کی طبیعت بگڑی تو حد درجہ حساسیت کی زد میں آگئی تھی۔ سب کے سوار ہوتے ہی بسیں چل پڑیں۔

یارو یہی دوست ہے، قسمت سے جو ملی ہے
یونہی سنگ چلیں، سب سنگ چلیں
چلتے رہیں ہم سدا

پیچھے لڑکیوں کا گروپ کورس میں حلق پھاڑ کر گا رہا تھا۔ علیہ بھی ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے پار تیزی سے دوڑتے بھاگتے مناظر کو دیکھتی رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

"بڑی اماں! آپ سنائیں، کیا حال ہیں آپ کے؟ کافی کمزور لگ رہی ہیں۔" آج وہ کافی دنوں بعد بیگم مہتاب کے کمرے میں آیا تھا۔

اتنا پوچھنا ہی غضب ڈھا گیا۔ بیگم مہتاب منہ پہ دوپٹا رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"کیا پوچھتے ہو بیٹا! ایسی گزر رہی ہے۔ دعا کرتی ہوں کہ زندگی کا سورج جلد از جلد غروب ہو جائے۔ ایسی کسمپرسی اور لاچاری کی زندگی، ہم سے نہیں گزاری جاتی۔ کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی بھول کر کمرے میں نہیں جھانکتا۔ موئی جنتوں، کسی کو کوئی پروا نہیں، بوڑھی جان ہر ضرورت کے لیے آوازیں لگانا پڑتی ہیں۔"

"مگر کیوں شاہدہ آپ کے پاس نہیں ہوتی کیا؟" وہ ان کی بات کاٹ کر حیرانی سے بولا۔ شاہدہ، بیگم مہتاب کی خدمت پر مامور ملازمہ کا نام تھا۔

"کہاں وہ منحوس بھی شکل نہیں دکھاتی۔ یہ سارا کیا دھرا نوشابہ کا ہے۔ وہ تو چاہتی ہے کہ ابھی دم دے دوں۔ میرا بوڑھا وجود اس کو کانٹوں کی طرح چبھنے لگا ہے۔"

"ارے نہیں بڑی اماں! امی جان بھلا ایسا کیوں

چاہیں گی۔"

وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے آرام سے بولا۔ اب ماں کی شکایت پر وہ اور کیا کہتا۔

"میں امی جان سے کہتا ہوں۔ وہ آپ کا مکمل خیال رکھا کریں۔ آپ بزرگ ہیں آپ کی دعائیں تو ہمارے لیے سرمایہ حیات ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"ہوں۔ تم خیال کا کہتے ہو۔ یہ دوائیں پلانے کا بھی کوئی روادار نہیں سوچا تھا تمہاری دلہن آئے گی تو اس سے خوب خدمت لوں گی۔ مگر تیرا ابا تو شہری لڑکی بہو بنانے کی بات کر رہا ہے۔ شہری لڑکیاں تو اتنی نازک مزاج اور نخریلی ہوتی ہیں ان سے کیا امید رکھوں؟"

بیگم مہتاب کا لہجہ خاصا مایوسانہ تھا۔ وہ ان کی بات سن کر رک گیا پھر قدرے شگفتگی سے بولا۔

"ارے بڑی اماں! خدمت کیوں نہیں کرے گی۔ محترمہ کو سیدھا کر کے رکھ دوں گا اگر میری بڑی اماں کو خوش نہ رکھا تو۔" وہ اپنے مخصوص مضبوط لہجے میں بولا۔

"جاؤ بیٹا! باتیں کرتے ہو۔ شہر کے لوگ کیا دیکھے بھالے نہیں میں نے۔ ہاں اگر تم اپنی پھپھو اسماء کی بیٹی مہک کے لیے مان جاؤ تو میرا دل خوش ہو سکتا ہے۔ میری اپنی نواسی ہے۔ ڈانٹ کر بھی اس سے کام لے لوں گی۔" وہ بولتے ہوئے آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ایک لمبی سانس کھینچ کر باہر نکل آیا۔ بڑی اماں اب اس موضوع پر آچکی تھیں جس سے اسے سخت کوفت ہوتی تھی۔ نوشابہ طویل برآمدے میں رکھے منقش چوبی جھولے پہ بیٹھی تھیں۔ ملازمہ حمیداں نیچے بیٹھی ان کے پاؤں دبا رہی تھی۔ اسے آتے دیکھا تو حمیداں وہاں سے چلی گئی۔

"امی جان! شاہدہ کو میں نے کہا تھا کہ دن رات اس نے بڑی اماں کے ساتھ رہنا ہے۔ ان کی ضروریات پوری کرنی ہیں۔ مگر وہ مجھے اندر دکھائی نہیں دی۔" وہ ماں کے پاس جھولے پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ارے بیٹا! اماں کسی کو ٹکنے بھی دیں تو۔ جو ملازمہ ان کے لیے مستقل رکھی، دو دن میں انہوں نے باہر نکال دی۔ کوئی ٹھیک سے ٹانگیں نہیں دباتی تو کسی سے انہیں بو آتی ہے۔" نوشابہ بیگم جیسے عاجز ہو کر بولی تھیں۔

"پھر بھی امی جان! اتنی بوڑھی جان کو تنہا چھوڑنا ٹھیک نہیں۔" اس نے ادب سے کہا۔

"شہر نواز! اماں اتنا ذلیل کرتی ہیں ملازماؤں کو کہ حد نہیں، کھانا پسند نہ آنے پر کھانا ان پہ الٹ بھی دیتی ہیں، جو دوائی پلائیں، وہ ٹھیک سے نہیں پیتیں کہ کڑوی ہے۔ ان کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ عمر کا بھی یہی تقاضا ہے۔" نوشابہ لاپروائی سے بولیں۔

جتنی شکایات بیگم مہتاب کو ان سے تھیں، اتنی ہی شکایات نوشابہ کو بھی ان سے تھیں، شہر نواز ماں اور دادی کی باہمی چپقلش سے بھی بخوبی واقف تھا اسی لیے شاہدہ کو کچن سے بلا کر بیگم مہتاب کے کمرے میں بھیج دیا۔

بیگم مہتاب اپنی جوانی کے دور میں ایک دبنگ اور بارعب ملکائی تھیں۔ پوری حویلی میں ان کا سکہ چلتا تھا۔ نوشابہ جو اس حویلی کی اکلوتی بہو تھیں۔ ان کے اشارہ ابرو پر چلتی تھیں۔ گاؤں کے شادی بیاہ اور دیگر انتہائی ذاتی معاملات میں عورتیں ان سے مشاورت لیتی تھیں۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سلطنت کا سورج غروب ہوتا گیا۔ چوہدری اللہ نواز منوں مٹی تلے جا سوئے۔ اکلوتے بیٹے خالق نواز کی اولاد جوان ہو گئی۔ بہو نوشابہ نے ان کی جگہ لے لی تھی۔

بیٹا اور دونوں پوتے فرماں بردار تھے۔ خصوصاً" چھوٹے پوتے شہر نواز سے تو انہیں خصوصی لگاؤ تھا۔ شہر نواز کی قربت میں انہیں تقویت ملتی تھی۔ اپنے اس وجیہہ اور باوقار پوتے سے انہیں ڈھیروں توقعات تھیں۔ اس لیے ہر قسم کا گلہ شکوہ اس سے کر لیا کرتی تھیں۔

شہر نواز ایک زیرک اور فہیم نوجوان تھا۔ اس کے ذہن رسا نے سمجھ لیا کہ بیگم مہتاب بدلتے ہوئے وقت سے سمجھوتہ نہیں کر پا رہی ہیں۔ تبھی تو انہیں ہر ایک سے شکایت رہتی تھی۔ وہ ان کی شکایات دور کرنے کا

طریقہ سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات ایک بجے کالج بس نے اسے گھر کے گیٹ پہ ڈراپ کیا تھا۔ بنگلے کی نصف بتیاں بجھ چکی تھیں۔ ملازمین اپنے اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے صرف زینت بوا اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور صبیح پیشانی چوم لی تھی۔

"او کے بوا! صبح تفصیل سے بات ہو گی۔ مجھے اس وقت سخت نیند آرہی ہے۔" وہ نرمی سے کہتی اوپر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔ لمبے سفر، تھکاوٹ اور خرابی طبیعت کی بنا پر اپنے بیڈ پر اسے ٹوٹ کے نیند آئی تھی۔

اگلے دن گیارہ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو طبیعت کی گرانی میں قدرے کمی محسوس ہوئی۔ فوراً" اٹھ کر شاور لیا اور کافی حد تک فریش ہو کر نیچے آگئی۔

"بیٹا! آپ ناشتا تو نہیں کریں گی۔ دوپہر کا کھانا بن رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد لنچ کر لیجیے گا۔" زینت بوا عقب میں آکر پوچھ رہی تھیں۔

"جی بوا! فریش ایپل جوس لا دیجیے۔ بس اب ڈٹ کے لنچ کروں گی۔ کئی دنوں بعد گھر کا کھانا کھاؤں گی۔" اس نے قدرے مڑ کر ادب سے جواب دیا۔

زینت بوا نے لنچ پہ اس کی تمام فیورٹ ڈشز بنوائی تھیں۔ انہیں وہ پہلے کی نسبت کمزور لگی تھی۔ اس کا اظہار انہوں نے کر بھی دیا۔

"جی بوا! موسم میں فرق تھا نا' اس لیے طبیعت ذرا اپ سیٹ رہی۔"

سانپ کاٹنے والی بات وہ گول کر گئی کہ مبادہ بوا پریشان نہ ہوں۔

"میں دعا کرتی تھی بٹیا جلد لوٹ آئیں' مجھے تو خالی گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ ہر چیز ایک دم سے سونی سونی اور ویران لگ رہی تھی۔" بوا اس کے نرم گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے بول رہی تھیں۔

"بوا! اگر آپ اتنی تنہائی فیل کر رہی تھیں تو ہائے گاڈ آئندہ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

وہ محبت سے ان کے کندھے پر سر ٹکاتے ہوئے بولی۔

"نہیں بیٹا! یہ ممکن نہیں کہ میں اور آپ سدا ایک ساتھ رہیں۔ ہمارا بچھڑنا تو طے ہے۔ بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن تو اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے۔" زینت بوا گہری یاسیت سے بول رہی تھیں۔

"خدانا خواستہ! ہم کیوں بچھڑیں۔ آپ کا اور میرا ساتھ تو ساری زندگی کا ہے۔ جو بھی مجھ سے شادی کرے گا اسے یہاں اس گھر میں آکر رہنا پڑے گا۔ ہماری بوا پیچھے اکیلی کیوں رہیں۔ میری طرح انہیں محبت اور عزت دینی ہو گی۔" وہ ٹھوس لہجے میں اپنے ارادے ظاہر کر رہی تھی۔

"محبت اور عزت تک تو ٹھیک ہے۔ مگر یہ گھر داماد بنانے والی بات ذرا پسند نہیں آئی۔" بوا قدرے شگفتہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولیں۔

"کیوں پسند نہیں آئی۔ میری فرینڈ ربیعہ کی بڑی بہن کا ہسبینڈ ان کے گھر آکر رہتا ہے۔"

"مگر بیٹا یہ کوئی ایسی اچھی بات ہے؟ ربیعہ کا بہنوئی چھڑا چھانٹ' بن ماں باپ کا بچہ ادھر ربیعہ اور رفیعہ دو بہنیں' نہ کوئی بھائی نہ زیادہ رشتے۔ آرام سے داماد بیٹا بن گیا۔ مگر ہماری حائقہ رانی کا راجا نہ تو چھڑا چھانٹ ہے نہ اکوا ک۔ پوری ایک حویلی میں خاندان بستا ہے۔ ماں' باپ' بہن' بھائی' بھابھی.....

"بوا؟" وہ جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھی۔ سنجیدگی سے بوا کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ کہیں کوئی مذاق کا شائبہ نہ تھا۔ اس کے چہرے کے عضلات ایک دم سے تن گئے تھے۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں بیٹا! آپ سیر پہ گئی ہوئی تھیں' آصف میاں کے دوست اپنے بیٹے کے لیے آپ کا رشتہ لے کر آئے تھے۔ خواتین آکر مل گئی ہیں' بہت اچھے لوگ ہیں' نہ پیسے کا غرور' نہ جاہ کی نمائش' پورے گاؤں کے وڈیرے ہیں۔ کئی ملیں اور زرعی فارم ہیں۔" بوا خاصی

عقیدت سے خوبیاں گنوا رہی تھیں' وہ چپ چاپ انہیں سنے جا رہی تھی۔

"پاپا نے مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا اور میرا رشتہ طے کر دیا۔" وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"خدا نا خواستہ پوچھیں گے کیوں نہیں۔ حتمی جواب تو آپ کی رائے لے کر ہی دیں گے نا۔ یہ تو فی الحال رشتے کی بات ڈالی ہے انہوں نے۔ آصف میاں نے کہا کہ میں آپ کے کان میں ڈال دوں تاکہ آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ آپ کا فیصلہ ہی ان کا فیصلہ ہے۔ کوئی زور زبردستی تھوڑی ہے۔" بوا نے پیار سے پچکارا تھا۔

"ہاں نہیں کی۔ مگر یہ بھی دیکھیں کہ ان کی نظر انتخاب کون ہے۔ ایک گاؤں کا باسی۔ کیا میں ایک دیہاتی ماحول میں رہ سکتی ہوں۔ بے شک آسائشات سے آراستہ ہو وہ گھر۔" وہ شاکی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ارے بیٹا! رائے قائم کرنے میں عجلت نہ کرو۔ وہ سلجھے ہوئے باشعور لوگ ہیں۔ لڑکا پڑھا لکھا اور کاروباری ہے۔ آصف میاں بہت تعریف کر رہے تھے باادب' شریف اور نیک بھاؤ۔" زینت بوا اسے سوچوں کے گہرے گرداب میں دھکیل کر کام نمٹانے لگ گئیں۔

"پاپا کا ذرا دل بھی نہیں کانپا میرے لیے ایسا فیصلہ کرتے ہوئے۔ ایسے تو آئندہ کو گاؤں میں رہنے بھیجیں گے۔ لامعہ آنٹی جان کو نہیں آ جائیں گی۔ مجھے گنوار اور چٹے ان پڑھ پسند ہی نہیں ہیں کجا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ پوری زندگی گزارنا۔" اس کی رنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب کہ بوا جو رشتے سے خاصی خوش تھیں' برملا اپنی رائے کا اظہار کرتی رہتی تھیں۔

"زندگی کا ساتھی عزت اور وقار دینے والا ہو تو گاؤں شہر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ اتنا بڑا گھر۔ یاد نہیں ہر سال جو موسمی پھلوں کے کریٹ کے کریٹ ادھر آتے ہیں یہ خالق نواز کے باغات کے تو ہی ہوتے ہیں۔ یہ شہد کی بڑی بڑی بوتلیں' خالص کھنڈ' واہ کیا خالص سوغات بھیجتے ہیں۔"

بوا تو اس حد تک مہمانوں کی گرویدہ تھیں کہ جھوم جھوم کر ان کی صفات بیان کرتی رہتیں۔

"آپ پر تو حویلی والوں کا جادو چل گیا ہے ان سوغات کا میری خوشیوں سے کیا تعلق۔ آپ میری پریشانی نہیں سمجھ سکتیں' کوئی تو ہو جسے میرے احساسات کی پروا ہو۔" وہ پاؤں پٹخ کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ اس کی انگلیاں علیہ کا نمبر ملا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"تو تمہارے خیال میں اس مسئلے کا بس یہی حل ہے؟" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے دل نواز نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تو آپ کے خیال میں اور کیا حل ہو سکتا ہے؟" جواباً وہ متانت سے گویا ہوا۔

"نہیں گورنس رکھنے میں کوئی مضائقہ تو نہیں۔ اگر بڑی اماں مطمئن ہو جائیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" دل نواز نے بات متانت سے مکمل کی۔

اس وقت ان دونوں کے درمیان رکھی میز پر ناشتے کے لوازمات کے ساتھ ساتھ آج کا تازہ اخبار بھی پڑا تھا جس میں' ضرورت ہے کے کالم میں شہر نواز کی طرف سے ایک خاتون کیئر ٹیکر کی ضرورت کا اشتہار چھپا تھا۔ ایسی خاتون جو حویلی آ کر بیگم مہتاب کی تمام ضروریات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت ان کے ساتھ رہے' تنخواہ اور دیگر مراعات کا تفصیل سے ذکر موجود تھا۔

"دیکھیں بھائی! بڑی اماں اب عمر کے اس دور میں موجود ہیں کہ انہیں ہر دم ایک غمگسار اور صابر و متحمل ساتھی کی ضرورت ہے۔ ان کا چڑچڑا پن' جذباتی و غصیلا انداز ان کی عمر کی دین ہے۔ یہاں حویلی میں کوئی بھی ان کے احساسات کو سمجھنے پہ یا تو تیار نہیں یا کسی کے پاس ٹائم نہیں۔ امی اور بھابھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف اور ملازماؤں کو بڑی اماں کسی نہ کسی بات

پہ بھگا دیتی ہیں۔ اب کل کا دن ہی دیکھ لیں۔ سارا دن نہ کوئی میڈیسن لی نہ کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ ابو نے آ کر سو منتوں سے کھانا کھلایا۔"

پراٹھا قیمہ' یخنی اور بوائل ایگ' ناشتے کے تمام لوازمات سے مکمل انصاف کرتے ہوئے وہ دل نواز کو صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ دل نواز نے اس کی تمام باتوں کے جواب میں ایک ہنکارا بھرا تھا۔ اس کی بیوی ماہین واقعی بڑی اماں کے کمرے میں جھانکتی نہیں تھی کیونکہ وہ ان دنوں امید سے تھی۔ ہر آئے دن شہر اس کے چیک اپ کی خاطر چکر لگتے رہتے تھے۔

صرف خوب صورتی ہی نہیں۔ پیسا بھی تو نزاکت دیتا ہے۔ ابھی ڈلیوری میں کافی وقت پڑا تھا' مگر ماہین سارا وقت بستر پر دراز ہو کر ہی گزارتی تھی۔ ایک مستقل ملازمہ ہمہ وقت خدمت پر کمربستہ۔ ضروریات کی ہر شے کمرے میں موجود۔

بیٹے مہرنواز کے لیے بھی ایک الگ سے ملازمہ وقف تھی۔ سو ایسی نازک طبیعت کی حامل خوب صورت اور من چاہی بیوی کو دل نواز کیونکر کہہ سکتا تھا کہ وہ جا کر اس کی دادی کے پاس بھی بیٹھ کر دو چار باتیں کر اور سن لیا کرے۔

"تنخواہ میں نے کافی پرکشش رکھی ہے' ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی امیدوار آ ہی جائے گی۔" چائے کا کپ لبوں پہ لگاتے ہوئے شہرنواز نے کہا۔ پھر فرنٹ پیج سامنے پھیلا لیا۔

☼ ☼ ☼

میراب ہمدانی ایک فلاحی تنظیم کی چیئرپرسن تھی۔ اس تنظیم کے قیام کا مقصد غریب اور پسماندہ علاقوں میں صفائی' تعلیم' روزگار اور صحت کی سہولیات پہنچانا تھا۔

اپنے پاپا ڈاکٹر غیاث ہمدانی اور ماما ڈاکٹر شہلا ہمدانی کی ذاتی دلچسپی اور توجہ کی وجہ سے اسے بیرون ملک سے کافی ڈونرز مل جاتے تھے' تبھی تو اس کی فاؤنڈیشن اپنے مقاصد کے حصول میں کافی حد تک کامیاب جا رہی تھی۔

ابھی کل ہی وہ گلاسگو سے ایک چیریٹی ڈنر اٹینڈ کر کے پاکستان لوٹی تھی۔ اس کا وزٹ کامیاب رہا تھا۔ گلاسگو کے علاوہ مشی گن کی بھی پاکستانی کمیونٹی نے دل کھول کر اس کی فاؤنڈیشن کو ڈونیٹ کیا تھا۔

"یقیناً" تم کل گھر پہ سارا دن ریسٹ کرو گی۔" گرم دودھ کا گلاس اس کے بیڈ روم میں اندر لائے ہوئے شہلا ہمدانی حکمیہ انداز میں بولی تھیں۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے' ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز تھی۔ لیپ ٹاپ اس کے پیٹ پہ رکھا تھا جس پہ وہ تیزی سے اپنا ہوم ورک سمرائز کر رہی تھی۔

"نو ماما! مجھے اسی ویک کسی بھی ٹائم ان ایریاز کا وزٹ کرنا ہے جو ہمارے ٹارگٹس میں آتے ہیں۔ میں خود وہاں کی کمیونٹی سے مل کر ان کے حال جاننا چاہوں گی۔ میرا اسسٹنٹ ایک محنتی آدمی ہے۔ مگر مجھے خود آگے بڑھ کر سارا کچھ دیکھنا ہوگا۔"

وہ دودھ کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر غٹاغٹ سارا چڑھا گئی۔

"میرب! سوئٹ ہارٹ' اپنے کام کے لیے تمہارا یہ جنون مجھے پریشان کر کے رکھ دیتا ہے۔ ایسا بھی کیا سوشل ورک کہ انسان اپنے لیے بھی وقت نہ نکال سکے۔ کل ہی اسٹیٹس سے لوٹی ہو۔ پھر دھول مٹی سے اٹے ماحول کے چکر۔ خدارا کچھ رحم کرو خود پر۔ کبھی پارلر کا چکر لگاؤ۔ اپنی اسکن دیکھو۔ بال اتنے رف۔" شہلا ہمدانی اس کے سراپے کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔

بلو جینز کے اوپر امبرائیڈڈ گول دامن والی قمیص گھونگھریالے بالوں کا جھٹا پیچھے ایک کیچو میں مقید تھا۔ موٹے بلیک فریم کے گلاسز سے پیچھے ذہین چمک دار آنکھیں اسکرین پہ جمی تھیں۔

"ماما! اچھی خاصی تو ہوں۔ جب کوئی فیملی فنکشن ہوگا تو کسی پارلر کا چکر لگا لوں گی۔ ویسے بھی لوگ کہتے ہیں آپ کی بیٹی جتنی دکھنے میں خوب صورت ہے۔ اتنی ہی من کی بھی خوب صورت ہے۔ کیا خیال ہے؟

عینک ہاتھ سے درست کرتے ہوئے وہ شرارتی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں! یہ تو ہے۔ میری بیٹی پہ تو صورت و سیرت دونوں ختم ہیں۔" شہلا کے لہجے میں اس کی ذات کے حوالے سے مخصوص تفاخر جھلک رہا تھا۔

"کہتے ہیں کہ جب آپ کسی اچھے کام کے لیے قدم بڑھاؤ تو دس مددگار ہاتھ آپ کی طرف مدد کے لیے بڑھتے ہیں۔ اب جو رورل ایریا میں نے سلیکٹ کیا ہے۔ خوش قسمتی سے وہاں کا لینڈ لارڈ میرا یونیورسٹی فیلو نکل آیا ہے۔ وہ بھی اس پروجیکٹ میں اپنا شیئر شامل کرنا چاہتا ہے۔ کل وہ اسی پروجیکٹ کے حوالے سے اہم ڈسکشن کرنے کے لیے مجھ سے ملنے آرہا ہے۔" طمانیت سے لبریز لہجے میں وہ شہلا کو بتا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"شہر نواز بیٹا! آپ شہر جا رہے ہو؟" نوشابہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی امی! ذرا ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں کسی سے ملاقات کرنی ہے۔ آپ بتایئے۔ کچھ لانا ہے آپ کے لیے؟" وہ ادب سے پوچھنے لگا۔

نہیں بیٹا! لانا نہیں بلکہ دینا ہے۔ آپ کے ابو نے کہا ہے کہ شہر نواز سے کہو ان کے دوست آصف بھائی کے ہاں خالص شہد کی بوتلیں اور دیسی گھی کے ڈبے بھیجنے ہیں۔"

"کمال کرتی ہیں امی! اب یہ ایسی چیزیں دینے میں ان کے گھر جاؤں۔" وہ کوفت سے بولا۔

"تو میرے بھائی! اگر کہتے ہو تو انگوٹھی اور دیگر ساز و سامان بھی لے کر چلتے ہیں۔ بات پکی کر کے ہی لوٹیں گے۔"

ماہین اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔ جواب میں وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

"ارے وہ کوئی حتمی جواب دیں تو ہم بھی کچھ لے جائیں۔ آصف بھائی اس ماہ دبئی سے آئیں گے تو جواب دیں گے۔ پھر ایسے تحفے تحائف کی باری آئے گی۔ ان شاء اللہ خوب لد پھند کر جاؤں گی شہر۔" نوشابہ کے لہجے میں خوشی کی کھنک تھی۔

"تو جب آصف چچا دبئی میں ہیں۔ گھر پہ نہیں تو مجھے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ ان کی باتوں سے یہ بات پکڑ سکا تھا۔

"تو کیا ہوا؟ اگر وہ نہیں ہیں تو ان کی صاحب زادی تو ہو گی نا۔ اسے دیکھ لینا۔ بلکہ اپنی طرف سے کوئی گفٹ لیتے جاؤ۔ متاثر ہو جائے گی۔ پرسنالٹی لاکھ اچھی ہو مگر دل جیتنے کے لیے کچھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔" ماہین مسلسل آمادہ بہ شرارت تھی۔ وہ جواب میں اتنا گویا ہوا۔

"یہ آپ مجھے اپنا تجربہ بتا رہی ہیں کہ بھائی دل نواز نے ایسے دل جیتا تھا آپ کا؟"

"شہر نواز!" ماہین محض آنکھیں نکال کر رہ گئی تھی۔ نوشابہ ہنس پڑیں۔ قدرے توقف سے بولیں۔

"تو پھر میں تحفے تیار کرتی ہوں۔ آپ کی گاڑی میں رکھوا بھی دیتی ہوں۔ یاد سے انہیں دے ضرور دینا۔"

"امی! مجھے اچھا نہیں لگتا ایسے بوتلیں اور ڈبے اٹھا کر کسی کے گھر جاتے ہوئے۔ اگر میں ڈسکشن سے فری ہوا تو دے دوں گا ورنہ معذرت۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا تھا۔

"یہ معذرت اپنے باپ سے جا کر کرلو تو بہتر ہے۔" نوشابہ بے نیازی سے کہتی نکل گئیں تو وہ محض سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھیں میرب! ہمارے گاؤں میں حکومتی منصوبوں کے تحت ترقیاتی کام ہو تو رہا ہے مگر یہ سست روی کا شکار ہے۔ تعلیمی رجحان بھی کافی کم ہے۔ مگر الحمدللہ روزگار کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ گاؤں کا ہر فرد پیٹ بھر کر سوتا ہے۔ ہماری اپنی رائس اور شوگر ملز ہیں گاؤں کے مرد کام کرتے ہیں۔ عورتیں ہمارے ہی کھیتوں میں کام کاج کر کے اناج وغیرہ حاصل کر لیتی ہیں۔ مگر چاہتا ہوں کہ آپ کی این جی او کے تحت ہیلتھ

یونٹ قائم کیے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ بالخصوص گائنی کے شعبہ میں۔"

وہ میرب کے آفس میں اس کے روبرو بیٹھا، دو ٹوک اور واضح انداز میں اپنا نقطۂ نظر پیش کر رہا تھا۔ ملازم خاطر تواضع کے لوازمات سرو کرنے لگ گیا تھا۔ میرب اس کی باتوں کے جواب میں اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

"جی شہر نواز! میں جانتی ہوں کہ ہیلتھ کے حوالے سے گاؤں میں کافی پرابلمز پیش آتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر حاملہ خواتین کو بروقت اور جلد ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارا مین فوکس بھی یہی ہوگا۔ باقی فیلڈ ورک سے ہی پرابلمز کا علم ہوگا۔ اسی حوالے سے ترجیحات فکس کرلی جائیں گی۔ آپ یہ چیزیں لیں نا۔" بولتے بولتے میرب کو آداب مہمانی یاد آ گئے۔ شہر نواز نے چائے کا کپ اٹھالیا۔

"جی بالکل! آپ کے ہر پروجیکٹ میں میرا تعاون خاص ضرور شامل ہوگا۔ اپنے علاقے کی بہتری و فلاح کے لیے تو ہم کام کرتے ہی رہتے ہیں۔ مگر آپ کی فاؤنڈیشن کے تحت یہ کام ذرا پراپر طریقے سے ہوں گے۔" چیئر کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ ریلیکس انداز میں گویا ہوا۔

چین ونڈوز سے دھوپ سیدھی اندر پڑ رہی تھی۔ آفس بے حد شاندار انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ میرب نے آفس گھر کے اندر ہی سیٹ کیا ہوا تھا۔ فلاحی پروجیکٹ سے ہوتے ہوئے ان کی باتوں کا رخ یونیورسٹی لائف کی طرف چل پڑا۔ کئی پرانے دوستوں اور اساتذہ کا تذکرہ... کئی خوشی کے لمحات... الیکشن، ایگزامز، ٹرپس، گروپس، ہنگامے، کتنا کچھ انہوں نے ڈسکس کرلیا تھا۔

ہلکی پھلکی اور خوش گوار باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ وہ تو جب اندر پڑتی دھوپ نے رخ بدلا تو وہ چونک اٹھا تھا۔

"اوکے میرب! مجھے کہیں اور بھی جانا ہے۔" وہ کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"جی! کس سے ملنا ہے آپ کو؟" اس کے ہارن دینے پہ گیٹ تو نہیں وا ہوا تھا البتہ چوکیدار بغلی دروازے سے نکل آیا تھا اور اب بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے کھردرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"مجھے آصف شیرازی انکل سے ملنا ہے۔ یہ ان کا ہی گھر ہے نا؟" وہ بلیک گلاسز اتارتے ہوئے شائستگی سے بولا۔ نیم پلیٹ سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مطلوبہ مقام پہ پہنچ چکا ہے۔

"جی! ان کا ہی ہے گھر۔ وہ گھر میں نہیں ہیں۔ دبئی میں ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

گل محمد نے صاف رکھائی سے اسے جواب دے دیا، کیونکہ صاحب کا یہی حکم تھا کہ ان کی غیر موجودگی میں کسی انجان فرد یا گاڑی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ سوائے حائقہ بی بی کی دوست علیہ بی بی کی گاڑی کے۔ کیونکہ سبھی جانتے تھے کہ آصف شیرازی باہر مقیم ہیں اور گھر میں حائقہ اور روازینت دو تنہا خواتین ہیں، بے شک وفادار اور معتمد ملازم بھی ساتھ رہتے ہیں مگر پھر بھی احتیاط لازم ہے۔

شان دار لینڈ کروزر میں بیٹھا ہوا یہ اونچا لمبا وجیہہ نوجوان گل محمد کو متاثر تو کر رہا تھا مگر پھر بھی وہ اس کے لیے ایسے گیٹ نہیں کھول سکتا تھا جب تک وہ اپنی پہچان نہیں کرواتا۔

"لو جی! ابو جان اس گھر کے داماد بنانا چاہتے ہیں اور ادھر ہے کہ مشکوک سمجھ کر دروازے پہ ہی روک دیا گیا ہے۔" وہ دل میں خالق نواز کے فیصلے پر اش اش کر اٹھا تھا۔

"دیکھیں۔ مجھے بھی علم ہے کہ شیرازی انکل اکثر باہر رہتے ہیں۔ یہ میرے والد صاحب چوہدری خالق نواز نے ان کے لیے چند تحائف بھجوائے ہیں۔ آپ انہیں دے دیجیے گا۔" اب کے اس نے ساتھ رکھے کارٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا تاکہ گل محمد کے حوالے یہ کارٹن کر دے۔

"اچھا اچھا آپ اس چوہدری صاحب کے بیٹے ہیں جو صاحب سے ملنے اکثر آتے رہتے ہیں۔"

گل محمد لمحوں میں پہچان کے مراحل طے کر گیا تھا۔
"آیئے آیئے اندر آیئے۔" وہ گیٹ کھول چکا تھا۔
اب اندر جائے بنا چارہ نہ تھا۔
صاحب تو اپنے اس دوست کی بہت عزت کرتے تھے۔ اکثر ان کے گاؤں جاتے رہتے تھے۔ ایسے میں اس حویلی کے فرد کو باہر کھڑا رکھنے پر بھی صاحب اس سے خوب ناراض ہو سکتے تھے۔
"آپ اندر چلیے میں یہ کارٹن اٹھا لیتا ہوں۔" گل محمد کی معیت میں چلتے ہوئے اس نے دونوں بازو پیچھے باندھ کر سر اٹھا کر اس دو منزلہ بنگلے کو دیکھا تھا۔ سفید و گلابی چمکیلی ٹائلوں سے مزین یہ عمارت سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی۔
بوا زینت تک بھی اس کی آمد کی اطلاع پہنچ گئی اس کی متاثر کن شخصیت اور چہرے پہ چھائی شرافت سے وہ اتنا تو اندازہ کر چکی تھیں کہ یہی اس گھر کا ہونے والا داماد ہے۔ پھر بھی دل کی تسلی کو پوچھ لیا۔
"آپ بیٹا! شہر نواز ہو نا؟"
"جی جی میں شہر نواز ہوں۔ ابو جی نے کچھ چیزیں انکل کے لیے بھجوائی ہیں۔ انہیں دینے کے لیے حاضر ہوا تھا۔" وہ متوازن لہجے میں گویا ہوا۔ بوا زینت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خاطر داری کے لیے کیا کچھ نہ کریں۔ فوراً" سلمیٰ کے ساتھ ڈھیروں لوازمات ڈرائنگ روم میں پہنچائے۔
"ان سب کی ضرورت نہیں تھی۔ میں چائے ابھی پی کر آیا ہوں۔ بس چلتا ہوں۔" وہ لوازمات سے بھری میز پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔
"ارے نہیں بیٹا! آپ اس گھر کے ہونے والے داماد ہو۔ آپ کی جتنی عزت خاطر کی جائے کم ہے۔ آپ کھانا کھا کر جایئے گا۔" بوا دوپٹا درست کرتے ہوئے عاجزی سے بولیں۔ اور فروٹ کیک ڈال کے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔
"ولیں! امی کہتی ہیں کہ ابھی ان لوگوں نے "ہاں" نہیں کی اور یہ خاتون کہہ رہی ہیں داماد۔" اس نے دل ہی دل میں اچنبھے سے کہا۔

ویسے وہ شیرازی ہاؤس میں داخل ہوتے ہی ایک شگفتہ سے احساس میں گھر گیا تھا۔ اس کے محسوسات میں ایک دم سے تبدیلی آئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا۔ کہیں سے بھی "وہ" دکھائی نہ دی تھی۔ جس کی ایک جھلک دیکھنے کی چاہ بڑے چپکے سے اس کے من کے ایک کونے میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ اوپر سیڑھیوں پہ بھی نظر ڈالی جہاں سے بوا ابھی اوپر گئی تھیں۔
"اٹھو بیٹا! آکر سلام تو کر لو۔ بے شک پھر واپس چلی آنا۔"
اوپر بوا فائقہ کی منت سماجت کر رہی تھیں، مگر اس پہ کوئی اثر ہی نہ ہو پا رہا تھا۔ ہنوز اوندھی لیٹی ٹی وی پہ کوئی کارٹون مووی دیکھنے میں مگن تھی۔
"کیا کہیں گے وہ۔ پہلے ہی چکر میں اتنی عزت افزائی تو آگے کیا ہوگا۔" بوا اب قدرے خفگی سے کہہ رہی تھیں۔ مگر ادھر کوئی اثر نہ ہوا۔
"افوہ بوا! جب میں نے وہاں شادی ہی نہیں کرنی تو موصوف سے ملنے نہ ملنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اچھا ہے نہیں ملوں گی تو سمجھ جائے گا کہ ہمارا کیا ارادہ ہے۔"
اسکرین پہ نظریں جمائے دو ٹوک انداز میں بولی تھی۔ بوا کچھ دیر تو اس کے سر پر کھڑی خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ پھر ایک تھکی ہاری سانس کھینچ کر نیچے آگئیں۔
"اوکے میں پھر چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
نجانے اس بزرگ خاتون کا چہرا اسے پہلے کی نسبت بجھا ہوا کیوں محسوس ہوا تھا۔ اوپر یہ "کچھ" لانے تو گئی تھیں کہ جاتے وقت ان کے قدموں کی پھرتی اور لبوں پہ پھیلی دھیمی مسکان اور اب شرمندہ شرمندہ بجھا ہوا پژمردہ انداز۔ جیسے کوئی "خالی ہاتھ" آکھڑا ہو۔
اس کے نکتہ رس ذہن نے فوراً" بوا زینت کے چہرے سے کافی کچھ اخذ کر لیا تھا۔
"آپ کھانا کھا کر جاتے تو ہمیں خوشی ہوتی۔" بوا کمزور آواز میں بولیں۔

"جی نہیں۔ دیر ہو رہی ہے۔ مجھے گھر بھی پہنچنا ہے۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بلا ارادہ اس کی نظر اوپری منزل کی طرف گئی تھی۔ کسی دریچے پہ کوئی رنگین آنچل نہ لہرایا تھا۔

وہ سر جھٹک کر گاڑی باہر لے آیا۔

☆ ☆ ☆

"دیہاتی ہونا بس آپ کے نزدیک صرف یہی وجہ اعتراض ہے؟"

سینے پہ بازو باندھے آصف شیرازی اس سے بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔ گلاسز سے پیچھے آنکھیں اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ کل ہی پاکستان پہنچے تھے۔ ہمیشہ کی طرح اس کے اور بوا کے لیے لامعہ کے خریدے گئے گفٹس حوالے کیے اور آج اسے جواب لینے کی خاطر اپنے بیڈروم میں بلا لیا تھا۔

"پاپا! یہ اعتراض کیا کوئی کم ہے؟" اس نے کافی دیر سے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور انہیں حیرانی سے دیکھا تھا۔

"دیکھو بیٹا! کسی انسان کو پسند، ناپسند کرنے کی وجہ اس کا کردار، اخلاق اور عادات ہوتی ہیں نا کہ اس کا ماحول جس میں وہ رہتا ہے۔ اچھے برے لوگ ہر جگہ ہر کہیں پائے جاتے ہیں۔ چاہے وہ دیہات ہو یا شہر۔ گاؤں میں جہالت، فرسودہ رسمیں ہیں تو وہاں انسان دوستی، محبت اور اخوت کی بھی لازوال مثالیں ہیں۔ آپ شہروں کی مادہ وجاہ پرستی نہ لو، بے حد مشینی انداز زندگی کو نظر انداز کرو صرف شہر والوں کی تعلیم اور روقت کو اہمیت دینے کی کوالٹی پر نظر رکھو اور ادھر گاؤں کے پسماندہ ماحول کو ایک طرف رکھ کر ان کی باہمی محبت و یگانگت اور رشتوں سے والہانہ لگاؤ اپناؤ۔ دونوں طرف سے اچھی چیزیں لو اور بری چیزیں نظر انداز کردو۔ سمپل۔"

"مگر پاپا! ہماری ایک ٹیچر ممتاز کی شادی ایک ویلجر سے ہوئی تھی۔ اس ویلجر نے انہیں مار پیٹ کر ڈائیورس دے دی ہے۔" وہ روہانسی ہو کر شکایتی انداز میں بولی تھی۔

آصف شیرازی جیسے اس کی معصومیت پہ مسکرا اٹھے تھے۔

"تو میری جان! یہی چیز تو میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ لوگ برے ہوتے ہیں۔ ان کا طرز زندگی یا ماحول نہیں۔ اب میرے خالہ زاد بھائی سہیل نے اپنی اچھی خاصی پڑھی لکھی خوب صورت بیوی کو بے بنیاد شکوک کی بنا پر ڈائیورس دے دی کہ اس کے کسی اور کزن کے ساتھ قریبی مراسم ہیں۔ اب سہیل جس کا گلف میں اتنا بڑا بزنس ہے۔ اسے یہ ناپسندیدہ فیصلہ کرتے ہوئے نہ اپنے تین بچوں کا خیال آیا اور نہ اپنے بوڑھے چچا چچی کا جن کی بیٹی کو وہ داغ لگا چکا ہے۔ سہیل کی ذہانت اور قابلیت کو ایک کاروباری دنیا جانتی اور مانتی ہے مگر گھریلو معاملات میں وہ بے حد شکی اور کان کا کچا مرد ثابت ہوا۔"

آصف شیرازی ہموار و متوازن لہجے میں بول رہے تھے۔ وہ مسلسل خاموش بیٹھی بس انگلیاں موڑتی رہی۔

"شہر نواز اپنی عادات اور کردار کی وجہ سے مجھے تو اچھا لگا ہے۔ اس میں وہ ساری کوالٹیز موجود ہیں جو میں اپنے داماد میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ محنتی، باشعور، بڑوں کا احترام کرنے والا اور نیک نبھاؤ۔ لیکن پھر بھی اگر آپ رضامند نہیں ہیں تو میں آپ کو فورس نہیں کروں گا۔ لامعہ بھی اپنے کافی سارے کزنز کے پروپوزلز میرے سامنے رکھتی رہتی ہے۔ یہ نہیں تو آپشنز تو اور بھی ہیں۔ سارے کے سارے ایجوکیٹڈ ویل سیٹلڈ۔ ایکسکیوزی۔"

آصف کے سیل پہ کال آرہی تھی انہوں نے سیل فون کان پہ لگا لیا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اندر آ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

علیہ اپنی خالہ زاد بہن کی شادی میں بنڈی گئی ہوئی تھی جاتے ہوئے اس سے بہت کہا کہ وہ بھی چلے۔ مگر حائقہ نے جانے سے صاف انکار کردیا تھا۔

اس کے شب و روز بے حد بے کیف اور پژمردہ گزر رہے تھے۔ نہ کسی کام میں جی لگتا اور نہ ہی اب تک کوئی کام ٹھیک طرح سے اس سے ہو پایا تھا۔

کھرپی لے کر ایک دن پودوں کی گوڈی کی مگر جلد ہی اکتا کر بائی کو واپس کردی۔ اپنے بیڈ روم کی سیٹنگ بھی سلمٰی کے ساتھ مل کر بدلنی تھی۔ ذہن سارا وقت آصف شیرازی کی کہی باتوں کو دہراتا رہتا تھا۔

اگر اس وڈیرے کا پروپوزل ریجیکٹ ہو جاتا تو لازمی طور پر لامعہ کی فیملی ہی آصف شیرازی کی منظور نظر بنتی۔ اور اس کا دل لامعہ کی فیملی کے لیے بھی قائل نہ ہو پا رہا تھا۔ دبئی میں جب بھی آصف شیرازی کے سسرال سے اس کی ملاقات ہوئی تو لامعہ کی آنٹیاں اور کزنز بے حد فارمل اور خشک انداز میں اس سے ملی تھیں۔ نہ کوئی گرم جوشی نہ دلچسپی کا اظہار ایسے موڈی اور مغرور لوگوں کو کیونکر پسند کر سکتی تھی وہ۔

"ایسے سرد اور روکھے پھیکے سسرالی پاپا کو ہی مبارک ہوں۔ مجھے قطعاً" منظور نہیں۔" اس کے دل نے قطعیت سے فیصلہ سنا دیا تھا۔ مگر پاپا کو اس نے کوئی تو جواب دینا تھا۔ نہ لامعہ کی فیملی' نہ یہ گاؤں کے لوگ' پھر یہ فواز بچتا ہے۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ فواز سے شادی کرنے سے بہتر ہے۔ میں ساری زندگی کنواری رہ جاؤں۔" وہ اپنی سوچ پہ ہی ڈر گئی تھی۔ فواز جو اس کی نگاہوں کو اچھا نہیں لگتا تھا بھلا دل کو کیسے اچھا لگتا۔ وہ تو علیہ کی وجہ سے اس کا لحاظ کر لیتی تھی ورنہ اس کی شوخ نگاہوں اور ذو معنی باتوں پہ خوب اس سے دو دو ہاتھ کرتی۔

"حائقہ بیٹا! آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" لان میں فروری کی دم توڑتی دوپہر کو محسوس کرتے ہوئے وہ اپنی سوچوں میں غلطاں بیٹھی تھی کہ بوا زینت اس کے پاس آکر بولیں۔

"میری ماموں زاد بہن سکینہ کے میاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے تعزیت کو جانا ہے میں چاہتی ہوں۔ ان کی طرف ہو آؤں۔"

"تو پرابلم کیا ہے بوا! آپ چلی جائیں پہلے بھی تو جاتی رہتی ہیں۔" اس نے آرام سے انہیں جواب دیا۔

"آپ شاید بھول رہی ہیں۔ آپ کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر میں کبھی کہیں نہیں گئی۔ ہمیشہ اپنے رشتہ داروں کے پاس ان دنوں ہی گئی جب آپ دبئی جاتیں یا آصف میاں یہاں آپ کے پاس موجود ہوتے۔ کبھی آپ کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں گئی۔"

"تو بوا! اب آپ چلی جائیں۔ میں کوئی چھوٹی بچی تو نہیں ہوں کہ مجھے اکیلا چھوڑا نہیں جا سکتا۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"بیٹا! فکر تو یہی ہے کہ آپ بچی نہیں۔ ایک جوان لڑکی ہو۔ جسے اتنے بڑے گھر میں نوکروں کے آسرے پہ میں ہرگز نہیں چھوڑ سکتی۔"

"تو آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔ صرف یہ بتائیں۔" وہ ان کی ساری باتیں خاموشی سے سنتی بالآخر زچ ہو کر بولی تھی۔

"میں چاہتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ گاؤں چلیں۔ وہاں سب سے مل کر آپ کو خوشی ہوگی۔ میں بھی سب سے مل لوں گی اور فکر بھی ختم ہو جائے گی۔" بوا نے اپنی طرف سے بہترین آئیڈیا دیا تھا۔ جسے اس نے فوراً" رد کردیا۔

"نہیں بوا! میں کہیں نہیں جا سکتی۔ اگر جانا ہوتا تو علیہ کے ساتھ اس کی کزن کی شادی پہ نہ چلی جاتی۔ میرا موڈ نہیں بن رہا۔"

"ہاں بیٹا! یہ بھی ہے۔ آپ کو دیہاتی زندگی ویسے بھی خاص پسند نہیں ہے۔"

بوا کا انداز قدرے یاسیت زدہ تھا۔ اس نے جھٹ ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"بخدا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کے سارے رشتہ دار میرے ماما پاپا کے بھی تو رشتہ دار ہیں۔ انہیں ناپسند کرنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ میں انکار تو

اپنے موڈ کی وجہ سے کر رہی ہوں۔" وہ صفائی دینے کے انداز میں بولی۔ اسے نجانے کیوں محسوس ہوا تھا کہ بوا اس کے ساتھ جانے سے انکار کو مائنڈ کر گئی ہیں۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! میں آپ کو مجبور تو نہیں کر رہی۔" محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بوا نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

واقعی اس کے چہرے کی مخصوص تازگی مفقود تھی اس وقت۔ آنکھوں کے گرد ہلکے ہلکے حلقے بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ پورے وجود پہ ایک سستی اور پژمردگی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ جب سے آصف شیرازی واپس دبئی گئے تھے، دل و دماغ کی کشمکش نے اس کی جسمانی صحت کو خاصا متاثر کیا تھا۔

"میں اس وقت آزاد اور بے فکر ہو کر خوب گھوموں پھروں گی جب میری بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ پھر میرے شانے بھی ہلکے ہو جائیں گے اور نیند بھی پرسکون آئے گی۔ نہ تو کہیں جانے سے کوئی مسئلہ ہو گا نہ پیچھے کی کوئی فکر ہو گی۔"

بوا کے لفظ لفظ سے خلوص اور محبت ٹپک رہی تھی۔

ایسی ہی بات آصف شیرازی نے جاتے ہوئے اس سے کی تھی۔

"حائقہ! آپ جلد از جلد کوئی فیصلہ کر لو۔ میں آپ کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ آپ کی گریجویشن مکمل ہو چکی ہے۔ اب مزید تاخیر مناسب نہیں۔ کیونکہ بزنس میں بھی میں اتنا الجھا ہوا ہوں کہ منتھلی باقاعدگی سے میرا آنا نہیں ہو سکتا۔ کوئی نہ کوئی مصروفیت آڑے آجاتی ہے۔ مگر مصروفیات کے باوجود بھی ہر دم آپ کا خیال اور احساس میرے ساتھ ہوتا ہے۔ جب میری بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے گی تو اس احساس میں فکر مندی کی بجائے طمانیت اور خوشی ہو گی۔"

"کیا میری شادی سے ہی سب کی پرابلمز سولو ہوں گی۔ پاپا اور بوا چین سے سوئیں گے۔" خود ترسی سے سوچتے ہوئے وہ ونڈو کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

"آج مما زندہ ہوتیں تو میری سیفٹی کے لیے کوئی ایسے تو متفکر نہ ہوتا۔ سب کے کام آسانی سے چل جاتے۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں پھر آنسو اس کے رخساروں پہ لڑھک آئے تھے۔

ہمیشہ سے اس کی ذات میں چھپی محرومی بڑی شدت سے عود آئی تھی۔ باوجود آسائشات، تعلیم اور بہترین تربیت کے باوجود، ماں اور بہن بھائیوں کی کمی اسے زندگی کے ہر دور میں محسوس ہوئی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر آزردہ سوچوں میں گھری کھڑکی کے قریب کھڑی رہی پھر آنسو پونچھ کر سست قدموں سے چلتی ہوئی بیڈ تک آگئی۔

✲ ✲ ✲

میرب ہمدانی کا تعلیمی پروجیکٹ "لائٹ فار آل" کامیابی سے ہمکنار ہو رہا تھا۔ اس پروجیکٹ کا مقصد نہ صرف بچوں بلکہ ایڈلٹس کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک لٹریسی پروگرام ترتیب دیا گیا۔ گاؤں کی تعلیم یافتہ لڑکیوں اور نوجوان خواتین کو اپنے علاقے کی ناخواندہ خواتین کو پڑھانے کا فریضہ تفویض کیا گیا۔ اس کام کے عوض ان کے لیے ایک معقول معاوضہ مقرر کیا گیا۔ شہر نواز کے لیے اپنے علاقے کے لوگوں کی بیداری اور شعور بہت خوشی کا باعث تھے۔ وہ دل سے میرب ہمدانی کی ان کاوشوں کا ممنون تھا۔

"آپ کی تنظیم میرے لیے اس لیے بھی قابل تعریف ہے کہ باقی این جی اوز کی طرح آپ نے صرف عورتوں کے مسائل کو فوکس نہیں کیا۔ نہ ہی ان کے گھریلو تنازعات کو ہائی لائٹ کر کے میڈیا پہ لے آئیں۔ بلکہ ایک خاموش مددگار کی طرح ہر بچے، بوڑھے ضرورت مند نوجوان کو ان کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ترقی کے مواقع فراہم کر رہی ہیں۔"

میرب کے پہلو میں چلتے ہوئے شہر نواز توصیفی

انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ دونوں آج فارم ہاؤس میں آئے ہوئے تھے۔

دورویہ پھلوں کے درختوں کے بیچ سرخ پختہ روش پر دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے پروجیکٹ کو ڈسکس کر رہے تھے۔ روش کے دونوں اطراف گھاس کے سرسبز میدان تھے جن میں نرم نرم سرخ و سفید خرگوش دوڑتے پھر رہے تھے۔ دور اصطبل میں موجود گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز صاف آرہی تھی۔ تاحد نظر سبزہ و پھول نظر آرہے تھے۔ چلتے چلتے وہ مصنوعی ندی کے پل پر چڑھ گئے۔

میرب بلیک پاجامے اور ڈھیلی ڈھالی کالروالی شرٹ میں ملبوس تھی۔ وجود کے گرد لپٹی چادر اور گھونگھریالے بال ڈھیلی ڈھالی چوٹی کے باوجود کافی مقدار میں اس کے چہرے کے اطراف میں نکلے ہوئے تھے۔ ندی کے کنارے دور تک خوب صورت اور نفیس پتھر بے حد مضبوطی سے جڑے ایک قدرتی تاثر پیش کر رہے تھے۔

"ارے نہیں شہرنواز! میری ٹیم ہی اتنی مخلص اور محنتی ہے کہ مجھے میری محنت کا بروقت اور بہترین صلہ مل جاتا ہے۔"

میرب اس کی تمام تعریفوں کے جواب میں انکساری سے محض اتنا ہی کہہ پائی تھی۔ "بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ جیسے ہمدرد اور خداترس لینڈلارڈ کی فیاضی اور خداترسی کی بدولت میرا پروجیکٹ بہت کامیاب جا رہا ہے۔"

"میں کیا، میری اوقات کیا؟ یہ سب اوپر والے کا کرم ہے۔ اگر اس کی رحمت شامل حال نہ ہو تو ہمارے ارادے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔" وہ پھولوں سے مہکی فضا میں سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

"خیر چلیں حویلی چلتے ہیں۔ آپ کا ڈنر پہ ویٹ ہو رہا ہے۔"

دور ڈوبتے سورج کی لالی پورے فارم کے ماحول کو پرفسوں بنا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

الٹی سیدھی پراگندہ سوچوں کی وجہ سے رات وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں پائی تھی۔ مما کی یاد، پاپا کی باتیں اور موجودہ صورت حال پہ غور کرتے کرتے اس کی طبیعت بوجھل پن کا شکار ہو گئی تھی۔ شاور لے کر ڈھیلے پن سے وہ نیچے آگئی۔ بوا اس کا ناشتا تیار کیے ٹیبل پہ اس کی منتظر تھیں۔

"بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ رات ٹھیک سے نیند تو آئی تھی؟" وہ اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے تفکر سے پوچھے بنا رہ نہ سکیں۔

"جی بوا! آئی ایم فائن۔" وہ توس پہ شہد لگاتے ہوئے بولی تھی۔ اخبار اس کے سامنے پڑا تھا۔ یونہی سرسری خبروں پہ نظر دوڑاتے ہوئے اندرونی صفحات میں ایک کونے پہ اس کی نظر جم گئی تھی۔

"ضرورت ہے والے کالم میں لگی ایک خبر اس وقت اس کی تمام تر توجہ کا مرکز تھی۔ مدعا صاف الفاظ میں لکھا ہوا تھا جو بخوبی اس کی سمجھ میں آگیا تھا اور ایڈریس تو اتنا مانوس اور جانا پہچانا تھا کہ کسی قسم کے شبے کی گنجائش ہی نہ تھی۔

چند منٹوں میں بیٹھے بیٹھے اس نے ایک پلان ترتیب دے ڈالا۔ عنابی ہونٹوں پہ بے اختیار ایک مسکراہٹ در آئی تھی۔

"یس! یہ ہوئی نا بات۔ اب ہوں گے میرے سارے پرابلمز حل اور ساری الجھنیں دور۔"

بے حد پرجوش انداز میں وہ با آواز بلند بولی تھی پھر تیزی سے اٹھ کر پین ڈھونڈا اور خبر کے گرد دائرہ لگا دیا۔ ساتھ ہی بوا کو زور زور سے آوازیں دینے لگی۔

"بوا... بوا ادھر آئیں پلیز۔"

اس کی آواز میں اتنا جوش اور بے ساختگی تھی کہ کچن میں مصروف عمل زینت بوا افتاں و خیزاں بھاگتی ہوئی آگئیں۔

"جی بٹیا رانی! خیریت؟"

"بوا! آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ کو اپنی کسی رشتہ دار کے ہاں جانا ہے تو بس آپ کل سے آپ گاؤں جانے کی تیاری پکڑیں کیونکہ میں بھی علیہ کے ساتھ

اس کی کزن کی شادی پر پنڈی جارہی ہوں۔"

"پر بیٹا! آصف میاں کیا کہیں گے؟" بوا تذبذب سے بولیں۔

"ارے بوا! پاپا کی آپ فکر نہ کریں۔ میں نے ان سے پرمیشن لے لی ہے۔ علیہ میری بہنوں کی طرح ہے۔ خود میرے ساتھ دبئی جاچکی ہے۔ تو مجھے بھی اس کے رشتہ داروں کے ہاں جانے کی اجازت ہے۔" وہ ان کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے مکمل اطمینان سے بولی تھی۔

"کمال ہے خود مجھ سے کہتے ہیں کہ ان کی بیٹی کو ایک منٹ کے لیے بھی آنکھ سے اوجھل نہ کروں۔ اور اب ہے کہ اتنی دور انجان لوگوں میں جانے کی اجازت دے دی۔ آصف میاں کی تو مجھے ابھی تک سمجھ نہ آسکی۔" بوا حیرت اور الجھن میں گھری با آواز بلند بولتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں۔

ناشتا وہیں کا وہیں دھرا رہ گیا تھا۔ وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتی اپنے بیڈ روم میں آگئی تھی۔ اس کی رگوں میں دوڑتے خون کے ساتھ ہر لمحہ جوش کی آمیزش بڑھتی جا رہی تھی۔

جھٹکے سے وارڈ روب کھولی۔ نظر کے سامنے ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت ' اسٹائلش اور مہنگے ملبوسات ہینگ کیے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس وقت اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بالآخر کافی دیر تک تلاش بسیار کے بعد تین چار شلوار سوٹس اسے مل ہی گئے جن کے کافی بڑے بڑے دوپٹے تھے۔

یہ جوڑے اس نے خود نہیں لیے تھے کیونکہ اس کا ذوق ایسا نہیں تھا کہ ڈھیلے ڈھالے شلوار قمیص یہ بڑا سا دوپٹا لیتی۔ یہ جوڑے تو بوا زینت جب بھی اپنے گاؤں سے رشتہ داروں کے گھروں سے واپس آتیں تو ان کے ہمراہ ہوتے تھے جو بطور تحفہ ان کے پرخلوص اور محبت کرنے والے رشتہ دار اس کے لیے بھیجتے تھے۔ ازلی مروت اور محبت سے مجبور ہو کر وہ بوا سے یہ جوڑے بہت شوق اور چاؤ سے وصول تو کرلیتی تھی۔ پھر اپنے روم میں آکر الماری کے نچلے خانے میں ڈال دیتی

تھی۔ کھول کر دیکھنے کی زحمت ہی نہ کرتی تھی۔ آج یہی جوڑے اس کے کام آرہے تھے۔

چند کپڑوں اور ضروریات کی چیزوں پر مشتمل چھوٹا سا بیگ اس نے جلد ہی تیار کرلیا تھا۔ بوا بھی خوشی خوشی جانے کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ اپنے خونی رشتوں سے ملنے کا خیال ہی انہیں بے پایاں مسرت میں مبتلا کررہا تھا۔

ادھر پہلی ہی بیل پر آصف شیرازی نے اس کی کال ریسیو کرلی تھی۔

"پاپا! ہمیں کالج سے آف مل گیا ہے ' رزلٹ میں کافی وقت پڑا ہے۔ ہم دوستوں ' اریشہ ' علیہ وغیرہ نے پلان کیا ہے کہ ہم ٹیکسلا ہڑپہ وغیرہ جیسے کلچرل ان ہیری ٹیج (ورثہ) مقامات کا وزٹ کریں کیونکہ رطابہ کا ثقافتی ورثہ پر ایک تھیسس مکمل کرنے کا ارادہ ہے؟ پھر میں ان کو جوائن کرسکتی ہوں نا؟" مکمل اعتماد سے بولتے ہوئے آخر میں اس نے بے حد معصومانہ انداز میں اجازت چاہی تھی۔

"وائے ناٹ مائی ڈاٹر! اسٹڈیز ٹرپس کے لیے آپ کو کبھی منع نہیں کیا میں نے ' بس بوا زینت سے پوچھ لیں۔"

آصف شیرازی نے ہمیشہ کی طرح اپنی اجازت کو بوا کی رضامندی سے مشروط کی تھی۔

"پاپا! بوا گاؤں اپنے رشتہ داروں کے ہاں جارہی ہیں وہ پہلے میری وجہ سے نہیں جاسکتی تھیں ' اب پروگرام ڈن ہونے کے بعد ان کی بھی تیاری ہوچکی ہے۔ سو ڈونٹ وری اباؤٹ ہر۔" اس کا ہوم ورک مکمل تھا۔ سوہنا کسی گھبراہٹ کے وہ انہیں اطمینان دلاتے ہوئے بولی۔

"اوکے بیٹا! انجوائے یور سیلف ' پھر ملتے ہیں آپ کے واپس آتے ہی۔"

بے حد سکون سے اس نے موبائل آف کیا اور بیگ کے اندر کپڑوں کے نیچے رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنی بیس سالہ زندگی میں وہ پہلی بار پبلک

ٹرانسپورٹ کے ذریعے سفر کر رہی تھی۔ بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سیٹیں پر ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ مسافر درمیان میں چھت سے لگے راڈ کو پکڑے سفر طے کر رہے تھے۔ شہر کی حد تک تو ٹھیک ہی رہا۔ دیہاتی مضافات میں داخل ہوتے ہی کچے اور ٹیڑھے میڑھے راستوں کی وجہ سے بس جھٹکا کھاتی تو قطار میں کھڑے مسافر بے ساختہ آگے پیچھے گرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ انہی میں ایک بڑی بڑی مونچھوں والا بے ہودہ آدمی جھٹکا لگنے پر خواہ مخواہ اوور ری ایکٹ کرتے ہوئے تقریباً "گرنے کے سے انداز میں اس سے آلگتا تھا۔ غصے کے مارے کھولتے ہوئے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ تڑاخ سے ایک تھپڑ اس جاہل کے منہ پہ دے مارے جو سارے رستے اسے پریشان کرتا آرہا تھا۔ کبھی اپنی سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے بلاوجہ مسکرانے لگتا تو کبھی سیٹ کی بیک پر یوں آگرتا جیسے اسے زوردار جھٹکا لگا ہو۔

حائقہ نے اپنا چہرہ کالی چادر سے مکمل ڈھانپ رکھا تھا مگر اس کی براؤن خوب صورت آنکھیں ہی یقیناً" اس آدمی کو جسارت پہ اکسا رہی تھیں۔ راستے میں کئی بار اس کا جی چاہا کہ اپنے پلان پر لعنت بھیجتے ہوئے واپس گھر کی راہ لے کہ ایک طرف تو اس بدتمیز انسان نے اس کا ضبط آزما رکھا تھا تو دوسری طرف ناہموار راستوں کی وجہ سے لگتے کھٹارا بس کے جھٹکوں نے اس کا انجر پنجر ہلا کے رکھ دیا تھا۔

" اوہ گاڈ! پاکستان میں لوگ ایسے بھی سفر کرتے ہیں۔" بے ساختہ اسے اپنے ساتھ ساتھ دوسرے مسافروں پر بھی ترس آیا تھا جو اس کے برعکس مکمل پرسکون حالت میں سفر کر رہے تھے۔

تنگ ' ناکافی نشستیں ' کان پھاڑتا سرائیکی میوزک ' کرائے کے سلسلے میں کسی عورت سے الجھتا کنڈکٹر ' اسے اپنی بلیک کلٹس یاد آئی تھی جس میں وہ بے حد آرام سے سفر کیا کرتی تھی۔ اس کی سپر لگژری کار کی اس کی دوستوں میں بے حد دھوم تھی۔ خدا خدا کرکے سفر تمام ہوا۔ وہ بیگ کو مضبوطی سے تھامے نیچے اتری۔ حویلی کی طرف جانے کے لیے اس نے ایک رکشا ہائر کر لیا تھا۔

دم توڑتی سہ پہر شام کو گود میں سر رکھنے کی تیاری کر رہی تھی۔ مغرب کی طرف عازم سفر سورج کی زردی کچے راستوں کی دھول میں مدغم ہو کر سارے منظر کو مٹیالا سا زرو بنا رہی تھی۔

رکشا کھیتوں کے بیچوں بیچ جھٹکے کھاتے ہوئے چل رہا تھا۔

کسان مرد اور عورتیں اپنے گھاس کے گٹھڑ باندھتے بیل گاڑیوں پہ لاد رہے تھے۔ کچھ عورتیں زمین سے تازہ نکالی ہوئی مولیوں اور شلجم کے ڈھیر کو شفاف پانی کے "کھالے" میں دھوتی جا رہی تھیں۔ ان سب کی گھر واپسی کا سمے ہو رہا تھا۔

" یہ ساری زمینیں جی چوہدری خالق نواز اور ان کے بیٹوں کی ہیں جی بڑے ہی فیاض لوگ ہیں یہ ہاریوں کا حق بالکل نہیں مارتے۔"

رکشے والے نے اسے ایک دم سے مخاطب کیا تھا۔

" خاص طور پر چوہدری صاحب کا چھوٹا بیٹا شہر نواز چوہدری وڈا ہی اخلاقی اور ہمدرد ہے۔ غریبوں کے دکھ سکھ میں بڑا کام آتا ہے۔ ویسے جی آپ ان کی حویلی میں کس لیے جا رہی ہیں؟"

بولتے بولتے رکشا ڈرائیور کی طرف سے اچانک ایک بے تکلفانہ سوال آیا تھا۔ وہ بے ساختہ گڑبڑا اٹھی تھی۔ پھر سنبھل کر قدرے رکھائی سے جواب دیا۔

" چوہدری خالق نواز ہمارے رشتہ دار ہیں۔ تم اپنا کرایہ بتاؤ۔"

" واہ جی ' وڈے چوہدری صاحب کی رشتہ دار اور میرے رکشے پر سفر۔ ان کے رشتہ دار تو وڈی وڈی گڈیوں میں آتے ہیں۔"

رکشہ والے کی دھیمی استہزائیہ آواز اس تک صاف پہنچی تھی۔ یقیناً" وہ اس کی غلط بیانی کو سمجھ چکا تھا۔ اس کا دل کرارا سا جواب دینے کو چاہا مگر ضبط کیے نیچے اتر آئی تھی۔

پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی حویلی کے بیرونی احاطے میں داخل ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سنو لڑکی! تمہیں بڑی اماں کی دیکھ ریکھ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ تم ہر وقت ان کے ساتھ رہو گی۔ ان کے کھانے پینے، ادویات، ضروری حوائج ان کی تم ذمہ دار ہو گی۔ بدلے میں تمہیں اچھا کپڑا، کھانا اور تنخواہ ملے گی۔ اشتہار تو تم پڑھ کر ہی آئی ہو گی نا۔" قیمتی جوڑے اور بھاری بھرکم زیورات پہنے تحکمانہ انداز میں اس سے بولنے والی یقیناً "نوشابہ بیگم ہی تھیں۔ جو اس وقت لاؤنج میں صوفے پہ کروفر سے براجمان تھیں۔

"جی بیگم صاحبہ! میں سمجھ گئی۔ مجھے اپنی نوکری کی نوعیت کا علم ہے۔" سر جھکا کر اس نے ادب سے جواب دیا ورنہ تو نوشابہ کا تحکمانہ اور دبنگ انداز اسے خاصا گراں لگ رہا تھا۔

"ویسے لگتی تو کنواری ہو۔ ایسی کیا مجبوری تھی کہ ماں باپ نے میلوں دور ملازمہ بننے بھیج دیا۔" اب کے نوشابہ نے اس کے دھان پان سراپے کو جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے خاصے مشکوک انداز میں پوچھا تھا۔

"جی۔ میرے ابا فوت ہو چکے ہیں۔ ماں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔ آٹھ بہن بھائی ہیں میٹرک پاس تو سوچا کچھ نہ کچھ اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھالوں۔" خاصی مسکینی سے بولتے ہوئے وہ ہنوز فرش پہ نظریں گاڑے کھڑی تھی۔

"ہونہہ ٹھیک ہے، تم بڑی اماں کے کمرے میں جاؤ سکینہ جاؤ اس لڑکی کو بڑی بیگم کے پاس لے جاؤ۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے نوشابہ گھونٹ گھونٹ ملک فروٹ شیک پینے لگیں جو سکینہ ابھی ان کے لیے بنا کر لائی تھی۔"

قدیم طرز کے بڑے بڑے پایوں والے منقش پلنگ پر مرنجان مرنج سی بزرگ خاتون تک یقیناً" اس کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی کیونکہ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس سے پھر انٹرویو شروع ہو گیا۔ وہی سوالات جن کے جوابات تحمل سے نوشابہ کو دے آئی تھی، اب انہیں بھی دینے لگی۔

"اچھا جاؤ اب میرے کھانے کو کچھ لے آؤ۔" تقریباً" دو گھنٹے تک اس کا تمام شجرہ نسب کرید کرید کر پوچھنے کے بعد بیگم مہتاب کو بھوک نے ستایا۔

"جی کہاں سے لے آؤں؟"

"باورچی خانے سے اور کہاں سے؟" مہتاب بیگم نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ لڑکی انہیں شریف اور کسی حد تک تابع دار معلوم ہو رہی تھی۔ کھانے کی ٹرے تو وہ لے آئی تھی مگر بیگم مہتاب کے ہاتھ دھلانے اور ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلانے میں ہی وہ اچھی خاصی ہلکان ہو چکی تھی کیونکہ بیگم مہتاب باتوں کی بے حد شوقین تھیں۔ ہر لقمے کے درمیان پندرہ منٹ گفتگو کرتیں۔

اس کا بستر نیچے فرش پہ سیٹ تھا۔ جس پہ دراز ہوتے ہی بے ساختہ اسے اپنا بیڈ روم یاد آگیا تھا۔

"خیر میں کون سا ہمیشہ کے لیے رہنے آئی ہوں۔ ایک دو ہفتہ رہ کر "کام" نکلتے ہی گھر کی راہ لوں گی۔" دل ہی دل میں خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے کروٹ لیتے ہوئے منہ بانہوں میں چھپا کر سونے کی کوشش کی مگر بیگم مہتاب نے اس کی کوشش ناکام بنادی۔

"ارے سنو تو لڑکی! سارا اتا پتا پوچھ لیا۔ آگا پیچھے نہیں پوچھا تو تمہارا نام۔ میں بھی کتنی بھلکڑ ہوں۔" پوپلے منہ سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

"جی میرا نام سمیرا ہے۔" غنودگی میں ڈوبے ہوئے اس نے پہلے سے سوچا ہوا نام بتا دیا۔ لحہ بہ لحہ وہ نیند کی آغوش میں جا رہی تھی۔

"اے لو، تم کیا سو رہی ہو؟ ابھی تو تم نے میری ٹانگیں دبانی ہیں، تم ٹانگیں دباؤ گی تو مجھے نیند آئے گی۔" بیگم مہتاب کی بات نے تو اس کی نیند بھک سے اڑا دی تھی۔

"جی؟" طوعاً" و کرہاً" نیند میں ڈولتے ہوئے وہ بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ سارے دن کی تھکن کا مارا ٹوٹا، دکھتا

بدن، نرم، آرام وہ بستر پہ ٹوٹ کر نیند لینے کو جی چاہ رہا تھا مگر کہاں۔

"چلو حاتقہ! اب لو ایڈونچر کے مزے۔" دل ہی دل میں خود کو کوستے ہوئے وہ مندی آنکھوں سے بیگم مہتاب کی پتلی پتلی ٹانگیں مرے مرے ہاتھوں سے دبانے لگی۔

بیگم مہتاب اب اپنے وقت گزشتہ کو دہرا رہی تھیں۔ جوانی، خوب صورتی، تخت، رتبہ.... رعب و تمکنت۔

"تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ گاؤں کی عورتیں اپنے بچوں کا باہم رشتہ کرتے ہوئے مجھ سے مشورہ لازمی لیتی تھیں اور یہ میری بہو شاہدہ اسے تو سلام تک آکر کرنا گوارا نہیں کرتیں۔" بڑی بڑی جمائیاں لیتے ہوئے وہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"لڑکی! مجھے لگتا ہے تم بھی شاہدہ کی طرح نیند کی رسیا ہو۔ تم میری باتیں توجہ سے نہیں سن رہی ہو۔" اس کی طرف سے مسلسل خاموشی پہ انہوں نے اسے ڈپٹ دیا تھا۔

"جی بڑی بیگم صاحبہ! مجھے نیند آرہی ہے، سارے دن کے سفر کی تھکی ہوئی ہوں نا اس لیے، اب سوتی ہوں تو کل آپ سے ڈھیر ساری باتیں کروں گی۔" انتہائی لجاجت سے کہتی وہ پلنگ سے نیچے اتر آئی تھی۔

"تم انتہائی نکمی اور سست ہو۔ تمہیں بھی شہرنواز سے کہہ کر چلتا کرتی ہوں۔" اس کے نیند میں ڈوبے ہوئے ذہن نے بیگم مہتاب کی غصے بھری بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

✲ ✲ ✲

"بیگم صاحبہ! سنا ہے کہ آپ کے ایک پوتے کی شہر میں منگنی ہوئی ہے۔ کب شادی ہے پھر؟"

ایک بھرپور اور مکمل نیند لینے کے بعد اگلی صبح وہ بے حد ایکٹو اور فریش تھی۔ بیگم مہتاب کو ناشتا کروایا، کپڑے چینج کروانے کے بعد اب ان کے مٹھی بھر بال سلجھا رہی تھی۔

"ہاں، میرا بیٹا اپنے کسی شہری دوست سے رشتہ جوڑ تو آیا ہے۔ مگر مجھے ذرا بھی یہ رشتہ پسند نہیں۔" وہ منہ بنا کر بولیں۔

"ہائیں، مگر کیوں؟"

"بس میری خواہش تھی کہ شہرنواز کے لیے میں اپنی نواسی مہک لوں۔ شہرنواز کو بھی قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ باپ کا فرماں بردار نکلا۔"

"مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ وہ سب سے زیادہ آپ کا ادب کرتا ہے۔ آپ کا کہنا مانتا ہے۔"

وہ ان کی کل کہی گئی بات کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں قدرے چھیڑتے ہوئے بولی۔

"ہاں، یہ بات تو سچ ہے۔ اس کے سہارے پہ تو دن اچھے گزر رہے ہیں۔ اسی کے طفیل آج تم یہاں موجود ہو۔ بڑا ہی رحم دل اور غریب پرور ہے میرا پوتا۔ نرا اپنے مرحوم دادا رب نواز چوہدری کا عکس ہے۔ ان ہی کی طرح شریف، باکردار اور دھن کا پکا۔"

بیگم مہتاب کی آنکھوں میں اب بیتی یادوں کا عکس جھلملا رہا تھا۔

"جی موصوف کی انہی خوبیوں کی بغور جانچ کرنے کے لیے تو اتنا دور گھر چھوڑ کر آئی ہوں۔ سب لوگ کچھ بھی کہتے ہیں مگر میرا دل کہتا ہے کہ وہ ایک روایتی وڈیرہ ہے، جس کی فطرت میں عیاشی اور رنگین مزاجی بھری ہے اور ان سب کا پکا ثبوت لے کر ہی پاپا کے پاس جاؤں گی میں۔" دل ہی دل میں پرعزم لہجے میں وہ اپنا مخاطب خود تھی۔

چٹیا بن چکی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کمرے سے نکل کر ذرا گھوم پھر کر حویلی کا جائزہ لے جو بقول بوا کے اس کا نصیب بننے والی ہے۔ اس کے مکینوں کے رویوں اور فطرت کا جائزہ لے تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔ ان محترم پر بھی نظر رکھے جن کی خاطر وہ اتنا کشٹ اٹھا رہی تھی۔ مگر بیگم مہتاب اسے اپنے پاس سے ذرا بھی ہٹنے نہ دے رہی تھیں۔ اس کا جی اوب گیا تھا۔ اب ایک ہی فرد کی باتیں بندہ کب تک سنے اور وہ بھی مکمل دلچسپی اور توجہ کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ساتھ۔ بالآخر اسے راہ فرار سوجھ ہی گیا تھا۔

"بیگم صاحبہ! آپ کے کمرے میں کتنا خوب صورت گل دان ہے۔ میں آپ کے لیے تازہ پھول لے آؤں۔ آپ کی طبیعت بھی خوش ہوگی اور کمرے کا ماحول بھی تروتازہ رہے گا۔"

وہ پلنگ کی پائنتی کی طرف رکھے گل دان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی جو یقیناً" خوب صورت اور امپورٹڈ تھا۔

"ہاں جاؤ' پھول چن کرلاؤ۔ موئے سپرے کی مصنوعی خوشبو سے تو اچھا ہے۔" فراخ دلی سے اجازت مرحمت کی گئی تھی۔

وہ بیک ڈور کھول کرلان میں آگئی۔ چہار سو سبزہ اور گل ہائے خوش نما کی بہار تھی۔ امیر دین پودوں کی تلائی میں مصروف تھا۔ اس سے کٹر لے کر پھولوں کی کیاریوں کی طرف آگئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوب صورت گلدستہ مکمل ہو گیا۔

عین اسی وقت گارڈ نے دروازہ کھولا اور بلیک لینڈ کروزر سرخ روش پر پھسلتی ہوئی آگے بڑھتی گئی اور پورچ میں جاکر رک گئی۔ اندر سے شہر نواز برآمد ہوا۔ وہ ابھی ابھی ساتھ والے گاؤں سے ایک شادی کی تقریب نمٹا کے آرہا تھا۔ شادی کا جشن رات گئے تک جاری رہا تھا۔ صبح جاکر اسے رخصت ملی تھی۔

گل دستہ تو بن چکا تھا مگر روش کے قریب کھلے وائٹ ٹیولپس نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی مگر سامنے آتے شخص پہ نظر پڑتے ہی وہ اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔ بلاشبہ وہ ہی شہر نواز تھا جس کی انلارجڈ تصویر وہ بیگم مہتاب کے کمرے میں دیکھ چکی تھی۔ مگر یوں اچانک ایک دم سے سامنے آکر اس نے تو اس کے حواس ایک دم سے مختل کردیے تھے۔

حائقہ نے شہر نواز کے بارے میں ایسا کوئی مثبت انداز سے نہیں سوچا تھا۔ مگر یہ اتنا ہینڈسم اور دراز قامت ہوگا۔ یہ اس کے اندازوں میں بھی نہ تھا۔ گھنے سیاہ بال' گھنی مونچھوں تلے گلاب لب' چوڑی روشن پیشانی' گہری سیاہ چمکیلی آنکھیں تو شدید حیرت کے عالم میں اسے تک رہی تھیں۔ وہ بھی تو اپنی جگہ پر فریز ہو چکا تھا۔ ہمیشہ صنف مخالف کی طرف اٹھی اس کی نظر میں شائستگی' ادب اور وقار ہی ہوتا تھا مگر اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سراسر حیرانی تھی' شدید قسم کی حیرانی۔

"ارے میرا شہری آیا ہے۔" اسی دم مین انٹرنس دروازہ کھول کر نوشابہ ادھر آگئیں۔ اور شہر نواز کی طرف والہانہ انداز میں سنبھل سنبھل کر ماربل کی بنی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے بڑھی تھیں۔

"جی امی! ابھی آیا ہوں۔" نوشابہ کی آواز نے حیرت کے حصار کو توڑتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

حائقہ لمحوں میں چہرہ پھیر کر مخالف سمت میں دیکھنے لگی تھی۔ دل ایک دم سے دھڑکنے لگا تھا۔ اسے اپنے محسوسات بالکل سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ شہر نواز بھی آنکھوں میں گہری الجھن اور حیرت لیے ماں کو بازو کے حصار میں لے کر اندر آگیا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے' جو ابھی باہر ملی تھی۔" صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بڑی اماں کی گورنس ہے۔ جو تم نے اشتہار دیا تھا۔ اسے پڑھ کر آئی ہے۔ سمیرا نام ہے۔ خود کو غریب گھر کا بتاتی ہے۔ بڑی اماں تو فی الحال بہت خوش ہیں اس سے۔ ابھی تک تو کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی۔ آگے اللہ بہتر کرے۔"

نوشابہ نے مسکراتے ہوئے تفصیل سے بتایا

ٹھوڑی پر سوچ انداز میں کھجاتے ہوئے وہ ان کی باتیں سن رہا تھا۔ نوشابہ اس کے لیے ناشتے کا کہنے چلی گئیں۔

یہ چہرہ اسے دیکھا بھالا سا لگ رہا تھا اور یہ چہرہ ہرگز ایسا معمولی نہ تھا کہ اتنی جلدی ذہن کے پردے سے محو ہو جاتا۔ چائے پیتے ہوئے اچانک ایک جھماکا سا اس کے ذہن میں ہوا تھا۔ ساری الجھن اور حیرت منٹوں میں زائل ہوئی تھی۔ لبوں پہ اب ایک دلفریب

مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

حویلی اس کے اندازوں اور سوچوں کے بالکل برعکس ثابت ہوئی تھی۔ نہ سرخ اینٹوں سے بنے چوبارے نہ طویل غلام گردشیں نہ جالی دار محرابیں۔ یہ تو سہ منزلہ وائٹ ماربل سے بنا بہترین پیلس تھا جو اس کے اپنے گھر سے کہیں زیادہ بڑا اور خوب صورت تھا۔ چونتیس کنال کے اس پیلس کے اطراف میں وسیع گارڈنز شفاف جھلملاتے پولز۔ ٹینس کورٹ جم اور نجانے کون کون سے لگژری لوازمات تھے۔ حویلیوں والا روایتی ٹچ تو کہیں دیکھنے کو نہ ملا۔ ہاں البتہ نوشابہ بیگم میں روایتی ملکاؤں والا طنطنہ اور غرور ضرور موجود تھا۔ انتہائی ٹھسے سے صوفے پہ بیٹھ کر ملازماؤں پہ حکم صادر کرتی رہتیں۔ اور ان کی بڑی بہو ماہین زیادہ تر اپنے کمرے میں اپنے بچوں کے ساتھ مصروف رہتی۔ حویلی کے معاملات میں بالکل دخل نہ دیتی تھی۔ رہ گیا شہر نواز تو اس دن کی ملاقات کے بعد پھر سامنا نہ ہو پایا تھا۔ ایک ہفتے میں تو صرف سرسری دیکھ ہی پائی تھی۔ مکمل جانچنے اور پرکھنے پر نجانے کتنا وقت لگتا کیونکہ وہ بہت کم گھر ٹکتا تھا۔ نوشابہ کے منہ سے سنا تھا وہ آج کل کسی پروجیکٹ میں بری طرح مصروف ہے۔ اس لیے گھر کا چکر نہیں لگا پایا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پتا ہے شہری! یہ جو بڑی اماں کی میڈ لڑکی ہے نا سمیرا بڑی ہی عجیب لڑکی ہے۔" وہ جو ننھے مہرنواز کو گود میں لیے گدگدا رہا تھا ماہین کی بات پر سیدھا ہو بیٹھا۔

"کیوں کس لحاظ سے عجیب ہے؟"

"مجھے نہیں لگتا کہ یہ اتنی غریب ہے جتنا خود کو بتاتی ہے۔ کیونکہ میں نے اس کے کسی انداز میں کوئی تشنگی یا محرومی نوٹ نہیں کی۔ بڑے اسٹائل سے کھانا کھاتی ہے۔ اکثر بولتے ہوئے انگلش ورڈز بولتی ہے۔" ماہین نے بولتے ہوئے مہرنواز کو اس کی گود سے لے لیا۔

"یہ اتنی نوٹس ایبل بات نہیں۔ آج کل میڈیا اتنا ایڈوانس ہو گیا ہے کہ ایک ان پڑھ بھی اچھی خاصی انگریزی بول لیتا ہے۔ یہ تو آپ بتا رہی تھیں کہ میٹرک پاس ہے۔" اس نے آرام سے ماہین کی بات کو رد کر دیا تھا۔

"کچھ بھی کہو یہ لڑکی نارمل بی ہیو نہیں کرتی۔ کل میں نے کہا کہ میں ذرا تیار ہو جاؤں ذرا حورم کو سنبھال لو۔ تو یہ حورم کو گود میں لے کر انگلش پوئمز سنانے لگی۔"

"جو بھی ہو بڑی اماں تو خوش ہیں نا اب۔ ایک مستقل پرابلم سولو ہو گئی ہے۔" آرام سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے بیٹا کہاں چل دیے۔ میں چائے کا کہہ کر آئی ہوں۔ نوشابہ لاؤنج میں داخل ہوئیں تو اسے کھڑا دیکھ کر کہنے لگیں۔

"ذرا گھڑی کو گھر میں آتے ہو۔ جی بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتی۔" نوشابہ جذباتی ہو گئی تھیں۔

"امی! ذرا گھڑی کہاں اچھا خاصا وقت گزارتا ہوں آپ کے ساتھ۔ وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر پھیلتے ہوئے بولا اتنے میں وہ چائے کے لوازمات کے ساتھ آتی دکھائی دی۔

"شاہدہ کی بہن کے ہاں ڈلیوری ہونے والی ہے تو میں نے سمیرا سے کہا کہ ذرا کچن میں سکینہ کا ہاتھ بٹا دیا کرے۔"

نوشابہ نے اس کی مہتاب بیگم کے کمرے سے غیر موجودگی کا جواز بیان کیا تھا۔ وہ چائے کپوں میں ڈالنے لگی تھی کہ ماہین ایک دم سے بول اٹھی تھی۔

"سمیرا! یہ ڈائمنڈ ٹاپس تم نے کہاں سے لیے ہیں؟"

"اوہ شٹ!" ماہین کی بات پہ اس کے ہاتھ بے ساختہ اپنے کان کی لو تک گئے تھے جہاں ڈائمنڈ ٹاپس کئی برسوں سے پیوست تھا۔

شہر نواز بھی بے ساختہ اس کے کانوں کی طرف متوجہ ہوا تھا جنہیں وہ اب گھبراہٹ سے دوپٹے سے ڈھانپ رہی تھی۔

"کوئی نہیں جی! یہ تو میری اماں بازار سے لائی تھیں۔" وہ تیزی سے بولی تھی۔ اس کی پیشانی پہ پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

"مائی گاڈ! یہ اتنے کاسٹلی ٹاپس تمہاری اماں کو کہاں سے مل گئے۔" ماہین کی حیرت دوچند ہوئی تھی۔

"ارے ماہین! آج کل آرٹیفشل چیزیں اتنی خوب صورت آرہی ہیں کہ اصل 'نقل کا فرق ہی نہیں معلوم ہوتا۔" نوشابہ نے اسے الجھن سے نکالنا چاہا' حائقہ اس دوران وہاں سے کھسک چکی تھی۔

"ارے نہیں خالہ! یہ پیور ڈائمنڈ کے ہیں۔ خود میرے پاس اس ڈیزائن کے ہیں۔ میں اصل 'ہیرے کی پہچان رکھتی ہوں۔" ماہین ابھی تک اپنی بات پہ اڑی ہوئی تھی۔

"تم بھی کمال کرتی ہو۔ ایک ملازمہ کے پاس ہیرے کی جیولری کہاں سے آگئی۔" شہرنواز خاموشی سے چائے پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ایسے ہی ڈائمنڈ ٹاپس اس نے کب اور کس کے کانوں میں دیکھے تھے۔ اس کا دل چاہا کہ نوشابہ سے کہہ دے کہ ماہین بھابھی کی پہچان درست ہے مگر خاموش رہا کہ کچھ کام اور باتیں اپنے وقت پر ہی اچھے لگتے ہیں۔

٭ ٭ ٭

"چل نی سمیرا! ذرا اوپر مہمان خانے میں چلیں اور یہ چیزیں فریج میں رکھ آئیں۔" سکینہ اسے بلانے بڑی بیگم صاحبہ یعنی مہتاب بیگم کے کمرے میں آگئی تھی۔ اس نے اجازت طلب نظروں سے بیگم مہتاب کو دیکھا تھا۔

"ہاں' چلی جاؤ' مگر جلد ہی آنا آج تم سے ٹانگوں پہ مالش کروانی ہے۔" گویا بادل ناخواستہ اجازت دی گئی تھی۔

سکینہ نے ٹرے میں دو تین قسم کے کیک' کوکیز رکھی ہوئی تھیں۔ کولڈ ڈرنکس کی بوتلیں' فروٹس پر سارا سامان اوپر روم ریفریجریٹر میں رکھنا تھا۔ ٹرے اس نے اٹھائی اور باقی چیزیں سکینہ نے۔

"یہاں کون رہتا ہے؟" اس نے گیسٹ روم کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کوئی پروہنی آئی ہے چوہدری شہرنواز صاحب کی۔ اس کے لیے کمرہ سیٹ کیا ہے۔ بڑی بیگم صاحبہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا فریج کھانے پینے کی چیزوں سے بھر دوں تاکہ انہیں کسی چیز کی کمی نہ ہو۔" سکینہ ریفریجریٹر میں چیزیں رکھتے ہوئے بولی۔ وہ چلتے ہوئے سلائیڈ ونڈو کے پاس آگئی۔ رات کی تاریکی کو نواز پیلس کی روشنیاں کہیں دور اور پرے کے ہوئے تھیں' سامنے شہرنواز کے ساتھ کوئی لڑکی تھی جو بنچ پہ اس سے فاصلے پہ بیٹھی ہوئی تھی۔

دونوں بہت خوش گوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے۔ پول کی دودھیا روشنی کی بدولت لڑکی کا چہرہ بھی چمکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ سیاہ گھونگھریالے بال ایک چوٹی میں مقید تھے۔ آنکھوں پہ موٹے اور بڑے فریم کا چشمہ' جینز کے اوپر ڈھیلی ڈھالی قمیص اور ہلکا سا مفلر لیے وہ مسکراتے ہوئے شہرنواز کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔

"چلو اب چلیں۔" سکینہ کام سے فارغ ہو چکی تھی۔

"سنو! یہ لڑکی کون ہے؟" اس نے سامنے منظر پہ نظریں ٹکائے سکینہ سے پوچھا تھا۔

"کون؟ یہ۔" سکینہ ذرا آگے کو ہو کر جھانکتے ہوئے بولی۔

"یہی تو پروہنی ہے چوہدری صاحب کی' سنا ہے کافی امیر ہے۔ یہاں گاؤں کی عورتوں اور بچوں کو پڑھانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ ساتھ میں مفت علاج بھی کروا رہی ہے۔ خود میری بڑی بہن بھی اس کے اسکول میں پڑھ رہی ہے۔" سکینہ کی باتیں سنتے ہوئے وہ پر سوچ انداز میں سیڑھیاں اترتی جا رہی تھی۔

٭ ٭ ٭

"جی پاپا! آئی ایم فائن' فرینڈز کے ساتھ بہت انجوائے کر رہی ہوں۔ بٹ مسنگ یو آلاٹ پاپا۔" وہ

موبائل کانوں سے لگائے آصف شیرازی سے مخاطب تھی۔

مہتاب بیگم واش روم میں وضو کر رہی تھیں، جب آصف شیرازی کی کال آگئی تو وہ اٹھ کر کاریڈور میں آگئی، علیہ سے اس کا رابطہ بذریعہ ایس ایم ایس تھا مگر پاپا سے بات وہ نظر بچا کر لیا کرتی تھی۔

"پاپا! یہ ٹور اتنا انفارمیٹڈ ہوگا، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ پاکستان اتنا بیوٹی فل کنٹری ہے، اٹس ریئلی امیزنگ۔"

بات کرتے کرتے مڑی تو بے ساختہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ شہر نواز بڑی اماں کے کمرے میں آرہا تھا جب راستے میں اس سے ٹکر ہو گئی۔

"اوہ سوری، ریئلی سوری۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔ پھر بے ساختہ لب بھینچ لیے۔ باوجود کوشش کے وہ کوئی نہ کوئی غلطی کر جایا کرتی تھی۔ جیسے اس دن ماہین نے اس کے ٹاپس پرکھ لیے تھے۔ یہ ٹاپس ڈائمنڈ کے تھے اور پاپا اس کے لیے بیلجیم سے لائے تھے۔ خود کو ایک سادہ، فطری روپ دینے کے لیے اس نے اپنے کٹے ہوئے بالوں کی چٹیا بنالی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑے منتخب کر لیے تھے مگر عجلت میں ان ٹاپس کو اتارنا بھول گئی تھی جو دور سے ہی اپنی قیمت بتاتے تھے۔

"بڑی اماں، ہیں اندر؟" شہر نواز نے ہموار لہجے میں پوچھا تھا۔ اس کے قیمتی کلون کی خوشبو پورے کاریڈور میں پھیلی ہوئی تھی۔

"جی وہ اندر ہیں۔" بظاہر وہ سنبھلتے ہوئے آرام سے بولی تھی۔ اندر کم بخت دل نے دھڑ دھڑ مچا رکھی تھی۔ شاید پکڑے جانے کے خوف سے یا......

"ارے میرا بچہ آیا ہوا ہے۔" بیگم مہتاب اسے دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔

اس نے بھی انہیں ہمیشہ کی طرح اپنے مضبوط بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

"آپ سنائیں کیسی ہیں؟ کیسی گزر رہی ہے؟"

انہیں صوفے پہ آرام سے بٹھاتے ہوئے وہ خود بھی جم کر ان کے پہلو میں جڑ کر بیٹھ گیا اور بشاشت سے پوچھا۔

"کیا پوچھتے ہو؟ کوئی آکر ہفتوں نہ پوچھے تو کیا حال ہو سکتا ہے؟" وہ ہمیشہ کی طرح مغموم انداز میں شروع ہو گئیں۔

"ارے کیوں، یہ سمیرا بی بی آپ کا خیال نہیں رکھتی کیا؟" اب کے وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"اس کا کیا کہتے ہو۔ یہ تو پرائی بچی ہے۔ جلد سو جاتی ہے۔ کم بولتی ہے۔ مالش اچھی نہیں کرتی مگر چٹیا اچھی بنا لیتی ہے۔" حائقہ نے حیرت سے آنکھیں اٹھائیں۔

"اتنی خدمت اور کارگزاری کا یہ صلہ؟" اس کی آنکھوں میں واضح گلہ تھا۔ جسے محسوس کرتے ہوئے شہر نواز قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ویل سیڈ بڑی اماں! تو یہ میڈ بھی آپ کا دل جیتنے میں ناکام رہی ہے۔" لہجہ سراسر شرارتی تھا۔

"دل جیتنا کوئی اتنا آسان کام ہے۔ ہوتی کوئی اپنی جیسے تمہاری دلہن تو خوب رج کے خدمتیں کرواتی۔ پاؤں دبواتی۔ مگر تمہارا ابا تو شہری بھولا رہا ہے۔ ایسی نخریلی اور نازک مزاج لڑکیوں سے کیا توقعات رکھوں۔" وہ ازحد مایوس لگ رہی تھیں۔

"جی کہتی تو آپ ٹھیک ہی ہیں۔ شہری لڑکیاں نہ صرف نخریلی بلکہ کافی حد تک چالاک اور دھوکے باز ہوتی ہیں۔ اپنے کردار کی حفاظت نہیں کر سکتیں۔ فیشن زدہ اور بناوٹی۔" حائقہ کے چہرے پہ خون ایک دم سے سمٹا تھا۔ اس نے ایک کڑی نظر ڈالنے کے لیے سر اٹھایا تو شہر نواز پہلے ہی سے بغور دلچسپی سے اس کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ رہا تھا۔

"شادی ایک جوا اور میرے ابا بغیر دیکھے بھالے ایک دوست کی بیٹی کو نجانے وہ دکھنے میں کیسی ہے؟ اس کا کیریکٹر، طور طریقے جن سے ٹوٹلی میں انجان ہوں، پتا نہیں ابو جی کا فیصلہ کیا رنگ لائے گا۔" وہ جیسے بے بس ہو کر کہہ رہا تھا۔

"بیٹا! تم ہمت کرو اور انکار کر دو۔ میں آج ہی تمہارے ابا سے اسماء کے لیے بات کرتی ہوں۔" بیگم مہتاب اس کی باتوں سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کر کے جوش سے بولیں۔

"کوئی فائدہ نہیں بڑی اماں! اب ابو کا میری شادی کا ارادہ ہے۔ اب کیسے انکار کروں۔ زہر کا گھونٹ بھرنا ہے چاہے باول ناخواستہ ہی۔ شہری لڑکی آپ کی خدمت نہ کرے یہ بھی مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" حائقہ جیسے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔

"اصل میں تم نے بڑی جلدی ہتھیار ڈال دیے اور میں نے بھی خالق نواز کو نہیں آزمایا اگر زور دیتی تو کبھی وہ اپنی من مانی نہ کر سکتا تھا۔" بیگم مہتاب جیسے کف افسوس ملتے ہوئے بولیں۔

"خیر آپ فکر نہ کریں شہر کی لڑکیاں اچھی بھی نکل آتی ہیں۔ سب لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ جیسے میری دوست میرب ہمدانی ہے۔ بہت ہی اچھی، ہمدرد خدا ترس اور خوب صورت لڑکی ہے۔ ایسی کہ اس کے ساتھ گزارا ہوا وقت میرا بہترین وقت ہوتا ہے۔ بہت قابل اور ذہین لڑکی۔ جس کی کمپنی ہر لحاظ سے لطف دیتی ہے۔" وہ جیسے تول تول کر بول رہا تھا۔ آنکھیں جیسے حظ اٹھانے والے انداز میں اس پہ ٹکی تھیں۔

وہ باوجود کوشش کے سر اٹھا نہیں پا رہی تھی کہ جب بھی نظر اٹھاتی وہ پہلے سے ہی اسے دیکھ رہا ہوتا تھا۔

"کمینہ... فراڈ" اس نے دل ہی دل میں دانت پیسے تھے۔

"اوکے بڑی اماں! چلتا ہوں۔ کوئی شکایت، کوئی مسئلہ ہو مجھ سے کہہ دیجیے گا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"سمیرا بی بی! آپ یہ ایڈوانس تنخواہ لے لیں، ہو سکتا ہے آپ کو پیسوں کی ضرورت ہو۔ کیونکہ موبائل استعمال کرتی ہیں۔ بیلنس کے لیے ضرورت پڑ سکتی ہے۔" وہ قمیص کی سائیڈ جیب سے والٹ نکالتے ہوئے بولا تھا۔

"جی نہیں۔ مجھے آپ کے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس الحمد للہ اپنی ضرورت جتنے پیسے ہیں۔" وہ ایک دم سے تڑخ کر بولی تھی۔ آنکھوں میں بے حد خفگی تھی۔

"جی... جی میں لمحہ بھر کو بھول گیا تھا کہ آپ تو ڈائمنڈ جیولری پہنتی ہیں، سیونٹی تھاؤزنڈ کا موبائل رکھتی ہیں پھر آپ کے پاس پیسوں کی کمی کیونکر ہو سکتی ہے؟" وہ جیسے حظ اٹھا کر بولا تھا۔ آنکھیں مسلسل آمادہ بہ شرارت تھیں۔

حائقہ کے لیے مزید رکنا دوبھر ہو رہا تھا۔ جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"سنو لڑکی! میرے پاؤں دبا دو۔ پھر میں سونے کی تیاری کرتی ہوں۔" بیگم مہتاب کمبل کھولتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئیں جو ان کی طرف کروٹ لیے نجانے کس چیز کو گھور رہی تھی۔ ان کی بات سن کر ایک دم سے بولی۔

"جی نہیں۔ میں آپ کے پاؤں نہیں دبا سکتی۔ مجھے خود نیند آ رہی ہے۔" صاف چٹ انکار، بیگم مہتاب کو حیرت ہوئی۔

"ہائیں! تمہیں کیا ہوا۔ میری وجہ سے یہاں ٹکی ہوئی ہو ورنہ تو شہر نواز تمہیں نکال چکا ہوتا۔"

"شوق سے نکال دے۔ میں کون سا یہاں خوشی سے رہ رہی ہوں۔" اس نے دوبدو جواب دیا۔ دل آج چاہ رہا تھا کہ ساری پلاننگ بھاڑ میں جھونک کر ان سب کے سامنے اپنی اصلی حالت میں آ جائے پھر ان سب کا ردعمل دیکھے۔

"تمہارے دن گنے جا چکے ہیں لڑکی۔ بہت اچھا کھا پی لیا تم نے۔" بیگم مہتاب اب اسے دھمکا رہی تھیں۔

اس نے دائیں طرف کروٹ لے لی۔ سامنے اس ستم گر کی انلارجڈ سائز تصویر تھی۔ تصویر میں بھی اس کی آنکھیں جیسے اس پہ جمی تھیں۔ بہت کچھ کہتی ہوئی

بتاتی ہوئی۔ ان چھوٹے راز افشا کرتی ہوئی۔ اسے نجانے کیوں لگتا تھا جیسے شہرنواز اسے پہلے سے جانتا ہو۔ پہلے سے دیکھ رکھا ہو۔

مگر کب' کہاں۔ بارہا ذہن پہ زور دینے پر بھی کچھ یاد نہ آیا کہ وہ اسے پہلے کہاں دیکھ چکا ہے۔

"جب میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تو اس نے مجھے کہاں دیکھا ہوگا۔ وہم ہے میرا۔"

وہ دل کو تسلی دیتی مگر پھر اس کی باتیں اور دیکھنے کا انداز یاد آئے تو رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔

"بدتمیز' روڈ۔ خود کو سمجھتا کیا ہے۔ شہر کی لڑکیاں ایسی شہر کی لڑکیاں ویسی' خود ہی کسی اچھی لڑکی کے قابل نہیں ہو۔ ہونہہ۔" اس نے تصویر سے نظریں چرائیں۔ سیدھی لیٹ گئی۔ نہ دائیں نہ بائیں۔ چادر منہ پہ تان لی۔

☆ ☆ ☆

"اور یہ رہا تمہارا جوڑا۔" نوشابہ بیگم نے شاپر میں پیک شدہ ایک زرد اور سرخ رنگ کا بھڑکتا ریشمی جوڑا اس کی طرف بڑھایا تھا جسے اس نے عام سے انداز میں تھام لیا تھا۔

ننھی حورم کا اسی ہفتے عقیقہ تھا۔ جس کی خوشی میں نوشابہ حسب روایت تمام ملازمین میں نئے جوڑے جوتے تقسیم کر رہی تھیں۔ تمام ملازمائیں خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں۔ دعائیہ کلمات کے ساتھ نوشابہ بیگم کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ حورم کی صحت' سلامتی اور لمبی عمر کی بھی دعا مانگ رہی تھیں۔

جب کہ وہ جوڑا لے کر ایک طرف خاموشی سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ارے خالہ جان! میرب بھی یہاں موجود ہیں۔ انہیں بھی تو اس خوشی کے موقع پر کوئی گفٹ دینا چاہیے۔" اچانک ماہین کو میرب کا خیال آیا تھا جو اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں آج کل حویلی میں قیام پذیر تھی۔

"السلام علیکم جی! کیا ہو رہا ہے؟" اسی وقت میرب خود ادھر آ گئی۔ خوش دلی سے سلام کرتی ایک طرف کاؤچ پہ بیٹھ گئی تھی۔ بلیک سلک کی پینٹس' آف وھائٹ امبرائیڈڈ ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہ شال' سائیڈ کندھے پہ ڈالے بے حد عام حلیے کے باوجود بہت پرکشش لگ رہی تھی۔

"ارے آؤ میرب! ابھی تمہیں ہی یاد کر رہے تھے۔ میری حورم کا اسی ہفتے عقیقہ ہے۔ اسی سلسلے میں تمہارے گفٹ کی بات کر رہے تھے۔" ماہین مسکراتے ہوئے اس سے بولی تھی۔

"ارے گفٹ تو مجھے دینا چاہیے پرنسس حورم کو۔" میرب خوش اخلاقی سے جواباً گویا ہوئی۔ حائقہ کی نگاہیں بغور اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ذہن میں شہرنواز کے الفاظ گونج رہے تھے۔ خوب صورت' ہمدرد اور خوش اخلاق۔

"ہونہہ! یہ محترمہ خوب صورت ہیں۔ موصوف کی نظر میں' بال ہیں جیسے کوئی گھونسلا' صرف اسکن ہی تو صاف ہے۔ لیکن میری اسکن سے زیادہ فیئر اور شائننگ نہیں ہے۔ میری تو یہاں کے ایٹ ماسفیئر میں آکر رنگ ڈل ہو گیا ہے۔ بوا مجھے دودھ میدے سے بنی اس لیے تو کہتی ہیں۔"

اس کے دل میں جلن کی ایسی لہر اٹھی کہ وہ لاشعوری طور پر اپنے اور میرب کے موازنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"میرب کے لیے تو میں نے خصوصی تحفہ تیار کروایا ہے۔" نوشابہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا جو اندر آتے شہرنواز نے سن لیا تھا۔

"کیوں بھئی۔ میرب کے لیے اسپیشل تحفہ کس لیے؟" وہ نوشابہ کے قریب بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے بولا۔ براؤن کاٹن کے شلوار' قمیص گورے پیروں میں بلیک لیدر کے جوتوں کے ساتھ بھی وہ بے حد نمایاں لگ رہا تھا۔ بھاری بھرکم صوفے پہ بیٹھنے کے باوجود اپنی دراز قامت کی بدولت صوفے کی بیک سے بھی اونچا محسوس ہو رہا تھا۔

"میرب ہماری مہمان ہے۔ دوسرا ہمارے علاقے

کی بہتری کے لیے کام کر رہی ہے۔ ہماری خوشیوں میں تو ان کی شمولیت قابل فخر ہے۔" نوشابہ توصیفی لہجے میں بولیں پھر ملازمہ سے مخاطب ہوئیں۔

"جاؤ رشیدہ! میرے کمرے سے الماری میں ڈبا رکھا ہوا ہے وہ لے آؤ۔"

"واقعی 'اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو دولت 'نعمت سے نوازتا ہے۔ مگر اس دولت کو ضرورت مندوں تک پہنچانے کی توفیق اور ہدایت کسی کسی کو دیتا ہے۔ میرب بھی انہی ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہے۔" ماہین بھی دل سے میرب کی کاوشوں کو سراہ رہی تھی۔

"لو خوامخواہ باپ کی دولت پہ سوشل ورک کر کے شہرت اور عزت سمیٹنا کون سی بڑی بات ہے۔"

ماہین کی بات پہ وہ نئے سرے سے سلگ اٹھی تھی۔

"چاہوں تو میں بھی ویلفیئر پروگرام اسٹارٹ کر سکتی ہوں۔ میرے اکاؤنٹس میں ڈھیروں اضافی پیسے پڑے ہیں۔" اسے نجانے اتنا تاؤ کس بات پہ آ رہا تھا۔ ملازمہ ڈبا لے آئی تھی۔

ایک قیمتی اسٹائلش سوٹ کے ہمراہ دو خوب صورت طلائی کنگن نوشابہ نے میرب کی طرف بڑھائے تھے۔

"یہ لیں بیٹا! حورم کی خوشی میں یہ چھوٹا سا تحفہ قبول کریں؟"

"ارے آنٹی! یہ بہت زیادہ ہے۔ بس سوٹ ہی کافی تھا۔" میرب عاجزانہ انداز سے بولی تھی۔

"اچھا یہ زیادہ ہے؟ اور وہ کم ہوتا ہے جو آپ ہمارے لیے لاتی ہیں۔ ہر ڈونر کانفرنس اٹینڈ کرنے کے بعد کوئی نہ کوئی غیر ملکی پروڈکٹ آپ کے ہمراہ ہوتی ہے۔"

شہر نواز نے مسکراتے ہوئے میرب کو کچھ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

"جی جناب 'لاتی تو سب کچھ ہوں مگر آپ وڈیرہ لوگ ہو۔ کون سا ہمارے پر خلوص نذرانے کو شرف قبولیت بخش دیتے ہیں۔" میرب بھی جواباً" شکایتی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"آنٹی! میں آپ کو بتاؤں۔ آپ کے بیٹے اتنے روڈ اور فارمل ہیں کہ جب بھی میں باہر کنٹری سے ان کے لیے کچھ لے آؤں تو یہ جھٹ سے انکار کر دیتے ہیں۔"

"کیوں غلط بیانی سے کام لیتی ہیں۔ ایک بار ایک پرفیوم لیا نہیں تھا آپ سے۔"

کان کی لو مسلتے ہوئے شہر نواز نے مسکراتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"اوہ! تو تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا ہے۔" حائقہ کے تو تلوے پہ لگی سر پہ بجھی تھی۔

"میرب۔۔۔ میرب۔۔۔ میرب جسے دیکھو میرب کے گن گا رہا ہے۔ اگر اتنی ہی اچھی لگتی ہے تو اسے مستقل گھر کا مکین بنا لیں۔ میرے شریف اور سادہ مزاج باپ کو کیوں ورغلا رکھا ہے۔" جلتی بھنتی وہ مہتاب بیگم کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"ہونہہ شریف' باکردار' بااصول' واہ میرے سادہ لوح پاپا۔ علیہ ٹھیک کہتی ہے۔ یہ وڈیرے لوگ گھر میں بے شک بیوی کو سونے سے لاد دیں مگر گھر سے باہر دو تین دوستیاں ضرور پالتے ہیں۔"

کمرے میں لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے وہ ہتھیلی پہ مکے برساتے ہوئے اپنی کھولن پہ قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

بیگم مہتاب بغور اس کی حرکات و سکنات کو نوٹ کر رہی تھیں۔ انہیں چند دنوں سے سمیرا بدلی بدلی سی محسوس ہو رہی تھی' نہ ٹھیک سے ان کے کام کرتی نہ سیدھی طرح بات کرتی۔ وہ شہر نواز سے اس کی شکایت لگانے کا سوچ رہی تھیں۔

"سنو لڑکی! مجھے وہیل چیئر پر بٹھا کر ذرا باہر سبزے کی سیر کروا لاؤ۔ میرا جی اندر گھبرا رہا ہے۔"

"میرا موڈ نہیں ہے جانے کا۔ آپ کسی اور سے کہہ دیں۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ بیگم مہتاب کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"ہائیں کسی اور سے کہوں۔ تو تم یہاں کس لیے موجود ہو۔ میری خدمت کے لیے نا۔ اگر میری

خدمت نہیں کروگی تو اپنا بوریا بستر سمیٹو یہاں سے۔"
اس نے بدلحاظی دکھائی تو بیگم مہتاب نے بھی بے موتی کا چولا پہننے میں دیر نہیں کی۔ اس نے خاموشی سے ان کی بات سنی۔ اپنا سیل اٹھا کر بیک ڈور کھولتی باہر آگئی۔
علیہ کے لاتعداد میسجز آئے ہوئے تھے۔ وہ شادی نپٹا کر گھر واپس آچکی تھی۔ اور اس کی غیر موجودگی پر استفسار کر رہی تھی۔
وہ وہیں سیڑھیوں پہ بیٹھ کر ایپلائی کرنے لگی۔ اس نے علیہ کو بتایا کہ وہ ان دنوں بوا کے ساتھ ان کے گاؤں میں ہے۔ اگر وہ یہ کہتی تو وہ پاپا کو کال کر کے کنفرم کر لیتی۔
پاپا کو دوستوں کا بتایا اور علیہ کو بوا کے ساتھ جانے کا۔ اگر ان تینوں کا آپس میں کسی بھی طرح کا کانٹیکٹ ہوا تو اس کی تو حقیقت کھل جانی تھی۔ اور پاپا جو کھنچائی کرتے تو اس کا سوچتے ہی اسے جھرجھری آگئی تھی۔
"بس حانقہ! بہت ہو گئی جانچ پرکھ۔ بندہ دیکھ لیا نا۔ اندر سے وہی پکا زمین دار اور سردار رنگین مزاج اور بدعہد۔ کیا ہے جو وجیہہ اور پرکشش ہے۔ دکھنے میں ہینڈسم ہے۔ بولتا ہے تو دل موہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر اس کے دل پہ تو کسی کا تصرف ہے نا۔ اور جس گھر پر نیم پلیٹ لگ چکی ہو تو اسے اپنا گھر کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔"
گھٹنوں پہ ٹھوڑی ٹکا کر آزردگی سے سوچتے ہوئے وہ سامنے لان کے دلکش منظر کو دیکھے گئی۔
رنگ برنگی تتلیوں کا ایک غول اڑتا ہوا پھولوں پہ بیٹھ گیا تھا۔
اسے گھر، بوا اور پاپا بہت یاد آرہے تھے۔ سراسر اسے یہاں اپنا آپ مس فٹ لگ رہا تھا۔
"بس کل یا پرسوں گھر کے لیے نکلتی ہوں۔ یہاں مزید ٹکنے کا کوئی ریزن نہیں ہے میرے پاس۔" ایک بھیگی نظر چاروں طرف ڈالتے ہوئے وہ دل میں بولی تھی۔ نجانے دل کس بات پہ بھر آرہا تھا۔
"سنو! تمہیں چھوٹے سردار اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔" اچانک سکینہ نے بیک ڈور سے جھانکتے ہوئے اسے سے بولا تھا۔ وہ اسے بلانے یقیناً" بیگم مہتاب کے کمرے میں آئی تھی۔
"کون چھوٹے سردار؟" اس نے بے خیالی سے پوچھ لیا۔
"سردار شہر نواز اور کون؟" سکینہ ذرا غصے سے بولی تھی۔ جیسے اس کے بننے پر غصہ آیا ہو۔
"ساتھ میں کون ہے ان کے؟" کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا تھا۔
"میرب بی بی ہیں ان کے ساتھ۔"
"تم جاؤ میں آتی ہوں۔" بغیر گردن موڑے کہا۔
"یقیناً" کمرے میں بیٹھ کر پروجیکٹ ڈسکس کرنے کے ساتھ ساتھ اور بھی ڈھیروں باتیں کی جا رہی ہوں گی۔ میرب کی پسند' ناپسند' اس کے مشاغل اس کی خوب صورتی کی تعریف۔" بیٹھے بیٹھے ہی وہ آزردگی میں گھر گئی تھی۔
"یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ میرب و شہر نواز بھلے شادی کر لیں مگر میں کیوں اتنی ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔ میں تو آئی ہی اس لیے تھی کہ شہر نواز کی ذات میں کوئی کمی کوئی خامی دیکھوں اور اس کو جواز بنا کر پاپا کو اس رشتے سے انکار کر دوں۔ تو اب جب کہ میرا آنا بے کار نہیں گیا تو یہ خواہ مخواہ کا ڈپریشن کیوں؟"
اپنی ان ساری باتوں کا جواب اس کے پاس صرف خاموشی تھی۔ مکمل خاموشی۔
رات کو اپنی مخصوص جگہ پر سوتے ہوئے اس نے شہر نواز کی تصویر کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے بیگم مہتاب کی طرف رخ کر لیا تھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔
"تم نے آج میرے بالوں کی کنگھی نہیں کی۔ مجھے مالش نہیں کی۔ کھانا بھی خود میں نے اپنے ہاتھوں سے کھایا۔ میرے کپڑے بھی تبدیل نہیں کروائے میں نے ساری باتوں کی شہر نواز کو رپورٹ کر دی ہے۔ اب وہی تمہارا فیصلہ کرے گا۔ مجھے تو تمہاری غریبی پہ ترس آتا تھا۔ اس لیے خاموش رہی۔ ورنہ تو تین راتوں سے تم نے میری ٹانگیں نہیں دبائیں۔"

وہ خاموشی سے ان کی لن ترانیاں سنے جارہی تھی۔
"بیوہ ماں، آٹھ بہن بھائی اور مہارانی کے نخرے دیکھو۔" اس کی مسلسل خاموشی پہ بیگم مہتاب نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل لی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح بے حد چمکیلی اور روشن تھی۔ تمام ملازماؤں نے نئے کپڑے اور جوتے پہن رکھے تھے۔ سبھی کے چہرے شاداں لگ رہے تھے۔ آج حورم کا عقیقہ تھا۔ سبھی رشتہ دار اور عزیز مدعو تھے۔ اسی حساب سے کھانا بھی بے حساب اور بہت زیادہ بن رہا تھا۔
زیادہ کاموں کو دیکھتے ہوئے نوشابہ نے اسے کچن میں دوسری ملازماؤں کے ساتھ کام پر لگا دیا تھا۔
"مگر بی بی جی! یہ لڑکی تو کوئی بھی کام ٹھیک سے نہیں کرتی۔ اس دن قورمے میں زیادہ مرچیں اس نے ڈال دی تھیں آپ نے رخسانہ کو ڈانٹ دیا تھا۔ ایسے ہر کام بگاڑ دیتی ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یا تو بیٹھی رہتی ہے۔" سکینہ شکایتی انداز میں نوشابہ سے کہہ رہی تھی۔
"کیوں لڑکی! تمہارا کام کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"
نوشابہ نے سخت لہجے میں اس سے پوچھا۔ اسے نوشابہ کے لہجے اور انداز پہ سخت غصہ آیا تھا۔ وہ بھلا کہاں ان لہجوں اور رویوں کی عادی تھی۔ وہ تو خود آڈر کرنے والوں میں سے تھی۔ ایسے تحکمانہ لہجے بھلا کہاں اس سے برداشت ہوتے تھے۔ تاہم غصے کو دباتے ہوئے وہ بظاہر ادب سے بولی۔
"معاف کر دیں بی بی جی! اب دھیان سے کام کروں گی۔" کہتے ہی وہاں سے ہٹ گئی۔
"ارے تم تیار کیوں نہیں ہوئیں۔" ماہین کو اسے تین دن پرانے کپڑوں میں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔
"تمہیں جو کپڑے اور جوتے دیے تھے۔ وہ کیوں نہیں پہنے؟"
"درزن نے قمیص اتنی لمبی اور کھلی سی ڈالی ہے کہ مجھے پسند ہی نہیں آئی۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ماہین کے سامنے وہ اسی ٹون میں بات کر لیا کرتی تھی کیونکہ ماہین کے اندر روایتی کروفر اور طمطراق نہ تھا۔ بہت اپنائیت اور نرمی سے بولتی تھی۔
"کمال کرتی ہو۔ اگر پسند نہیں آیا تھا تو مجھے کہتیں میں تمہیں اپنا کوئی سوٹ دے دیتی۔ چلو آؤ تمہیں کوئی جوڑا دوں۔" ماہین اسے ساتھ لیے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔
"یہ لو، تم میرا یہ سوٹ پہن لو۔" ایک بے حد اسٹائلش اور قیمتی ڈریس نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ ویسے بھی فراخ دل تھی۔ اپنی برتی ہوئی چیزیں بہت آرام سے ملازماؤں میں تقسیم کر دیا کرتی تھی۔ آج تو ویسے بھی وہ بہت خوش تھی کہ آج اس کی پیاری بیٹی کا عقیقہ تھا۔
"آپ کے شوہر مجھے آپ کے کپڑوں میں دیکھ کر کیا کہیں گے۔" وہ جھجک کر بولی تھی۔ دراصل کہنا تو یہ چاہتی تھی کہ مجھے کسی کی اترن پہننے کی عادت نہیں ہے۔
"ارے نہیں، وہ کچھ نہیں کہیں گے۔ ویسے بھی میرا یہ سوٹ نیا ہے۔ اسی چکر پہ اسلام آباد سے لیا ہے۔"
ماہین ہنس کر بولی تھی۔ بلیک شیفون کی کامدار ساڑھی میں آج وہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ بلیک اسٹونز کی جیولری بھی خوب جچ رہی تھی۔
سوٹ اس نے ماہین کے ڈریسنگ روم میں چینج کر لیا تھا۔ بلیک و سلور کامبینیشن کا ویلوٹ کا سوٹ اس پہ بالکل فٹ آ رہا تھا۔ بلیک ویلوٹ کا تنگ چوڑی دار پاجامہ، لانگ پرنٹڈ ہاف بازو کی شرٹ اور ساتھ میں بڑا سا دوپٹا۔
کافی دنوں بعد وہ اپنے پرانے حلیے میں واپس آئی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر اسے اچھا فیل ہو رہا تھا ورنہ تو لمبے، کھلے چغے اور سر پر دوپٹے کو لپیٹے لپیٹے اپنا آپ بھی اوپری اوپری فیل ہوتا تھا۔
"تم یہیں تیار ہو جاؤ میں ذرا باہر کے انتظامات دیکھ لوں۔" ماہین اس سے کہتی باہر نکل گئی۔

سامنے ڈریسنگ ٹیبل پہ کاسمیٹکس کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اسے میک اپ سے ویسے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ پہلے بھی وہ سمپل رہا کرتی تھی۔ اب بھی اس نے کاجل سے اپنی خوب صورت آنکھوں کو مزید دلکش بنایا۔ لپ گلوس گلابی لبوں پر پھیرا اور بس۔ ہاں پرفیوم دل کھول کے خود پر برسایا تھا۔ براؤن سلکی بال ایسے ہی سنوار کر کھلے چھوڑ دیے تھے۔

"ماہی۔ ماہین یار! بات سنو تو۔" کوئی باہر سے زور زور سے بولتا ہوا اندر آ گیا تھا اور اس پہ نظر پڑتے ہی اپنی جگہ پہ جم گیا تھا۔

"واؤ' واٹ اے ماسٹر پیس۔" نو وارد کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔ وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔ پتا نہیں کون ہے۔ پہلے تو حویلی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بلاوجہ آئینے کی طرف رخ کر کے خوامخواہ باٹلز کو ترتیب دینے لگی تھی۔

"ماہین! کہاں ہے؟" مقابل نے اس کے سراپے کا انتہائی گہری نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ بی بی جی تو باہر کسی کام سے گئی ہیں۔" وہ گھبرا کر بول پڑی۔ ورنہ تو سامنے کھڑے شخص کی نظریں اسے اپنے وجود میں برمے کی طرح چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"واٹ بی بی جی؟" وہ حیرت کے مارے چلا اٹھا تھا۔ "کون ہو تم؟"

"ارے عابی! تم یہاں آ گئے۔ میں تمہیں باہر ڈھونڈ رہی تھی۔" اتنے میں ماہین خود اندر آ گئی تو اس کی جان میں جان آ گئی تھی۔ سرعت سے باہر نکل گئی۔

"ماہی ہو از شی؟" وہ جیسے کسی ٹرانس کی حالت میں پوچھ رہا تھا۔

"بڑی اماں کی میڈ ہے۔ بے چاری کو اپنا جوڑا پسند نہیں آ رہا تھا تو میں نے اپنا سوٹ اسے دے دیا۔"

"یہ میڈ ہے؟" عباد کو جیسے جھٹکا لگا تھا ماہین کی بات سن کر۔

"اتنی بیوٹی فل اور انوسینٹ۔"

"میرے بھائی! میں خود بھی اسے دیکھ کر یونہی حیران ہوئی تھی۔ تمہارا ابھی کوئی قصور نہیں۔" ماہین نے ہنستے ہوئے اس کی حیرت کو کم کرنا چاہا تھا۔

"ان بلیوایبل۔ مجھے تو لگا تھا کہ جیسے کوئی فیری اپنے فیری لینڈ سے بھٹک کر ادھر آ گئی ہو۔" عباد تو جیسے ابھی تک حائقہ کی شخصیت کے سحر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ہاں قسمت دیکھو۔ نہ باپ سر پر۔ ایک ماں آٹھ بہن بھائی۔ کتنی دور سے چند ہزار کی نوکری کرنے آئی ہے۔ صورت شہزادیوں جیسی اور نصیب نوکرانی کا۔" ماہین کو بھی جیسے اس کی قسمت پر ترس آیا تھا۔

"ایسے شاہکار کام کرنے کے لیے قدرت نہیں بناتی بلکہ انہیں تو دل میں بسایا جاتا ہے۔" عباد نے خود کلامی کی تھی۔ حقیقتاً" حائقہ کی خوب صورتی نے اسے گھائل کر دیا تھا۔ زندگی میں بے شمار خوب صورت لڑکیاں آئیں۔ ان سے "واد" پائی اور چلی گئیں کچھ کو خود اس نے اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا۔ خود وہ بھی بے حد سمارٹ اور چارمنگ پرسنالٹی کا مالک تھا۔ ماہین کا اکلوتا بھائی بے شک شہر میں تعلیم حاصل کی۔ شہر میں کئی بزنس شروع کر رکھے تھے۔ مگر بنیادی طور پر وہ تھا ایک وڈیرہ ہی۔ جس کی گاؤں میں کئی مربع زمینیں تھیں۔ جن پہ کام کرنے والے ہاری اور کسان اسے خود سے کہیں دور نچلے درجے کی مخلوق لگا کرتے تھے۔ وہ کوئی چوہدری شہر نواز تھوڑی تھا جو انسانوں کو اپنے ہم پلہ سمجھتے ہوئے انہیں عزت و اکرام دیتا۔ وہ تو چوہدری عباد اکرم تھا جو زندگی کی ہر رنگینی اور دلکشی سے حصہ لینا اپنا حق سمجھتا تھا' حائقہ بھی تو اس دنیا کی دلکشی و خوب صورتی کا ایک حصہ تھی جو اس کو بری طرح بھا چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے حق سے خود کو کیونکر محروم رکھتا؟

☆ ☆ ☆

"کمینہ' ذلیل' بدتمیز اب اگر سامنے آیا نا تو مکا جڑ کر ناک کا بانسہ توڑ دوں گی۔" ہلو سے ٹیک لگائے وہ کب سے خود کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماہین

کے کمرے میں اچانک وارد ہونے والے شخص کی غلیظ اور بھوکی نظریں یاد کر کرکے وہ اب تک کتنا ہی اپنا خون جلا چکی تھی۔

"ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کبھی کوئی لڑکی نہ دیکھی ہو۔" غصے سے سوچتے ہوئے اس نے لاؤنج میں نظر دوڑائی ہر طرف شوخ، بھڑکیلے، آنکھوں کو چبھتے رنگوں کی بہار تھی۔

"تمہیں چوہدری شہر نواز صاحب اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔"

ملازمہ اس کے قریب آکر بولی تو وہ چونک اٹھی تھی۔

"اب یہ کیوں یاد فرما رہے ہیں۔ یقیناً" بیگم مہتاب کی شکایت کا کوئی ری ایکشن ہوگا۔ خیر میں بھی حساب بے باق کیے دیتی ہوں۔" عباد کی گستاخانہ نظروں نے پہلے ہی اسے تپا دیا تھا اب اس بلاوے پہ وہ اور بھی جارحانہ موڈ کے ساتھ شہر نواز کے کمرے کی طرف رخ کر کے چل پڑی تھی۔ عین دروازے پہ پہنچ کے اس کے موڈ کی جارحیت ایک دم سے غائب ہو گئی تھی۔ ایک طرح کی گھبراہٹ نے اس کے سراپے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دل الگ بگٹٹ بھاگ رہا تھا۔

"میں کیوں گھبرا رہی ہوں۔ میں اس کی ملازمہ تھوڑی ہوں۔" خود کو دلاسا دیتے ہوئے ڈور پر ہلکے سے ناک کر دیا۔ ٹانگیں بھی ہلکی ہلکی کانپ رہی تھیں۔

"جی.... آجائیں۔" اندر سے اس کی شائستہ آواز ابھری تھی۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ وہ ٹیبل پہ پاؤں رکھے اپنی براؤن لیدر کی چپل کا بکل بند کر رہا تھا۔ اوپر سر اٹھا کر دیکھا تو پھر جیسے وہیں جم کر رہ گیا۔

ایک بے حد اسٹائلش لباس میں وہ اس کے سامنے کھڑی اپنی مومی انگلیوں کو موڑ رہی تھی اور عنابی ہونٹوں کو کچل رہی تھی۔ دائیں ہاتھ میں سلور چوڑیاں، باقی پنسل ہیل سینڈلز میں مقید اس کے گورے نازک پاؤں۔ وہ نظر ہٹاتا تو کیسے ہٹاتا، تاہم اگلے ہی لمحے اپنی نظروں کو اس کے پرفسوں سراپے سے چھڑاتے ہوئے نارمل انداز سے بولا۔

"آئیں سمیرا بی بی! بیٹھیں۔" وہ صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں بس ایسے ہی ٹھیک ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ کچھ دیر پہلے والا حوصلہ اور جارحیت نجانے کہاں چلے گئے تھے۔

"چلیں، جیسے آپ کی مرضی۔" وہ کندھے اچکا کر آئینے کی طرف متوجہ ہوا۔

"بڑی اماں کی طرف سے آپ کی بڑی شکایتیں موصول ہو رہی ہیں۔"

"تو....؟" یک لفظی جواب انتہائی سرد انداز سے دینے کے ساتھ ہی وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔ غالباً" وہ اس کے اس جواب سے حیران ہوا تھا۔ تبھی تو آئینے سے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو یہ کہ آپ ان کا خیال رکھیں۔ ان کی ضروریات وقت پہ پوری کریں۔ ان کا دل بہلائیں۔ ان کا موڈ خراب ہے تو اسے خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔"

میٹھے اور دل نشین انداز میں بولتے ہوئے اس نے برش رکھ کر اب پرفیوم کی بوتل اٹھالی تھی۔ خود پہ بے دریغ پرفیوم انڈیلتے ہوئے وہ آئینے میں اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ کمرہ تیز مہک سے بھر گیا تھا۔

"معاف کیجیے گا۔ میں یہ نوکری مزید نہیں کر سکتی۔ بیگم مہتاب کے مزاج کو سمجھنا میرے لیے ذرا مشکل ہے۔"

کارپٹ پہ نظریں جمائے اس نے اپنی طرف سے صاف جواب دے دیا تھا۔ جواب میں شہر نواز نے ایک گہری نظر سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اسے بے حد سنجیدہ اور کسی حد تک خفا لگ رہی تھی۔

"آپ شاید جانتی نہیں کہ بزرگ اور بچے میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ بزرگوں کو بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا پڑتا ہے۔"

"جی' مجھے معلوم ہے۔ مگر میں یہ نوکری نہیں کر سکتی۔ میں کل اپنے گھر جارہی ہوں۔"

"ایسے کیسے جاسکتی ہیں۔ اصول کے مطابق آپ کو یہ جاب پورے ایک ماہ کرنی ہے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"جی نہیں۔ اشتہار میں کوئی ایسی ایک ماہ کی شرط نہیں لکھی تھی۔ ایڈ ہے میرے پاس۔" وہ تڑخ کر بولی تھی۔ شہرنواز کو اس کے انداز پہ ہنسی آگئی تھی۔

"چلیں وہاں شرط نہ سہی۔ ویسے بھی ایک اصول ہے جب کوئی جاب چھوڑی جاتی ہے تو ایک ماہ پہلے اطلاع دی جاتی ہے۔ آپ تو ایک دن پہلے انفارم کر رہی ہیں۔" اسے جیسے اس بحث میں مزا آرہا تھا۔

"یہ کوئی آفس جاب نہیں ہے کہ میں ایک مہینہ پہلے اطلاع دوں۔" وہ ہنوز نروٹھے پن سے بولی تھی۔

"چلیں جیسے آپ کی مرضی۔ میں ایک مہینہ کی درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ اسی ماہ ابو میری شادی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ میری بیوی آجائے گی تو وہی بڑی اماں کی خدمت کرے گی۔" وہ بڑے دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

اس کی بات پہ حائقہ کے سینے میں اس کا دل پھڑپھڑا کر رہ گیا تھا۔ پھر نجانے کیا سوچ کر طنز سے پوچھ لیا۔

"کون یہ میرب ہمدانی؟"

"جی نہیں حائقہ شیرازی' آصف شیرازی کی بیٹی شاید آپ کو کسی نے بتایا نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔ وہ بے ساختہ نظریں چرا گئی تھی۔ وہ بھی تو آج معمول کی نسبت کہیں زیادہ دل کھینچنے کی حالت میں لگ رہا تھا۔ ہلکے سرمئی شلوار سوٹ پہ براؤن واسکٹ اور سائیڈ کندھے پہ ہلکی شال لیے اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اس کا کام تمام کیے دے رہا تھا۔

حائقہ کو لگ رہا تھا اگر وہ کچھ دیر اور اس کے کمرے میں رکی تو موم بن کر پگھل جائے گی۔ اس کا ظاہری بہروپ بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔ تبھی تو اس کی بات کا جواب دیے بنا تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔

باہر کافی تعداد میں مہمان آچکے تھے۔ میرب ہمدانی ریڈ اور براؤن اسٹراج کے ڈیزائنر سوٹ میں ملبوس تھی۔ شارٹ شرٹ اور پینٹس کے ساتھ اس کا فگر بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ کانوں میں میچنگ آویزے اور لائٹ سی لپ اسٹک کے ساتھ وہ معمول کے دنوں کی نسبت کہیں پیاری اور خوب صورت لگ رہی تھی۔

کھانا لگ چکا تھا۔ شہرنواز اپنی پلیٹ میں تھوڑی سی بریانی اور سلاد لیے گلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا۔ میرب کے ہاتھ میں بھی شوارمے کی پلیٹ تھی جسے وہ نزاکت سے کھا رہی تھی۔ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے کھانے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو بھی کر رہے تھے۔ حائقہ کی نگاہیں ان دونوں پہ جمی تھیں۔ ان نگاہوں میں تشنگی' شکایت اور خفگی تھی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا جب شہرنواز نے اپنی منگیتر کے لیے اس کا نام لیا تھا تو وہ کیوں نہ بتا سکی کہ حائقہ شیرازی کے دل میں اس کے لیے سخت ناراضی اور ناپسندیدگی ہے۔ وہ اسے کبھی اپنا لائف پارٹنر نہیں بنائے گی۔ وہ کسی دھوکے باز کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دے گی۔ مگر وہ تو وہاں گویا اس کی شخصیت کے سحر سے بچ نکلنے کی خاطر نیچے آئی تھی۔ اسے کیوں لگ رہا تھا۔ جیسے یہ جادوگر اسے اپنی باتوں اور شخصیت کے جال میں باندھ دے گا اور وہ کبھی اس پھندے سے خود کو نہ چھڑا پائے گی۔

اس کی نگاہ کا مرکز وہ دونوں تھے تو وہ بھی عباد کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ان نگاہوں میں اس کے لیے تعریف' طلب اور ہوس سبھی کچھ موجود تھا۔ عباد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی اس کامنی سی لڑکی کا ہاتھ تھامے اور اپنے فارم پہ بنے کاٹیج میں لے جائے اور اپنے مخصوص انداز میں "خراج تحسین" پیش کرے۔ اس کے حسن کو داد دیتے ہوئے اپنی وارفتگیوں کا عملی ثبوت پیش کرے۔ اپنے سیل فون میں وہ کھٹاکھٹ حائقہ کی مختلف اینگلز میں تصویریں لیتا جا رہا تھا۔ انہی تصویروں کو کام میں لا کر وہ اس پری وش کو حاصل کر سکتا تھا۔

اس کا شیطانی ذہن اسے کئی طریقے سمجھا رہا تھا۔ اور لبوں پہ شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

پتا نہیں یہ فنکشن کی تھکاوٹ تھی یا کسی اور بات کا اسٹریس۔ اگلے دن اس کی طبیعت کافی مضمحل تھی۔ انتہائی سستی اور ڈھیلے پن سے اپنا بیگ سیٹ کیا۔ کل اسے یہاں سے نکلنا تھا۔

"تمہیں نوشابہ بی بی ادھر ورزش والے ہال میں بلا رہی ہیں۔" سکینہ نے دروازے سے سر نکال کر پیغام پہنچایا تھا۔

"کیا مجھے؟" اس نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"ہاں تمہیں۔" سکینہ نے دیدے گھماتے ہوئے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"مگر جم والے ہال میں کیوں؟" وہ الجھی تھی۔

"مجھے کیا پتا' شاید کوئی صفائی وغیرہ کروانی ہو۔" سکینہ کے دانت پورے باہر تھے۔

"ہاں ہاں جاؤ۔ سب کے کام کرو۔ بس اس بڑھیا کے علاوہ۔ جس کے لیے آئی تھیں۔" بیگم مہتاب اسے اٹھتا دیکھ کر جل کر بولیں۔

"جم میں صفائی اور وہ بھی اس وقت۔" دوپٹا اچھی طرح لپیٹتے ہوئے اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تھا۔ رات کا سیاہ آنچل ماحول کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

"بات سن لیتی ہوں۔ کام وام میں نہیں کرتی۔ میری طبیعت خراب ہے۔ ویسے بھی کل مجھے روانہ ہونا ہے۔" دل ہی دل میں شکوک و شبہات کو دباتے ہوئے وہ جم کی سائیڈ پہ چل دی تھی۔

ایک طویل کاریڈور تھا جسے عبور کر کے دائیں طرف مڑنے پر جم بنا ہوا تھا جہاں دنیا کے بہترین ورزشی آلات موجود تھے۔

کاریڈور لائٹس سے منور لیکن سنسان پڑا تھا۔ سبھی رہائشی حصے کی طرف زیادہ آمدورفت رکھتے تھے۔ اچانک دائیں طرف کے کمرے سے کوئی نکلا اور اس کا ہاتھ تھام کے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس کی چیخ نکل گئی تھی۔ جس کی گونج خالی کاریڈور کے آخری کونے تک چلی گئی تھی۔

"ہائے۔۔۔ میں عباد! تمہیں کل دیکھا تو تمہیں پانے کو دل مچل گیا تھا۔ کیسی ہو مائی سویٹ ہارٹ؟" وہ مسکرا کر اس سے پوچھ رہا تھا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اس کے علم کے مطابق ماہین کا بھائی تھا۔

جس کے چہرے کی خبیث مسکراہٹ اور ہوس ناک نگاہیں اس کے گھناؤنے ارادوں کا پتا دے رہی تھیں۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے انتہائی خوف زدہ ہو کر بولی تھی۔ ساتھ ہی اپنا ہاتھ اس کی بے رحم گرفت سے چھڑانے کی سعی کی مگر اس نے تو مزید کس لیا تھا اتنا کہ اسے لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے ہاتھ کا چورا بن گیا ہو۔ مارے اذیت کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"نو ٹینشن ڈارلنگ! چلو میرے ساتھ میرے کاٹیج پہ۔ میری مرسڈیز ریڈی کھڑی ہے۔ وہاں چل کر تمہیں محبت' سکون اور لطف کی ایسی دنیا کی سیر کراتا ہوں جو آج تک تم نے کبھی نہیں کی ہو گی۔"

نرمی اور محبت سے پچکارتے ہوئے وہ اسے ساتھ گھسیٹنے لگا۔ وہ خود کو چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگی۔ مگر اس ہوس کے مارے شخص پہ اس کی تگ و دو کا کوئی اثر نہ پڑ رہا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ گھسٹتی چلی جا رہی تھی۔ دوپٹا کہیں دور پیچھے رہ گیا تھا۔

"چھوڑو۔ کمینے ذلیل انسان مجھے کوئی ہے۔ ہیلپ می۔ خدا کے لیے کوئی ہے۔" اس کی ساری چیخ و پکار خالی دیواروں سے ٹکرا کر واپس اس تک آ رہی تھی۔

عباد کو جیسے اس کا رونا چلانا لطف دے رہا تھا' تبھی تو مسکراتے ہوئے اسے گھسیٹے جا رہا تھا۔ سکینہ کو دو ہزار تھما کر ساری سچویشن سمجھاتے ہوئے بڑے آرام سے شکار کو اپنے جال میں بلا لیا تھا۔ بس اب کچھار کچھ فاصلے پہ رہ گئی تھی۔

"جان من! کیا ہوا جو قسمت میں میڈ بننا تھا مگر میں تو تمہیں دل کی کوئین بنانا چاہتا ہوں۔" اس کے کانوں کے قریب اس نے زہر افشانی کی تھی۔

"نہیں، نہیں۔" روتے بلبلاتے ہوئے وہ خدا کو دل ہی دل میں پکار رہی تھی۔ جو واحد اس کی ناموس کے موتی کو گناہ کی دلدل میں لتھڑنے سے بچا سکتا تھا۔

"عباد! چھوڑو اسے۔" ایک دبنگ غصیلی آواز کوریڈور کے سرے سے آئی تھی تو جیسے وقت بھی سہم کر تھم گیا تھا۔

پھر تیز قدموں سے بھاگتا ہوا کوئی آیا اور آتے ہی زناٹے دار تھپڑ عباد کے چہرے پہ دے مارا، تھپڑ کی گونج دیواروں سے کئی لمحوں تک ٹکراتی رہی تھی۔

"شیری! تم نے مجھے تھپڑ مارا۔ ہاؤ ڈیر یو؟" عباد تو جیسے اپنی بے عزتی پہ پاگل ہو اٹھا تھا۔

"ہاں میں نے تمہیں تھپڑ مارا۔ تم ہماری حویلی کی عزت پہ ہاتھ ڈالو گے تو تمہیں میں گولی بھی مار سکتا ہوں۔"

سرخ چہرے کے ساتھ وہ غراتے ہوئے بولا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے اس کی آنکھوں سے نکلتے غضب کے شعلوں کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"ایک میڈ کے ہاتھ پکڑنے پر تم مجھے گولی مارو گے؟" عباد کو لگا جیسے شہر نواز کا دماغ چل گیا ہو۔

"ہاں اس حویلی کی ملازماؤں کی عزت بھی اتنی ہی قیمتی اور اہم ہے جتنی یہاں کے مالکوں کی۔ اس گھر میں کام کرنے والی کوئی نوکرانی ہو یا ہمارے کھیتوں میں کام کرنے والی کوئی ہاری، محنت کش عورت۔ ان کی طرف جس کی بھی آنکھ غلط ارادے سے اٹھی وہ آنکھ ہی میں نکال لوں گا چاہے وہ آنکھ میرے کسی اپنے ہی کی کیوں نہ ہو۔"

دھاڑ سے مشابہ آواز کے ساتھ وہ عباد کو خونی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ابھی اس وقت اس کی جان لینے کا ارادہ ہو۔

"ایک میڈ کے لیے تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ اس کا تاوان تمہیں بھگتنا پڑے گا۔" عباد دھمکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں ماہین بھابھی اور دل نواز بھائی کی وجہ سے رعایت مل گئی ہے ورنہ تمہاری ساری بدمعاشی ناک کے راستے نکالنے کی صلاحیت رکھتا ہوں میں۔" عباد کی دھمکی سے متاثر ہوئے بغیر وہ تیز تنفس کے ساتھ بولا تھا۔

"دیکھ لوں گا میں تمہیں۔" پھٹے ہوئے ہونٹ سے خون صاف کرتے ہوئے عباد وہاں سے چلا گیا۔

خالی، سنسان کاریڈور میں حائقہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ شہر نواز نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور دوسری دور پڑے اس کے دوپٹے پہ۔ مضبوط قدموں سے چلتے ہوئے ذرا سا جھک کر دوپٹا اٹھایا اور قریب آکر اس کے سر پر ڈال دیا۔ حائقہ نے اس کی طرف دیکھے بنا تیزی سے دوپٹا اپنے گرد لپیٹ لیا۔

"اور تم یہاں کیوں آئی تھیں۔ جب تمہیں کہا تھا کہ تم خود کو بڑی اماں کے کمرے تک محدود رکھو گی تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ اب ڈپٹ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے سکینہ نے کہا تھا کہ جم والی سائیڈ پر تمہیں نوشابہ بی بی بلا رہی ہیں۔ اس لیے میں آگئی۔" ہچکیوں کے درمیان اس نے بتایا۔

"یہ سکینہ، کم ظرف عورت۔" شہر نواز نے غصے سے دانت پیسے۔ وہ سکینہ اور نوشابہ کو سامنے بلا کر سارا معاملہ کلیئر کر سکتا تھا۔ مگر اہمیت اس سامنے کھڑی لڑکی کی عزت کی تھی جس کے آنسو اسے بری طرح ڈسٹرب کر رہے تھے۔

"اسٹوپڈ لڑکی! تمہیں خود اپنا سینس استعمال کرنا چاہیے تھا۔ امی ادھر سائیڈ پہ تمہیں کیوں بلائیں گی۔ زیادہ تر یہ حصہ مردوں کے زیر استعمال ہوتا ہے۔"

ڈانٹتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک سائیڈ کا دروازہ کھول کر ایک کمرے میں آگیا، اسی کمرے سے ایک طویل راہداری نکلتی تھی جس کا اختتام عقبی لان کی طرف ہوتا تھا۔ وہ خاموشی سے گھسٹتی اس کے تیز

قدموں کا ساتھ دیتی جارہی تھی۔
"وہ سامنے بڑی اماں کے کمرے کا بیک ڈور ہے۔ ادھر سے چلی جاؤ۔" وہ اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے گمبھیر آواز میں بولا تھا۔
جم والی سائیڈ پہ ملازمین کے کوارٹرز بنے ہوئے تھے۔ وہ زمینوں سے فارغ ہو کر کریم بخش کے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔ کریم بخش کو ڈاکٹروں نے ٹی بی کی تشخیص کی تھی۔ شہر نواز نے شہر میں ایک بہترین اسپتال میں کریم بخش کو ایڈمٹ کروایا تھا۔ بہترین طبی سہولتوں کی بدولت کریم بخش تیزی سے روبہ صحت تھا۔ یہی گڈ نیوز اس کے بیوی بچوں کو سنانے کے لیے وہ اس کے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا کہ اس نے ایک نسوانی چیخ سنی تھی۔ پھر اس کے متواتر آوازیں آنے لگی تھیں۔ وہ اندر جانا موقوف کر کے ادھر بھاگتا ہوا آ گیا اور یہاں کا منظر دیکھ تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔
اپنی عیاش اور بد فطرت کی وجہ سے اسے عباد ہمیشہ سے برا لگتا تھا۔ اسے عباد کا حویلی میں آنا جانا بھی برا لگتا تھا مگر ماہین کی وجہ سے وہ ضبط کے گھونٹ بھر کر رہ جاتا تھا۔ عباد کا زیادہ وقت غلط کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ اتنا تو وہ جانتا تھا' مگر وہ اس کے گھر کی ہی فرد کو ناپاک ارادوں سے فوکس کرے گا' یہ تو گمان میں بھی نہ تھا۔
وہ چاہتا تو عباد کو ابھی گھسیٹتا ہوا ماہین اور سب کے سامنے لے جاتا اور اس کے کرتوت کھول کر بتا دیتا۔ مگر وہ بخوبی جانتا تھا عباد کی حیثیت کبھی اس گھر میں نہیں بدلے گی البتہ اس معصوم لڑکی کی شہرت ضرور داغ دار ہو جائے گی۔ اس لیے اس کی معاملہ فہم طبیعت نے بات کو دبانے کا سوچ لیا تھا۔
حائقہ لان عبور کر کے بیک ڈور تک پہنچ چکی تھی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ ابھی تک وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ نظر ملنے پر ذرا سا مسکرایا۔ حائقہ کی آنکھیں پھر سے بھر آئی تھیں۔ وہ غڑاپ سے اندر کمرے میں گھس گئی۔

✡ ✡ ✡

اگلی صبح وہ بخار میں تپ رہی تھی۔
"آئے ہائے اسے دیکھو۔ جو بوڑھوں بیماروں کی خدمت کرنے آئے تھے۔ خود بیمار پڑ گئے۔" بیگم مہتاب پلنگ پہ بیٹھی خود سے باتیں کر رہی تھیں۔
"ارے کوئی بچی کو تو دیکھے۔ کب سے بے سدھ پڑی ہے۔ نجانے کن ماں باپ کی بچی ہے۔"
انہیں اب مامتا آرہی تھی۔ پورا دن اس کا غشی کی حالت میں گزر گیا تھا۔ تو تشویش ہونا تو لازمی بات تھی۔
شام کے ٹائم رشیدہ اس کے لیے دلیہ اور بخار کا سیرپ اور گولیاں لے آئی تھی۔ اس نے خاموشی سے دوا پی لیا۔ پھر تھوڑا سا دلیہ کھانے لگی۔
"صاحب جی کہہ رہے تھے کہ اگر سمیرا کا بخار کل تک نہ اترا تو ڈاکٹر کے پاس دکھائیں گے۔" رشیدہ کی بات پہ اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔
"کون سے صاحب نے کہا ہے؟" اس نے کمزور آواز میں پوچھا تھا۔
"بڑے صاحب خالق نواز چوہدری نے۔"
"اوہ۔" رشیدہ کا جواب سن کر نجانے کیوں اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو گئی تھی۔ دلیہ ایک دم سے کڑوا لگنے لگا تھا۔ رشیدہ نے اٹھ کر اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا۔
"او خدا! یہ تو تنور کی طرح گرم ہے۔ ذرا ہاتھ دکھا۔" رشیدہ نے اس کا دایاں ہاتھ تھامنا چاہا مگر اس نے سرعت سے دایاں ہاتھ اپنی ٹانگوں میں دبا دیا تھا۔ رشیدہ کو اس کی حرکت بڑی عجیب لگی تھی۔ اس ہاتھ کسی کا لمس اسے تقویت دے رہا تھا۔ اور وہ اس لمس کو زائل نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اسی دائیں ہاتھ پہ اپنا دہکتا رخسار رکھے وہ زبردستی سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ کہ صبح اسے ہر حال میں یہاں سے نکلنا تھا۔ چاہے طبیعت ٹھیک ہو یا نہ ہو۔

✡ ✡ ✡

"اللہ! میری بچی کتنی سوکھ کملا گئی ہے۔ پیلی پھٹک

رنگت، آنکھوں کے گرد حلقے۔ ایسی کیسے حالت بنالی ہے اپنی؟" بوا زینت اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھامے تشویش سے کہہ رہی تھیں۔ وہ جب سے گاؤں سے آئی تھی، تب سے لاتعداد بار اس کے چہرے اور ہاتھوں کو چومتے ہوئے اپنی بے قراری اور محبت کا اظہار کررہی تھیں۔

"یہ لڑکی علیہ! ایک نمبر کی چٹوری اور ندیدی۔ کتنا کچھ اس گھر سے کھائی جاتی ہے اور میری بچی کو، جیسے اپنی خالہ کے گھر فاقے کروائے ہوں۔ آئے تو سہی اس بار۔ خوب سناؤں گی اسے۔" بوا کو علیہ پہلے کون سا اچھی لگتی تھی اب تو اس کی کمزور حالت دیکھ کر انہیں خوب تاؤ آیا تھا اس پر۔

"ارے نہیں بوا! آپ اس سے کچھ نہیں کہیں گی۔" وہ گھبرا کر انہیں ٹوک گئی تھی۔

"میں علیہ کے ساتھ اس کی آنٹی کے گھر نہیں گئی تھی۔ بلکہ ہم سب دوست پاکستان کی سیر پر نکل گئی تھیں۔"

اس نے فوراً" بات بنالی مبادا بوا کہیں علیہ پر چڑھائی نہ کردیں۔

"اف حائقہ! جھوٹ پہ جھوٹ۔" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے صوفے کی پشت پہ سر ٹکا دیا تھا۔

"ارے تو بیٹا! سیر کے دوران کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا تھا؟" بوا کی سوئی ابھی تک اس کی صحت پہ اڑی ہوئی تھی۔

"ارے بوا! خوب کھایا پیا گھومے پھرے۔ لیکن سچ میں کہیں بھی آپ کے ہاتھوں جیسا ذائقہ نہ تھا۔ اب گھر میں رہ کر خوب پیٹ بھر کر آپ کے ہاتھ کے بنے لذیذ کھانے کھاؤں گی تو ایک دم سے فٹ اور ٹھیک ٹھاک ہوجاؤں گی۔"

وہ ان کے بوڑھے ہاتھوں کو گرم جوشی سے دباتے ہوئے محبت سے بولی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے پھر میں ابھی آپ کا پسندیدہ گاجر کا حلوہ لاتی ہوں۔" بوا اس کی بات پہ خوش ہوکر کچن کو چل دیں۔

وہ کسلمندی سے وہیں لیٹ گئی تھی۔ دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ دل و دماغ پہ ایک عجیب سی بے حسی چھائی ہوئی تھی۔ ذہن پہ بار بار ایک ہی منظر چلتا رہتا تھا۔

عباد کا اس کا ہاتھ پکڑ کر بدتمیزی کی کوشش کرنا۔ اس کا رونا، چیخنا، چلانا اور ایسے میں کسی مہربان ہستی کا اچانک سے آکر اس مصیبت سے نکالنا۔ وہ اب تک کتنی ہی بار ان جاں گسل لمحوں کو یاد کرکے رو چکی تھی۔

"اگر عباد اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوجاتا تو پاپا تو اپنی جان سے گزر جاتے۔"

اس سوچ سے ہی اس کی جان پہ کپکپی طاری ہوجاتی تھی۔

"تمہیں کس نے ادھر آنے کو کہا تھا۔" ایک ڈانٹتی، ڈپٹتی غصیلی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"شہری لڑکیاں اچھی بھی ہوتی ہیں جیسے میرب، خوب صورت حساس اور ہمدرد۔" اس کی آنکھیں ذرا سا نم ہوئی تھیں۔

"میرے ابو اسی ماہ میری شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر میری بیوی آکر بڑی اماں کی خدمت کرے گی۔" ہموار، متوازن، خوب صورت لہجہ۔

حائقہ کے سر میں جیسے شدید درد ہونے لگا تھا۔ وہ وہیں اٹھ کر اپنی کنپٹیاں دبانے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"چلی گئی؟ کیا مطلب؟" وہ نوشابہ کی بات پہ حیرانی سے بولا تھا۔

"ہاں بیٹا! بڑی اماں بتاتی ہیں کہ صبح وہ جب اٹھیں تو دیکھا سمیرا کمرے میں نہیں تھی۔ اللہ جانے، کس ڈھنگ کی لڑکی تھی، نہ مل کر گئی۔ نہ تنخواہ لی۔"

"ارے ہاں یاد آیا۔ وہ مجھے بتا کر گئی تھی کہ ایک دو دن میں وہ جاب چھوڑنے والی ہے۔" نوشابہ کی بات پہ اس نے جلدی سے وضاحت دی تھی۔ وہ اس کے

بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سن نہیں سکتا تھا چاہے کہنے والی اس کی اپنی ماں ہی کیوں نہ ہو۔

"تنخواہ بھی مجھ سے لے لی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ اس کی ماں کی طبیعت خراب ہے۔ اسے جانا پڑے گا۔" اپنی طرف سے اس نے نوشابہ کو مطمئن کیا اور اپنے روم میں آگیا۔

"تو حائقہ شیرازی! بس اتنے دن ہی ٹک پائیں یہاں۔" چلتے ہوئے وہ سلائیڈ ونڈو کے پاس آگیا۔

وہ دن وہ کیسے بھلا سکتا تھا جب شارق لوگوں نے زبردستی اسے ناردرن ایریاز کی سیر میں گھسیٹ لیا تھا۔ وہاں کے سبزہ زاروں میں اسے ایک بے ہوش لڑکی ملی تھی، جس کی بے ہوشی کی وجہ وہ باوجود کوشش کے معلوم نہ کرپایا تھا۔

لڑکی خاصی خوب صورت اور کسی ویل آف فیملی سے بی لونگ کرتی دکھتی تھی۔ اس نے دوبارہ سہ بار بلکہ متعدد بار اس بے ہوش پڑی لڑکی کو دیکھا تھا اور اس دیکھنے میں تشویش، پریشانی اور فکر مندی تھی۔ انہی دنوں اتفاق سے اس کا رشتہ ڈسکس ہو رہا تھا۔ چوہدری خالق نواز اس کا رشتہ اپنے دوست آصف شیرازی کی اکلوتی بیٹی سے کرنا چاہتے تھے۔

دن رات حائقہ شیرازی کا تذکرہ وہ خاموشی سے سنتا رہتا تھا۔ اس لیے تو جب اس بے ہوش پڑی لڑکی کو اس کی ٹیچرز اور ساتھی وہاں سے لے گئے تو وہاں پیچھے رہ جانے والے کالج کارڈ کو دیکھ کر وہ چونک اٹھا تھا۔

تقریباً" وہی کوائف درج تھے۔ جو ماہین بھابھی اور امی اسے اس کے ہونے والے رشتے کے بارے میں بتاتی رہتی تھیں۔

اسے ایک دم سے افسوس ہوا تھا کہ اتنی بار اس لڑکی کو فکر مندی اور پریشان بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر افسوس ایک اشتیاق محبت اور پسندیدگی کی نظر اس پہ نہ ڈال سکا تھا۔

دل میں گہری الجھن لیے وہ واپس چلا آیا تھا۔ کارڈ اس کی جیب میں تھا۔ اگلے ماہ ابو نے اسے چند تحائف آصف شیرازی کے گھر دینے کو کہا تو وہ راضی ہوگیا۔

"چلو' اس بہانے تو محترمہ کا دیدار ہو جائے گا اور الجھن بھی دور ہوگی کہ یہ وہی ہے یا کوئی اور۔" وائے افسوس' وہاں جاکر صرف بزرگ خاتون نے آداب میزبانی نبھائے۔ کسی دوشیزہ نے جھلک نہ دکھائی تھی۔

"آصف ولا سے نکلتے ہوئے اس نے وہی کارڈ نکال کر دیکھا تو ایڈریس بالکل ایک ہی تھا۔

"اس کا مطلب ہے کاغان میں ملنے والی لڑکی ہی میری لائف پارٹنر بننے کی خوش نصیبی حاصل کرنے والی ہے۔" اسے وہیں پہ یقین ہوگیا تھا۔

"خیر کب تک چھپیں گی۔ ایک نہ ایک دن تو سامنا کرنا ہی پڑے گا۔" اور اتفاق سے اگلے ماہ اپنے گھر کے لان میں پھول چنتی لڑکی کو دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا تھا۔

وہی چہرہ' وہی قد' وہی براؤن آنکھوں پہ دراز گھنی پلکیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اس وقت ویسٹرن پہناوے میں تھی اور یہاں ایک دم سے سادہ اور معمولی کپڑوں میں ملبوس تھی۔

"ایک انسان اتنی مشابہت کسی دوسرے انسان سے کیسے رکھ سکتا ہے۔"

آنکھوں میں گہری الجھن لیے وہ اندر آگیا تھا۔ مگر اس کا وجدان کہتا تھا کہ کاغان میں ملنے والی بے ہوش لڑکی بالکل یہی ہے۔ جو اس وقت بڑی اماں کی میڈ بن کر کھڑی ہے۔

اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے اندازوں کی تصدیق ہوتی گئی۔ جب ماہین نے اس کے کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا تھا۔ تو اسے بھی وہ ٹاپس یاد آگئے تھے جو اس نے بے ہوش پڑی لڑکی کے کانوں میں دیکھے تھے۔

اس نے کارڈ نکال کر پاسپورٹ سائز تصویر کو بغور دیکھا تو وہاں بھی یہی ٹاپس اس کے کانوں میں تھے۔

اب تو کسی کنفیوژن کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

"مگر یہ میڈ بن کر حویلی میں کیوں آئی تھی؟" یہی بات سوچ کر وہ الجھ جاتا تھا۔

"خیر محترمہ کے جو بھی مقاصد ہوں۔ آگے کھل کر

سامنے آجائیں گے۔ کون کب تک اپنی اصلیت چھپا سکتا ہے بھلا۔" وہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھا۔

ماہین کا اندازہ اس کے بارے میں بالکل درست تھا۔ وہ اپنے ایٹی ٹیوڈ' باتوں اور ردعمل کے لحاظ سے کہیں سے بھی کسی غریب اور ضرورت مند گھر کی نہیں لگتی تھی۔

پہلے تو ڈائمنڈ ٹاپس۔ پھر ایک مہنگے سیل فون پر اسے بات کرتے دیکھ رہا تھا۔ بات بے حد ستھرے اور شائستہ لہجے میں ہو رہی تھی۔ اور انگریزی الفاظ کا ضرورتاً استعمال وہ زور سے قہقہہ لگاتے لگاتے رہ گیا تھا۔

"حائقہ شیرازی! تم بولڈ اور کانفیڈنٹ بے شک ہو۔ مگر ایک بہت ہی بری اداکارہ بھی ہو۔" دھیمے سے بولتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

☼ ☼ ☼

آصف شیرازی نے پورا گھر رینوویٹ کروالیا تھا۔ وہ اسی چکر میں اس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ گھر کے پردوں سے لے کر فرنیچر تک سب کچھ چینج ہو چکا تھا۔

جس رات وہ پاکستان پہنچے تھے۔ پہنچنے کے ٹھیک آدھا گھنٹہ بعد اسے اپنے روم میں بلالیا تھا۔

"آئی ہوپ بیٹا! آپ نے اچھی طرح سوچ لیا ہو گا۔ کافی ٹائم لے لیا آپ نے۔ جو فیصلہ ہے اب اسے فائنل کر ہی دیں تو بہتر ہے۔" وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"پاپا! میرے سوچنے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ جو وسڈم (دانائی) آپ کے پاس ہے میں ساری عمر بھی بتا دوں تو تب بھی میرے پاس اتنی نہیں آسکتی۔ اور مجھے آپ کے فیصلے پر پورا بھروسا ہے۔"

سر جھکائے دھیمی آواز میں اس نے ان کے فیصلے پر ہاں کی مہر ثبت کردی تھی۔ آصف شیرازی نے بے ساختہ اسے گلے لگالیا تھا۔

"جیتی رہو بیٹا! ماں باپ کے فیصلوں میں خدا کی رضا شامل ہوتی ہے۔ جو اولاد ماں باپ کے فیصلوں پر سر جھکادیتی ہے تا ان کی نیا پار ہی ہوتی ہے۔" وہ کافی دیر اسے سینے سے لگائے کھڑے رہے۔

"خالق نواز اگلے ہفتے شادی کی شاپنگ کے سلسلے میں آرہا ہے۔ وہ سب تم سے ملنا' تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

وہ خاموشی سے باپ کی خوشی اور جوش کو نوٹ کرتی رہی تھی۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی آئینے تک آگئی۔

آئینہ اسے اس کی نئی ہی تصویر دکھا رہا تھا۔ ڈل اسکن' روکھے بال' خشک ہونٹ۔

وہ کافی دیر تک کھڑی آئینے میں اپنا جائزہ لیتی رہی تھی۔ پھر اچانک سے اس نے مڑ کر اپنا موبائل اٹھایا۔ اس کی انگلیاں بیوٹی پارلر کا نمبر تلاش رہی تھیں۔

اس نے بیوٹیشن سے آج شام کی اپائنمنٹ لے لی تھی۔

"خوب صورت' ہمدرد اور نیک دل۔" اس کے کان کے قریب کوئی خوب صورت مردانہ آواز گونجی تھی۔

☼ ☼ ☼

خالق نواز اپنی فیملی کے ساتھ آچکے تھے۔ آصف شیرازی ان کا استقبال کرنے گیٹ تک آگئے۔ بوا زینت انتہائی پھرتی سے کچن میں کھانا تیار کروا رہی تھیں۔ اس نے ریڈ اور بلیک اسٹائلش سا ڈیزائنر سوٹ پہنا اور آئینے کے سامنے آگئی۔

بیوٹیشن کے مشاق ہاتھوں نے کسی حد تک اس کی سابقہ شفاف اور چمکدار رنگت اور بالوں کی نرمی اور سنہراپن واپس کردیا تھا۔

لاؤنج سے آتی بہت سی خوش گوار آوازوں اور قہقہوں نے اس کی دھڑکن کو بے ترتیب کردیا تھا۔ یقیناً "بوا اسے آکر سب کو سلام کرنے کا کہیں گی۔ یہ سوچ کر وہ لان میں آگئی اور سنگی بنچ پہ بیٹھ گئی۔

"کاش میں حویلی نہ گئی ہوتی تو آج مکمل اعتماد سے سب سے مل لیتی' سب کے درمیان بیٹھ کر باتیں کرتی' یوں منہ چھپا کر تو ادھر نہ بیٹھنا پڑتا۔" بیٹھے بیٹھے اس

نے اپنی عقل کو کوسا تھا۔
"اگر نہ جاتیں تو یونہی اپنے انکار پہ ڈٹی رہتیں۔ وہاں جا کر ہی شہر نواز کی شخصیت کے جوہر کھلے تھے۔" اس کے دماغ نے اسے سمجھایا تھا۔
واقعی وہ تو گاؤں اس لیے گئی تھی ناکہ اپنے انکار کا کوئی ٹھوس جواز ڈھونڈ کر آصف شیرازی کے سامنے لے آئے۔
مگر وہاں کیا ہوا۔ بری تقدیر عباد کی صورت گھات لگائے بیٹھی تھی۔ اگر جو وہ مہربان فرشتہ وہاں نہ آتا تو اس کا مقدر یقیناً" خودکشی یا ایسی ہی کوئی حرام موت ہوتی۔ وہ اپنا دل کیسے نہ ہارتی جس نے آکر اس کے جوہر نسواں کو آلودہ ہونے سے بچا کر اپنی پناہوں میں لے لیا تھا۔ جس کی اچھائیوں کا پیچ میں سب گن گاتے تھے۔ جو ہمدرد تھا۔ فیاض تھا۔ انسانیت کے درد کا جوہر اس کے پاس تھا۔ وہ اپنے دل کو اس کے نام پر دھڑکنے سے کیسے روکتی۔ جب خود ہی دل ہار چکی تھی تو ایسے میں کیوں نہ اپنے باپ کو ہاں کا مژدہ سنا کر ساری عمر کے لیے ان کی نظروں میں سرخرو ٹھہرتی۔
لان میں پڑے خشک پتے کسی کے پیروں میں آکر چرچرائے تھے۔ اس نے اپنے خیالوں سے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ سامنے کھڑا تھا۔ اپنی تمام تر وجاہت اور ذات کی اچھائیوں کے ساتھ۔
"کیسی ہو؟" مسکرا کر پوچھتے ہوئے ذرا سا اس سے ہٹ کر اس کے پہلو میں بینچ پہ بیٹھ گیا۔ وہ آج بلیک جینز کے اوپر وائٹ شرٹ کے ساتھ ہمیشہ کی طرح ہینڈسم اور دلکش لگ رہا تھا۔
"میں نے سوچا تنخواہ بھی دے آؤں اور طبیعت کا بھی پوچھ آؤں۔ سنا تھا سخت فلو تھا۔" وہ جیب سے والٹ نکالتے ہوئے عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔
"کیا مطلب؟ کیسی تنخواہ؟" وہ بری طرح گڑبڑائی تھی۔
"ارے بھئی بڑی اماں کی پورے دو ہفتے خدمت کرنے کی تنخواہ اور کیا۔" معصومیت سے کہتے ہوئے شہر نواز نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ان آنکھوں میں شرارت کے کئی رنگ مچل رہے تھے۔ حائقہ نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔
"دیکھیں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' نہ تو میں آپ کی حویلی آئی ہوں اور نہ ہی کسی بڑی اماں کی خدمت کی ہے میں نے۔" وہ بری طرح بگڑ کر بولی تھی۔ وہ آتے ہی اس موضوع پہ بات کرے گا یہ تو اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔
"اوہ ویری سوری... مجھے شاید غلط فہمی ہوئی ہے جیسے تمہیں اپنی حویلی میں پہلے سے دیکھا ہو۔ ہو جاتی ہے کبھی کبھار اتنی مشابہت۔" وہ سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"اٹس امیزنگ۔ وہ لڑکی سمیرا بالکل تمہارے جیسے دکھتی تھی۔ لیکن تھی بالکل اسٹوپڈ اور ال مینرڈ۔ جیسے دیکھو جاب چھوڑتے ہوئے وہ نہ کسی کو بتا کر آئی نہ مل کر آئی۔ امی بھی کہہ رہی تھیں اگر وہ لڑکی دوبارہ ملے تو خوب کلاس لیں گی اس کی۔" وہ مسکراتی نظروں سے اس کے جھکے ہوئے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا۔
"اچھا وہ ال مینرڈ تھی اور خود کیا ہیں۔ ساری رات بخار سے پھنکتی رہی۔ کمرے میں جھانک کر نہ دیکھا کہ کس حال میں ہوں۔ ویسے تو" سارے جہاں کا

"درد ہمارے جگر میں ہے" کی تفسیر بنے پھرتے ہیں۔ مگر ایک بے گھر لڑکی بیمار تھی اس کی خبر گیری نہیں۔ ساری انسانی ہمدردی جھوٹ، دکھاوا سارا غریبوں کی فلاح کا پروگرام ایک دم ڈرامہ۔"

وہ ایک دم سے پھٹ پڑی تھی۔ شہرنواز پہلے تو اسے دیکھتا رہا پھر ایک دم سے زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"مائی سویٹ ہارٹ! مجھے اس سے اگلے دن شہر روانہ ہونا تھا، مجھے خبر ہی نہ ہوئی کہ تمہاری طبیعت اتنی خراب ہے۔ تو پروگرام کینسل کر دیتا۔" وہ متبسم انداز میں صفائی دیتے ہوئے بولا۔

اسے حائقہ کی تپی رنگت مزا دے رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تم حویلی کس مقصد کے لیے آئی تھیں۔ لیکن میں اتنا جان گیا تھا کہ تم انکل شیرازی کی بیٹی ہو۔ جس سے میرا نصیب جڑنے والا ہے۔ جسے پہلی بار دیکھتے ہی میں نے دل ہار دیا تھا۔"

وہ گمبیر لہجے میں بولتا ہوا اس کی دھڑکنوں میں اتھل پتھل مچا رہا تھا۔

"کب حویلی میں دیکھتے ہی؟" اس نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"نہیں کاغان کی حسین وادی میں۔" اس نے جیب سے اس کا کارڈ نکال کر اس کے سامنے لہرایا۔

"یہ آپ کو میرا کارڈ کہاں سے ملا؟" اس نے فوراً ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔

"جب آپ محترمہ وہاں بے ہوش پڑی ملی تھیں تو یہ وہیں رہ گیا تھا۔"

"تو کیا آپ نے ہی علیبہ کو انفارم کیا تھا؟" وہ خوشگوار حیرت میں گھر کر بولی تھی۔

"جی جناب آپ کی حفاظت کی تمام تر ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمے تفویض کر رکھی ہے اور ہم یہ ذمہ داری ساری زندگی پوری ایمان داری سے نبھانے کا عہد کرتے ہیں۔" وہ اس کا مرمریں ہاتھ تھامتے ہوئے گہرے لہجے میں بولا تھا۔

"اف۔" حائقہ نے طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔ پھر اگلے ہی لمحے وہ اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ اپنا اس رشتے سے انکار، دیہاتیوں کے بارے میں غلط تصور۔ اس کی جانچ کے لیے حویلی آنا۔

"مگر یار! اس سارے قصے میں یہ تو کہیں نہیں معلوم ہو رہا کہ میرے بارے میں انکل کو ہاں کیونکر کی؟"

"ہاں بس اسی رات تو میں نے اپنا دل ہارا تھا جب آپ عباد کے چنگل سے چھڑا کر مجھے بحفاظت بڑی اماں کے کمرے تک لے آئے تھے۔" وہ سر جھکا کر اعتراف کرتے ہوئے بولی تھی۔ اور شہرنواز کو اس کا شرمانا لجانا انداز بے خود کیے جا رہا تھا۔

"اچھا اندر چلتے ہیں۔ سب ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے۔" جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"مگر وہ مجھے پہچان تو نہیں پائیں گی۔" وہ متذبذب سی بیٹھی رہی تھی۔

شہرنواز کے سامنے تو اس نے حویلی کا وزٹ تسلیم کر لیا تھا مگر باقی سب کے سامنے کیسے تسلیم کر پائے گی؟ اسے تو سوچ کر ہی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"ڈونٹ وری، میں سب سنبھال لوں گا۔ کہا نا تمہاری عزت کی حفاظت کی ذمہ داری پوری زندگی کے لیے لی ہے۔"

مضبوط لہجے میں بولتے ہوئے شہرنواز نے چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی تھی۔

اس نے چند ثانیے توقف کے بعد اپنا نازک ہاتھ اس کی ہتھیلی پہ رکھ دیا تھا۔ دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے رہائشی حصے کی جانب چل دیے۔

"یہ تو تم نے بتایا نہیں کہ بڑی اماں کی خدمت کا دو ہفتوں کا معاوضہ جو بنتا ہے اس کا کیا کرنا ہے؟"

اس کا ہاتھ تھامے وہ پوچھ رہا تھا۔

"اسے میرب ہمدانی کو ڈونیٹ کر دیں۔ وہی زیادہ حق دار ہے ان پیسوں کی۔" وہ ایک دم سے جل کر بولی تھی۔ شہرنواز کا قہقہہ دور تک چلا گیا تھا۔

☼ ☼

شبانہ شوکت

میں اپنی فرینڈز کے ساتھ گیٹ کے پاس کھڑی تھی جب میرے نام کی پکار سنائی دی تھی "اوکے فرینڈز" وہ بھی میرے ساتھ ہی باہر تک آئی تھیں۔

"واٹ آ ہینڈسم مین یار' رئیل لپا لو" امبر کی آواز نے ہمیں متوجہ کیا تھا۔

"یا اللہ مرد بھی اتنے خوب صورت ہوتے ہیں۔" یہ علیزہ تھی۔

"کہاں' کون' ہے کہاں آخر۔" میں اور صومعہ یہاں وہاں دیکھنے لگیں۔

"وہ بلیک کرولا کے ساتھ ٹیک لگائے' سینے پر ہاتھ باندھے سامنے ہی تو کھڑا ہے۔"

امبر کی نشاندہی پر میں نے دیکھا تو اچھل ہی پڑی۔

"یہ تو میرے پاپا ہیں۔"

"نہیں۔" ان تینوں نے اتنی زوردار نہیں کی کہ اردگرد سب متوجہ ہوگئے تھے۔ پاپا نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور اب آرہے تھے۔

"اسٹوپڈ گرلز' یہ واقعی میرے پاپا ہیں۔" ان کے قریب آنے پر میں ان سے لپٹ گئی تھی۔

"آپ کب آئے پاپا' بتایا کیوں نہیں ہمیں۔"

"بس سرپرائز دینا چاہتا تھا۔" انہوں نے میرا ماتھا چوما۔ میں نے اپنی فرینڈز کا تعارف پاپا سے کروایا' پاپا نے مسکرا کر انہیں وش کیا اور میری طرف مڑے۔

"چلیں" میں نے اپنے فرینڈز کے ہاتھ زبردستی پکڑ پکڑ کر شیک ہینڈ کیا تھا کیونکہ وہ ابھی تک سکتے میں تھیں' گھر آکر میں مما سے لپٹ گئی۔

"اللہ مما آپ بتادیتیں تو میں کالج بالکل نہیں جاتی۔"

"اسی لیے تو نہیں بتایا تھا۔" وہ ہنس پڑیں۔ اتنے میں ہنی نے چیخ ماری' وہ موی کے ہاتھ میں موجود نگٹس کو لینا چاہ رہا تھا۔

"یہ شاید بھوکا ہو رہا ہے۔"

"یہ موٹا ہر وقت بھوکا رہتا ہے۔" موی کو ہنی سے خدا واسطے کا بیر تھا' ہنی کو پیچھے کھینچا۔

"آپ کو تو بھوک نہیں لگتی نا؟"

"یہ بار بار کھاتا ہے' بار بار سوتا ہے' نہ چلتا ہے' نہ اسکول جاتا ہے' کچھ بھی نہیں کرتا لیزی بوائے۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"یہ تو واقعی زیادتی ہے۔ اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی چاہیے' آفٹر آل یہ دس مہینوں کا ہوچکا ہے۔" یہ پاپا تھے۔

"یس ہی از" موی کو اطمینان ہوا۔ پاپا کا فون آرہا تھا وہ ادھر متوجہ ہوگئے۔

"ولید تھا' آرہا ہے ابھی تھوڑی دیر میں۔" انہوں نے مما کو بتایا اور کچھ ہی دیر میں ولید انکل اور جویریہ آنٹی آچکے تھے۔ ولید انکل۔ پاپا کو دیکھتے لپٹ گئے تھے۔ مما اور آنٹی بھی ایک دوسرے سے گلے ملنے لگیں۔

"تم بہت کمزور دکھائی دے رہی ہو ایلیا' میں تو سوچ رہی تھی کہ بہت فریش ہو کر واپس آؤگی۔" وہ پاپا کی سمت مڑیں۔ "زارون بھائی' یہ ایلیا کو کیا بھوکا پیاسا رکھتے رہے ہیں آپ۔ جویہ اتنی ویک لگ رہی ہے۔"

"ہوٹل میں بھوکی' پیاسی؟ یار جویریہ کہیں سے

تھوڑی سی مقدار میں عقل مستعار لے لو' اگر اپنے اندر نہیں ہے تو۔ زارون نے ایلیا کو بھوکا' پیاسا چھوڑا بھی تو وہ خود روم سروس سے کھانا نہیں منگوا سکتی تھی۔ آج کے ایڈوانس دور میں تم پتھروں اور غاروں کے زمانے کی باتیں کرتی کتنی پیاری لگتی ہو میں بیان نہیں کر سکتا۔" ولید انکل کی جھاڑ پونچھ سے جویریہ آنٹی کا چہرہ تمتما اٹھا اور سب ہنس پڑے تھے۔

"آئی تھنک اس گگلو کو سنبھالنے سے فرق پڑا ہو' یہاں تو نیتو اور شمعون ہی اسے سنبھالے رکھتے ہیں اور زینو چاچی ہر وقت لیے پھرتی ہیں۔"

"خیر وجہ تو یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موصوف میٹنگز کے بہانے وہاں کی حسینوں کے جھرمٹ میں گھرے رہتے ہوں اور ایلیا کا خون خشک ہو تا رہا ہو۔"

"تمہاری یہ بکواس کسی دن کوئی بگاڑ پیدا کر کے چھوڑے گی۔" پاپا تپ گئے تھے' انکل نے بڑی لاپروائی سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی اور سگریٹ سلگا لیا۔

"بکواس کی تو کوئی بات ہی نہیں، مکمڑا ایسا ہے کہ دس بیس تو یونہی گھائل ہو گئی ہوں گی اور باقی دس بیس سے تم، حساب برابر۔"

"ایسا کرنا ہوتا تو ایلیا کو ساتھ لے جانے کی ضرورت ہی کیا تھا۔"

"رعب ڈالنے کے لیے، اسے بھی تو پتا چلے کہ جو اسے چاہتا ہے اس کی چاہنے والیاں کتنی تعداد میں اس کے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔" ان کا اطمینان برقرار تھا۔

"تم کسی دن میری ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گے۔"

"اور میں نے وہیں، فرانس میں سنا تھا کہ جناب نے بڑا لمبا ہاتھ مارا ہے شہزاد انکل اپنے اثر و رسوخ سے کام نہ لیتے تو آپ جناب تو سسپنڈ (معطل) ہو چکے ہوتے۔"

"جھوٹ، بکواس سب کی سب ایک تو پاپا کی سیٹ کا مجھے بہت نقصان ہے، اچھا کام کروں تو کہا جاتا ہے باپ نے مدد کی ہو گی اور اگر کوئی غلط کام میرے سر پر تھوپ دیا جائے تو اس کے متعلق بغیر تحقیق کے اخبارات میں بڑی بڑی نیوز لگا دی جاتی ہیں کہ ولید شہزاد نے تو اپنے آپ کو دلدل میں پھنسا لیا تھا، لیکن ان کے والد چیف سیکریٹری صاحب نے اپنے ذرائع استعمال کر کے انہیں بچا لیا۔ جانے کیسے کیسے اسکینڈلز میرے متھے لگا دیے جاتے ہیں جن کے سر پیر کا بھی مجھے علم نہیں ہوتا۔" ولید انکل تو بھڑک اٹھے تھے۔

"خیر بغیر سر پیر کے اتنی بڑی اسٹوری نہیں گھڑی جا سکتی۔" پاپا نے انہیں مزید سلگایا۔

"تم، تم تو آستین کا سانپ ہو، تم سے یہی امید کر سکتا تھا میں، ایلیا پلیز میرے لیے کچھ ٹھنڈا منگواؤ، میرا خون بوائلنگ پوائنٹ پر ہے۔"

"ایک جگ ٹھنڈے پانی کا اس کے سر پر بھی الٹ دو، خاصا افاقہ رہے گا۔" پاپا کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

"تم تو چپ ہی رہو۔ میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔"

"حالانکہ یہی منہ تمہیں بہت پسند تھا۔" پاپا نے اپنی طرف سے بڑا طنز کیا تھا۔ ولید انکل نے فوراً" پینترا بدلا تھا۔

"وہ تو اب بھی لگتا ہے۔ بلیو می (یقین کرو میرا) کاش تم لڑکی ہوتے، میں تو کسی اور سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، بس تم ہوتے اور......" وہ ایک دم نیچے ہوئے، پاپا کا پھینکا ہوا گلدان ٹھیک اسی جگہ پر لگا تھا جہاں ولید انکل کا سر تھا۔

"اسٹوپڈ، جو منہ میں آتا ہے بکتے جاتے ہو۔" پاپا کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ ولید انکل کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

"تم تو بڑا بدلہ لے رہے تھے مجھ سے اب کیا ہوا؟"

"میں تمہاری کمینگی کا مقابلہ کر بھی کیسے سکتا ہوں۔"

"کرنا بھی مت، یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے ویسے میں سچ مچ تمہارا بہت بڑا عاشق ہوں، یہ ایک مہینہ تمہارے بغیر کیسے گزرا، مت پوچھو، کروٹیں بدل بدل کر رات سے صبح کر دیتا تھا۔" پاپا نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ مما پائن ایپل جوس سرو کر رہی تھیں، ساتھ ہی ہنس بھی رہی تھیں۔ پاپا اور ولید انکل کی نوک جھونک سب بہت انجوائے کرتے تھے۔

"زینو چاچی بہت اچھی سی کافی پلوائیں۔"

"یاد کر لو کچھ رہ نہ گیا ہو۔"

"تو ابھی تو میں یہیں ہوں ڈنر تک، جو یاد آتا جائے گا بتاتا جاؤں گا، تم بالکل ٹینشن نہ لو۔" انہوں نے اطمینان سے پاپا کے طنز کا جواب دیا اور گھونٹ گھونٹ جوس سپ کرنے لگے۔ پاپا نے بے بسی سے مما اور جویریہ آنٹی کی طرف دیکھا اور سب ہی ہنس پڑے تھے۔

☆ ☆ ☆

"یار، وہ سچ مچ تمہارے پاپا تھے؟" امبر کا دکھ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"تو کیا جھوٹ موٹ کے بھی پاپا ہوتے ہیں۔" مجھے

غصہ آگیا۔

"نہیں یار' مگر دیکھو نا' اتنا خوب صورت تو جوان اور اتنی بڑی بیٹی کا باپ ان بلیوایبل (ناقابل یقین) ہے۔"

"تو اس سے ان کے حسن میں کون سی کمی آتی ہے؟" میں نے جل کر کہا۔

"کمی تو خیر نہیں آتی' مگر میں ان کے عشق میں مبتلا ہوتے ہوتے رہ گئی تو کیوں' صرف اسی لیے۔"

"تمہاری مام بھی اتنی چھوٹی اور اتنی ہی خوب صورت ہیں؟"

"بالکل مما تو اور بہت چھوٹی لگتی ہیں۔"

"یہ کس عمر میں آخر ان کی شادی ہوئی تھی؟"

"مما کی ایج چودہ سال کی تھی اور پاپا کی سولہ سال کی۔"

"تم تو اکلوتی ہو نا' بھائی کتنے بڑے ہیں تمہارے؟"

"شمعون بارہ سال کا ہے' دو تو چھوٹے ہیں' ایک چار سال کا ہے اور ایک دس مہینے کا۔"

"اتنے چھوٹے؟" صومعہ نے آنکھیں پھاڑیں۔

"ریئلی لگتے بھی وہی ہیں' مما پاپا کے بچے' میں اور شمعون تو ان کے لیے ہر جگہ اتنی امبرسمنٹ کا باعث بنتے ہیں جب لوگ آنکھیں پھیلا پھیلا کر ان سے پوچھتے ہیں کہ 'کیا واقعی آپ کے بچے ہیں' مما پاپا کی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی اتنی کم عمری کی شادی کی کیا وضاحت کریں۔" سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں تھیں۔

☆ ☆ ☆

مما جم گئی ہوئی تھیں' سونی' مومی کو ٹیبلٹ پر گیم کھلا رہا تھا' میں ہنی کو اسٹرالر میں ڈال کر قریبی پارک میں چلی آئی۔ پارک میں ٹھیک ٹھاک چہل پہل تھی۔ میں نے ہنی کو اسٹرالر سے نکال کر گھاس پر چھوڑا اور اس کی بڑی سی رنگین بال نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ بال سے کھیلنے لگا۔ معاً مجھے کسی کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی' میں نے اردگرد نظر دوڑائی تو دائیں طرف بنچ پر بیٹھے ایک ادھیڑ عمر شخص کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ کون ہیں اور ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟" میں نے الجھ کر دوبارہ انہیں دیکھا' بلیک سوٹ میں لمبے چوڑے سرخ وسفید رنگت' بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں اتنی نرمی و ملامت تھی بلکہ ان کی ساری شخصیت میں ہی ایک کشش' ایک گریس تھا' ایک پل کے لیے تو ایسا لگا جیسے میں نے انہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔ کیا پتا انہیں بھی ایسا ہی کوئی دھوکا ہو رہا ہو' اسی لیے تو وہ یوں دیکھ رہے ہیں۔ ہنی کے شور پر میں چونکی۔ اس کی بال دور چلی گئی تھی' میں نے بال کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا تو وہ انکل' بال ہنی کی طرف بڑھا رہے تھے۔ اس نے کھلکھلا کر بال پکڑلی۔

"آپ کا بھائی ہے؟" انہوں نے لب کشائی کی' بھاری آواز' خوب صورت لہجہ۔

"جی۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بہت خوب صورت بچہ ہے۔" انہوں نے انگلی سے اس کا رخسار چھوا۔ وہ جواباً مسکرایا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔

"اس کا نام کیا ہے؟" کچھ دیر بعد انہوں نے پوچھا۔

"زرغون' مگر سب اسے ہنی کہتے ہیں۔"

"میں اسے اٹھا سکتا ہوں؟" انہوں نے اجازت طلب نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"جی ضرور۔" میں اندر سے گھبرائی' مگر اوپر سے جھٹ ہامی بھرلی' وہ یوں مسکرائے جیسے سمجھ گئے ہوں۔ انہوں نے ہنی کو اٹھا کر اپنے سامنے کیا اور نرمی سے اس کے دونوں گال باری باری چوم لیے۔ میں قدرے حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی کوئی اجنبی بچے کو بھی یوں پیار کرتا ہے۔ انہوں نے ہنی کو میری طرف بڑھایا۔ میں نے جلدی سے اسے لے لیا۔ "شکر ہے۔" میں نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ پھر سے اسی انداز میں مسکرائے' میری کیفیت جان لینے کے انداز میں۔

"او کے۔ میں چلتا ہوں' گڈ بائے۔" وہ پروقار چال کے ساتھ باہر چلے گئے' میں ہنی کو اسٹرالر میں بٹھا کر

پارک سے باہر آگئی۔ گیٹ سے باہر آتے ہی جانے کیا چیز آکر ٹکرائی کہ میں دور جاگری، کچھ دیر کے لیے تو حواس ہی گم ہو گئے۔

"اٹھیے محترمہ پلیز، اٹھیے تاکہ پتا چلے کوئی ہڈی وڈی تو نہیں ٹوٹ گئی۔ ایسے لیٹے رہنے سے تو کچھ پتا نہیں چلے گا، اب صرف میرا قصور نہیں ہے۔ آپ بھی تو بالکل درمیان میں چل رہی تھیں تو بس بائیک ٹکرا گئی۔ اب پلیز اٹھیں اور اپنے بچے کو دیکھیں۔ بہت رو رہا ہے بے چارہ۔" وہ جو کوئی بھی تھا مشین کی طرح بول رہا تھا، بولتے بولتے اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور جھٹکے سے کھڑا کر دیا۔

"اوہ۔ آپ تو بالکل ٹھیک ہیں۔ میں آپ کے بیٹے کو دیکھ لوں۔" مجھے چکراتے سر کے ساتھ اس کی باتوں کی ٹھیک سے سمجھ بھی نہیں آرہی تھی، مگر آخری بات پر تو میرا دماغ گھوم گیا۔ "اسٹوپڈ" وہ اب بری طرح روتے ہوئے ہنی کو اٹھا کر لا رہا تھا میں نے اسے کھینچ کر کندھے سے لگا کر تھپکنا شروع کیا، بتدریج وہ چپ ہو گیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے اور آپ کو بھی کوئی چوٹ نہیں آئی۔" اس نے بہت خوشی سے اعلان کیا۔

"کیوں نہیں آئی، اتنا درد ہو رہا ہے میرے شولڈرز میں اور کمر میں بھی۔" میں چیخی تو وہ گھبرا گیا۔

"اوہ، آئی ایم سوری۔ آئیں میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔ آپ کے بچے کو۔"

"ڈاکٹر کے پاس جانے کی تو آپ کو ضرورت ہے، جو منہ میں آرہا ہے بکتے چلے جا رہے ہیں، بھائی ہے یہ میرا۔" میں دھاڑی تھی۔

"آپ کا بھائی، یہ۔ یہ اتنا سا بھائی، مم میرا مطلب ہے، یہ اتنا۔۔۔"

"میرا اتنا سا بھائی ہو یا اتنا سا، آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

"میری کیا مجال کہ اعتراض کروں، مگر دیکھیں، یہ حضرت کچھ لیٹ نہیں ہو گئے، کہاں آپ بیس، بائیس کی لڑکی اور یہ بے چارہ منا سا۔۔۔"

"ارے یہ تو ہنی ہے، زارون بھائی کا بیٹا۔" وہ چلایا اور ساتھ ہی ہنی کو مجھ سے جھپٹ لیا تھا۔ چٹاخ پٹاخ اس کے بھیگے رخسار چومے اور اس کے آنسو اپنے رومال سے صاف کیے تھے۔

"آپ کیسے جانتے ہیں پاپا کو۔" میں نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

"وہ تو آپ بھی زارون بھائی کی بیٹی ہیں۔ یا اللہ جتنے وہ خود نہیں لگتے، اتنے بڑے بچے لگتے ہیں۔" اس نے ایک بار پھر مجھے غور سے دیکھا اور تاسف سے شانے اچکائے۔

"ایلی بھابھی نے بتایا تو تھا کہ ان کی بیٹی کالج گوئنگ ہے، مجھے حیرت بھی ہوئی تھی، مگر سننے اور دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"آپ ہیں کون اور مما، پاپا کو کیسے جانتے ہیں؟"

"میں رومیل ہوں، زارون بھائی میرے پاپا کے جینئس اسٹوڈنٹ رہے ہیں، آج کل مجھے انہوں نے اپنے فرم میں پاپا کے کہنے پر اِز آ ڈیزائنر رکھا ہوا ہے، ایلی بھابھی سے جم میں بھی ملاقات ہوئی ہے، ویسے بھی وہ ہمارے ہاں آتے رہتے ہیں۔" وہ اپنے بارے میں تفصیل سے بتا رہا تھا۔

"میرے بڑے بھائی کمیل حیدر انگلینڈ میں ہوتے ہیں۔ بہن شادی ہو کر ہی چلی گئی اب گھر پر ممی، پاپا اور میں ہوتے ہیں۔ آئیں، میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" اس نے اپنی ہیوی بائیک گھسیٹی۔

"نہیں یہ چند قدم کے فاصلے پر تو ہمارا گھر ہے۔" اس نے بھی اصرار نہیں کیا۔ اپنی بائیک دھکیلتا میرے ساتھ چلتا ہوا گھر تک آیا۔ خان انکل سے رسمی کلمات کا تبادلہ کیا وہ تو اسے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ سو خوشدلی سے ملے۔

"اوکے گڈ بائے مس۔۔۔"

"نتالیہ زارون۔"

"گڈ بائے۔ نتالیہ۔" وہ بائیک پر سوار ہوا اور یہ جا، وہ جا۔

☆ ☆ ☆

"نینو، آپ کی کل رومیل سے ملاقات ہوئی

تھی؟" رات کو ڈنر پر مما نے پوچھا تھا۔
"ہاں ہوئی تھی۔" میں نے منہ بنایا۔
"بہت شریر ہے، مجھے کہہ رہا تھا سچ بتائیں آپ بڑی ہیں یا شائلہ۔"
"اسٹوپڈ۔" مجھے غصہ آگیا۔ یہ سچ تھا کہ مما بہت نازک سی تھیں اور میں کچھ صحت مند' میرا قد بھی مما سے لمبا تھا۔ ویسے بھی مما صرف پندرہ سال ہی تو مجھ سے بڑی تھیں۔ اس لیے وہ میری بہن ہی لگتی تھیں' مگر اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ مجھ سے چھوٹی لگیں۔
"اتنے بدتمیز تھے' ایک تو اتنی ہیوی بائیک کی ٹکر ماردی' اوپر سے باتیں کرکر کے میرا سر کھا گئے' توبہ ہے۔" پاپا ہنس پڑے تھے۔
"ایسا ہی ہے۔ ایکچوئلی چھوٹا ہے گھر میں تو لاڈو پیار سے ایسا ہو گیا ہے ورنہ اس کی ذہانت تو سپر نیچرل سی کوئی چیز لگتی ہے۔ ایسے ایسے ڈیزائن بناتا ہے کہ یقین نہیں آتا کہ اس کم عمر اور لاابالی لڑکے نے بنائے ہیں' ابھی تو اور بھی بہت سے شوق پالے ہوئے ہیں جس دن سیریس ہو گیا بہت آگے جائے گا۔"
"وہ آپ کی تعریف کررہے تھے اور آپ ان کی۔" میں نے سر جھٹکا۔
"مجھ سے تو کچھ دبتا ہے ورنہ تو بہت تیز چیز ہے۔"
"ہونہہ۔" میں نے منہ بنایا۔
"ایکچوئلی نیتو پر امپریشن ہی غلط پڑ گیا ہے رومیل کا۔" مما نے مسکراتے ہوئے بات سمیٹ دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس دن میں پارک آئی تو ہنی کے ساتھ مومی بھی تھا۔ اندر آکر میں ٹھٹک گئی' وہی انکل سامنے اسی بنچ پر بیٹھے تھے۔ آج سرمئی سفاری سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس دن سے بھی زیادہ شاندار دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے تو میں بھی مسکرادی۔
"ہیلو انکل۔"
"ہیلو بیٹا' کیسی ہیں آپ؟"
"فائن اور آپ کیسے ہیں؟"
"الحمدللہ' اسے مجھے دے دیں۔" انہوں نے ہاتھ آگے بڑھائے' میں نے ہنی کو ان کے حوالے کردیا۔ انہوں نے اسے چوم کر کندھے سے لگالیا۔
"آپ یہاں روز نہیں آتیں؟"
"جب نوٹس بنانے ہوں' تب نہیں آتی ورنہ تو تقریباً" روزانہ ہی آتی ہوں۔"
"یہ بھی آپ کا بھائی ہے؟" انہوں نے پاس کھڑے مومی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے نزدیک کیا۔ پتا نہیں کیا بات تھی کہ میں ان کے سوالوں کے جواب دیتی چلی جاتی تھی ورنہ میں کبھی کسی اجنبی سے فری نہیں ہوتی تھی' مگر یہی تو بات تھی کہ وہ اجنبی نہیں لگتے تھے' ایک اپنائیت کا احساس ہوتا تھا ان سے مل کر' انہیں دیکھ کر۔
"آئیں نا بیٹا بیٹھ جائیں۔" انہوں نے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں تھوڑے فاصلے سے بیٹھ گئی' انہوں نے جھک کر مومی کو بھی اٹھالیا۔ وہ حیران سا انہیں دیکھ رہا تھا جبکہ ہنی تو خوب فری ہو کر ان کے بٹنوں اور جیبوں سے چھیڑ چھاڑ کررہا تھا۔
"یہی دو بھائی ہیں؟"
"نہیں تین ہیں۔ مجھ سے چھوٹا ہے شمعون' اس کے ٹیوٹر آئے ہوئے ہیں تو وہ پڑھ رہا تھا اس لیے نہیں آیا۔"
"آپ اسکول جاتے ہیں؟" انہوں نے مومی سے پوچھا' انہوں نے دونوں کو اپنے زانووں پر بٹھا رکھا تھا۔ مومی نے اثبات میں سرہلایا۔
"گریٹ یار' اسکول جانے والے بچے تو بہت نائس ہوتے ہیں نا؟"
"جو بچے اسکول نہیں جاتے۔ وہ تو گندے ہوتے ہیں نا؟"
"بالکل۔"
"تو یہ ہنی سب سے گندا بچہ ہے۔ یہ اسکول بھی نہیں جاتا۔ ہوم ورک بھی نہیں کرتا۔ کھانا بھی مما کھلاتی ہیں۔ واش روم بھی مما لے کر جاتی ہیں اور

نبھی نہ باندھیں تو سب کے اوپر "چھی" کردیتا ہے۔ گندا۔" موی صاحب اپنے ردھم میں آچکے تھے۔
ہنی کے خلاف شکایتوں کا پنڈورا باکس کھل چکا تھا' انکل کے ہونٹوں پر محظوظ مسکراہٹ تھی۔
"بائی دا وے' آپ تو یہ سارے کام خود کرلیتے ہیں نا؟"
"یس آف کورس' اسی لیے پاپا کہتے ہیں ہنی مما کا بیٹا ہے اور موی میرا بیٹا ہے۔"
"آپ کو کون اچھا لگتا ہے مما یا پاپا۔"
"پاپا۔" اس نے فوراً جواب دیا تھا۔ انکل نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔
"آئس کریم کھائیں گے آپ لوگ؟" میں گڑبڑا گئی' موی نے البتہ جھٹ انکار کیا تھا۔
"نہیں پاپا ناراض ہوجائیں گے۔ پاپا کہتے ہیں کسی سے کوئی چیز نہیں لینا' کبھی بھی۔"
"مگر میں تو کسی نہیں ہوں نا۔ اب تو ہم دوست بن گئے ہیں نا؟ ویسے بھی دوستی ہمارے درمیان ہے تو یہ بات بھی ہمارے درمیان ہی رہنی چاہیے' ٹھیک ہے نا۔" انہوں نے آئس کریم منگوالی۔
اندھیرا پھیلنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ آج تو بہت دیر ہوگئی ہے۔
"اچھا انکل اب ہم چلیں۔"
"اوکے بیٹا' آج اتنا مزا آیا کہ ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا۔" انہوں نے ہنی اور موی کو پیار کیا "نتالیہ بیٹا شمعون کو بھی لانا۔ تم لوگوں کی پیاری پیاری باتوں سے تو ہر غم دور ہوجاتا ہے۔" وہ آپ سے تم پر آئے تو مجھے بہت اچھا لگا' انہیں اللہ حافظ کہہ کر ہم گھر آگئے۔
گھر آکر مجھے خیال آیا کہ میں نے تو انہیں اپنا نام بتایا ہی نہیں پھر انہوں نے کیسے مجھے میرے نام سے پکارا ہو سکتا ہے میں نے ہی بتایا ہو۔ میں خود سے الجھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

انہی دنوں میں ولید انکل اور جویریہ آنٹی کی ساتویں ویڈنگ اینورسری قریب آگئی تھی۔ پاپا اس دن قدرے فرصت سے تھے' اس لیے ہم سب کو ساتھ لے کر بازار آگئے۔ شاپنگ کے بعد پاپا نے گاڑی کا رخ انڈسٹریل ایریا کی طرف موڑلیا۔
"مجھے کچھ کام ہے۔ صرف دس منٹس میں آتا ہوں۔" وہ گاڑی سے اتر کر ایک عمارت کے اندر چلے گئے۔
"انکل۔۔۔ انکل۔۔۔ آپی' وہ رہے پارک والے انکل۔" موی زور سے چیخا اس سے پہلے کہ اسے کوئی روکتا' وہ دروازہ کھول کر دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا' میں تیزی سے اس کے پیچھے لپکی اور ٹھٹک گئی۔ سامنے روڈ کے دوسری سائیڈ وہی انکل تھے جن کی ٹانگوں سے موی لپٹ گیا تھا۔ انکل نے موی کو اوپر اٹھا کر پیار کیا اور اپنے ساتھ لپٹالیا۔
"یہ تم لوگ کہاں گھوم رہے ہو؟" وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔
"مما پاپا کے ساتھ آئے تھے' موی آپ کو دیکھ کر گاڑی سے نکل آیا۔ مما پریشان ہورہی تھیں' او موی' پاپا نہ آگئے ہوں۔"
"ہاں بیٹا جاؤ۔ شام کو پارک میں ملیں گے۔" انہوں نے اسے نیچے اتارا' میں اس کی انگلی پکڑ کر جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھی' موی نے پیچھے مڑ کر انہیں ہاتھ ہلایا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے' اسے جواباً ہاتھ ہلا کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ معاً میری نظر سامنے اٹھی' وہاں پاپا کھڑے تھے' ساکت' منجمد کسی مجسمے کی طرح۔
"پاپا۔" موی میرا ہاتھ چھڑا کر ان کے پاس بھاگ گیا۔ میں بھی تیزی سے ان کے قریب پہنچی۔
"پاپا۔" میں نے انہیں پکارا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا تو میں ان کا چہرہ دیکھ کر ڈر گئی۔ "کیا ہوا پاپا؟"
"نتالیہ۔" میں نے حیران ہو کر انہیں دیکھا' انہوں نے کبھی میرا پورا نام نہیں لیا تھا' ان کی تو آواز بھی چینج لگ رہی تھی۔

"تم لوگ انہیں کیسے جانتے ہو؟"

"کن کو پاپا؟" ان کا پل پل رنگ بدلتا چہرہ مجھے خوف زدہ کر رہا تھا۔

"جن کی گود میں مومی سوار تھا۔"

"وہ انکل۔۔۔ وہ انکل تو پاپا ہمیں پارک میں ملتے ہیں۔۔۔"

"پاپا' وہ انکل تو بہت اچھے ہیں ہم سے بہت پیار کرتے ہیں' اس دن ہمیں اتنی ساری چیزیں کھلائی تھیں۔" مومی میری بات کاٹ کر شروع ہو گیا۔ پاپا کا چہرہ اتنا سرخ ہو گیا جیسے ابھی خون ٹپکنے لگے گا۔

"میری بات غور سے سن لو' آج کے بعد پارک میں جانے یا ان سے کہیں بھی ملنے کی ضرورت نہیں' سن لیا نا۔ آئندہ مجھے اپنی بات دہرانی نہ پڑے۔"

"جی پاپا۔ میں تو۔۔۔ میں۔۔۔" مومی بھی سہم گیا تھا۔ وہ گاڑی کی طرف آئے جہاں مما اور مومی گاڑی سے باہر کھڑے تھے' مما نے حیرت سے پاپا کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" پاپا نے سرد لہجے میں بات ختم کر دی تھی۔

۞ ۞ ۞

پھر مما نے بہت سختی سے ہمیں ان انکل سے ملنے اور پارک جانے سے منع کر دیا' کچھ دنوں میں ہم بھی بھول بھال گئے' اس دن انکل اور آنٹی کی ویڈنگ اینورسری تھی' ہم صبح سے ہی ان کے گھر پہنچ گئے تھے' شام کو آنٹی نے میرا ہلکا سا میک اپ بھی کر دیا تھا' مما کے منع کرنے کے باوجود' میں تیار ہو کر باہر آئی تو کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"اف۔"

"کیا ہم ہمیشہ اسی طرح ملا کریں گے؟" مانوس آواز پر میں نے سر اٹھایا تو وہ رومیل تھا جو اب بت بنا کھڑا تھا۔

"آپ یہاں بھی پہنچ گئے۔" جواباً" اتنی لمبی آہ بھری گئی کہ ارد گرد کی تو شاید ساری آکسیجن ہی کھینچ لی تھی۔

اک حقیقت سی فردوس میں حوروں کا وجود
حسن انسان سے نمٹوں تو وہاں تک دیکھوں

میں نے اسے گھور کر دیکھا' یہ شعر سنانے کا کون سا موقع تھا آخر ویسے بھی یہ شعر و شاعری میرے بس سے باہر کی چیز تھی۔

"آپ تو بغیر اسلحے کے انسان کا کام تمام کر سکتی ہیں۔ پھر اتنے ہتھیاروں سے لیس ہونے کا کیا مطلب؟"

"اف۔" میں نے آنکھیں بند کر کے ایک لمبا سانس لیا۔ میری سمجھ سے بالاتر گفتگو ہوتی تھی اس کی ہمیشہ۔

"یہ بال آپ کے اپنے ہیں؟" اب سرچ لائٹیں میرے لمبے بالوں پر مرکوز تھیں۔ میں جل گئی۔

"نہیں لگوائے ہیں۔"

"اچھا' واقعی۔" کمال معصومیت سے کہتے ہوئے اس نے میرے بالوں کی ایک لٹ پکڑ کر کھینچ لی' میری چیخ بے ساختہ تھی۔

"ارے کیا ہوا' ابھی آپ نے خود کہا کہ لگوائے ہیں میں تو ان کی کوالٹی چیک کرنے لگا تھا۔"

"آپ واقعی بہت بدتمیز ہیں۔"

"تسلیم۔" وہ کورنش بجا لایا۔ "میرے پاپا بھی اکثر یہی کہتے ہیں' او میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ میرے ممی' پاپا بھی آئے ہوئے ہیں۔ آئیں آپ کو ان سے ملواؤں۔" اس سے پہلے کہ میں انکار یا اقرار میں کچھ کہتی' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مہمانوں کی طرف لے آیا' میں نے ہاتھ چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی' تیز تیز قدم اٹھاتا وہ ایک سوبر کپل کے سامنے جا ٹھہرا۔

"ان سے ملیے یہ ہیں مس نتالیہ زارون اور نتالیہ یہ ہیں میرے پیرنٹس۔" وہ دونوں چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔

"زارون کی بیٹی؟ کتنی کیوٹ' بالکل زارون جیسی ہے۔" اس کی ممی نے مجھے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا۔

"ہیلو انکل' ہیلو آنٹی۔" مما اور پاپا اسی پل وہاں آئے تھے۔

"زارون بیٹا' تم نے کبھی ذکر تو نہیں کیا کہ ماشاء اللہ اتنی بڑی بیٹی ہے تمہاری۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے انکل کہ میں نے اپنی بیٹی کا ذکر ہی نہ کیا ہو۔" پاپا نے پیار سے میرا سر اپنے کندھے سے لگایا۔

"یہ صرف سکستھ ایئرز کی ہے' ڈریس اپ ایسے ہوئی ہے کہ بڑی بڑی لگ رہی ہے۔" مما نے وضاحت دی۔

"ماشاء اللہ سے بہت پیاری بیٹی ہے زارون تمہاری۔"

"مجھ پر جو گئی ہے۔" ماما کے شرارت سے کہنے پر آنٹی نے انہیں چپت لگائی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کل دو دن کے لیے اسلام آباد جانا ہے' پیکنگ کر لینا۔" پاپا نے آتے ہی مما سے کہا تھا۔

"کل مومی کے اسکول میں پیرنٹس ڈے ہے' ہم دونوں کو ہی بلایا ہے۔"

"اب میں تو نہیں جا سکتا' تم ہو آنا۔ نتالیہ اور شمعون میرے ساتھ جائیں گے۔"

اسلام آباد آتے ہی پاپا بہت مصروف ہو گئے تھے۔ ہم دونوں تو کمرے میں بند رہ کر شدید بور ہو گئے تھے' سو دوسرے دن پاپا نے ہمیں ہال میں جانے کی اجازت اس شرط پر دی کہ ہم بلاوجہ کسی اجنبی سے ہرگز مخاطب نہیں ہوں گے۔ لنچ ٹائم پر روم سروس سے کھانا منگوانے کے بجائے ہم نے نیچے جانے کا فیصلہ کیا۔ میں اور مومی نیچے آکر ایک خالی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ ویٹر فوراً" ہی مینو کارڈ لیے حاضر ہوا تھا۔ اپنی اپنی پسند بتا کر ہم فارغ ہوئے تو میری نظر سامنے سے ہال میں داخل ہوتے پارک والے انکل پر پڑی۔ انہوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا تھا اور سیدھے ہمارے پاس آگئے تھے۔

"ہیلو نتالیہ! کیسی ہو بیٹا اور یہ.....؟"

"یہ شمعون ہے۔ میرا بھائی۔" میں کانپتی ٹانگوں کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ ان کے ساتھ ایک بہت خوب صورت اور ماڈرن لڑکی بھی تھی۔

"یہ میری بیٹی ہے نویتا اور نومایہ یہ ہیں نتالیہ اور شمعون۔" ان کی بیٹی نے مجھے اپنے ساتھ لگا کر میرے گال چومے اور مومی کو ساتھ لگا کر یہی عمل دہرایا تو بارہ سالہ مومی کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا۔

"پاپا' یہ شمعون آپ سے کتنا مل رہا ہے نا؟"

"ہاں آخر....." وہ بہت محبت سے مسکرائے اور شمعون کے کندھوں پر بازو پھیلا کر اسے ساتھ لگالیا۔ میرا تو مارے گھبراہٹ کے برا حال تھا۔ پاپا نے کتنی سختی سے ان انکل سے ملنے سے منع کیا تھا اور اب اگر وہ اوپر سے آگئے یا مومی نے بتا دیا.....

"آپ دونوں غالباً" لنچ کرنے لگے ہیں۔ اوکے۔ بیٹا آپ لنچ کریں' ہم چلتے ہیں گڈ بائے۔" وہ واپسی کے لیے مڑ گئے۔ میں شکر کا سانس لیتی دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔

"یہ لوگ نہ بیٹھے' نہ کھایا نہ پیا تو پھر آئے کیوں تھے؟" میں نے حیرت سے سوچا۔

"یہ کون تھے آپی؟" مومی ابھی تک حیران تھا۔ میں نے اسے مختصراً" ان کے بارے میں بتا کر اسے پاپا کو بتانے سے منع کیا۔ شام کو پاپا ہمیں گھمانے لے گئے' خوب گھما پھرا کر وہ ہمیں شاپنگ کے لیے لے آئے۔ اس وقت ہم ایک بوتیک میں کھڑے تھے' جب کوئی میرے برابر آکر کھڑا ہوا' میں نے گردن موڑ کر دیکھا تو سانس لینا ہی بھول گئی' وہی نویتا' انکل کی بیٹی۔

"ہیلو نتالیہ اینڈ شمعون' ہیلو زارون بھائی کیسے ہیں آپ؟" پاپا چونک کر مڑے اور ان پر نظر پڑتے ہی ان کے تاثرات خطرناک حد تک تبدیل ہوئے تھے۔

"کون ہیں آپ؟"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں زارون بھائی کہ میں کون ہوں۔"

"نہیں' نہ تو میں جانتا ہوں اور نہ جاننے کی خواہش ہے اور میں خواہ مخواہ اجنبی لوگوں کی فرینک نیس پسند

بھی نہیں کرتا۔" پاپا کا لہجہ بہت سخت تھا' ان کے چہرے پر تاثرات بھی سنگین تھے' نویتا کا مسکراتا ہوا چہرہ سکڑ گیا تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھ کر پاپا کے بالکل سامنے کھڑی ہو گئیں۔

"میں اجنبی نہیں ہوں زارون بھائی' آپ اس حقیقت سے کیوں۔۔۔" پاپا نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

"میں حقیقت کو ہی فیس کر رہا ہوں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں آپ سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا' آئندہ میرے یا میرے بچوں کے راستے میں آنے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مونی کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے باہر آئے تھے۔

ٹیکسی میں بیٹھ جانے تک پاپا کا موڈ آف ہی رہا تھا پھر رفتہ رفتہ بہتر ہونے لگا۔ میں نے اور مونی نے ڈر کے مارے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ لوگ تھے کون؟ پاپا کو کیسے جانتے تھے؟

☆ ☆ ☆

اس دن سنڈے تھا تو ہم سب آرام سے اٹھتے تھے اور لیٹ' مگر ناشتا ساتھ کیا کرتے تھے ورنہ تو کسی کی ٹائمنگز ہی کسی کے ساتھ سیٹ نہیں ہوتی تھیں۔

میں نے حیرت سے ڈائننگ ٹیبل کو دیکھا جہاں ناشتے کے لوازمات موجود تھے' دیگر افراد بھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے سوائے ماما کے۔

"پاپا' مما کیوں نہیں آئیں ناشتے کے لیے؟"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ناشتا کر کے ہنی کو لے آنا۔ اسے تنگ کرے گا۔" پاپا نے بہت تھوڑا سا ناشتا کیا اور اٹھ گئے۔ "مجھے بہت ضروری کام سے جانا ہے' ابھی تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔" میں ناشتا کر کے اٹھی تو فون کی بیل نے متوجہ کر لیا جویریہ آنٹی تھیں۔

"ایلیا نے فون کیوں بند کیا ہوا ہے۔"

"مما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آنٹی۔"

"وہ کیا ہوا؟ اچھا میں خود آرہی ہوں۔"

میں مما کے پاس آگئی' وہ ابھی تک سو رہی تھیں' کمفورٹ اوڑھے' میں نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ بہت تیز گرم ہو رہی تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں تو وہ سرخ اور متورم تھیں۔

"مما آپ کو تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔"

"ہوں تمہارے پاپا نے ٹیبلٹس دی ہیں' کم ہو جائے گا۔"

"جویریہ آنٹی کا فون آیا تھا' آپ کے سیل پر ٹرائی کرتی رہیں' وہ بند تھا تو گھر کے نمبر پر کیا' میں نے بتایا آپ کی طبیعت خراب ہے' تو انہوں نے کہا' وہ آرہی ہیں۔"

"اوکے۔" مما نے آہستگی سے کہہ کر آنکھیں موند لیں۔

"ہنی کہاں ہے مما' پاپا نے کہا تھا میں اسے لے لوں۔"

"تنو چاچی لے گئی تھیں' دیکھ لینا۔" اسی پل دروازہ ناک کرکے جویریہ آنٹی آئی تھیں۔

"ہیلو اینڈ گڈ مارننگ' یہ بخار کیسے ہو گیا بھئی۔" انہوں نے آگے بڑھ کر مما کے گال چومے۔ "اوہ گاڈ' تمہیں تو ہائی ٹمپریچر ہے۔"

"آنٹی آپ کے لیے چائے بنواؤں؟"

"نہیں کافی' فل کپ اور ایلیا کے لیے بھی۔" میں کچن میں جا کر سلیمہ سے دو فل کپ کافی کے بنوا کر کمرے تک آئی کہ جویریہ آنٹی کی تیز آواز نے وہیں رک جانے پر مجبور کر دیا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے خوب صورت وجود کے اندر ایسا درندہ چھپا ہوا ہے' اگر کوئی ڈپریشن ہے تو باکسنگ ٹائپ کھیل کھیل لیں' اس میں ساری ڈپریشن نکال لیں۔ تمہیں کیوں تختہ مشق بنایا ہوا ہے' یہ یقیناً پہلی بار تو نہیں ہوا ہو گا مگر تم نے مجھے کبھی نہیں بتایا۔"

"بتانے سے کیا ہوتا ہے؟"

"گریٹ' یعنی تم سمجھتی ہو' میں یہ سب دیکھ کر

چپ رہیں، تم مجھے صحیح سے جانتی ہی نہیں ہو، میں تو اس غلط فہمی میں تھی کہ زارون بھائی تم سے بہت محبت کرتے ہیں، آج تو میری آنکھیں کھل گئی ہیں، محبت میں تو محبوب کو تکلیف میں دیکھنے سے بھی خوف آتا ہے نہ کہ خود اسے اتنی اذیت دینا۔"

"کچھ عرصے سے بہت ڈپریس رہنے لگے ہیں تو..."

"تو اس کا مطلب ہے سارا ڈپریشن تم پر نکال دیں۔" میں حیران پریشان کھڑی تھی کہ مومی دوڑتا ہوا آیا۔

"آپی، آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟" میں ہڑبڑا گئی، دروازہ ناک کیا اور اندر داخل ہوئی۔

"رہنے دو یہ کافی، فریش ایپل جوس بنوالاؤ، یہ میڈیسن میں لکھ کر دے رہی ہوں، سلیم سے کہو ابھی لادے۔" انہوں نے پرچہ میری طرف بڑھایا۔ میں نے سلیم کو پرچہ اور پیسے دے کر بھیجا، زینو چاچی سے ہنی کو لے کر انہیں جوس بنا کر مما کے لیے دے آنے کا کہا۔

"چاچی، سلیم دوائیں لے آئے تو مما کو دے آیئے گا۔" میں ہنی کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ دودھ پی کر وہ سو گیا تو میں باہر آگئی، سامنے سے آنٹی آتی دکھائی دیں۔

"میں یہیں ہوں ایلیا کے پاس، تم اپنے روٹین کے کام نمٹالو۔" میں واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

آنٹی شام تک چلی گئی تھیں۔ مما کی طبیعت بھی اب بہتر تھی، پاپا جانے کہاں رہ گئے تھے۔ ہم نے انتظار کر کر کھانا بھی کھالیا۔ مما نے منع کر دیا۔

"زارون آجائیں پھر۔" رات بارہ بجے پاپا آئے تھے۔

"پاپا اتنی دیر؟"

"کچھ کام تھا مجھے، تم کیوں جاگ رہی تھیں، سو جاتیں۔"

"آپ کی لیے جاگ رہی ہوں، کھانا دینا ہے آپ کو۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"مگر مما نے بھی نہیں کھایا، آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"زینو چاچی تو نہیں ہوں گی؟"

"وہ تو اپنے کوارٹر میں چلی گئیں، میں خود لاؤں گی۔"

"چلو آؤ، ہم دونوں مل کر کھانا گرم کرتے ہیں۔" پاپا میری ساتھ کچن میں آگئے اور میری ہیلپ کرتے رہے۔ کھانا ٹرے میں لگا کر میں اٹھانے ہی لگی تھی کہ پاپا نے مجھ سے پہلے اٹھالی۔"بس انف (کافی ہے) بہت کام کر لیا میری گڑیا ہے، چلو اب جا کر سو جاؤ۔" میرے کمرے تک وہ ساتھ آئے تھے۔

"گڈ نائٹ ڈارلنگ۔"

"گڈ نائٹ پاپا۔" میں انہیں پیار کر کے اپنے کمرے میں آگئی۔

☼ ☼ ☼

میں اور مما بہت دنوں کے بعد اپنی شاپنگ کے لیے آئی تھیں، واپسی پر ایک ریسٹورنٹ کے سامنے مما نے گاڑی روکی۔

"آؤ، ایک کپ کافی پیتے ہیں۔" جب ہم ریسٹورنٹ سے باہر آئیں تو سامنے سے وہی انکل جن کا نام تک مجھے معلوم نہ تھا، گاڑی سے نکلتے دکھائی دیے، انہوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا تھا، مسکراتے ہوئے قریب آئے۔

"ہیلو، کیسی ہو بیٹا؟" میں نے اور مما نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"جی ٹھیک۔" مما نے زبان ہونٹوں پر پھیری تھی۔

"بہت عرصے کے بعد تمہیں دیکھا ہے ایلی بیٹا، کیسی ہو۔ خوش تو ہو نا زارون کے ساتھ۔؟" انہوں نے مما کو ساتھ لگا کر ان کا ماتھا چوما، میں حیرت سے دیکھتی رہ گئی، یہ انکل تو مما اور پاپا کو بھی جانتے ہیں، یہ ہیں کون آخر؟

"جی، جی بہت خوش ہوں۔" مما جیسے جلدی سے بولی تھیں، انہوں نے مما کی گھبراہٹ بھانپ لی تھی۔

مسکرا کر پیچھے ہٹے تھے۔

"تم جا رہی تھیں' جاؤ گڈ بائے۔" ہم دونوں تیزی سے سیڑھیاں اتر کر گاڑی تک پہنچیں تو جیسے زمین پیروں تلے سرک گئی سامنے پاپا' ولید انکل کے ساتھ کھڑے تھے' چہرے کے انتہائی پتھریلے تاثرات اور آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔ مما کا رنگ تو بالکل سفید ہو گیا تھا۔ ولید انکل مسکرائے۔

"یہ تو ہارون ہاشمی صاحب تھے نا' بہت بڑے انڈسٹریلسٹ' ایک بزنس ٹائیکون' جن سے ملاقات کے لیے باضابطہ وقت لینا پڑتا ہے اور آپ سے یوں مل رہے تھے جیسے کب کی شناسائی ہو۔" وہ پاپا کی طرف مڑے۔

"تم کیوں بت بنے ہوئے ہو' کیسے جانتے ہو تم لوگ انہیں؟"

"تم گھر چلو' میں آ رہا ہوں۔" پاپا نے انہیں جواب دینے کے بجائے ہمیں مخاطب کیا تھا' مما نے جھٹ اندر بیٹھ کر اگنیشن میں چابی گھمائی تھی اور گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ گھر آ کر میں نے دیکھا' مما ابھی بھی گھبرائی ہوئی تھیں' ہرچند کہ وہ خود پر قابو پانے کی بہت کوشش کر رہی تھیں' پتا نہیں یہ صاحب کون ہیں' ہر بار راستہ روک لیتے ہیں اور پاپا کے غصے کا سامنا ہمیں کرنا پڑتا ہے' یہی سوچتے سوچتے میں سو گئی کہ میری آنکھ زور زور سے بولنے کی آوازوں پر کھلی تھی' میں گھبرا کر کمرے سے باہر آئی تھی۔

"بچوں کو بھی تم ان سے ملواتی رہی ہو' جس طرح آج تم خود ان سے مل رہی تھیں' اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ سب تمہاری پلاننگ تھی۔"

"مجھے کسی پلاننگ کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ تو تمہیں ہی پتا ہو گا کہ تمہیں کیا "ضرورت" ہے' میں تو سوچ سوچ کر تھک گیا تھا کہ وہ ہر جگہ کیوں ٹکرانے لگے ہیں' مجھے کیا معلوم تھا کہ سانپ تو آستین میں چھپا ہوا ہے۔"

"پلیز زارون پلیز' اسٹاپ اٹ' آپ کا جو دل چاہ رہا ہے آپ مجھے کہتے جا رہے ہیں۔ میں نے تو خود انہیں آج اتنے عرصے بعد۔۔۔۔"

"تم پھر جھوٹ بول رہی ہو اور مسلسل بول رہی ہو' تم ان سے رابطے میں ہو' مجھے پورا یقین ہے۔"

"اگر میں ان سے رابطے میں ہوتی تو سب سے پہلے اپنے ماں باپ سے ملتی' آپ نے اپنے رشتے چھوڑے تو میرے بھی چھڑوا دیے۔ آپ کی خاطر میں نے کوئی احتجاج نہیں کیا تو یہ صلہ دے رہے ہیں مجھے آپ؟ بچوں کو بھی جب سے منع کیا ہے وہ پارک بھی نہیں جاتے اور کتنی روک ٹوک کروں' اس طرح تو آپ انہیں بھی اپنی طرح سائیکی کیس بنا دیں گے۔"

"اوہ تو اب میں سائیکی کیس بھی ہو گیا' مزید کیا خرابیاں ہیں مجھ میں' وہ بھی بتا دو؟"

"آپ کو خود بھی اچھی طرح معلوم ہیں' میرے بتانے کی ضرورت نہیں ہے' آپ نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ آپ نے گھر کیوں چھوڑا' آپ کے ساتھ کیا ہوا لیکن مجھے آپ پر اعتماد تھا کہ آپ حق بجانب ہی ہوں گے اور خود آپ کو میری کسی بات کا یقین نہیں ہے۔"

"ہاں نہیں ہے کیونکہ تم غلط بیانی کر رہی ہو تم۔ جس طرح ان سے مخاطب تھیں' وہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ تم ان سے ملتی رہتی ہو' مجھے اس بات کی پروا نہیں ہے کہ تم مجھے کیا سمجھتی ہو کیا نہیں' تمہارا کیریکٹر سرٹیفکیٹ مجھے چاہیے بھی نہیں۔ میں اسی غلط فہمی میں رہا کہ میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ تمہیں پچھلی محبتیں اور آسائشیں سب بھلا دے گی مگر تم صرف محبت سے بہلنے والی نہیں تھیں' اسی لیے تم نے یہ چور راستے نکالے۔"

"پلیز زارون' میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔"

"مت کرو برداشت اور چلی جاؤ یہاں سے' وہاں جہاں تمہارے اپنے بستے ہیں' تمہیں اور بچوں کو چھپ چھپ کر ہارون صاحب سے ملنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی' ہر وقت موصوف سامنے ہوں گے۔ میرے گھر میں اب لوٹ کر بھی نہ آنا۔"

"زارون۔" مما کی آنکھوں میں حیرت' بے یقینی

اور خوف تھا۔ پاپا نے ان کے قریب ہو کر ایک ہاتھ ان کے جبڑوں پر رکھ کر زور سے انہیں بھینچا تھا۔
"میں نے تمہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ رہنا ہے تو میری لمٹس کے اندر رہنا۔ تم میرے ساتھ رہ کر میری ہی جڑیں نہیں کاٹ سکتیں، تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلی جاؤ، میں اب تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔" انہوں نے اسی طرح ان کے بھینچے ہوئے جبڑوں پر رکھے ہاتھ سے انہیں پیچھے کی طرف دھکا دیا، وہ دیوار سے جا ٹکرائیں، اور خود پلٹ کر باہر چلے گئے، مجھے اور شمعون دونوں کو نظر انداز کر کے۔
ہم دونوں بھاگ کر مما کے پاس پہنچے، وہ پوری کی پوری کانپ رہی تھیں، آنسو بارش کی طرح ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، ہم دونوں ان سے لپٹ گئے، تھوڑی دیر بعد وہ ہمیں ہٹا کر الماری کی طرف گئیں اور ایک بیگ میں اپنا اور ہنی کا سامان رکھنے لگیں، میں نے خوف زدہ ہو کر انہیں دیکھا "مما یہ کیا کر رہی ہیں؟"
"جا رہی ہوں یہاں سے، تمہارے پاپا کا یہی حکم ہے۔"
"نہیں مما پلیز، ہم کیسے رہیں گے آپ کے بغیر؟" میں تو رونے لگ گئی تھی، انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا "تم نے سنا تو ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ وہ مجھے برداشت نہیں کر سکتے۔ نوبت برداشت تک آجائے تو ساتھ رہنے کا جواز بھی نہیں رہتا۔"
"آپ کہاں جائیں گی مما، ہمارے تو کوئی ریلیٹوز (رشتہ دار) بھی نہیں ہیں؟"
"سب ہیں، سب ریلیٹوز موجود ہیں، تمہارے پاپا نے سب سے ناتا توڑ رکھا ہے، نہ خود ملتے ہیں نہ ہمیں ملنے دیتے ہیں۔"
"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا مما۔" مومی ایک دم بولا تھا۔
"ہم سب جائیں گے۔" انہوں نے سب کو ہی جانے کو کہا ہے۔" مما دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح رونے لگیں۔ میرے بھی آنسو بہنے لگے۔ کتنی دیر بعد سنبھلیں تو ولید انکل کو فون کر کے اسلام آباد فلائٹ کے ٹکٹس کے لیے کہا تھا، وہ حیرانی سے پوچھتے رہے لیکن مما نے کچھ نہیں بتایا۔ انکل کے لیے یہ کیا مشکل کام تھا، نو بجے کی فلائٹ کے لیے ٹکٹس بھی مل گئے۔ جب تک مما نے ہمارا سامان بھی پیک کر لیا تھا۔ انکل خود آئے تھے، مما نے مختصراً انہیں بتایا، وہ اس وقت بھی رو رہی تھیں، جب ہم پلین کی طرف جانے لگے تو انکل نے آہستگی سے کہا۔
"پلیز ایلیا رومت، وہ تو پاگل ہے غصے میں اسے کچھ پتا نہیں چلتا کہ کیا کہہ رہا ہے، غصہ اترے گا تو خود ہی ٹھیک بھی ہو جائے گا، تم اگر گھر پر ہی رک جاتیں تو وہ صبح تک ٹھیک ہو جاتا۔"
"نہیں، انہوں نے بہت سختی سے مجھے جانے کے لیے کہا ہے۔"
"اس کا تو واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ بڑبڑائے۔ "اچھا یوں خود کو ہلکان مت کرو، بچے بہت پریشان ہو رہے ہیں۔"
مما نے اثبات میں سر ہلایا اور آنسو پونچھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔
"اب ایسے تو نہ مسکراؤ کہ میرا اسے قتل ہی کر دینے کو دل چاہنے لگے۔" بہت افسردگی سے کہتے ہوئے انکل واپس چلے گئے تھے۔ اسلام آباد پہنچ کر مما نے ایک کیب ارینج کی تھی۔ جو ایک شان دار کوٹھی کے آگے جا کر رکی کہ جس کی شان و شوکت دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے۔ گیٹ پر کھڑے چوکیدار سے مما نے کچھ بات کی، اس نے انٹر کام پر بات کی اور مودبانہ انداز میں گیٹ کھول دیا، ہم ایک طویل روش عبور کر کے گھر کے اندرونی دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ دروازہ کھلا، ایک انتہائی شان دار، گریس فل پرسنالٹی والے مرد نے بے تابی سے مما کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔
"میری بیٹی، میری جان۔" وہ مما کے سر کو چوم رہے تھے، ان کی پھولی ہوئی سانس سے پتا چلتا تھا کہ وہ بہت تیز چلتے ہوئے آئے تھے، ان کے پیچھے ایک چوبیس، پچیس سال کا نوجوان لڑکا بھی تھا جو حیرت سے ہم چاروں کو دیکھ رہا تھا، وہ انکل بار بار مما کو پیار کرتے اور

اپنے ساتھ لپٹا لیتے۔
"پاپا مجھے بھی تو ملنے دیں نا آپی سے۔" مما خود ہی آگے بڑھ کر اس نوجوان سے لپٹ گئیں' اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔
"اتنا بڑا ہو گیا میرا بھائی۔"
"یہ بچے آپ کے۔۔۔؟"
"ہاں۔" وہ سوجی آنکھوں کے ساتھ مسکرائیں۔
میرے بچے "یہ نتالیہ ہے نا آپ کی نیتو۔"
"یہ نیتو' اتنی بڑی ہو گئی' وہ میری گڑیا۔"
"یہ تمہارے نانو ہیں اور یہ ماموں۔" انہوں نے ہم کو باری باری اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا' ماموں' ہنی کے تو دیوانے ہی ہو گئے۔
"اف کتنا پیارا ہے یہ۔"
"آؤ' اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔"
"ممی کہاں ہیں؟"
"وہ مسز محمود کی بیٹی کی شادی میں گئی ہوئی ہے' آج بھی کہتی رہی کہ لوگوں کی بیٹیوں کی اب شادیاں ہو رہی ہیں اور ہم کب کے فارغ بھی ہو گئے' اور اب بیٹی کی شکل دیکھنے سے بھی گئے' آج کیسے آنے دیا زارون نے؟"
"انہوں نے مجھے گھر سے چلے جانے کو کہا ہے۔"
"اور تم آ بھی گئیں' وہ جو کہتا ہے تم وہی کرتی ہو' تمہاری اپنی عقل کہیں گروی رکھی ہوئی ہے' جسے استعمال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی' اس سے پہلے بھی تم اس کی کچھ غلط باتیں مانتی رہی ہو مگر آج تو بہت ہی غلط کیا ہے' اس نے کہا چلی جاؤ اور تم آ گئیں' اچھا یہ بتاؤ بات کیا ہوئی تھی؟"
"تایا جی کہیں پارک میں ایک دو بار بچوں سے ملے تھے۔ آج میں اور نتالیہ ریسٹورنٹ سے باہر آئے تو تایا جی گاڑی سے باہر آئے اور ہمیں دیکھ لیا' بس انہوں نے خیر خیریت پوچھی اور چلے گئے' زارون نے انہیں ہم سے بات کرتے دیکھ لیا۔ ان کا خیال ہے کہ میں اندر کہیں آپ سب سے رابطے میں ہوں اسی لیے تایا جی ہر جگہ مل جاتے ہیں' تو اب مجھے نہیں رہنا چاہیے۔"
"وہ بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کا کہا تھا اس نے؟"
مما کچھ دیر چپ رہیں "کہہ رہے تھے کہ بچے وہاں آرام سے ان سے مل لیں گے' چھپ چھپ کر نہیں ملنا پڑے گا۔"
"یعنی کوئی اتنی بھی بڑی بات نہیں ہوئی تھی' تمہیں گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا' اب تو وہ ضد میں آ کر نجانے کیسا ری ایکٹ کرے' تم وہیں رہتیں' وہ کچھ بھی نہ کہتا' غصے میں بول دینے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ سچ مچ تمہیں گھر سے نکالنا چاہتا تھا' یا کم از کم بچے ہی چھوڑ آتیں' ایسے تو وہ بالکل اکیلا۔۔۔" انہوں نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ مما نے سر جھکا لیا' اسی وقت وہ آ گئیں تو بیتا صاحبہ۔
"ہائے بھابھی' مجھے فاران نے بتایا ہے کہ آپ آئی ہیں' کیسی ہیں آپ' اور یہ چاروں کیوٹو کیسے ہیں؟"
"یا اللہ' یہ ہر جگہ ہمارے پیچھے ہیں' جہاں جاؤ' وہاں یہ لوگ موجود۔" میں نے بے ساختہ سوچا تھا۔ ابھی کچھ ہی دیر وہ بیٹھی تھیں کہ ایک انتہائی شاندار' اسمارٹ اور خوب صورت خاتون اندر آئیں' مما انہیں دیکھ کر ایک دم اٹھ گئی تھیں۔
"میری بیٹی' میری ایلی۔۔۔" ان کے منہ سے یہی الفاظ نکل رہے تھے' انہوں نے اتنی دیر مما کو اپنے ساتھ لپٹائے رکھا کہ میں کبھی کبھی الگ ہی نہیں ہوں گی' بہت لمبا اور جذباتی سین تھا' وہ ہماری نانی تھیں' مما کی مما۔
"مجھے فاران نے فون کیا' میں نے وہیں فنکشن چھوڑا اور بھاگی چلی آئی۔"
"سچ ممی' آپ بھاگی آئی ہیں' تو پھر گاڑی میں کون آیا ہے؟" فاران ماموں کے چٹکلے نے پورا لاؤنج قہقہہ بار کر دیا تھا۔
"زارون کہاں ہے؟" گرینی نے پوچھا۔
"وہ تو نہیں آئے۔" مما نے آہستگی سے کہا۔
"کیوں۔" انہوں نے بغور مما کو دیکھا' نانو نے مختصر بتایا کہ کیا ہوا تھا۔ وہ کچھ خاموش سی ہو گئیں۔ "اتنا

پیار الڑکا تھا زارون کہ اس سے تمہاری اتنی کم عمری کی شادی پر بھی ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی لیکن پھر بعد میں بہت پچھتائے۔ جب اس نے تمہیں لے جانے کے بعد ہم سے کاٹ کر ہی رکھ دیا۔ ناراضی اس کی ہارون بھائی سے تھی سزا ہمیں بھگتنی پڑی۔"

"اچھے ہی رہے ہیں ممی' بس یہ تایا جی کے ملنے سے۔"

"یہ کیا بڑی بات ہے بیٹا۔"

"بس وہ ضد میں آگیا ہے تو' بہرحال چھوڑو' یہ باتیں تو چلتی رہیں گی' اسے کچھ کھلاؤ' پلاؤ تو سہی' حال دیکھو اس کا۔" کھانے کے بعد ہم سب مما کے ساتھ ان کے کمرے میں آگئے۔

"اف یہ ساری فورس ایک ہی بیڈ پر" ماموں اندر آئے تو حیران ہی رہ گئے' ہم اٹھ بیٹھیں۔ "آؤ۔"

"میں ہنی کو لینے آیا ہوں' اپنے پاس سلاؤں گا۔"

"یہ تو بھی نہیں سوئے گا' کئی دفعہ دودھ کے لیے اٹھتا ہے' ابھی انہیں یہیں سونے دو' اجنبیت محسوس کررہے ہیں۔"

"اچھا موی آپ آجاؤ' میرے پاس۔"

"نہیں۔" موی مجھ سے لپٹ گیا۔ ماموں نے آگے بڑھ کر ہنی کو بہت سا پیار کیا۔

"یہ تھوڑا سا بڑا ہو جائے تو اسے میں ہی لے لوں گا۔"

"اور جب اپنے بچے ہو جائیں تو میرے بیٹے کو ایک طرف کردو گے۔"

"ایسا دکھائی دیتا ہوں میں آپ کو۔" انہوں نے برا منایا۔

"تم نہ سہی' تمہاری بیوی تو کرے گی نا۔"

"ارے نہیں آپی' نوما تو خود اتنا پیار کررہی تھی ہنی کو۔"

"اوہ' تو یہ بات ہے۔" مما نے آنکھیں گھمائیں' ماموں سٹپٹائے۔

"میرا مطلب ہے......"

"بس میں سمجھ گئی تمہارے مطلب کو' ممی پاپا کو پتا ہے۔"

"انہوں نے ہی تو یہ بات میرے دماغ میں ڈالی ہے۔"

"ہاں اتنے ہی تو معصوم ہو تم کہ انہوں نے کہا اور تم نے مان لیا۔" ماموں مسکرانے لگے۔ "اب صبح سوچوں گی تم دونوں کتنے سوٹ کرتے ہو۔"

☆☆☆

میرا دل بہت اداس ہو رہا تھا' مجھے پاپا بہت یاد آرہے تھے۔ ڈر کے مارے انہیں فون بھی نہیں کرسکتی تھی کہ وہ ہمارے مما کے ساتھ آجانے پر یقیناً ناراض ہوں گے' تب ہی تو انہوں نے خود بھی فون نہیں کیا تھا۔ کتنے پیارے پاپا تھے ہمارے' کتنے ہی تھکے کیوں نہ ہوتے' ہمیں دیکھتے ہی مسکرانے لگتے' مجھے تو وہ پارک والے انکل بہت برے لگنے لگے تھے' جن کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا۔ میں تو خود ضبط کرتی رہی لیکن موی بہت چھوٹا تھا' اسے اپنے جذبات پر بند باندھنے نہیں آتے تھے' وہ شام کو رونے لگ گیا۔

"میں پاپا کے پاس جاؤں گا' مجھے پاپا کے پاس جانا ہے۔" حتیٰ کہ ہنی' جس نے نیا نیا مما پاپا کہنا سیکھا تھا وہ بھی ایک ایک کو چھو کر پاپا' پاپا کہنے لگتا تھا۔

"زارون بچوں سے بہت اٹیچ ہے۔" گرینی نے حیران ہو کر کہا اس وقت بھی ماموں' موی کو باہر لے گئے تھے' وہ ہماری وجہ سے آفس سے جلدی اٹھ آتے تھے' میں لان کی سیڑھیوں پر آبیٹھی کہ اندر سے مما کے پکارنے پر لاؤنج میں آگئی' وہاں وہی پارک والے انکل بیٹھے تھے' انہیں میری آمد کا پتا نہیں چلا' وہ نانو سے مخاطب تھے۔

"میں نے ذرا سا ڈانٹا تو خودکشی کی دھمکی دینے لگا بلکہ دھمکی کیا' وہ جیسے میرے پاس سے گزرا تھا' لمحوں میں عمل کرڈالتا' میں گھبرا کر واپس آگیا۔"

"حالانکہ دیکھیں تو بات ہی کیا تھی کہ آپ ایلیا سے کیوں ملے؟"

"بس غلط ہی کیا میں نے بھی' اتنے دنوں بعد اپنی

بچی کو دیکھ کر میں رہ نہیں پایا' اب مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ پیچھے ہی کھڑا ہے۔" بات کرتے ہوئے ان کی نظر مجھ پر پڑی' وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور میری طرف بانہیں پھیلائیں' میں قریب آئی تو انہوں نے مجھے ساتھ لگا کر میرا ماتھا چوما۔

"آؤ میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھایا' اتنا تو پتا چل گیا کہ یہ مما کے تایا ہیں یعنی نانو کے بھائی' تو میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو ثنایہ' بیٹا ٹھیک ہو نا۔"

"جی انکل۔" میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"ہیں انکل؟" گرینی نے حیرت سے کہا۔ "تمہیں بھی معلوم نہیں کہ یہ تمہارے کون ہیں؟"

"نہیں' اسے کچھ معلوم نہیں یہ تو مجھے دیکھ کر گھبرا جاتی ہے۔"

"یہ تمہارے گرینڈ پا ہیں' تمہارے پاپا کے پاپا۔"

"یا اللہ۔" میں چکرا گئی۔ کہاں تو ماں باپ کے سوا کوئی رشتہ نہیں دیکھا' کہاں نانا' دادا' پھپھو' ماموں سب نکل آئے۔ میری کیفیت دیکھ کر وہ مسکرا دیے۔

"بہت شاکڈ ہوئی ہو نا' کبھی اچانک ایسے انکشاف ہوں تو بندہ ہو ہی جاتا ہے' جب حواس بحال ہوجائیں تو بتانا کہ خوشی ہوئی یا نہیں؟" انہوں نے میرا سر اپنے شانے سے لگالیا۔

"پھر پاپا آپ سے ملنے کیوں نہیں دیتے تھے؟"

"وہ مجھ سے ناراض ہے' بہت زیادہ' سترہ سال گزر گئے' اس کی ناراضی ختم نہیں ہوتی۔"

"وہ کیوں ناراض ہیں؟"

"بس کبھی کوئی ایسی غلطی ہم سے ہوجاتی ہے جس کی کوئی تلافی نہیں ہوسکتی' ہاتھ خالی رہ جاتے ہیں' اتنے خالی کہ روٹھوں کو منانے کے لیے ان میں کوئی جھوٹی تسلی' کوئی جواز' کوئی دلیل نہیں ہوتی' کوئی زر تلافی بھی نہیں کہ جسے دے کر اپنی غلطی کا کفارہ ادا کیا جاسکے۔" ان کی آواز میں دکھ اور شکستگی تھی۔

"انکل' انکل' آپ یہاں بھی آگئے۔" مومی لاؤنج میں داخل ہوا تو انہیں دیکھ کر دوڑتا ہوا آیا اور ان کی گود میں سوار ہوگیا۔ "آپ وہاں بھی ہوتے تھے نا جہاں ہمارا گھر تھا' اب ہم تو یہاں آگئے ہیں مگر ہمارے پاپا وہیں ہیں' مجھے پاپا کے پاس جانا ہے' آپ مجھے لے جائیں۔"

"زارون کے بغیر بچے بہت اداس ہیں۔" نانو نے کہا۔

"اور ایلیا کو دیکھا ہے' سب کے ساتھ بیٹھی ہوئی بھی نجانے کہاں پہنچی ہوتی ہے۔"

"جتنے دن ایلیا یہاں رہے گی' اس کی ضد بڑھتی جائے گی' وہ اللہ نہ کرے کوئی انتہائی قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔"

"نہیں' نہیں' وہ ایسا کبھی بھی نہیں کرے گا' غلط مت سوچو' ایلیا نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ وہ ایسی سزا دے گا' تم ایسا کرو' اس سے جاکر مل لو۔۔۔"

"نہیں' وہ منع کردے گا۔"

"یار جبران' کیوں منع کرے گا وہ' اس کی ناراضی مجھ سے ہے' تم سے نہیں' بلکہ ایک منٹ۔۔۔" انہوں نے مومی کو اشارہ کیا۔ اور اپنا سیل اس کے سامنے کیا۔

"پاپا سے بات کرو گے۔" اس نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔

"نمبر بتاؤ بیٹا۔" انہوں نے مجھ سے کہا تو میں نے پاپا کا سیل نمبر بتایا' انہوں نے ملا کر چیک کیا اور مومی کے کان سے لگادیا' اسپیکر آن کیا ہوا تھا' اسی لیے پاپا کی واضح آواز آئی تھی۔

"ہیلو' ہیلو کون؟"

"پاپا۔" مومی نے چیخ کر کہا تھا۔ "پاپا میں مومی ہوں' آئی مس یو پاپا۔" دوسری طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

"ہیلو پاپا۔ بولیں نا' مجھے یہاں سے لے جائیں۔ میں آپ کے پاس آؤں گا' پاپا' پاپا۔۔۔" وہ پکارتے پکارتے تھک گیا تو رونے لگ گیا "پاپا نہیں بول رہے۔ پاپا پاپا۔"

وہ اب بلک بلک کر رو رہا تھا۔ میرے بھی آنسو بہہ نکلے۔ میں اسے اٹھا کر باہر نکل آئی' وہ اسی طرح روتا رہا۔ مما نے بھی ہر ممکن کوشش کر دیکھی پر وہ اسی

طرح روتا رہا۔ شام تک اسے بخار ہو گیا۔ رات کو بخار اتنا تیز ہو گیا کہ مما فاری ماموں کے ساتھ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں' میڈیسن سے وقتی افاقہ تو ہوا' دوسرے دن پھر وہی حال' ہر کوئی اس کے بہلانے کی بھرپور کوشش کرتا تھا۔

گرینڈ پا ابھی بھی کہیں دوسرے شہر سے آئے تھے اور شدید تھکن کے باوجود یہاں چلے آئے تھے۔ مومی نے ان کا ہاتھ تھاما۔

"انکل آپ لاہور جاتے ہیں نا' مجھے بھی لے چلیں' وہاں ہمارے گھر' میرے پاپا کے پاس مجھے چھوڑ آئیں۔"

"پہلے آپ مجھے دادو کہیں گے تو پھر میں آپ کی بات مانوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ جھٹ مان گیا۔ "میں آپ کو دادو کہوں گا۔"

"ان سب کو بھی دادو کہنا سکھاؤ۔" وہ اس کا ذہن موڑنے کے لیے بات سے بات نکال رہے تھے۔

"ٹھیک ہے سب کو سکھادوں گا۔" وہ بھی جلدی جلدی ان کے مطالبے پورے کرنے کی کوشش میں تھا۔

"ہنی کو بھی؟ اسے تو بولنا نہیں آتا۔"

"نہیں آتا ہے۔" وہ جوش میں اٹھ کر بیٹھ گیا "ہنی بولو پاپا۔" اس نے اپنے قریب موجود ہنی کو حکم دیا' وہ شروع ہو گیا۔

"پاپا' پاپا۔"

"دیکھا اس نے فخریہ دادو کی طرف دیکھا۔ "یہ رات کو بھی پاپا کے ساتھ سوتا تھا' جب مما اس کو اسپتال سے لے کر آئیں تو پاپا نے مجھے بھائی کے ساتھ سلادیا۔ کہنے لگے مما کے پاس اب یہ چھوٹا سا بھائی سوئے گا' مجھے پاپا کے بغیر نیند ہی نہیں آتی تھی اور اس کو دیکھیں' پاپا نہیں ہیں پھر بھی سو جاتا ہے۔ پاپا کو یاد بھی نہیں کرتا۔"

تیز تیز سانسوں کے ساتھ اس نے رک رک کر اٹک کر بات مکمل کی تھی اور سارے ماحول پر سناٹا طاری کر دیا تھا۔ دادو نے اسے سینے سے لگالیا۔ ان کی آنکھوں میں نمی تیر گئی تھی۔

"میں پاپا سے بولوں گا اب اسے کبھی بھی اپنے پاس نہیں سلائیں' میں خود ان کے پاس سوؤں گا' آپ مجھے لے چلیں نا۔"

"زارون کا دوست جو ہے۔ ہاں ولید' اس کا فون نہیں آیا کبھی؟"

"آیا تھا' ان کی بیوی جویریہ' میری بہت اچھی دوست ہے' اس کا بھی آتا رہتا ہے۔"

"تو انہیں اس کا بتائیں نا کہ یہ کتنا یاد کر رہا ہے اسے۔"

"بتایا تھا" مما کی آواز مدھم ہو گئی۔

"اس کا مطلب ہے اسے پروا نہیں ہے' تو تم لوگ بھی ڈھیٹ بن جاؤ' کیوں سب کے سب اس طرح گم صم رہتے ہو۔" گرینی شدید اشتعال میں آگئیں۔ نانو نے انہیں آرام کا اشارہ کیا تھا۔ اتنی دیر میں جویریہ آنٹی کی کال آرہی تھی۔

"ہیلو آنٹی"

"ایلیا کہاں ہے؟"

"جی میں دے رہی ہوں۔" میں نے فون مما کو دیا۔

"ہاں ٹھیک ہوں' تم سناؤ' کیسی ہو اور بچے کیسے ہیں؟"

"جاپان گئے ہیں' اوہ یہ مومی بہت یاد کر رہا ہے' اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے' بخار ہو رہا ہے۔"

"کیا؟ کیا کہہ رہی ہو تم' زارون کو انجائنا اور پھر بھی وہ جاپان چلے گئے' جانے کیوں دیا ولید بھائی نے۔" مما تو ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"مجھے تو نہیں لگتا وہ ٹھیک ہوں گے۔"

"کیا ہوا ایلی' کیا بات ہے بیٹا۔" گرینی نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا' مما اب رو رہی تھیں۔ گرینی نے فون لے کر خود بات کی تھی۔ "زارون کو انجائنا کا اٹیک ہوا تھا پرسوں اور بقول جویریہ کے وہ بالکل ٹھیک ہے اب اور آج صبح وہ جاپان چلا گیا ہے' کہہ تو رہی ہے جویریہ کہ اب بالکل ٹھیک ہے۔"

"کب کی بات ہے یہ؟ کب ہوا اسے یہ اٹیک؟" دادو تڑپ کر اٹھے تھے۔

"پرسوں کی۔"

"پرسوں تو مومی نے بات کی تھی، تب تو..." وہ رکے۔ "کیا پتا اس کی طبیعت کیسی تھی، جب ہی تو وہ آگے سے بول نہیں پا رہا تھا!" "اس کا تو یہی مطلب ہے کہ وہ بہت پریشانی سے گزر رہا ہے۔"

"پاپا پلیز مجھے گھر چھوڑ آئیں۔" مما بلک بلک کر رو پڑیں۔ گرینی نے انہیں ساتھ لگا لیا۔

"میں نے بہت بڑی غلطی کی ان لوگوں سے مل کر، میرا بیٹا کتنا خوش تھا اپنی فیملی کے ساتھ، میں نے اسے اتنا ڈسٹرب کر دیا کہ اتنی سی عمر میں اسے انجائنا کا اٹیک ہو گیا۔"

"پلیز ہارون بھائی، آپ کی اپنی طبیعت خراب ہو جائے گی میں ایلیا کو خود چھوڑ آؤں گا، سب ٹھیک ہو جائے گا، بس زارون آ تو جائے۔" مومی ٹکر ٹکر سب کو دیکھ رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

ولید انکل اور جویریہ آنٹی جب دوسرے ہی دن آ پہنچے تو سب سرپرائز ہو گئے تھے۔ ملنے ملانے کے بعد تسلی سے بیٹھے تو آنٹی نے مما سے پوچھا۔

"تم نے زارون بھائی سے ناراض ہونے کی ہمت کیسے کر لی، تم تو بڑی بڑی باتیں برداشت کر لیتی تھیں، اب ایسا کیا ہوا تھا؟"

"بس مجھے پہلی بار غصہ آ گیا اور اب ہر وقت پچھتاتی رہتی ہوں۔"

"ہوں پچھتاتی ہو، تم انسان نہیں ہو، تمہیں غصہ نہیں آ سکتا۔ زارون بھائی کو چاہیے تھا کہ اگر پہلی دفعہ تم ناراض ہو گئی تھیں تو تمہیں مناتے نہ کہ خود ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتے۔"

"یہ تم مزید آگ بھڑکانے آئی۔ تم اس کی باتوں کو رہنے دو وہ بھی کوئی خوش نہیں بیٹھا ہوا، انتہائی پریشان اور گم صم ہو گیا ہے۔ جاپان جانا اس لحاظ سے ٹھیک رہا ہے کہ کچھ تو اس کا مائنڈ چینج ہو گا ورنہ یہاں اس کی جو حالت تھی انجائنا کا اٹیک تک تو ہو گیا تھا۔"

"کب ہوا تھا انہیں یہ اٹیک؟"

"کوئی تین چار دن پہلے، میں شام کو فارغ ہو کر فیکٹری کا چکر لگانے گیا تو سوچا زارون کو بھی دیکھ لوں، بہت ڈسٹرب ہے تو ذرا کلب کا پروگرام بنا لوں، اس کے آفس پہنچا تو دیکھا سینہ پکڑے دہرا ہوا جا رہا تھا، پسینہ پانی کی طرح اس کے چہرے پر بہہ رہا تھا، میں بھاگ کر پہنچا اور رومیل کی مدد سے اسے اسپتال لے گیا، ڈاکٹر نے ECG کروائی اور مزید چیک اپ کر کے بتایا کہ انجائنا کا مائنو اٹیک ہوا ہے اور یہ بھی کہ اس کے نروز بہت پریشر میں ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ آپ کو کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی ہے تو کسی دوست سے ہی شیئر کریں، مگر اپنے اعصاب کے اوپر لدا ہوا یہ بوجھ اتار دیں۔ ڈاکٹر کے پاس آنے کے بعد میں نے گھما پھرا کر تم لوگوں سے متعلق بات کرنے کی بہت کوشش کی مگر مجال ہے منہ سے کچھ پھوٹا ہو۔"

"میں تو یہی حیران ہوں، تمہارے پیرنٹس زندہ سلامت ہیں اتنے قریب رہتے ہوئے اور تم لوگوں نے کبھی اپنی کوئی رشتے داری ظاہر نہیں کی، کبھی ان کے بارے میں کچھ بتایا بھی نہیں۔" جویریہ آنٹی کے کہنے پر مما مزید اداس ہو گئیں۔

"زارون، تایا جی سے بہت ناراض ہیں، تو بس مجھے بھی کبھی کسی سے نہیں ملنے دیا اور انہوں نے ہی ان کے بارے میں بتانے سے بھی منع کیا تھا۔"

"بہت انتہا پسند ہے زارون اور بہت انا پرست بھی، اتنے بڑے باپ کا بیٹا ہونے کے باوجود اس نے کبھی محسوس نہیں ہونے دیا، پاپا شروع سے کہتے تھے اس کے مینرنیز نخرا بتاتے ہیں کہ یہ کسی بہت اچھی فیملی سے تعلق رکھتا ہے، پتا نہیں کس وجہ سے اس نے گھر چھوڑا ہے، کئی بار انہوں نے اس سے پوچھا مگر اس نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ اب جب میں نے پاپا کو بتایا تو انہیں کوئی حیرت نہیں ہوئی، وہ یہی کچھ امپیکٹ کر رہے تھے۔"

شام کو جب انکل آنٹی واپس جانے لگے تو دادو بھی آ گئے تھے۔

"میں بہت مشکور ہوں شہزاد صاحب کا کہ انہوں نے میرے بیٹے کا بہت خیال رکھا۔"

"پاپا تو اسے اپنا بیٹا کہتے ہیں۔"

"یقیناً اور انہوں نے یہ بات ثابت بھی کی ہے۔"

✵ ✵ ✵

کچھ دن مزید گزر گئے' موی کو کبھی کم' کبھی زیادہ مگر بخار ہوتا رہا' ولید انکل اسے روز فون پر پاپا کے آنے کی خوش خبری سناتے' جس سے اسے تسلی تو تھی لیکن مکمل اطمینان نہیں' ہم چاروں ہی مما کے ساتھ ان کے بیڈ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی پل دروازہ ناک ہوا اور کھل بھی گیا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" خوب صورت بھاری' مانوس آواز' ہم سب کی گردنیں ایک ساتھ مڑی تھیں۔

"پاپا" میں نے اور موی نے ایک ساتھ چیخ ماری تھی اور بھاگ کر ان سے لپٹ گئے۔

"پاپا' پاپا آپ آ گئے پاپا۔" ہم دونوں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہم پاپا کے جسم کے اندر تحلیل ہو جاتے' انہوں نے نرمی سے ہمیں لپٹایا ہوا تھا پھر جھک کر ہم دونوں کو باری باری پیار کیا تھا۔ میں نے اور موی نے بھی اچک کر ان کے گال چوم لیے تھے۔

"پاپا۔" موی بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پاپا نے اسے اٹھا کر بے تحاشا چوم لیا تھا۔

"میری جان' میرا بیٹا۔" انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ "ابھی بھی ٹمپریچر ہو رہا ہے۔" انہوں نے اسے پیچھے کر کے اس کا چہرہ دیکھا' وہ ان کی گردن میں بازو ڈال کر پھر سے لپٹ گیا۔

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا' میں آپ کے پاس رہوں گا پاپا۔"

"تو گے مائے سن او کے۔" پاپا نے اس کی پشت تھپتھپائی پھر مما کی طرف دیکھ کر مسکرائے' جو بت بنی یوں پاپا کو دیکھ رہی تھیں جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

"ہیلو۔" پاپا نے ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ مما بجائے ان کا ہاتھ پکڑنے کے آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گئیں۔ پاپا نے مسکراتے ہوئے ان کے گرد وہی بازو پھیلا لیا' دوسری طرف موی تھا۔

"کافی ہے یار' بچے بھی یہیں ہیں خواہ مخواہ کوئی سین۔۔۔" پاپا کے شرارت سے کہنے پر مما مسکرا کر الگ ہو گئیں۔ میں اور موی زور سے ہنس پڑے۔ پاپا مسکراتے ہوئے بیڈ پر سوئے ہوئے ہنی پر جھک گئے وہ کسمسا کر اٹھ گیا' سر گھما کر پاپا کو دیکھا جو وہیں بیڈ پر بیٹھ کر موی کو گود میں بٹھا رہے تھے۔

"پاپا۔" وہ تیزی سے ان کی گود میں سوار ہو گیا۔ پاپا اسے پیار کر کے سکون سے بٹھانے کی کوشش کرنے لگے مگر وہ دونوں ہاتھوں سے موی کو دھکے دے کر وہاں سے اٹھانے کے لیے پورا زور لگا رہا تھا۔ موی نے پلٹ کر اسے ایک تھپڑ جڑ دیا۔

"ارے نہیں بیٹا۔"

"اتنے دن تو آپ کو یاد نہیں کیا اور اب سارے کے سارے پاپا کو لینے لگا ہے۔" موی سخت بگڑا ہوا تھا۔

"زارون تم کیسے ہو میری جان۔" بمشکل میں نے اور موی نے ان دونوں کو الگ کیا اور پاپا اٹھ کر نانو سے بغل گیر ہو گئے۔ خاصی دیر بعد وہ دونوں الگ ہوئے تھے۔ نانو نے پاپا کا ماتھا چوما۔

"ابھی میں ضروری کام سے آیا تو ملازم نے تمہاری آمد کی اطلاع دی اور سناؤ کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں چاچو' آپ کیسے ہیں؟" پاپا نے دوبارہ موی کو اٹھا لیا اور بیٹھ گئے۔

"الحمدللہ' اور ان چاروں کو دیکھو' کیسے کھل گئے ہیں' یہ مامون' اس نے تو تسبیح پڑھ ڈالی تمہارے نام کی۔ ایسا بخار طاری کیا جو اترنے کا نام نہ لے اور اب دیکھو کیسا خوش باش کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔"

"اسی کے لیے اتنی جلدی واپس آیا ہوں۔ ورنہ ابھی کافی کام تھا وہاں۔" پاپا نے جھک کر موی کو پیار کیا۔

"ثابت یہ ہوا کہ تم ایک بہترین باپ ہو۔"

"تھینکس فار دی کامپلیمنٹس (تعریف کا شکریہ)۔" پاپا مسکرائے تھے۔ اسی پل گرینی اندر داخل ہوئی تھیں' ان کے پیچھے ٹرالی دھکیلتی ملازمہ تھی۔ پاپا انہیں دیکھ کر فوراً" اٹھے تھے۔ انہوں نے پاپا کو اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کیا تھا۔

"بہت برے نکلے تم زارون' بہت برے' میں سخت ناراض ہوں تم سے' نہ تو ایلیا کو ملنے دیا' نہ ہی خود ملنے آئے۔ تمہیں پتا تھا میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ پھر بھی تم نے یہ سب کیا۔ کون سا بدلہ لیا' بتاؤ' کس کس بات کا غصہ اتاروں۔" وہ کہتی جاتیں اور پاپا کا سر چومتی جاتیں پاپا بالکل خاموش تھے۔

"بس کرو ثمن' چائے دو اسے' آتے ہی کورٹ لگالی۔" نانو نے ٹوکا۔ گرینی نے الگ ہو کر پاپا کو بٹھایا' خود چائے بنا کر انہیں دی۔ ساتھ ساتھ اصرار کر کے کچھ نہ کچھ کھلاتی بھی رہیں۔ نانو نے یا گرینی نے ایک بار بھی پاپا کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ انہوں نے مما کو گھر سے نکالا ہے اور انہیں اس چیز کا کوئی دکھ بھی ہے۔

"ثمن جاؤ' ذاکر سے کہو بہترین ڈشز تیار کرے' اتنے عرصے کے بعد زارون یہاں کھانا کھائے گا۔ سب کچھ بہت اسپیشل ہونا چاہیے۔"

"نہیں چاچو پلیز' مجھے لاہور میں بہت کام ہے' ایک منٹ کی فرصت نہیں ہے' میں صرف ان لوگوں کو لینے آیا ہوں آج جانے دیں' کھانا پھر سہی۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تم یہاں سے جاسکو۔ یہ کوئی وقت ہے بچوں کے ساتھ سفر کا' کام ہوتے رہیں گے۔ میں تو ہرگز تمہیں نہیں جانے دوں گا۔"

"ایکچوئلی میں اور ولید ایک اور فیکٹری لگا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں بہت مصروفیت ہے' ولید کو تو ان معاملات کا اتنا زیادہ علم نہیں ہے' مجھے ہی سب کچھ دیکھنا ہے۔"

"ہارون بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ محنت ساری تم کرتے ہو اور نام ولید کا چلتا ہے' تمہیں کیا مل رہا ہے وہاں سے؟"

"سب کچھ' چاچو سب کچھ' وہ کتنے اچھے لوگ ہیں' آپ کے بھائی صاحب کبھی نہیں جان سکتے' آپ غیر فطری باتوں کی توقع کیوں کرتے ہیں۔ آپ کی ملوں میں بھی تو کئی ورکرز بہت محنتی ہوں گے۔ آپ نے کیا لگادی اپنی ملیں ان کے نام؟ سارا سرمایہ شہزاد انکل نے لگایا اور فیکٹری ہوتی میرے نام پر وہ تو اس میں بھی نہ ہچکچاتے' وہ مجھے ولید کی طرح ہی چاہتے ہیں اور ولید ان سے بھی بڑھ کر مجھ سے محبت کرتا ہے۔ اس نے آج تک فیکٹری کے معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ یہ تو بس مجھے آگے بڑھنے کی لگن ہے۔ جو مجھ سے یہ سب کچھ کروائے جارہی ہے۔"

"تم اپنی ذاتی انڈسٹریز کیوں نہیں پروموٹ کرتے؟"

"میری کوئی ذاتی انڈسٹریز نہیں ہیں۔" پاپا تلخی سے بولے تھے۔

"زارون بیٹا۔ ایسے نہیں کہتے۔ تم ہارون بھائی کے اکلوتے بیٹے ہو' ان کا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔"

"نہیں ہے میرا کچھ بھی اور ان کا کچھ بھی مجھے نہیں چاہیے آج جب میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں تو انہیں سارے رشتے یاد آنے لگے' ورنہ یہ وہی تھے نا جنہوں نے مجھے دھکے مار کر نکالتے ہوئے کہا تھا کہ میں ان کا بیٹا ہی نہیں ہوں جانے کس کا گندہ خون ہوں' انہوں نے صرف مجھ پر ہی نہیں میری پاک باز ممی پر بھی تہمت لگائی تھی' اگر مجھے بھی اپنی ممی کی حرمت کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی کہہ دیتا کہ ہاں میں واقعی ان کا بیٹا نہیں ہوں۔ میں قطعاً" ان کا بیٹا نہیں کہلوانا چاہتا وہ اسی کے رہیں جس کے لیے انہوں نے میری ممی کے اعتماد کو ریزہ ریزہ کیا۔ انہیں مجھ سے ہمیشہ کے لیے چھین کر ان کی موت کا ذمے دار بھی مجھے قرار دیا۔

میں۔۔۔ میں ممی کو مار سکتا تھا۔ اپنی ماں کو جن سے میں دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ انہیں میں۔۔۔ میں تو سب دیکھ کر بھی گونگا بن گیا تھا۔ اس پر ان کا قاتل مجھے ٹھہرا کر دھکے دے کر نکال دیا۔ ایسا

الزام جو آج تک مجھے دل سے خوش نہیں ہونے دیتا۔ رات کی تاریکی میں مجھے یوں گھر سے نکالا کہ ایک پھوٹی کوڑی میری جیب میں نہیں تھی۔ بخار سے میں پھنک رہا تھا۔ ممی کی موت کا صدمہ، اس پر یہ سلوک، میری ذہنی کیفیت تو ایسی تھی کہ میں کسی بھی گاڑی کے نیچے آسکتا تھا، مگر زندگی تھی تو بچ گیا، اگر اس وقت میرا ایکسیڈنٹ ہوجاتا اور میں مرجاتا تو اب تک تو سب کو صبر آچکا ہوتا۔ اس لیے انہیں کہہ دیں کہ مجھے مردہ تصور کرلیں، میری زندگی میں، میرے دل میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔" پاپا کا چہرہ تو کیا کان کی لویں تک سرخ ہوچکی تھیں۔ آنکھوں سے جیسے لہو ٹپکنے کو تھا، نانو دم بخود انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اب جبکہ میں سب کچھ بھلا کر اپنے بچوں کے لیے دن رات محنت کرنے میں مصروف تھا تو انہوں نے بار بار بچوں سے ٹکرانا شروع کردیا یہ سوچے بغیر کہ اس سے بچے کتنے کنفیوز ہوسکتے ہیں اور ہوئے بھی، لیکن انہیں کیا پرواہ وہ تو ہمیشہ سے جو دل چاہتا ہے کر گزرتے ہیں۔ نتائج سے بے پرواہ ہو کر بغیر یہ خیال کیے کہ ان کے اس عمل سے دوسرے کتنے ڈسٹرب ہوسکتے ہیں۔ مجھ سے یا میرے بچوں سے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں آپ یہ بات انہیں سمجھادیں۔" نانو نے گہری سانس خارج کی اور خود کو ڈھیلا چھوڑا۔

"دیکھو بیٹا، کچھ بھی کہہ لو وہ تمہارے باپ ہیں اور اولاد کو والدین کا محاسبہ کرنے یا سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ انہوں نے غصے میں اگر غلطی کی ہے تو اس کا ازالہ کرنے کے لیے بھی تو کتنے عرصے سے کوشاں ہیں ہم سب ان کی تڑپ کے گواہ ہیں۔ وہ بہت بیمار ہیں، ہارٹ ٹربل ہے انہیں، غصہ تھوک دو بچوں کو ان سے مل لینے دیا کرو ان کا دل بہل جاتا ہے۔ وہ کون سا روز روز لاہور جاتے ہیں۔" پاپا بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

"اچھا میں چلوں یار بہت دیر ہوگئی، باتوں میں پتا ہی نہیں چلا۔"

"اچھا کل تو میں جاسکتا ہوں نا؟"

"دل تو نہیں چاہ رہا مگر مجبوری ہے۔"

"آپ آئیے گا نا ہمارے گھر۔"

"شیور، پہلے کبھی تم نے بلایا ہی نہیں۔" پاپا ہنس پڑے۔

"یہ جملہ تو آپ نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔" نانو بھی مسکراتے ہوئے اٹھے تھے۔

"اوکے۔ رات کو ملتے ہیں۔" ان کے جاتے ہی مما پاپا کے پاس آبیٹھیں۔

"آپ کو انجائنا کیسے ہوا زارون، کیا ہوا تھا؟"

"تمہاری جدائی میں دل میرا ساتھ چھوڑنے لگا تھا۔" پاپا نے شرارت سے کہا تو مما کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

"آئی ایم سوری زارون۔۔۔"

"اچھا یار بس، جانے دو اس بات کو۔" پاپا نے مما کا ہاتھ تھپکا۔

"یہ کیا ہوا ہے، یہ آپ کا ہاتھ کیسے جل گیا؟" مما نے پاپا کا وہی ہاتھ پکڑلیا۔ جس کی پشت پر وہ ڈارک براؤن داغ بہت بدنما لگ رہا تھا۔

"چائے گر گئی تھی۔" پاپا نے لاپروائی سے کہا۔

"بہت جلن ہوئی ہوگی نا؟"

"ہاں، بہت زیادہ۔" بہت دھیمی آواز میں پاپا نے کہا تھا۔ وہ ایک ٹک مما کو دیکھتے رہے۔ مما گڑبڑا سی گئیں۔

"آپ لیٹ جائیں۔ آرام کریں۔" پاپا نے بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگا کر ٹانگیں سیدھی کرلیں۔

"تیتو گڑیا۔ یہاں آؤ۔" میں ان کے پاس بیٹھی تو انہوں نے مجھے اپنے کندھے سے لگالیا۔ "میری بیٹی کیوں چپ ہے؟" میں نے ان کے سینے میں منہ چھپا کر سکون کا سانس لیا۔

"پاپا ہم نے آپ کو بہت مس کیا۔ بہت زیادہ، اب۔ کسی سے نہیں ملیں گے۔ آپ کو کبھی ناراض نہیں ہونے دیں گے۔"

"اٹس اوکے تاؤ ان باتوں کو جانے دو۔ یہ بتاؤ مجھے کبھی فون کیوں نہیں کیا۔ اگر مس کیا تھا تو فون بھی تو

کر سکتی تھیں نا؟"

"مجھے ڈر لگتا تھا کہ آپ ہم سب سے ناراض ہوں گے۔ میرا فون بھی ریسیو نہیں کریں گے۔"

"آپ سے کیوں ناراض ہو نا میری جان۔" انہوں نے میرے بالوں کو چوما۔ ہم سب آپس کی باتوں میں لگے ہوئے تھے' جب فاران ماموں آئے تھے پاپا سے مل کر وہیں بیٹھ گئے تھے۔

"آپ کے گھر کتنے بیڈ رومز ہیں زاروون بھائی؟"

"تین بیڈ رومز ہیں' کیوں؟"

"خواہ مخواہ تین تین بیڈ رومز رکھے ہوئے ہیں۔ جب سوتے سب ایک ہی بیڈ روم میں ہیں۔"

"ایک ہی بیڈ روم میں ہم چھ افراد سما سکتے ہیں؟" پاپا تو حیران ہی رہ گئے تھے۔

"ایک بیڈ روم تو کیا یہاں تو بیڈ بھی ایک ہی استعمال ہو رہا ہے۔"

"بچے یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو پائے تو چاروں میرے ساتھ ہی سوتے رہے ہیں۔" ممانے وضاحت کی۔

"آج تو ایک فرد کا مزید اضافہ ہوا ہے۔"

"تو میرا ویٹ اتنا زیادہ تو نہیں کہ بیڈ ٹوٹ جائے گا۔" اب پاپا بھی شرارت سے بولے تو ماموں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"نہیں۔ ہم آج دوسرے کمرے میں سوئیں گے۔" میں نے مسکرا کر کہا تو موی پاپا سے چمٹ گیا۔

"نہیں' میں پاپا کے پاس سوؤں گا۔"

"اوکے مائے بوائے۔" پاپا نے اس کا سر سہلایا۔

"بیٹا اسے میرے پاس ہی رہنے دو۔"

☆ ☆ ☆

دوسرے دن ناشتے کے بعد ہم جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ سب بہت اداس ہو رہے تھے پھر بھی ماموں کوئی نہ کوئی چٹکلا چھوڑ کر ماحول کو خوش گوار کر دیتے۔

"جاؤ بچوں کو ان کے دادو سے ملوا لاؤ۔" نانو کے کہنے پر میں نے اور موی نے گھبرا کر پاپا کو دیکھا۔ وہ خاموش کھڑے دوسری جانب دیکھنے لگے ہم دونوں مرے مرے قدموں سے فاری ماموں کے پیچھے چلنے لگے۔ ماموں ہمیں دونوں گھروں کے درمیان موجود راستے سے دادو کے گھر لے آئے۔ نوبا پھپھو اسی طرف آ رہی تھیں ہمیں دیکھ کر وہیں جم گئیں۔

"یہ کیا' نہ وارم ویلکم' نہ کوئی ریسپشن۔ الٹا گھور گھور کر دیکھنے لگیں آنرایبل گیسٹس کو۔" ماموں نے انہیں گھرکا تو وہ ہوش میں آ گئیں۔

"السلام علیکم۔ موسٹ ویلکم۔" انہوں نے ہنی کو ماموں سے لے کر چٹاچٹ پیار کیا۔

وہ ہمیں اندر لے آئیں۔ انتہائی شاندار بیڈ روم کے شاہانہ بیڈ پر نیم دراز دادو ہمیں دیکھ کر حیرت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"لو میرے بچے اپنے دادو کے گھر آئے ہیں' موسٹ ویلکم۔ موسٹ ویلکم۔" ہم ان کے پاس بیٹھ گئے۔

"آفس نہیں گئے تایا جی؟"

"نوبا کہہ رہی تھی پاپا تھوڑا ٹھہر کر چلتے ہیں' میں نے کہا جو حکم۔" وہ مسکرائے۔ نوبا پھپھو خود ہی ٹرے میں جوس کے گلاس لیے آ گئیں۔ جوس پیتے ہی ہم اٹھ گئے۔

"اب ہم چلیں دادو۔"

"اوکے بیٹا۔ اللہ حافظ۔" ان سے مل کر ہم پاپا کے پاس آ گئے۔ فاری ماموں ہمیں ایئرپورٹ چھوڑنے آئے تھے۔ شام کو ہم اپنے گھر میں یوں سیٹ ہو چکے تھے جیسے کہیں گئے ہی نہیں تھے۔

☆ ☆ ☆

"آپی آپ کو پاپا بلا رہے ہیں۔" موی نے دروازہ کھول کر جھانکا' اطلاع دی اور غائب' میں اسٹڈی کر رہی تھی' بکس سمیٹ کر پاپا کے کمرے میں چلی آئی۔

"جی پاپا؟"

"آؤ بیٹو۔" وہ صوفے پر بیٹھے تھے میں ان کے برابر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بیٹھ گئی۔ مما ہنی کو فیڈر سے دودھ پلا رہی تھیں۔

"وہ تم رومیل سے ملی ہونا' حیدر انکل کا بیٹا رومیل؟"

"وہ بدتمیز۔" میں نے منہ بنایا۔ "ہاں مل چکی ہوں۔" پاپا ہلکے سے کھنکارے۔

"اس کا پروپوزل آیا ہے تمہارے لیے۔" میں نے چونک کر پاپا کو دیکھا۔ وہ بھی بغور مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔

"اسٹوپڈ۔ نان سینس۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی۔" مجھے تو آگ ہی لگ گئی تھی۔ مما پاپا نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"اتنا برا لگتا ہے وہ تمہیں؟"

"آپ کے اندازے سے بھی زیادہ۔ صرف وہی نہیں۔ جو بھی مجھے پروپوز کرے گا۔ وہ مجھے بہت برا لگے گا۔"

"یعنی تمہیں کوئی پروپوز ہی نہ کرے۔"

"نہیں کیوں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" میں ان کے شانے پر سر رکھ کر رو پڑی۔

"ارے ارے میری گڑیا کون تمہیں کہیں بھیج رہا ہے' میرا تو خود ابھی سات آٹھ سال تک کوئی پروگرام نہیں ہے۔ جب تک تمہاری تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی۔ میں ایسے کسی سلسلے کا سوچوں گا بھی نہیں' وہ تو بس حیدر انکل نے پروپوزل دیا ہے۔ پھر بھی اگر تم ایگری نہیں ہو تو میں انہیں منع کر دوں گا۔" انہوں نے میرا سر سہلایا۔

"او کے تھائے بے بی ایز یو وش۔"

"او کے گڈ نائٹ پاپا اینڈ مما۔" میں اپنے کمرے میں آگئی۔

اس شام مما کے جم جانے کے بعد ہنی سو کر اٹھا تو تنگ کرنے لگا۔ میں اسے لے کر پارک آگئی۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ رومیل صاحب آپہنچے۔

"ہیلو نتالیہ۔"

"ہیلو۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔ اس کے "خطرناک ارادوں" کا علم ہو جانے کے بعد تو وہ مجھے زہر سے بھی زیادہ برا لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے کیا نیم کا شربت پی کر آئی ہیں؟"

"یہ آپ کے گھر بنتا ہو گا میں نے کبھی نہیں پیا۔" میں سمجھ تو گئی تھی کہ میرے کڑوے لہجے پر طنز کیا تھا۔

"تو آپ آئیں نا ہمارے گھر نیم کا شربت ہی نہیں کریلوں کا سوپ بھی پلائیں گے۔ آپ موقع تو دیں۔" اس کے شریر لہجے پر میں نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

"ہائے کتنی "توتا چشم" ہیں آپ؟ آئی سوئیر کوئی یوں تو بے گانہ نہیں بنتا۔"

"اچھا پہلے میں آپ کی کتنی "اپنی" تھی کہ اب بے گانی بن گئی۔" اپنی طرف سے میں نے بڑا طنز کیا تھا پر دوسری طرف اتنی معنی خیز مسکراہٹ چہرے پر پھیلی تھی کہ میں سٹپٹا سی گئی۔

"آپ کو کیا پتا۔ آپ میری کتنی زیادہ اپنی ہیں۔ کبھی کبھی انسان اپنے ہی دل کے اپنے جذبات کے ہاتھوں اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ بہت سے عمل بے سوچے سمجھے اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں۔ یونہی تو نہیں کہا شاعر نے۔"

عجب در ہے محبت کا' جو مرضی پر نہیں کھلتا
نہیں چلتا یہاں ہم سم' کسی کو دوش کیا دیں ہم
اس کی آنکھوں میں کیسا تاثر تھا۔ میں نے رخ پھیر لیا۔

"اچھا سنیں تو' یہ تو بتائیں آپ نے مجھے ریجیکٹ (مسترد) کیوں کیا۔ مجھ میں کیا خرابی ہے؟"

"کوئی خرابی نہیں' بس میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"تو ابھی شادی کر کون رہا ہے۔ ہماری عمر کوئی شادی کی تو نہیں ہے نا۔ ہم اچھے دوست بن کر رہ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے سے اپنے باتیں' اپنی خوشیاں شیئر کر سکتے ہیں۔ شادی کے بارے میں ابھی کچھ مت سوچیں۔ ہاں جب بھی سوچیں تو میرا خیال' اس سوچ میں شامل ہونا چاہیے۔ بس اتنی سی ریکوئسٹ (درخواست) ہے۔" اس کا لہجہ اتنا گمبھیر تھا' اس کی

آنکھیں ایسی لو دے رہی تھیں کہ پہلی بار میرا دل کچھ اور طرح سے دھڑکا تھا۔

"میری دوستی قبول ہے؟" اس نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے نرمی سے دبا کر چھوڑ دیا۔

"تمہاری دوستی کے نام ایک' ایک کارنیٹو ہو جائے۔" پھر خود ہی لے بھی آیا۔ آئس کریم کھاتے ہوئے کتنی ہی باتیں کر ڈالیں۔

"کافی ٹائم ہو گیا۔ میں چلوں۔"

"آئیں۔ میں چھوڑ آؤں۔" وہ ہنی کو اٹھا کر گھر تک آیا تھا۔ بڑی شرافت سے اللہ حافظ کہہ کر چلا گیا۔ مجھے سو جانے تک کوئی احساس سا تھا جو ڈسٹرب کرتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

نانو کا فون آیا تو انہوں نے بتایا کہ دادو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

بائی پاس ریکمنڈ کیا تھا ڈاکٹرز نے۔

پہلے نوما کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ پھر ان کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی اور اس کے کچھ دن بعد نانو مما کو لینے کے لیے آ گئے۔ مما نے جانے سے پہلے پاپا سے بہت سے وعدے لیے' جن میں سب سے اہم وعدہ یہ تھا کہ وہ جلد گھر آ جائیں گے۔ مما کو دراصل موی کی بہت فکر تھی حالانکہ وہ پاپا کے ساتھ بہت خوش رہ لیتا تھا۔ پھر میں بھی تو تھی اس کے ساتھ' پاپا وعدے کے مطابق بہت جلد گھر آ جاتے تھے' ہم دونوں کو فل ٹائم دیتے' شادی سے دو دن قبل وہ ہمیں لے کر اسلام آباد آ گئے اور سچ مچ مزا ہی آ گیا۔ بہت زبردست شادی ہوئی ماموں اور پھپھو کی۔ دھوم دھام سے ساری رسمیں ہوئیں۔

مہندی کی رات جوائنٹ مہندی تھی' نانو کے گھر کے لان میں فنکشن ارینج کیا گیا (غالباً" پاپا کی وجہ سے جو دادو کے گھر تو ہرگز جانے والے نہیں تھے) بہت شاندار فنکشن تھا جسے سب نے خوب انجوائے کیا۔

دادو بھی سامنے بیٹھے تھے اور پاپا بھی کچھ دیر کے لیے وہیں بیٹھے تھے' لیکن انہوں نے دادو کی طرف دیکھا تک نہیں اور تھوڑی ہی دیر میں اٹھ کر اندر چلے گئے تھے۔

رات کو بارات فنکشن جو P.C میں تھا۔ جب پھپھو کو رخصت کروا کر لایا جانے لگا تو پاپا غیر محسوس انداز میں وہاں سے چلے گئے۔ مما نے ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ کر مجھ سے پوچھا۔

"تمہارے پاپا کہاں ہیں؟"

"پتا نہیں مما فون کر لوں؟"

"نہیں رہنے دو۔" وہ پلٹ گئیں۔ جب ہم گھر آئے تو پتا چلا وہ کمرے میں تھے (جو ان کا اور مما کا یہاں نانو کے گھر میں مخصوص تھا) ہم بھی ان کے پاس ہی آ گئے۔ وہ ڈریس چینج کیے لیپ ٹاپ پر مصروف تھے۔ ہمیں دیکھ کر انہوں نے اسے بند کر دیا اور کچھ دیر کی گپ شپ کے بعد ہم اٹھنے لگے تو مما کو خیال آیا کہ دادو تو بالکل اکیلے ہوں گے تو انہوں نے موی کو ان کے پاس بھیج دیا' پاپا خاموشی سے دیکھتے رہے' لیکن کچھ بولے نہیں' پاپا کو بھی شاید دادو کی تنہائی کا احساس ہے۔ میں نے دل میں سوچا تھا۔

ولیمہ کا گرینڈ فنکشن اٹینڈ کرتے ہی ہم گھر آ گئے تھے۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد دادو کی طبیعت بہت سخت خراب ہو گئی۔ اتنی خراب کہ ڈاکٹرز نے بھی مایوسی ظاہر کر دی' وہ یہیں لاہور میں تھے۔ جب انہیں ہارٹ اٹیک ہوا۔ جس نے انہیں C.C.U میں پہنچا دیا۔ پاپا اپنی ساری ناراضی بھول بھال کر اسپتال پہنچ گئے اور جب تک دادو بہتر نہیں ہو گئے ان کے پاس ہی رہے۔ وہ فیکٹری' اس کے کام' سب پاپا کو بھول گیا۔ یاد رہے تو دادو۔ ڈاکٹر نے ان کا بائی پاس بتایا جو کہ اسلام آباد میں ہونا تھا تو پاپا دادو کے ساتھ ہی اسلام آباد چلے گئے۔ ایک دن پہلے مما کے ساتھ ہم بھی آ گئے۔ بہت لمبا آپریشن تھا۔ بہت خوف زدہ کر دینے والا ٹائم تھا جو رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔

ہم سب نے جائے نماز پر بیٹھ کر کتنے ہی نوافل پڑھ

کر دعائیں مانگیں اور جب نانو نے فون کر کے کامیاب آپریشن کی خوش خبری سنائی تو ہر طرف مسرت و اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ پھر جب دادو گھر آئے تو ہم سب بھی ان کے ساتھ تھے‘ اس دن ہم نے دادو کے گھر میں موجود مما اور پاپا کا بیڈ روم دیکھا تھا۔ بہت شاندار بیڈ روم‘ سائڈ ٹیبل پر موجود مما پاپا کی شادی کی تصویر اتنی خوب صورت تھی کہ میں مبہوت رہ گئی تھی۔ انتہائی خوب صورت اور اتنے کم عمر دولہا دلہن‘ پاپا کی تو مسیں بھیگ رہی تھیں اس وقت‘ فان کلر کی شیروانی۔ جس کے گلے پر میرون پٹی اور کام بنا ہوا تھا اور مما نے ٹی پنک شرارہ جس میں میرون کلر کا کام شامل تھا۔ پہنے ہوئے کتنے پیارے لگ رہے تھے۔ بعد میں مما نے اپنی وارڈ روب سے نکال کر مزید تصویریں بھی دکھائی تھیں۔ ہماری گرینی‘ ہماری دادی اتنی پیاری‘ جگہ جگہ مما اور پاپا کے ساتھ بیٹھی ہوئیں‘ پاپا کو پیار کرتی ہوئیں۔ میری پیدائش کے بعد والی تصاویر ماہ بہ ماہ کی تصاویر‘ اف سب کچھ بہت فیسی نیٹنگ تھا۔ ویسے بھی مما کے پاس ہم سب کی بچپن کی تصویریں تھیں‘ لیکن یہ بہت الگ سی تھیں اب ہمیں ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا تھا۔ دادو کے صحت یاب ہونے کے بعد نانو نے پارٹی دی تھی جس میں ولید انکل بھی شریک ہوئے تھے‘ میں پاپا کے بیڈ روم کی طرف آئی تو اندر سے پاپا اور انکل کی باتوں کی آواز سن کر رک گئی۔

”آج تو بتادو کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ؟“

”ہاں بتاتا ہوں یار۔“ پاپا نے لمبی سانس لے کر بات شروع کی تھی۔

☆ ☆ ☆

”زارون‘ زارون‘ نیچے اترو‘ دیکھو دھوپ کتنی تیز ہو گئی ہے۔ سن اسٹوک ہو جائے گا۔“ مما نے دہائی دی۔

”نہیں ہوتا ممی۔ آپ پریشان نہیں ہوں۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔“ اس نے اوپر سے ہی جواب دیا تھا۔

”نہیں تم نہیں آؤ گے‘ کل بھی تم نے یہی کہا تھا اور پھر کس وقت آئے تھے۔ آج میں تمہیں لے کر ہی جاؤں گی فوراً‘ نیچے اتر آؤ نہیں تو پاپا کو بتادوں گی۔“ اب ہما نے دھمکی سے کام لیا اور اثر حسب توقع تھا۔ وہ بندر کی سی پھرتی سے نیچے اتر آیا تھا۔

”ممی پلیز۔ پاپا کو نہیں بتایئے گا‘ وہ بہت ناراض ہوں گے‘ میں اب دھوپ میں اوپر نہیں جاؤں گا۔“ وہ اس سے لپٹ گیا‘ ہما نے مسکراہٹ دبائی۔

”ٹھیک ہے‘ میں دیکھتی ہوں تم اپنا وعدہ نبھاتے ہو یا نہیں۔“ وہ اسے اندر لے آئی۔

”چلو فریش ہو کر آؤ اور سو جاؤ پھر پانچ بجے ٹیوٹر آجائیں گے۔“ وہ حلیہ سنوار کر آیا تو ہما اسے لٹا کر اس وقت تک اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی جب تک اس کے سو جانے کا یقین نہیں ہو گیا جھک کر اس کا ماتھا چوم کر وہ آہستگی سے باہر نکل آئی۔

ان دنوں چھٹیاں تھیں تو خوب مزے اڑا رہا تھا۔ دوپہر میں ہارون گھر نہیں آتے تھے‘ سو وہ بھری دوپہر میں درختوں پر پایا جاتا۔ ہما کے ڈانٹنے ڈپٹنے کو تو وہ کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا تھا‘ لیکن ہارون کے نام سے اس کی جان جاتی تھی۔ حالانکہ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا بلکہ اکلوتی اولاد‘ یکساں لاڈلا‘ مگر ہارون چونکہ بہت سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے تو ان سے وہ گھبراتا تھا۔ جن دنوں وہ ملک سے باہر ہوتے تھے‘ ان دنوں تو اس پر قابو پانا اتنا مشکل ہوتا تھا کہ ہما کو جبران کو بلانا پڑتا تھا۔ اس کی پیدائش میں کوئی ایسی پیچیدگی پیدا ہوئی کہ پھر کوئی اور اولاد نہ ہو پائی۔ ہاں جب ثمن کے ہاں ایلیا کے بعد فاران پیدا ہوا تو وہ بہت حیران پریشان ہوا۔

”ثمن آنٹی تو ایک اور بے بی لے آئی ہیں‘ آپ کیوں نہیں اور لاتیں۔ ممی آپ بھی اسی اسپتال میں جائیں نا‘ جہاں ثمن آنٹی گئی ہیں۔“

”نہیں نا‘ میرے اسپتال جانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ جن کا بے بی بھیجتے ہیں‘ اسپتال والے ان ہی کو دیتے ہیں۔“ سات سالہ زارون کو وہ اور کیا سمجھاتی‘ وہ دل گرفتہ ہو گیا۔

"اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کیوں نہیں بھیجتے؟"

"تمہیں کرنا بھی کیا ہے بے بی کا' کتنا تنگ کرتے ہیں چھوٹے بے بیز' دیکھا ہے نا فاران کو' کتنا روتا ہے' ثمن آنٹی کو بھی تنگ کرتا ہے۔ ایلیا بھی ڈسٹرب ہوتی ہے۔"

"ابھی چھوٹا ہے تو روتا ہے نا' بڑا ہو کر تو اس کے ساتھ کھیلے گا نا؟"

"وہ تمہارے ساتھ بھی تو کھیلے گا نا' تمہاری بھی بھائی ہے وہ۔"

"نہیں وہ صرف ایلیا کا بھائی ہے' میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔" وہ اندر چلا گیا۔ ہما حیران پریشان اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

ایلیا سے اس کی بہت دوستی تھی۔ وہ اس سے دو سال چھوٹی تھی' اس کی دیکھا دیکھی وہ بھی درختوں پر چڑھ جاتی اور دونوں وہیں بیٹھ کر گپ شپ کرتے۔ ثمن منتیں کرتی۔

"پلیز زارون۔ میرے فاران کو بھی اپنے ساتھ کھلایا کرو نا' تم دونوں ہی ہر وقت کھیلتے رہتے ہو' میرا فاران اکیلا رہ جاتا ہے۔"

"نہیں یہ بہت چھوٹا ہے' ہم اسے نہیں کھلائیں گے' آپ اس کے لیے کوئی دوسرا بہن بھائی لے آئیں۔" اس نے قطعی جواب دیا۔

"ہاں اتنا ہی آسان ہے۔ بہن بھائی لانا۔" ثمن کو ہنسی آگئی۔

"آپ کے لیے تو بہت آسان ہے۔" اس نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

"آپ کو تو اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں' بس ہمیں نہیں دیتے۔"

"تمہیں کس نے کہا' تمہیں نہیں دیے؟" وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"مجھے نہیں ممی کو نہیں دیے' میں تو بڑا ہو کر بہت سارے بے بیز لے آؤں گا۔"

"کیا کرو گے' بہت سارے بے بیز کا؟" ثمن کو لطف آنے لگا۔

"کچھ نہیں' بس ادھر ادھر کھیلیں گے نا۔" اس کے مدبرانہ جواب پر ثمن ہنسی سے بے حال ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ان دنوں ہارون اسکاٹ لینڈ گئے ہوئے تھے' وہ سارا دن کھیل کود میں مصروف رہتا۔ اس دن اس کی طبیعت کچھ گڑبڑ سی ہو رہی تھی۔ اس نے چھپانے کی کوشش کی مگر شام تک بدحال ہو گیا' ہما کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ڈاکٹر کو گھر بلوایا گیا۔ اس نے لو کا اثر بتایا' ڈرپ لگائی اور پٹیاں رکھنے کو کہا' ثمن اور جبران بھی وہیں بیٹھے رہے تھے۔ پھر اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب باتوں کی آواز پر وہ جاگا تھا۔

"میری تو بالکل نہیں سنتا' میں تو کہتی ہوں سارے درخت ہی کٹوا دیں' نہ ہوں گے نہ اوپر چڑھے گا۔"

"کسی بندر کا جھوٹا تو نہیں کھالیا تھا اس نے کہ درختوں سے اترنے کا نام نہیں لیتا۔" وہ حیران رہ گیا۔ یہ تو پاپا تھے جانے کب آئے' وہ اس کے قریب بیٹھے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہے تھے۔

"میں یہیں ہوں اس کے پاس' تم سارا دن اس کے ساتھ لگی رہی ہو' جاؤ' سو جاؤ۔"

"لیکن۔۔۔" ہما نے کچھ کہنا چاہا' مگر ہارون نے روک دیا۔

"جاؤ شاباش سو جاؤ جا کر۔" وہ گڈ نائٹ کہہ کر چلی گئی۔ انہوں نے لیٹ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ ان کے خوشبودار وجود میں گم ہو کر وہ لمحوں میں نیند کی وادی میں کھو گیا۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو پاپا اسی کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

"گڈ مارننگ۔"

"گڈ مارننگ پاپا۔"

عین اسی پل ہما اندر آئی تھی۔ "گڈ مارننگ' اٹھ گئے ہیں تو آجائیں' ناشتا تیار ہے۔" ہارون اپنے کمرے میں چلے گئے اور وہ واش روم میں۔

"یہ تھوڑا سا اور بڑا ہو جائے تو ہم اس کی شادی

کردیں گے۔" ہما کے اچانک کہنے پر ہارون کو اچھو لگ گیا۔

"خدا کا خوف کرو ہما اتنے سے بچے کی شادی کرو گی تم، تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

"ابھی نہیں، مگر دو تین سال کے بعد تو ضرور، جلدی شادی ہوگی تو بچے بھی جلدی ہوں گے، کتنی رونق ہو جائے گی نا گھر میں؟"

"رونق ہوگی یا نہیں، ہنگامہ البتہ خوب ہوگا۔ اتنا سا یہ خود ہے چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ ہی ہوں گے ذرا سا تنگ کریں گے تو یہ تو ان کا حشر بگاڑ دے گا، فاران کو رونا دیکھ لے تو یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اپنے بچوں کا تو نجانے کیا حال کرے گا۔" ہارون نے ایسا نقشہ کھینچا کہ ہما ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔

"ویسے ہارون تصور تو کریں اس کے بچوں کا، صرف تصور ہی کتنا پیارا لگتا ہے۔"

"میں کوئی فضول تصور نہیں کرنا چاہتا اور تم بھی یہ فضول باتیں رہنے دو۔ اس کا بھی دماغ خراب ہوگا۔ میں اسے اسٹڈیز میں ہارڈ ورک کرتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کی ساری توجہ وہیں ہونی چاہیے۔ بیوی بچوں میں پڑ گیا تو کیا خاک پڑھے گا۔" ہارون نے ناراضی سے کہتے ہوئے زارون کی طرف دیکھا جو اپنی چمکیلی سمندر جیسی آنکھیں ان پر ٹکائے بڑے غور سے ان کی بات سن رہا تھا۔

"کیوں زارون کرو گے نا شادی؟" ہما کے استفسار پر اس نے جھٹ سر ہلایا۔

"جی ممی۔" ہما کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہارون نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے دیکھا وہ تائید طلب نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"آپ بھی ایگری ہو اپنی ممی سے؟"

"جی پاپا۔"

"اسٹڈیز میں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"نو پاپا۔"

"چلو دیکھتے ہیں، یہ اپنا اے لیول تو کر لے۔" انہوں نے ہار مان لی۔

"پاپا وری گریٹ۔" وہ نعرہ لگاتا باہر بھاگ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہما نے اپنے کہے پر عمل کر دکھایا۔ جیسے ہی اس کے سمسٹرز ختم ہوئے، وہ رشتہ لے کر جبران اور ثمن کے پاس پہنچ گئی۔ وہ دونوں تو ہکا بکا رہ گئے۔

"زارون اور ایلیا کی شادی ابھی سے ابھی تو وہ بہت چھوٹے ہیں، کچھ تو میچور ہو جائیں۔"

"یہ تو حد ہے ہما یہ تو بچوں کے ساتھ بھی زیادتی ہے۔" ثمن نے احتجاج کیا۔

"واہ میرا بیٹا تو اتنا خوش ہے اپنی شادی کے ذکر سے، کوئی پرابلم (معاشی مسئلہ) فائنانشل تو ہے نہیں، سب کچھ زارون کا ہی ہے، بس وہ تنہائی فیل کرتا ہے تو ہم دونوں چاہتے ہیں اس کی شادی کر دیں۔"

"خیر میں تو بالکل نہیں چاہتا، ابھی سے ان جھنجٹوں میں پھنس گیا تو پڑھے گا کیا خاک۔ میرا تو دماغ گھوما ہوا ہے۔" ہارون نے جھنجلا کر ٹوکا تھا۔

"آپ کا دماغ گھومتا رہے، مجھے اپنے بچے کی خوشیاں دیکھنی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے بچے اس گھر میں کھیلیں گے، شور مچائیں گے تو یہ سناٹا ٹوٹے گا، آپ کا کیا ہے، آپ گھر میں رہتے ہی کتنا ہیں۔ سارا دن اس بھائیں بھائیں کرتے گھر میں، زارون اور میں بور ہوتے رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے کر لو اپنی مرضی بعد میں گلہ مت کرنا۔ یہ بچے جو آج خیالوں میں آ رہے ہیں تو بڑی خوش ہو رہی ہو، کل ان ہی کو مورد الزام ٹھہراؤ گی، زارون تو بچوں کا اتنا دیوانہ ہے کہ ان کے ساتھ لگ کر شاید ہی پڑھ پائے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا، تم لوگ جواب دو۔"

"مجھے تو یہ سب بہت قبل از وقت لگ رہا ہے۔"

"تمہیں کوئی شکایت ہوئی تو مجھ سے کہنا، میں ایلیا کا ذمہ لیتی ہوں، ویسے بھی تم دیکھنا زارون ایلیا کو کتنا خوش رکھے گا، کرنی تو ہے ہی دونوں کی شادی، دیر سے کریں یا جلدی۔"

ہما کے مضبوط ارادے کے آگے سب ہی ہار مان گئے تھے اور کیا دھوم دھام سے ہوئی تھی شادی 'شہر کی تقریبا" ساری ہی کریم جمع تھی۔ دور دور سے رشتے دار اور دوست احباب شریک ہوئے تھے 'ہر کوئی حیران تھا۔

"بہت جلدی نہیں کی آپ نے بیٹے کی شادی کی؟" ہارون بس مسکرادیے 'زارون کو دیکھ کر تو انہیں ہما کی بات کا یقین آگیا تھا کہ وہ تنہا اداس رہتا تھا 'وہ اپنی شادی کو پوری طرح انجوائے کر رہا تھا 'بلکہ وہ کیا 'ایلیا بھی ' دونوں کم سن دولہا دلہن اپنی اس اہمیت کے پیش نظر جو اتنے سارے لوگوں کی مرکز نگاہ بن کر حاصل ہو رہی تھی 'خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

ان کی شادی کے ایک ماہ بعد ثمن کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ تو وہ سب وہاں چلے گئے 'زارون اور ہما بھی گئے تھے 'سوئم کے بعد واپس آگئے 'ہارون اپنی نئی شوگر مل ایبٹ آباد میں لگا رہے تھے 'اس لیے وہ وہاں مصروف تھے۔ ہما اور اس کی این جی او کی ساتھی خواتین ایک دور دراز گاؤں میں سلائی سینٹر کھول کر وہاں کی مفلس مگر ہنر مند خواتین کی مدد کرنا چاہتی تھیں 'ہما امدادی فنڈ میں دل کھول کر حصہ ڈالتی تھی 'اس کی ساتھی خواتین چاہتی تھیں کہ وہ ان کے ساتھ چلے اور اپنی آنکھوں سے ان مفلوک الحال خواتین کی حالت زار دیکھے۔ وہ زارون کے خیال سے جانے میں متامل تھی 'وہ پیچھے بالکل اکیلا رہ جاتا۔

"آپ چلی جائیں ممی 'مجھے تو سہیل اور داور کئی دنوں سے مری جانے کے لیے اصرار کر رہے ہیں 'میں ہی نہیں مانا تھا لیکن اب اکیلا گھر پر رہنے سے تو بہتر یہی ہے کہ میں ان کی آفر ایکسپٹ (قبول) کر لوں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے 'ویسے ان جگہوں پر تو تمہیں ایلیا کے ساتھ جانا چاہتے تھا۔"

"تو ممی آپ نے بھیجا ہی نہیں۔" وہ بھی ہما کے شرارت سے کہنے پر جوابا" شریر ہوا۔

"چلو اب ایلیا آتی ہے تو پروگرام بنانے ہیں۔" یوں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مری آگیا۔ دوسرے دن وہ گھوم پھر کر رات کے وقت اپنے ہوٹل پہنچے 'کھانا آرڈر کر کے وہ سیدھے ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ زارون کو ایک مانوس آواز سے متوجہ کیا تھا۔

"میری پرابلم سمجھو ماریا 'میں ابھی تمہیں یہاں شفٹ نہیں کر سکتا 'ہاں اگر لاہور میں رہ سکتی ہو تو سوچا جا سکتا ہے 'وہاں میں ہفتے دس دن میں ہمیں بھی چکر لگا سکتا ہوں۔" رواں انگلش میں کی جانے والی گفتگو۔

"پاپا۔" زارون بہت آہستگی سے مڑا 'ساتھ والی ٹیبل پر موجود مرد کی پشت تھی 'اس کی طرف سے مگر پھر بھی زارون نے پہچان لیا۔ وہ ہارون ہی تھے 'ایک غیر ملکی عورت اور اس سے ملتی جلتی آٹھ 'نو سال کی لڑکی ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"نہیں ہارون 'مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے 'تم نے وعدہ کیا تھا نوا کے بڑے ہونے پر ہمیں اپنے پاس بلالو گے۔"

"ہاں تو میں نے کب انکار کیا ہے 'میں تو خود نوا کو بہت مس کرتا ہوں 'اسی کی خاطر تو اتنا بڑا اسٹیپ لیا اور تم سے شادی کر لی ورنہ مجھے اس کی کوئی ضرورت تو نہیں تھی 'ہمارے ٹرمز تو ویسے بھی اچھے خاصے چل رہے تھے۔"

"نوا کی خاطر کیا مطلب 'میرے لیے تمہارے دل میں کچھ بھی نہیں تھا؟" عورت کی آواز میں واضح ناراضی تھی۔

"اوہ ماریا پلیز 'اب کیا بچی کے سامنے رومانٹک سین کروانا چاہتی ہو 'اگر تمہارے لیے میرے دل میں کچھ نہ ہوتا تو ہمارا تعلق ویسے ہی ختم ہو جاتا 'جیسے عموما" اس طرح کے تعلقات ہو جاتے ہیں 'تم نے تو مجھے یوں گرفتار کیا ہے کہ۔۔۔"

"مجھے ڈائیلاگ سے مت بہلاؤ ہارون 'میں نے تمہارے لیے بہت کچھ چھوڑ دیا۔" "تم مجھے مستقل سیٹل نہیں کر سکتے۔"

"کم آن ماریا 'مجھے کچھ سوچنے دو 'ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں مری میں تمہارے لیے ریزیڈینس کا انتظام کر دوں۔"

"آپ ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے۔" بچی نے سوال کیا۔
"ساتھ ہی سمجھو' ہر دو دن بعد آجایا کروں گا۔" وہ تینوں کھانا کھا کر اسی طرح باتیں کرتے وہاں سے چلے گئے اور زارون۔۔۔۔ اس کے اندر تو وہ قیامت بپا تھی کہ نہ کچھ سنائی دے رہا تھا نہ دکھائی' دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ پتھرایا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے دوستوں کی نظر ہارون پر نہیں پڑی تھی اور نہ ہی ہارون نے انہیں دیکھا تھا۔
"میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں' تم کمرے میں چلے جانا۔" انہیں حیرت سے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ پھیکا سا مسکرایا اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ دماغ میں ایسا ہیجان تھا کہ دل چاہ رہا تھا جا کر ہارون کا گریبان پکڑ لے' ان سے پوچھے کہ انہوں نے اس کی ممی سے اتنی بڑی بے وفائی کیسے کرلی۔ وہ اتنے سالوں سے راہ بدل کر چلتے رہے اور انہیں خبر بھی نہیں ہوئی' اتنی بڑی بیٹی اور کیسے تعلق کا نتیجہ کہ اس کی پیدائش کے بعد انہوں نے شادی کی تھی' یہ اس کے بے مثال پاپا تھے' جن کے لیے وہ اپنے دل میں ڈھیروں احترام اور محبت رکھتا تھا۔ اب اسے ان سے گھن آرہی تھی۔ کتنی ہی دیر یوں ہی گھومنے کے بعد وہ ہوٹل واپس آگیا۔
ریسپشن سے ان کا روم نمبر معلوم کرکے دروازے پر اس نے پوچھا۔
دستک دی' اندر سے ہارون نے پوچھا تھا۔
"کون ہے؟"
"میں ہوں' دروازہ کھولیں۔" وہ بولا تو اپنی ہی آواز سن کر حیران رہ گیا۔ اندر کی کیفیات میں تغیر برپا ہو تو آوازیں بھی ان کی عکاس بن جایا کرتی ہیں۔ اس کی بدلی ہوئی آواز کو ہارون بھی نہیں پہچان پائے تھے' دروازہ کھول کر باہر آئے تو سامنے کھڑے زارون کو دیکھ کر چکرا گئے' پھر خود پر قابو پا کر آگے آئے اور ہاتھ پیچھے کرکے دروازہ بند کردیا۔
"تم یہاں کیسے آئے' میرا کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟" وہ انہیں دیکھتا رہا بغیر پلکیں جھپکائے۔

"کیا بات ہے' ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"
"وہ عورت اور لڑکی کون ہیں جو گھنٹہ بھر پہلے آپ کے ساتھ نیچے ہال میں تھیں اور جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے میں نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔" وہ سرگوشی سے کچھ ہی بلند آواز میں بولا تھا۔ ہارون کے نزدیک ہی کہیں بم پھٹا تھا۔ وہ ایسے ہی بدک کر پیچھے ہوئے تھے۔ اسے اتنا چپ دیکھ کر ان کے دل میں جو اندیشہ پیدا ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوگیا تھا۔
"دیکھو زارون' میری بات غور سے سنو' تمہیں اگر کچھ پتا چل بھی گیا ہے تو بہتر یہی ہے کہ اسے خود تک محدود رکھو ورنہ میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا' تم بہت نقصان اٹھاؤ گے۔" ان کا لہجہ بہت سخت تھا اور تاثرات اس سے بھی زیادہ۔
"میں آرام سے تمہاری ممی سے بات کرلوں گا' تم اپنے الفاظ میں کچھ بھی بتانے کی کوشش مت کرنا' اس کا نتیجہ یقیناً" اچھا نہیں نکلے گا' اب تم جاؤ اپنے روم میں۔" اسے حکم دے کر وہ اندر کمرے میں چلے گئے اور وہ کتنی ہی دیر وہیں کھڑا رہا تھا پھر بہت مشکل سے اپنے من من وزنی پاؤں گھسیٹتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔
یہ تو ہارون نے بلاوجہ ہی کہا تھا کہ وہ اپنی ممی کو کچھ نہ بتائے' اس میں اتنا حوصلہ ہی کہاں تھا کہ وہ انہیں یہ اتنی بڑی خبر سناپاتا' وہ جو پاپا پر اندھا اعتماد کرتی تھیں' ان سے اتنی محبت کرتی تھیں کہ کبھی عام بیویوں کی طرح ان کی کھوج نہیں لگائی' ان کے کہنے پر آنکھیں بند کرکے یقین کرنے والی اس کی ماں یہ کیسے سہ پائے گی۔

☆ ☆ ☆

ہارون واپس ایبٹ آباد چلے گئے تھے' اس نے بھی سہیل اور داور کو زچ کرکے واپسی کے لیے مجبور کردیا تھا۔ گھر آیا تو ہما بھی آچکی تھی' زارون کے دل پر موجود بوجھ مزید بڑھ گیا تھا اندر ہی اندر برداشت کرنے کا نتیجہ شدید بخار کی صورت میں نکلا تھا۔ ہما تو سب کچھ بھول بھال' اس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہی تھی' گھر میں کوئی تھا بھی نہیں' نہ ہارون نہ جبران' نہ ثمن نہ ایلیا اور فاران'

اف کیا کروں۔

"زارون، زونی میرا بچہ۔" اس نے اس کے گال تھپتھپائے۔

"ہمی۔" اس نے ہما کے ہاتھ پکڑے۔

"پاپا بہت برے ہیں، وہ مری میں۔۔۔ ہوٹل میں۔۔۔ وہ لڑکی انہیں پاپا کہہ رہی۔۔۔ وہ عورت۔۔۔ وہ بھی گندی۔۔۔ پاپا نے کہا۔۔۔ اپنی ممی کو نہیں بتانا۔۔۔ میں آپ کو۔۔۔ نہیں، ممی پاپا اچھے نہیں۔۔۔ وہ مجھے۔۔۔" وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا اس لیے اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ اتنے دنوں سے جو راز دل میں چھپائے پھر رہا ہے، وہ عالم مدہوشی میں خود ہی فاش کر چکا ہے۔

لیکن ہما تو اپنے حواسوں میں تھی نا اس نے ٹوٹے پھوٹے جملوں میں، جو کچھ بھی کہا تھا، وہ ہما نے بخوبی سنا تھا اور سمجھ بھی لیا تھا۔ اس کے اندر آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔ دل میں ایسا درد اٹھا کہ وہ بے حال ہونے لگی، اتنی بڑی بے وفائی، ہارون نے اس کے ساتھ اتنی بے وفائی کر ڈالی اور اسے کچھ علم ہی نہیں۔

وہ اپنی خوش گمانیوں میں رہی کہ وہ ان کی بیوی، ان کے واحد بچے کی ماں ہے اور وہ بھی اس کے ساتھ اتنے ہی وفادار ہیں جتنی کہ وہ ان کے ساتھ، لیکن سارا بھرم ٹوٹ گیا، ان کی نہ صرف ایک اور بیوی موجود تھی بلکہ بیٹی بھی، زارون صرف اس کی اکلوتی اولاد تھا، ہارون کی نہیں، اس ٹوٹے ہوئے، زخمی وجود کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر گر گئی۔ رات دو بجے کا عمل تھا جب ہارون گھر آئے تھے، اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئے تو ہما کو بے ترتیبی سے لیٹے دیکھ کر وہ آگے بڑھے اور اسے سیدھا کیا، اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور سانس ناہموار، وہ گھبرا گئے۔

"ہما، ہما کیا ہوا۔" جواب نہ پاکر انہوں نے اس کی نبض دیکھی، وہ رک رک کر چل رہی تھی انہوں نے گھبرا کر جبران کو فون کیا، وہ جاگ ہی رہے تھے، آئے تو ان کی مدد سے اسے گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے گئے، جہاں ڈاکٹرز نے ہارٹ اٹیک بتا کر اسے فوراً CCU میں شفٹ کر دیا۔ دوسرے دن ہما کی طبیعت تھوڑی دیر سنبھلی تو وہ ڈاکٹر کی اجازت سے اندر داخل ہوئے۔

"ہما، طبیعت اب کیسی ہے؟" انہوں نے پکارا، اس کی پلکوں میں لرزش ہوئی اور تھوڑی سی آنکھیں کھلیں۔

"آپ آپ بہت برے ہیں، بہت دھوکے باز ہیں۔" بہت دھیمی آواز میں اس نے کہا تھا، وہ شاکڈ رہ گئے، انہیں زارون سے جو خطرہ تھا، اس نے وہی کیا تھا۔

"میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا ہما، تم ٹھیک ہو جاؤ، میں تمہیں سب بتا دوں گا۔"

"کیا بتاؤں گے، میرا مان، بھرم ٹوٹ گیا، میرا بیٹا کیا گزری ہوگی اس پر کہ وہ اتنا بیمار ہو گیا۔"

"ہما میرا یقین کرو، میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں، صرف تم سے، وہ سب تو یوں ہی۔۔۔" اس نے جواب میں پہلی بار پوری آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا تھا، کیا نہیں تھا ان میں، ملامت، دکھ، غصہ، اعتماد کا خون کر دینے کا الزام۔ اتنے میں ڈاکٹر اندر آیا۔

"پلیز اب آپ جائیں، اتنی باتیں پیشنٹ کے لیے ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ باہر آئے تو جبران نے پوچھا

"اب کیسی ہیں بھابھی؟"

"بہتر ہے۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"زارون کو دوائیں دے کر سلا آیا ہوں، بار بار بھابھی کا پوچھ رہا تھا۔ میں نے کہا یوں ہی تھوڑی سی طبیعت خراب تھی تو ہارون بھائی ڈاکٹر کے پاس لے گئے ہیں، ثمن کو میں نے آنے کا کہا ہے۔" جبران نے پریشانی کے عالم میں پیشانی مسلی۔ "ہارون نے کچھ نہیں کہا۔

(باقی آئندہ)

✡ ✡

بشریٰ گوندل
غم جُدا ہے سونا

"حورعین... حورعین، کہاں ہو بھئی... میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گیا ہوں پورے گھر میں اور تم یہاں اسٹور میں کیا کر رہی ہو..."

ولید سیڑھیاں پھلانگتا ہانپتا ہوا اسے تلاش کرتا اسٹور میں آگھسا۔

"ہونہہ! پورا گھر تو تم ایسے کہہ رہے ہو جیسے دو کنال کی کوٹھی میں مجھے تلاش کر کر کے تم تھک گئے ہو۔"

"اچھا اس کا مطلب ہے تمہیں پانچ مرلے کے گھر کی بجائے دو کنال کی کوٹھی چاہیے...؟" استری اسٹینڈ پہ پھیلے کپڑوں کا ڈھیر ہٹا کر وہ آرام سے اوپر بیٹھ گیا۔

"جی نہیں! ہٹو یہاں سے جاؤ مجھے کام کرنے دو۔ دیکھو میری شرٹ کی ساری پریس خراب کر دی ہے۔" اس کے نیچے دبی اپنی شرٹ نکالتے ہوئے وہ غصے سے بولی۔

"اف... ایک تو تمہیں غصہ بہت آتا ہے۔"
ان کو آتا ہے پیار پہ غصہ... اور ہم کو
ان کے غصے پہ پیار آتا ہے

وہ گنگنانے لگا... تبھی نیچے سے دادی جان کی آواز سنائی دی۔

"حور بیٹی میرا دوپٹا اگر استری ہو گیا ہو تو لے آؤ۔"

"اوہ... دادی جان کا دوپٹا کب کا انہوں نے دیا تھا استری کرنے کے لیے 'نیچے اترو۔' اس نے دھکا دے کر ولید کو نیچے گرایا تو وہ ہائے وائے کرنے لگا۔

"ہائے کتنی ظالم ہو تم... بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔" وہ گنگناتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا پھر ایک دم پلٹ آیا۔

"میں جس کام کے لیے آیا تھا وہ تو بھول ہی گیا۔ میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ میں کیسا لگ رہا ہوں؟" ولید نے استری اس کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے اسے اپنی طرف گھمایا۔

"میری طرف دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ میں کیسا لگ رہا ہوں۔"

"صرف یہ پوچھنے کے لیے تم نے میرا ایک گھنٹا ضائع کر دیا۔" حورعین نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہوں... ٹھیک لگ رہے ہو۔" سرسری سا اس کی طرف دیکھ کر وہ دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"کیا...؟ اتنے اہتمام سے میں تیار ہوا ہوں اور تم کہہ رہی ہو صرف ٹھیک تعریف نہیں کر سکتی ہو کنجوس۔"

"تو اور کیا کروں..."

"تم کچھ نہ کہو وہاں ہزاروں لڑکیاں ہوں گی میری تعریف کرنے کے لیے بے تاب۔ تم اپنے قیمتی الفاظ رکھو اپنے پاس سنبھال کے۔" وہ تن فن کرتا سیڑھیاں اتر گیا تو حورعین بھی دادی جان کا دوپٹا لے کر نیچے آگئی اب وہ دادی جان کے سامنے کھڑا تھا۔

"بتائیں دادی جان، کیسا لگ رہا ہوں...؟"

"ماشاء اللہ چشم بد دور۔ بالکل شہزادے لگ رہے ہو۔" وہ جھکا تو دادی جان نے اس کی پیشانی چوم لی، وہ ایڑیوں پر گھومتے ہوئے پیچھے کھڑی حورعین کی طرف پلٹا اور سرگوشی میں بولا۔

"اتنا تو تم بھی کہہ سکتی تھیں مکھی چوس۔"

"ہونہہ!" وہ سر جھٹک کر پلٹ گئی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ مقابل کی پرسنالٹی نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں ہے گرے پینٹ اور بلو لائننگ والی شرٹ میں وہ نکھرا نکھرا اور خوشبوؤں میں بسا ہوا اتنا وجیہہ اور ہینڈسم لگ رہا تھا کہ حد نہیں۔ وہ خوب صورت نقش و نگار کا حامل تھا پھر اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ بھی تھا خود کو مین ٹین رکھتا بے شکن اور اجلا لباس اور خوشبوؤں میں مہکا مہکا اور وہ ٹھیک ہی کہتا تھا کہ لڑکیاں اس پر مرتی ہیں۔

وہ کچن کی کھڑکی میں سے ولید کو دیکھتے ہوئے اسی کے متعلق سوچ رہی تھی اور وہ دادی جان سے بات کرتے ہوئے حورعین کا خود پر ارتکاز محسوس کرتے ہوئے قدرے شوخ ہوا۔

"دادی جان مجھے لگتا ہے کہ آج مجھے کسی نہ کسی کی نظر لگ جائے گی۔"

"ہائے کیوں خیری صلا۔"

"بھئی ظاہر ہے جب کوئی اتنے پیار سے' اتنی فرصت سے دیکھے گا تو نظر تو لگے گی ہی۔" اور اپنی بے اختیاری پر حور عین جھینپ گئی۔ اف کیا ضرورت تھی ایسی بھی کیا بے خودی۔

"چلو ولید کافی دیر ہو گئی ہے لگتا ہے سب سے آخری مہمان ہم ہی ہوں گے۔" تائی جان چادر اوڑھتے ہوئے اندر سے برآمد ہوئیں۔

"کیا خیال ہے امی' حور عین کو بھی نہ لے چلیں؟"

"لو میں نے کب منع کیا ہے' بلکہ میں نے تو صبح ہی اسے کہا تھا لیکن یہ کہتی ہے کہ اسے آنے جانے کا زیادہ شوق ہی نہیں۔" ولید کھڑکی سے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

"چلی چلو نا اور کچھ نہیں تو میرے لیے کوئی لڑکی ہی پسند کر لینا۔"

"یہ کام تم خود زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتے ہو۔" وہ اپنے کام میں مصروف رہ کر بولی۔

"لیکن مجھے تمہاری پسند پر بھروسا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ۔۔۔"

"حور تم بھی آجاتیں تو اتنا مزا آنا تھا ال کرا نجوائے کرتے۔" شہرینہ بھی تیار ہو کے آگئی تھی۔

"نہیں' میرا موڈ نہیں ہے۔ تم لوگ جاؤ۔۔۔ اور ہاں۔۔۔" اس نے شہرینہ کو سراہتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔"

"تھینک یو۔" وہ بیگ اور چادر سنبھالتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

"ہاں صرف یہی ایک پیاری لگ رہی ہے نا۔۔۔ دوسروں کی ہی تعریفیں کرتی رہنا تم۔" فریج سے چابی اٹھاتے ہوئے وہ آہستگی سے کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"اچھا دادی جان میں جا رہا ہوں اپنا بہت زیادہ خیال رکھیے گا۔" گیٹ بند کرتے ہوئے وہ با آواز بلند بولا تو حور عین سر جھٹک کر دادی کے پاس آگئی۔

"دادی جان آپ کھانا کس وقت کھائیں گی اگر کہیں تو میں ابھی روٹی پکا دوں۔۔۔؟"

"نہیں تھوڑی دیر بعد پکا لینا جب تمہارا دل چاہے تو' ابھی ویسے بھی مجھے کچھ خاص بھوک نہیں۔" دادی جان بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولیں۔

"اچھا جیسے آپ کی مرضی' چلیں میں آپ کی ٹانگیں دباتی ہوں اور پاؤں پر سرسوں کے تیل کی مالش کرتی ہوں۔" وہ تیل کی بوتل اٹھا لائی اور دادی جان کی پنڈلیوں اور پاؤں پر آہستہ آہستہ مالش کرنے لگی۔ دادی جان مسلسل اسے دعائیں دینے لگیں۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا اور دادی جان کی بھی وہی روزمرہ والی دعائیں' وہ دل ہی دل میں آمین کہتی جاتی۔

تائی جان' ولید اور شہرینہ رات میں بہت دیر سے آئے تھے۔ دادی جان نے تو نماز اور لمبے وظائف کے بعد ابھی سونے کی تیاری کی تھی جبکہ حور عین نماز پڑھ کر کمبل میں غائب ہو چکی تھی' جبکہ آنکھوں میں نیند کا نام و نشان بھی نہیں تھا کروٹیں بدل رہی تھی تبھی کھٹکا ہوا شہرینہ اور تائی جان اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ مانوس قدموں کی آشنا چاپ جب دروازے پر رکی تو حور عین سانس روک کر سوتی بن گئی وہ پھر بھی اندر چلا آیا بہت آہستگی سے حور عین کے چہرے سے کمبل ہٹایا کچھ دیر دیکھتا رہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی ظاہر ہے سو جو رہی تھی مگر پلکوں کی خفیف سی جنبش سارے راز عیاں کر رہی تھی۔ ہونٹوں میں ہنسی دباتے ہوئے ولید نے کمبل دوبارہ سے چہرے پر ڈال دیا۔

"ارے آپ لوگ تو لگتا ہے واقعی سو گئے ہیں۔" پھر وہ دادی جان کے بیڈ پر جا بیٹھا اور ان کا کندھا ہلاتے ہوئے بولا۔

"دادی جان اتنی جلدی سو گئی ہیں آپ۔۔۔؟"

"جلدی کہاں گیارہ سے اوپر ہو رہے ہیں۔" دادی جان غنودگی میں بولیں۔

"تو کیا ہوا۔۔۔ بارہ تو نہیں بجے نا' اٹھیں میں آپ کو شادی کا احوال سناؤں۔۔۔ میں کیا بتاؤں آپ کو کہ مجھے کتنا پروٹوکول دیا گیا وہاں۔۔۔ لڑکیاں تو مر رہی تھیں میری پرسنالٹی پر' میری ڈریسنگ پر اور۔۔۔"

اور اس سے زیادہ حور عین کی برداشت ختم ہو گئی۔
"یہ احوال تم صبح بھی سنا سکتے ہو کہ تمہیں دیکھ کر کتنی فوت ہو گئیں۔۔۔ اب دادی جان کو نیند سے کیوں اٹھا رہے ہو۔" وہ ناگواری سے بولی تو ولید کا قہقہہ بلند ہوا۔
"تم تو سو رہی تھیں غالباً"۔۔۔ چلو انہیں نہیں اٹھاتا۔" وہ بڑے آرام سے دادی جان کے بیڈ سے اٹھ کر اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھا۔
"میں بھی سو رہی ہوں۔" اس نے ایک بار پھر چہرے پر کمبل تان لیا۔
"تم اگر سو جاؤ گی تو چائے کون بنائے گا۔" ولید نے مزید ٹانگیں اس کے بیڈ پر رکھ لیں۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے جاؤ یہاں سے۔" وہ سلگی۔
"بدتمیزی ہے تو ہوا کرے' چائے پی کر جاؤں گا۔" وہ مزید پھیلا۔
"یا اللہ یہ چائے کا کون سا وقت ہے وہاں انہوں نے چائے نہیں دی جہاں گئے تھے۔۔۔؟"
"دی تھی لیکن تمہیں تو پتا ہے مجھے صرف تمہارے ہاتھ کی چائے ہی چاہیے ہوتی ہے' چلو اٹھو ہری اپ۔" اس نے کمبل اتار کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی۔
"جتنی مرضی گالیاں دے لو' میں چائے ضرور پیوں گا۔"
"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے گالیاں دینے کی۔" وہ بھناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور تکیے کے نیچے تہہ کر کے رکھا دوپٹا اٹھا کر گلے میں ڈالا اور کمرے سے نکل گئی۔
چائے میں پتی ڈالتے ہوئے اس کا دل چاہا کہ چینی کی جگہ ڈھیروں ڈھیر نمک ڈال دے۔۔۔ مگر پھر دوبارہ سے چائے بھی تو اس کو بنانا پڑتی۔ ریک سے مگ اتار کر اس نے چائے ڈالی اور ٹرے میں رکھ کر کچن کی لائٹ آف کر کے دروازہ بند کیا ٹرے اٹھائے جب اندر آئی تو ولید وہاں موجود نہیں تھا فقط دادی جان تھیں اور ان کے گونجتے خراٹے۔
اس نے برآمدے میں نکل کر دیکھا اس کے کمرے سے ہلکے ہلکے گنگنانے کی آواز آرہی تھی وہ اسی طرف چلی آئی دروازے پہ ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر چلی آئی تو ولید لباس تبدیل کر کے اطمینان سے بیٹھا تھا۔
اس نے خاموشی سے چائے کا مگ ٹیبل پر رکھا۔
"شاباش! وہ اسے دیکھتے ہی چہکا۔" تجھئی کزن ہو تو تمہارے جیسی فرماں بردار اور سگھڑ۔۔۔ پھر چائے میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے جیسی کوئی نہیں بناتا۔ تم گالیاں دے کر بھی بناؤ تو بھی یوں لگتا ہے جیسے بہت محبت سے بنائی ہے۔"
اس نے کوئی جواب نہ دیا خاموشی سے جانے لگی کہ اس نے پکار لیا۔
"جا کہاں رہی ہو۔" بیٹھو نا۔
"نیند آرہی ہے مجھے۔" اس نے جمائی روکتے ہوئے جواب دیا۔
"سو جانا اتنی جلدی کیا ہے کم از کم میرے چائے پینے تک تو بیٹھو۔"
"نہیں' بس میں جا رہی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس رات وہ کتنی دیر تک ولید کے بارے میں سوچتی رہی۔۔۔ اب وہ اکثر اس کی سوچوں میں آتا تو پھر راتوں کا پچھلا پہر ہو جاتا اور وہ اس کی سوچوں سے نہ نکلتا۔ شعور کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہی وہ اس کے سپنے دیکھنے لگی تھی۔ وہ بچپن سے ہی ایسا تھا شرارتی' شوخ' ہنسنے' ہنسانے والا محفلوں کو زعفران بنانے والا ہر دلعزیز شخصیت کا مالک تھا۔ محفلوں میں وہ موجود ہوتا تو گویا میلے لوٹ لیتا اور جس جگہ نہیں ہوتا تو اس کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی تھی۔ حور عین کے ساتھ بھی اس کا رویہ ایسا ہی تھا کبھی اتنا مہربان ہوتا کہ بادل بن جاتا اور برس برس جاتا اور کبھی ایسا اجنبی اور کٹھور بن جاتا جیسے جانتا ہی نہیں ہو' پتا نہیں وہ کیا چاہتا تھا' وہ بالکل نہیں سمجھ پائی تھی۔ وہ اس کی مہربانیوں پر خوش ہوتی اور سنگدل رویے پر آزردہ ہو جاتی تھی۔ وہ دل

سے اس کی طلب گار تھی لیکن اس کا رویہ ہمیشہ مبہم ہوتا۔

اتنے برسوں میں کوئی ایک لمحہ ایسا نہیں تھا جس پر وہ گرفت کر سکتی۔۔۔ پھر وہ جانے کیوں خوابوں کے گھنے جنگلوں میں بھٹکتی رہتی، کبھی اسے دیکھ کر کوئی ہلکی سی سرگوشی کرتا، کبھی کوئی ذو معنی جملہ اس کی طرف اچھال دیتا تو اس کا دل بے طرح دھڑک جاتا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگتی مگر اس کے چہرے کے تاثرات بہت نارمل ہوتے ایسے دھوپ چھاؤں جیسے تعلق کا انجام خدا جانے کیا ہوگا۔

اس کے میٹرک میں اچھے نمبرز آئے تھے اور وہ مزید تعلیم کی خواہاں تھی لیکن گاؤں میں سہولت نہ ہونے کی بنا پر ابا اسے کسی صورت بھی ہوسٹل میں بھیجنے پر آمادہ نہ تھے۔ تایا جان کافی عرصے سے شہر میں مقیم تھے اور کبھی کبھار گاؤں کا چکر لگتا تھا۔ اس دفعہ تایا جان کا گاؤں کا چکر لگا تو واپسی پر ان کے ہمراہ دادی جان اور حورعین بھی تھیں۔ گاؤں سے آتے ہوئے حورعین کے دل میں کئی وسوسے تھے مگر ولید اور شہرینہ کے ساتھ ساتھ تائی جان نے بھی اسے کھلے دل سے ویلکم کہا اور کچھ ہی دنوں میں اسے گھر کا ہی فرد تصور کیا جانے لگا۔ ولید اس سے چار سال بڑا تھا اور شہرینہ اس کی ہم عمر تھی۔ اب اسے اس گھر میں آئے چوتھا سال تھا ولید بی کام کے بعد ایک فرم میں ملازم ہو چکا تھا۔ انہی سوچوں میں گم وہ نہ جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔ صبح شہرینہ کے ساتھ ناشتا بناتے ہوئے اس نے شہرینہ سے پوچھا۔

"رات شادی میں مزا آیا۔۔۔؟"

"ہاں بہت زیادہ۔ ابھی تو پارٹی شروع ہوئی تھی۔ میرا مطلب ابھی تو ہلا گلا اور رونق عروج پر تھی لیکن امی نے جلدی جلدی کا شور مچا دیا جبکہ ولید تو اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اور پتا ہے امی کی اٹلی والی کزن خالہ ثوبیہ بھی آئی ہوئی تھیں اور ان کی بیٹی جولی بھی، وہ اتنی خوب صورت ہو گئی ہے بچپن میں بھی پیاری تھی تھی لیکن اب تو اتنی پیاری کہ بس دیکھتے ہی رہو، انہیں اچانک دیکھ کر اور مل کر بہت خوشی ہوئی۔" شہرینہ خوش ہو کر تفصیل بتانے لگی۔ "آج ولیمہ میں تم بھی چلنا۔"

"میں نہیں جا سکوں گی کیونکہ دادی جان پیچھے سے اکیلی ہو جائیں گی۔" اسے فوراً جواز سوجھ گیا وہ ویسے بھی جانا نہیں چاہتی تھی تائی جان کے میکے والے اسے پسند نہیں تھے کیونکہ سیدھی سی بات تھی کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے، نہ جانے کیوں اسے ہر دفعہ ان سے مل کر مایوسی ہوتی تھی۔

"ہاں دادی جان کا مسئلہ تو ہے۔" شہرینہ اس سے اتفاق کرتے ہوئے بولی۔ "خیر آج واپسی پر ہم ثوبیہ خالہ اور جولی کو ساتھ لے کر آئیں گے انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ وہ لوگ کچھ دن ہمارے گھر رہیں گے۔"

جواباً وہ خاموش رہی یہ بھی نہ پوچھا کہ ثوبیہ خالہ کس سلسلے میں اور کتنے دن تک یہاں قیام کریں گی۔۔۔ کیونکہ ظاہر ہے یہ اس کا گھر نہیں تھا وہ تو خود مہمان تھی، آج نہیں تو کل اپنے گھر چلی جائے گی پھر وہ کیوں بازپرس کرتی۔

پھر شہرینہ آنے والے مہمانوں سے متعلق اور بھی بہت کچھ بتاتی رہی اور وہ نہایت بے دلی سے بس ہوں ہاں کرتی رہی اور ان لوگوں کے جانے کے بعد کوئی بوجھ سا اس کے دل پہ آن گرا اور یہ تو وہ جانتی تھی کہ وہ کچھ دنوں سے یونہی قنوطی سی ہوتی جا رہی ہے یونہی بلاوجہ اداس اور دکھی ہو جاتی آنکھیں بھر بھر آتیں بہت رونے کو دل کرتا، دل کے موسم پر ہر وقت اداسی کے بادل چھائے رہتے تھے نہ جانے یہ کیفیت کیوں تھی۔

اب بھی دادی جان کے پاس آتے آتے اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا تھا لیکن روکتے روکتے اس کے آنسو بہہ نکلے وہ دادی جان کی گود میں سر رکھ کے رو دی۔

"ارے۔۔۔ ارے کیا ہوا میری بچی رو کیوں رہی ہو، کسی نے کچھ کہا ہے کیا بتاؤ مجھے۔۔۔؟" دادی جان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی۔

"مجھے گھر یاد آرہا ہے امی ابو اور سارے لوگ۔۔۔"
وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔
"ہائیں، پچھلے مہینے ہی تو گئی تھیں پھر اتنی جلدی اداس ہو گئیں۔"
"ہاں اور اب میں جاؤں گی تو بہت سارا رہوں گی بلکہ واپس ہی نہیں آؤں گی۔۔۔ اور آپ کو بھی لے کر جاؤں گی۔" اس نے تقریباً ہچکیوں کے درمیان میں کہا۔

"اچھا اچھا روو مت، چلیں گے لیکن تمہاری پڑھائی کا حرج ہو گا۔" دادی جان متفکر سی تھیں۔
"ہوتا رہے۔" وہ نروٹھے پن سے بولی اور دادی جان سمجھی ہی نہیں کہ وہ اچانک کیوں ایسا کہہ رہی ہے۔ بس اسے بہلانے لگیں کیونکہ وہ اس کے آنسو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ بچوں کی تمام اولادوں میں سے حور عین انہیں سب سے زیادہ عزیز تھیں سعادت مند، فرماں بردار اور خدمت گزار۔۔۔
"ہاں دیکھو، کل تمہارے ابا کا فون آیا تھا گاؤں میں رشتہ داروں کے ہاں شادی ہے تو پھر سب مل کے ہی چلیں گے۔" دادی جان پھر ایک دم یاد آنے پہ بولیں۔
"ارے آج وہ تمہاری تائی کی کزن اور اس کی بیٹی بھی آ رہی ہیں ذرا ان کے لیے جگہ کا بندوبست کر لو رات کو کہاں سوئیں گی؟"
"فکر نہیں کریں آپ، ولید اپنا کمرہ پیش کر دے گا انہیں۔" اس نے جل کر کہا اور وہ جانے کیوں اندر سے جل رہی تھی گیلی لکڑی کی طرح دھواں دھواں ہو رہی تھی۔
"مگر ولید کہاں جائے گا۔۔۔؟"
"چھت پر۔۔۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور کچن میں جا کر دادی جان کے لیے روٹی پکانے لگی۔ خود اس کی تو آج جانے کیوں بھوک اڑی ہوئی تھی۔ پھر کھانے کے بعد دادی جان نے عشا کی نیت باندھ لی اور وہ یونہی بے دلی سے ٹی وی کے چینل سرچ کرنے لگی۔
کل کی نسبت آج سب لوگ جلدی آ گئے تھے

مہمان بھی ہمراہ تھے۔ ثوبیہ خالہ پہلے دادی جان کے پاس آئیں کچھ دیر بیٹھ کر ان کا حال احوال پوچھا اور سرسری انداز میں اسے بھی مخاطب کیا پھر جلد ہی تھکن کا بہانہ بنا کر اٹھ کر چلی گئیں۔ البتہ جولی بہت چہک رہی تھی اور اس کی چہکاریں چھوٹے سے گھر میں گونج رہی تھیں اور شہرینہ نے کتنا سچ کہا تھا وہ واقعی ایسی تھی کہ نظر ٹھہر جائے اور پھر ہٹنے کا نام ہی نہ لے، اوپر سے خوش مزاج اتنی کہ حد نہیں۔ لاؤنج سے آتی آوازیں اور بلند قہقہے دیر تک گونجتے رہے اس نے اٹھ کر دروازہ اور کھڑکی بند کر دی کیونکہ دادی جان اس شور کی وجہ سے سو نہیں پا رہی تھیں۔ پردے برابر کر کے اور لائٹ آف کر کے وہ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ شور کی آواز اب قدرے مدھم ہو گئی تھی لیکن شور پھر بھی اپنی جگہ برقرار تھا اور ایسا ہی کوئی شور اس کے اندر ہو رہا تھا جیسے کچھ چیزیں ٹوٹنے کا شور ہو۔۔۔ اور خواب تو ہوتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں! اس نے آنکھوں کو زور سے رگڑا آنکھوں میں جیسے مرچیں سی لگ رہی تھیں بے تحاشا جل رہی تھیں اور پانی بھی آ رہا تھا شاید گزشتہ رات سو نہیں پائی تھی اس لیے۔۔۔ اور ابھی وہ کروٹوں پہ کروٹیں بدل رہی تھی کہ ولید آ گیا۔
"خدانخواستہ تم سو تو نہیں رہیں۔۔۔؟"
"ہاں کیوں۔۔۔؟" وہ خاصی تپی ہوئی تھی تنک کر بولی۔
"کیوں کا کیا مطلب۔۔۔ تمہیں پتا تو ہے میری روٹین کا کہ میں سونے سے پہلے چائے پیتا ہوں اور چائے بھی تمہارے ہاتھ کی۔" وہ آرام سے اسی کے بستر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔
"میرے ہاتھ کی اور جب میں چلی جاؤں گی تب کس کے ہاتھ کی پیو گے؟" وہ روا روی میں کہہ گئی۔
"تم چلی جاؤ گی۔۔۔ کہاں، اچھا اچھا پرائے گھر؟" وہ زور سے ہنسا۔ "تم چلی جاؤ گی تو ہم چائے پینے ہی چھوڑ دیں گے تمہاری قسم، بائے دا وے کب جا رہی ہو پرائے گھر۔۔۔؟"
"جی نہیں، میں اپنے گھر کی بات کر رہی ہوں اپنے

گاؤں اپنے امی ابو کے پاس۔۔۔ اور تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں بہت جلد یہاں سے جا رہی ہوں۔" وہ چبا چبا کر بول رہی تھی۔

"ارے واقعی۔۔۔ یہ تو بہت خوشی کی خبر سنائی تم نے' خوشی سے کہیں مر نہ جائیں ہم۔۔۔ چلو اسی خوشی میں چائے ہو جائے۔"

"ولید۔۔۔" وہ چیخ پڑی۔ "میں کوئی چائے وائے نہیں بنا رہی' بس جاؤ تم یہاں سے مجھے نیند آ رہی ہے' اٹھو۔"

"کیا ہوا۔۔۔؟" اس کی اونچی آواز سے دادی جان کی نیند میں خلل پڑا اور وہ جاگ گئیں۔

"کچھ نہیں ہوا دادی جان آپ سو جائیں۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا پھر جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگا۔

"تمہیں غصہ کس بات پر ہے۔۔۔؟"

وہ کچھ نہ بولی اور کمبل تان کر کروٹ بدل گئی تو وہ کندھے اچکاتا لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل گیا۔

اگلے دن چھٹی نہیں تھی پھر بھی وہ گھر میں نظر آ رہا تھا وہ سمجھ گئی کہ مہمانوں کی وجہ سے آفس گول کر گیا ہے۔

اس بات سے ظاہر ہے اس کو صدمہ ہوا تھا' اسے آگ لگی تھی' وہ اندر تک تپ گئی تھی جھلس گئی تھی لیکن بظاہر انجان بنی روزمرہ کے کاموں میں لگی رہی۔ اس سے اچھا تھا یونیورسٹی چلی جاتی۔ تائی جان نے صبح اٹھتے ہی اسے اور شہرینہ کو یونیورسٹی جانے سے روک دیا تھا مہمانوں کی وجہ سے۔۔۔ کہ دوپہر کے کھانے پہ اچھا خاصا اہتمام کرنا تھا۔ وہ جھاڑ پونچھ سے فارغ ہوئی تو تائی جان اور شہرینہ کے ساتھ کچن میں مصروف ہو گئی۔

کچن کی کھڑکی سے ولید کے کمرے کا ادھ کھلا دروازہ اور اندر سے نظر آتا سین واضح تھا۔ جولی اور ولید لیپ ٹاپ پہ بزی تھے سر سے سر جوڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کے بیٹھے وہ جب کسی بات پر کھلکھلا کر ہنستے تو حورعین کے اندر بھڑکتی آگ پر گویا تیل کا چھڑکاؤ ہو جاتا۔ اس نے حیران ہو کر سوچا کہ فقط چند گھنٹوں میں اتنی بے تکلفی ہو گئی ہے اور اتنی ہم آہنگی جیسے برسوں کی جان پہچان بلکہ قریبی دوستی ہو اور پھر ایسی قربت کہ بیچ میں سے ہوا کا گزر بھی دشوار ہو۔ سب سے زیادہ حیرت تو اسے تائی جان پر ہو رہی تھی اور شہرینہ پہ بھی کہ ان کو یہ قابل اعتراض حرکتیں نظر نہیں آ رہیں' برداشت کی حد ہے یا شاید ملی بھگت۔۔۔ ثوبیہ خالہ' دادی جان کے ساتھ محو گفتگو تھیں۔۔۔ ہر کوئی مطمئن' تبھی ولید دروازے میں آ کر بولا۔

"چائے ملے گی۔۔۔؟"

"جی نہیں' کوئی چولہا فارغ نہیں ہے۔" وہ بے اختیار بولی تو اندر کی ساری تپش اس کے لہجے میں در آئی۔

"میں تم سے نہیں' شہرینہ سے کہہ رہا ہوں۔ شہرینہ جلدی سے دو کپ چائے بنا کے اندر دے جاؤ۔" وہ اسے ہرٹ کرتا ہوا شہرینہ پر رعب جما کر چلا گیا اور اس کے دل پر اوس سی گرنے لگی' ابھی رات کو ہی تو وہ کہہ رہا تھا کہ وہ حورعین کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ کی چائے نہیں پیتا۔۔۔ اور اب اتنی جلدی بھول بھی گیا۔ مردوں کو کیسے بھول جانے کی عادت ہوتی ہے' اپنی ہر بات۔۔۔

اس کا دل چاہا وہ بہت زیادہ روئے۔۔۔ اور وہ جب پیاز کاٹنے بیٹھی تو آنکھوں کے رستے اندر جمع شدہ سارا پانی نکال دیا۔

ثوبیہ خالہ اور جولی کا قیام ان کے گھر میں تین دن پر مشتمل تھا اور یہ تین دن حورعین کے لیے تین صدیوں سے بھی زیادہ ثابت ہوئے' دن کو وہ لوگ گھومنے چلے جاتے یا کسی نہ کسی رشتے دار سے ملاقات کے لیے اور سر شام واپسی ہوتی اور تائی جان نے شاید ولید کو سمجھا دیا تھا یا پھر وہ خود ہی سمجھ دار تھا کہ مہمان اس کی ذمہ داری ہیں اور وہ اپنی یہ ذمہ داری بہت تندہی سے اور نہایت خوش اسلوبی سے نباہ رہا تھا۔ شہرینہ کی زبانی ہی اسے علم ہوا تھا کہ ثوبیہ خالہ ان دنوں جولی کے لیے لڑکے کی تلاش میں ہیں۔ ان کے پاکستان آنے کا مقصد بھی یہی ہے وہ چاہتی ہیں کہ کوئی اچھا سا لڑکا مل جائے تو وہ جلد سے جلد جولی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں اور اس مہینے کے آخر میں ان

کی واپسی ہے۔

یہ سن کر حورعین کو اپنی سانسیں "حقیقتاً" میں رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ دل اپنی جگہ چھوڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا... گویا ولید جیسا تابعدار اور فرماں بردار داماد انہیں چراغ لے کر بھی نہ ملتا اور ولید بھی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہی تمام خدمات پیش کر رہا تھا... ظاہر ہے، جولی سونے کی چڑیا تھی، جس کے ہاتھوں میں شاندار مستقبل تھا جو ولید کو صاف دکھائی دے رہا تھا اور اپنا مستقبل تو ہر کوئی شاندار ہی چاہتا ہے۔

تین دنوں کے بعد جولی تو چلی گئی لیکن اپنا جادو چھوڑ گئی۔ ولید ہر بات میں اس کی مثالیں دینے کھڑا ہو جاتا اس کی خوبیاں گنواتا اتنی کہ ختم ہی نہ ہوں جیسے دنیا جہاں کی تمام خوبیاں بس اسی میں ہوں باقی سب تو 'ڈفر' جاہل 'بدھو' اور جانے کیا کیا ہوں۔ گو کہ براہ راست اس سے بات نہیں کرتا تھا، لیکن سناتا اسے ہی تھا اور وہ سب سمجھ کر بھی انجان بن جاتی۔ کبھی اس کا دل بہت چاہتا کہ اس کی باتوں کا منہ توڑ جواب دے لیکن یہ اس کی فطرت نہیں تھی اس لیے اس نے اپنی خاموشی نہیں توڑی اور اندر ہی اندر کڑھتی رہی۔ اس کا دل چاہتا کہ فوراً "بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی جائے اور پھر کبھی واپس نہ آئے" ایگزامز دینے بھی نہیں۔ اس نے فٹافٹ ابو کو فون کر دیا اور اگلی صبح بھائی نے اس کو لینے آجانا تھا اس نے گاؤں جانا تھا یہ خوشی کی بات تھی لیکن اس کا دل اداسیوں سے بھر رہا تھا۔

دوسری طرف ولید بھی لگتا بالکل ہی بدل گیا ہو پہلے جیسا نہیں رہا ہو۔ یوں لگا جیسے کوئی اجنبی 'انجان شخص ہو جس سے دور کا کوئی رشتہ بھی نہ ہو یوں کھویا کھویا رہتا جیسے اس کا کچھ کھو گیا ہو یا... وہ کہیں کھو گیا ہو۔

✡ ✡ ✡

رات کھانے کے بعد وہ کچن سمیٹ رہی تھی کہ ولید چلا آیا اس نے پلٹ کر نہ دیکھا اسے لگا ابھی چائے کی فرمائش کر دے گا، لیکن وہ تو چائے کی فرمائش تو دور کی بات وہ تو جیسے چائے پینا بھی بھول چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ جانے کس چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا وہ کچھ دیر ضبط کے خود کو اس کی موجودگی سے بے نیاز ظاہر کرتی رہی لیکن جب اس کی تلاش ختم نہیں ہوئی تو پوچھ لیا۔

"کچھ چاہیے...؟"

"ہیں... مجھ سے کچھ کہا تم نے...؟" وہ پتا نہیں واقعی چونکا تھا یا چونکنے کی اداکاری کی تھی۔

"اور کون ہے۔ یہاں تم ہی سے پوچھ رہی ہوں کیا چاہیے...؟"

"جو چاہیے ہو گا وہ خود لے لوں گا تم اپنا کام کرو۔" اس نے کہہ کر ایک کیبنٹ کھول لیا اور وہ سر جھٹک کر چولھا صاف کرنے لگی لیکن دھیان اسی کی جانب تھا جو کیبنٹ میں موجود چیزوں کو یونہی چھیڑ رہا تھا پھر کیبنٹ اس زور سے بند کیا کہ وہ لرز گئی... وہ کچن سے باہر نکل رہا تھا جب اس نے پکارا۔

"ولید..." اس کے بڑھتے ہوئے قدم ایک دم ٹھہرے لیکن وہ نہ پلٹا اور نہ پلٹ کے دیکھا۔

"میں کل جا رہی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے..." وہ دروازے کے فریم میں ساکت تھا۔

"لیکن یہ نہیں معلوم ہو گا تمہیں کہ میں ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔" وہ دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا مطلب...؟" وہ ایک دم ایڑیوں پہ گھوما تھا' پھر واپس پلٹ آیا۔

"مطلب اب میں وہیں رہوں گی واپس نہیں آؤں گی، کبھی بھی نہیں۔"

"کیوں، یہاں سے دل اکتا گیا ہے تمہارا؟"

"نہیں دل تو یہیں رہے گا۔" وہ بے اختیار کہہ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی۔ توبہ ہے جذبے بھی کبھی کبھی یوں بے مول کر دیتے ہیں وہ جو اسے ہی بہت دھیان سے دیکھ رہا تھا اس کے ہونٹوں پہ شریر سی ہنسی چمکی۔

"اچھا' کس کے پاس ۔۔؟" وہ اب بڑی فرصت سے موڑھے پہ بیٹھ گیا۔

"اسی گھر میں' دادی جان' تائی جان' تایا جی اور شہرینہ۔۔۔ ان کی محبتوں کے درمیان میں کہیں' کیونکہ ان لوگوں نے مجھے اتنا پیار دیا ہے کہ میری پوری زندگی کے لیے کافی ہے۔" وہ اچانک آزردہ سی ہو گئی۔

"تم نے پیار بھری اس فہرست میں میرا نام نہیں لیا' کیا میں اس فہرست میں شامل نہیں ہوں؟" اس نے پوچھا وہ بہت غور سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا آنکھوں کا پانی صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ وہ اب بولنے کے قابل نہیں رہی تھی حلق میں گولا سا اٹک گیا تھا۔

"سنو۔۔۔ کیا تم میری کسی بات سے خفا ہو کر جا رہی ہو۔۔۔ یا صرف اس لیے کہ تمہیں میرے لیے چائے بنانا پڑتی ہے تو ٹھیک ہے میں چائے سے دستبردار ہوتا ہوں تم نہ جاؤ۔" وہ جلدی سے اٹھا اور کچن سے باہر نکل گیا۔ وہ اس کے قدموں کے نشان دیکھتی رہی۔ وہ اسے روک رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ نہ جائے۔۔۔ اگرچہ کوئی اظہار نہ تھا کوئی وعدہ نہ تھا۔ میں نے کب کہا ہے کہ وہ اظہار کرے۔

"تو کہو نا۔۔۔" دل پیار بھری سرگوشی کرتا۔

"پگلے! بھلا محبت بھی کبھی مانگے سے ملی ہے۔" یہ خیرات تو نہیں کہ میں جھولی پھیلائے اس کے قدموں میں جا بیٹھتی۔

وہ کبھی مایوس ہو جاتی تو کبھی خوش گمانی کی ست رنگی ردا اوڑھ کے خوابوں کی پگڈنڈیوں پہ چلنے لگتی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دو دنوں تک بھائی اس کو لینے نہیں آیا تھا اس کو زمینوں کا کوئی ضروری کام پڑ گیا تھا۔ اور اگلے دو دنوں میں گھر کا ماحول اسے عجیب سا لگا اس کا دل تو عجیب سی کیفیت میں گرفتار تھا ہی لیکن گھر میں کوئی پراسرار سی اور ذومعنی سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی جیسے ہر کوئی دوسرے سے روٹھا روٹھا ہو۔۔۔ تایا جان چپ چپ سے تھے تو دادی جان بات بات پر ٹھنڈی سانس بھرتیں۔ تائی جان کا موڈ سخت آف رہتا ماتھے پہ شکنوں کا جال سجا رہتا۔ شہرینہ کترائی کترائی سی پھرا کرتی دل چاہتا تو کسی بات کا جواب دیتی ورنہ نہیں اور ولید آفس سے آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہو جاتا تھا۔ بس ایک حورعین تھی پورے گھر میں جو نہ تین میں تھی اور نہ تیرہ میں۔

نہ جانے ایسی کیا بات ہوئی ہے، جس نے گھر کا اچھا خاصا ماحول درہم برہم کر دیا ہے۔۔۔ وہ سوچتی رہتی' قیاس کرتی رہتی۔۔۔ راتوں کو نیند نہ آتے کروٹوں پہ کروٹیں بدلتی۔

اس رات بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی پھر اسے پیاس محسوس ہوئی تو یاد آیا کہ آج پانی رکھنا تو بھول گئی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئی ولید کے کمرے کی لائٹ آن تھی اور ادھ کھلے دروازے کی جھری میں سے باتوں کی آواز آ رہی تھی اسے تجسس سا ہوا کہ اتنی رات گئے ولید کس سے بات کر رہا ہے وہ ذرا سی آگے ہو کر سننے لگی' پھر تائی جان کی آواز بھی آنے لگی۔ تائی جان کے لہجے میں دبا دبا جوش اور غصہ تھا۔

"نہ میں پوچھتی ہو کہ جولی میں کمی کیا ہے؟"

"جولی میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ زیادتی ہی زیادتی ہے اتنی زیادتی کہ مجھ سے شاید برداشت بھی نہ ہو۔" ولید کے لہجے میں اچھی خاصی اکتاہٹ تھی۔

"اس کے رہن سہن اور لائف اسٹائل میں اور میری سوچ میں' زمین آسمان کا فرق ہے۔۔۔ نہ وہ خود کو بدلے گی اور نہ میں اپنے آپ کو کبھی تبدیل کر پاؤں گا اور نتیجہ آپ سوچ لیجیے گا کہ کیا ہو گا۔"

تائی جان نے کہا۔ "خاندان کے جتنے بھی کنوارے لڑکے ہیں سب کی ماؤں نے اپنے بیٹوں کے رشتے ڈالے مگر ثوبیہ کو صرف تم ہی پسند آئے اور جولی نے بھی صرف تمہارے لیے حامی بھری اور یہاں تم ہو کہ۔۔۔ ہو نہ نواب صاحب کے مزاج ہی نہیں مل رہے' تمہاری زندگی بن جائے گی' تمہارا مستقبل سنور جائے گا۔"

"امی جان..." ولید نے ٹھنڈی آہ بھری "ان کی ذرہ نوازی ہے ثوبیہ خالہ کی بھی اور جولی کی بھی کہ انہوں نے مجھے پسند کیا اور رہی بات مستقبل سنوارنے کی اور زندگی بنانے کی تو مجھے اپنی قابلیت پر اور زور بازو پر بھروسا ہے اور پھر آدمی کو ہمیشہ اس کے نصیب کا لکھا ملتا ہے۔"

"مگر میں ثوبیہ کو کیا جواب دوں...؟"

"آپ کہہ دیں کہ میری بات بچپن سے طے ہے۔"

"کس کے ساتھ...؟" تائی جان تو چونکیں ہی باہر دوپٹے اور جوتے سے بے نیاز کھڑی حورعین بھی چونک گئی۔

"حورعین کے ساتھ۔" جواب جتنے آرام سے آیا دھماکا اتنا ہی زور دار ہوا۔ کوئی ٹھنڈی ہوا تھی جو جسم کے آرپار ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اس نے سہارے کے لیے دیوار کو تھاما تھا۔

"کیا...!" تائی جان کی آواز خاصی بلند تھی "کب، کیسے، یہ کیسے ممکن ہے بھلا...؟" تائی جان کے منہ سے بے ربط سے جملے نکل رہے تھے۔

"ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہے امی جان۔ ولید بہت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بول رہا تھا۔ "آپ چاہتی ہیں کہ جولی کے ساتھ میری شادی ہو، میں کر بھی اگر لوں بقول آپ کے شاندار مستقبل کے لیے... اور آپ کی بات کو ٹالنا میرے نزدیک کفر ہے، لیکن ایک بات کی طرف آپ کا دھیان نہیں گیا کہ میرا مستقبل تو شاید برائٹ ہو جائے گا، لیکن آپ اپنے اکلوتے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔ آپ نے نوٹ ہی نہیں کیا کہ ثوبیہ خالہ اور جولی کے مزاج میں کتنی حاکمیت ہے۔ وہ مجھے ایک دفعہ جب ساتھ لے جائیں گی تو شاید ہی پھر آپ سے ملنے کی اجازت دیں، سوچ لیں شہر نہ اپنے گھر بار کی ہو جائے گی تو آپ اور ابا اکیلے دو ہنسوں کا جوڑا۔"

"دل... لیکن ثوبیہ اور جولی اس طرح کی لگتی تو نہیں ہیں۔" تائی جان کی آواز پست سی تھی۔

"ارے امی جان... آپ نے کتنے لوگوں کو دیکھ رکھا ہے، پھر لوگ اندر سے اور ہوتے ہیں اور باہر سے اور نظر آتے ہیں۔ میری مانیں تو حورعین کے لیے ہاں کہہ دیں، گھر کی بچی ہے دیکھی بھالی ہے آپ کو بھی خوش رکھے گی اور مجھے بھی۔" ولید کا انداز آخر میں بزرگانہ ہو گیا۔

"یہ بات تم نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتائی...؟" تھوڑی دیر کے بعد تائی جان کی آواز ابھری۔

"کون سی والی...؟"

"یہی کہ تم حورعین کو اس نظر سے دیکھتے ہو...؟"

"وہ اس لیے کہ پھر آپ نے دو چماٹ لگا دینے تھے کہ گھر میں رہنے والی لڑکی کو ایسی ویسی نظروں سے دیکھتا ہوں۔"

"چل ہٹ شریر کہیں کے۔" تائی جان کے لہجے اور آواز میں بشاشت لوٹ آئی تھی۔

"میں ابھی اماں جان سے بات کرتی ہوں۔"

"ارے، صبح کر لیجیے گا ایسی بھی کیا جلدی لڑکی کوئی بھاگی تو نہیں جا رہی۔" ولید نے انہیں روکا۔

"توبہ کرو تم کیا دیوانوں جیسی باتیں کر رہے ہو..." تائی جان نے اسے ڈانٹا۔

"دیوانہ... دیوانوں جیسی باتیں نہیں کرے گا تو اور کیسی کرے گا امی جان..." وہ چہکنے لگا اور تائی جان ہنس رہی تھیں... اور کمبل میں دبکی حورعین کو جیسے جاڑے کے دنوں کی سردی محسوس ہو رہی تھی۔ دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی جیسے اچانک سے کوئی خبر ملے کوئی خوشی کی خبر... کہ دل کو یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

☆ ☆

فرح بخاری

کوئی جذبہ تھا جس نے خان بیگم کو اچانک ہی پلنگ سے اتر کر برآمدے میں آنے پر مجبور کیا تھا۔ زبان سے بے ساختہ اسجد کا نام پھسلا اور وہ خود حیران تھیں کہ دل کیوں گھبرایا۔ شاید ماں کے دل میں اٹھنے والے ایسے الہامی جذبوں کی کوئی لوجک نہیں ہوتی۔۔۔ نظر بے ارادہ آسمان کی جانب اٹھی تھی، جیسے سارے سوالوں کے جواب مل گئے۔ روشن نیلے آسمان اور زمین کے درمیان گرد کی ایک تہہ سی دھیرے دھیرے پھیلتی نظر آئی۔ ہاتھ کا چھجا بنا کر انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا، پرندوں کا ایک غول گلے کی ”V“ کی صورت شمال سے جنوب کی طرف پرواز کرتا اوپر سے گزر گیا۔

سامنے مشرق سے کالی آندھی اٹھ رہی تھی۔ ان کی تجربہ کار نگاہ نے بھانپ لیا کہ مشکل سے آٹھ یا دس منٹ میں آندھی پوری شدت سے ماحول پر چھا جائے گی۔ آندھی کے تیور بتا رہے تھے کہ اس کا دامن، طوفان باد و باراں سے خالی نہیں۔

”نوری۔۔۔ بانو، بریختہ۔۔۔ او جمال بی بی۔۔۔“ کمر پر ہاتھ رکھ کر وہیں کھڑے کھڑے انہوں نے سب کو آواز دی اور بس ایک منٹ کے اندر اندر گھر کی چھوٹی بڑی سب ہی خواتین ان کے سامنے موجود تھیں۔

”تیز آندھی آرہی ہے، ساتھ طوفان بھی ہے۔۔۔ ذرا۔۔۔“ بات ان کے لبوں میں رہ گئی۔

”کپڑے۔۔۔“ جمال بی بی بنا ان کا رد عمل دیکھے پچھلے صحن کی طرف بھاگی۔ بریختہ نے تنور کہہ کر دوڑ لگائی۔ بانو اور نورینہ نے جھٹ پٹ چارپائیاں صحن سے اٹھا کر برآمدے میں ڈالیں۔ رحیمہ نے فٹافٹ کھڑکیاں، دروازے بند کرنا شروع کیے۔ خان بیگم نے ان پھرتیوں کے جواب میں محض اپنا ماتھا پیٹا اور آگے بڑھ کر بڑے کمرے میں جھانکا۔

”زرمین۔۔۔ او۔۔۔ زرمین۔۔۔ ادھر آ بچے۔“

”آئی اماں جان۔۔۔“ وہ بغل میں احمد کو دبائے فوراً باہر آئی۔

”جلدی سے فون لا۔۔۔ اسجد کہیں نکل نہ پڑا ہو۔ طوفان آرہا ہے۔“

”ہائے اللہ۔۔۔“ احمد کو وہیں زمین پہ بٹھا کر وہ فوراً اندر بھاگی اور دو سیکنڈ میں موبائل پر انگلیاں چلاتی باہر نکلی۔ ”ہاں لالہ۔۔۔ کدھر ہو۔۔۔ لو اماں سے بات کرو۔“

”بچے۔۔۔ ابھی نکلے تو نہیں پشاور سے۔۔۔ موسم کیسا ہے ادھر۔۔۔ یہاں تو بہت تیز آندھی ہے اور بارش آنے والی ہے۔“ وہ پریشانی میں بولتی گئیں۔

”فکر مند نہ ہوں اماں جان۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔۔۔ موسم بھی یہاں ٹھیک ہے۔“ اسجد نے سکون سے تسلی دی۔

”ہو کدھر بیٹا۔۔۔ سفر شروع کر دیا یا نہیں؟“ ان کی تسلی کسی طور نہیں ہو رہی تھی۔

”سفر میں ہوں، نوشہرہ سے کچھ آگے آئے ہیں، لیکن موسم یہاں ٹھیک ہے۔“

”ارے تو موسم خراب ہونے والا ہے نا۔ تم نوشہرہ میں رک جاؤ بیٹا۔۔۔ اس موسم میں کار نہ چلانا۔“

”اچھا۔۔۔ اماں جان۔۔۔ رک جاتا ہوں۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔“ اس نے خود ہی موبائل آف کر دیا۔۔۔ اور وہ تسبیح پر کچھ پڑھ پڑھ کر پشاور کے رخ پر پھونکنے لگیں۔

”اندر آ کے بیٹھ جائیں اماں۔۔۔ باہر بہت مٹی

ہے۔" زرمین نے انہیں بازو سے تھام کر بڑے کمرے کے تخت پر بیٹھنے میں مدد دی۔

"جاؤ ذرا تم.... دیکھو اس یاجوج ماجوج کو.... میں نے طوفان کا نام لیا اور بنا پوری بات سنے دائیں بائیں دوڑ لگادی۔ میں ہی کم عقل تھی جوان سب کو آواز دی۔" وہ تاسف سے سر ہلانے لگیں اور زرمین کی ہنسی نکل گئی۔ خان بیگم کو آندھی دیکھ کر پہلا خیال اسجد کا آیا تھا اور کیوں نہ آتا اکلوتا بیٹا گاؤں کا سرواب.... آج ہمیشہ کے لیے گاؤں واپس آرہا تھا۔ صبح سے وہ ماں کو بن پانی کے مچھلی کی طرح تڑپتے دیکھ رہی تھی۔ جب تک آنکھوں کا نور آنکھوں کے سامنے صحیح سلامت آنہ کھڑا ہوتا انہیں قرار کیسے آسکتا تھا' لیکن یہ بوکھلائی ہوئی مخلوق.... اس نے مسکرا کر چھوٹی بہنوں اور خادماؤں کو دیکھا' جو صحن کا پھیلاوا سمیٹنے میں یوں جتی ہوئی تھیں' جیسے خان بیگم سے میڈل لے کر ہی دم لیں گی۔

☼ ☼ ☼

دل عشق میں بے پایاں.... سودا ہو تو ایسا ہو
دریا ہو تو ایسا ہو.... صحرا ہو تو ایسا ہو

دل عشق میں بے پایاں
سودا ہو تو ایسا ہو

ہم سے نہیں رشتہ بھی.... ہم سے نہیں ملتا بھی
ہے پاس وہ بیٹھا بھی.... دھوکا ہو تو ایسا ہو

دل عشق میں بےپایاں

"کیا کہنے بھئی تمہاری چوائس کے.... واہ....!" فراز نے باقاعدہ سر دھن کر داد دی۔ اسجد نے مسکرا کر تھینکس کہا۔ "ویسے تمہاری صرف چوائس صوفیانہ ہے' یا تم روحانی طور پر اپنے اندر کچھ....." فراز نے باقاعدہ ہاتھوں کو موڑ توڑ کر کوئی مناسب لفظ ڈھونڈنے کی کوشش کی.... وہ شاید کچھ ایکسپلین کرنا چاہتا تھا جو کہہ کر نہیں پایا۔ اسجد ایک بار پھر ہنس پڑا۔

"تم شاید عابدہ پروین کی آواز کی وجہ سے اسے صوفیانہ کہہ رہے ہو.... حالانکہ یہ ایک رومانوی غزل ہے ابن انشاء کی۔"

"اوئے نئیں نئیں....." فراز نے فوراً "ٹوکا۔ عابدہ جی کی آواز کی وجہ نہیں ہے۔ یار تم بولوں پر غور کرو۔ بھلے رومانوی غزل ہے' لیکن روحانیت کی اسٹیج تو دیکھو.... "عشق" بذات خود ایک دل میں ہاتھ ڈالنے والا لفظ ہے اور محبت کی انتہائی حد تصور کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں نا۔ پسندیدگی پہلے محبت میں تبدیل ہوتی ہے اور محبت سے عشق کی معراج وغیرہ۔ ایسا کچھ...." فراز نے نہایت بھونڈے انداز میں فلسفہ عشق کا ستیاناس کیا تو اسجد نے تاسف سے سر ہلایا۔

"ویسے تم غزل کے بولوں پر غور کرتے ہو یا صرف سر تال پر....." فراز نے پھر ایک سوال کیا۔

"میرا خیال ہے اتنی دیر سے تم شاید یہ ہی کہنا چاہ رہے تھے۔" اسجد نے پہاڑی موڑ کاٹتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا۔

"اوئے ہاں نا.... بھئی اگر تم شاعری اور الفاظ پر دھیان دیتے ہو تو اس کا مطلب تمہارے اندر کچھ ہے' لیکن اگر صرف آواز' ردھم اور سرتال دیکھتے ہو پھر بے فائدہ...."

"شاعری پر بلاشبہ بہت دھیان دیتا ہوں' لیکن تم آواز اور میوزک کی اہمیت کو اگنور نہیں کرسکتے۔ تمہیں تو پتا ہے میں میوزک سے بہت لگاؤ رکھتا ہوں' جانتے ہو میں نے اس سے کیا سیکھا؟" اسجد نے اپنی خمیدہ بھنویں اٹھا کر اسے دیکھا۔ فراز نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔

"پسند کا دائرہ ہمیشہ وسیع ہونا چاہیے۔ مجھے بہت عجیب لگتا ہے' جب لوگ کسی ایک سنگر کی کلیکشن سے ریک بھر دیتے ہیں.... بنا یہ دیکھے کہ وہ سنگر کب اچھا گا رہا ہے کب برا.... بلکہ صرف موسیقی ہی نہیں۔ ہر معاملے میں پسند کا دائرہ وسیع تر ہونا چاہیے۔ ایک

برانڈ کی چیز خریدنا' ایک اسٹائل اور فیشن کی ڈریسنگ کرنا۔ مخصوص کلرز پہننا یہ سب طریقے مجھے سخت الجھن دیتے ہیں۔ میرے پاس عطاءاللہ کی کلیکشن بھی ہے۔ محمد رفیع کی بھی' نصرت فتح علی بھی ہے۔۔۔ رحیم شاہ بھی۔۔۔ عابدہ پروین' نورجہاں' شنکر' حتی کہ افغانی' انگلش اور ایرانی میوزک بھی ملے گا اور یاد رکھو بول پر اثر تب ہی لگتے ہیں جب موسیقی شاندار ہو۔"

"اور غزلیں سن کر تم کیا سوچتے ہو۔۔۔ آئی مین محسوسات کیا ہوتی ہیں۔" فراز اس وقت پوری طرح ماحول کے زیر اثر تھا۔ زرخیز وادیوں کے کنارے تن کر کھڑے سنگلاخ پہاڑ اور بل کھاتی سڑک پر گاڑی کا آرام دہ سفر۔۔۔ کھڑکی سے آتی آکسیجن سے بھرپور ہوا اور سورج سے لکا چھپی کھیلتے بادلوں کے ٹکڑے۔۔۔ ہلکی ہلکی خوب صورت موسیقی اور اسجد جیسے دوست کا ساتھ۔۔۔ جس سے لطف اندوز ہونے کے لیے فراز خصوصی وقت نکالا کرتا۔

"اور یہ ہی سوال میں تم سے کروں تو۔۔۔ یعنی تم کیا سوچتے ہو اداس غزلیں وغیرہ سن کر۔۔۔" اسجد نے الٹا اسی سے پوچھ لیا۔

"یار۔۔۔ فراز نے سر کھجاتے ہوئے جیسے سوچنے کا وقت لیا۔" مجھے تو غزلیں سن کر سندس کی یاد آتی ہے۔"

"اوہ۔۔۔ اسجد کھلکھلا کر ہنسا' جس پر فراز نے خاصا گھور کر اسے دیکھا۔ کیوں بھئی۔۔۔ اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے پیار کرتا ہوں اس سے اور وہ بھی میرے بارے میں یہ ہی جذبات رکھتی ہے۔"

"تو پھر اداس غزلیں کیوں سنتے ہو؟" وہ ہنسنے سے باز نہیں آیا۔ "درد کیا ہے؟"

"تو یہ ہی درد کیا کم ہے کہ وہ منگنی شدہ ہے۔" فراز نے چبا چبا کر منگنی کہا۔

"ہوں۔۔۔ اور اس لیے شامت غزلوں کی آجاتی ہے۔" اسجد نے مصنوعی سنجیدگی سے رزلٹ نکالا۔

"یار تم لوگ غزل کو کوئی عورت سمجھتے ہو۔۔۔ شاعری سنتے ہی جھٹ سے دماغ میں کسی پیکر کا آجانا۔"

"مائی ڈیئر اسجد۔۔۔ شعرا نے نوے فیصد کلام لکھا ہی صنف مخالف کے لیے ہے۔ یہ بات وہ بزبان خود تسلیم کر چکے ہیں۔"

"مانتا ہوں بھائی۔۔۔ رومانوی شاعری کا جنس مخالف کے لیے لکھا جانا بہت ہی روایتی اور سمجھ میں آنے والی بات ہے' لیکن ہم یہاں "درد" کو ڈسکس کر رہے ہیں۔۔۔ تم نے اداس غزلوں کی بات کی نا۔۔۔؟"

"اچھا تم تو کیا سوچتے ہو۔۔۔ بتایا نہیں؟" فراز نے استفسار کیا۔

"میں۔۔۔" اسجد نے ایک گہرا سانس لیا۔ "یار یہ اداس کر دینے والی موسیقی مجھے بہت پیچھے لے جاتی ہے۔ برسوں پہلے بچپن اور لڑکپن کی یادوں میں جہاں صرف میں اور میرے بابا تھے۔۔۔ بارہ سال کی عمر تک کی یادیں۔۔۔ جب میں پہاڑوں پر بابا کے ساتھ بھی محض ٹہلنے جاتا۔۔۔ کبھی ہم پرندوں کا شکار کرتے۔۔۔ کبھی گھڑ سواری۔۔۔ کبھی مچھلیاں پکڑنا۔۔۔ راتوں کو ڈیرے پر ان

کے دوستوں کی آمد' بکروں کی دعوت۔۔۔ عید' بیاہ کے موقعوں پر جیپ میں شہر آنا' شاپنگ کرنا' تم سوچ بھی نہیں سکتے فراز۔۔۔ ایسی لاتعداد۔۔۔ بے شمار۔۔۔ یادوں سے بھرے پڑے ہیں میرے دل و دماغ' یہ پہاڑ' یہ وادیاں اور میرا گاؤں۔۔۔ اور یہ سب اب کبھی لوٹ کر نہیں آسکتا۔ اور نہ ہی میرے بابا جان۔۔۔" اسجد کی آنکھیں نم ہو گئیں۔۔۔ فراز نے بے ساختہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"تم اپنے بابا کو بہت مس کرتے ہو؟"

"ہاں! بہت زیادہ۔۔۔ اگر وہ بیمار ہوتے یا بزرگ ہوتے تو شاید میں اس کیفیت سے برسوں پہلے نجات پالیتا' لیکن میرے تندرست اور توانا جوان باپ کو جس بے رحمی سے قتل کیا گیا' وہ درد ناقابل بیان ہے۔"

"تم بہت سینسیٹو ہو اسجد۔۔۔ اتنے برس گزر جانے پر بھی تمہاری کیفیت نہیں بدلی۔"

"ہاں تیرہ سال گزر گئے۔ اس وقت میں بارہویں سال میں تھا اور گاؤں کے ہائی اسکول میں چھٹی جماعت میں پڑھ رہا تھا۔" کھوئے کھوئے لہجے میں کہتے وہ کہیں پیچھے چلا گیا۔

"تو کیا شہر تم ان ہی یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے گئے تھے۔"

"نہیں۔۔۔ میں کبھی بھی اپنے گاؤں کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ بابا کو تو کھو چکا تھا گاؤں سے ہرگز دور نہیں جانا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن میں خان بیگم کا اکلوتا بیٹا اور پانچ بہنوں کا ایک ہی بھائی' اب باپ کی وفات کے بعد اپنے گاؤں اور قبیلے کا نیا سردار بن چکا تھا۔ لیکن چونکہ کم عمر تھا اور بے شمار قبائلی دشمنیوں میں گھرا ہوا تھا تو وہ کسی قیمت پر مجھے خطروں کے سپرد کرنے کو تیار نہ تھیں۔۔۔ تب ہی پڑھنے کے بہانے مجھے یہاں بھیج کر ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں۔"

"یار یہ قبیلوں کی روایتی لڑائیوں کا کیا کوئی انجام نہیں ہے۔" فراز نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"دکھ تو اسی بات کا ہے کہ میرا باپ کسی روایتی جنگ شکار ہوا ہی نہیں۔۔۔ وہ تو بہت صلح جو اور امن پسند انسان تھے۔ ہر قسم کے خاندانی' علاقائی' جھگڑوں کا اس دور میں خاتمہ ہو گیا تھا جب وہ سردار بنے تھے۔

"تو پھر۔۔۔ کیسے ہوا ان کا قتل؟" فراز کو تفصیل جاننے کا کبھی موقع نہیں ملا تھا۔

"وہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے قتل ہوئے تھے۔ تین گاڑیوں میں گھر کا کچھ نیا سامان وغیرہ لے کر شہر سے آرہے تھے۔ دشمن کا گاؤں ہمارے گاؤں سے پہلے آتا ہے۔ انہیں کسی نے مخبری کردی کہ مشعل خان حملہ کرنے آرہا ہے اور انہوں نے بنا تصدیق۔۔۔" اسجد نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اوہ۔۔۔" فراز کو تفصیل جان کر واقعی بہت دکھ ہوا۔۔۔ اسجد اور اس کی دوستی کو بھلے ہی دو سال ہوئے تھے۔۔۔ لیکن یہ دوستی بہت گہری اور مضبوط تھی۔۔۔ یونی ورسٹی میں دونوں کا ڈیپارٹمنٹ ایک ہی رہا تھا۔ فراز خود پشاور کا رہائشی تھا اور یونی ورسٹی آف ہونے پر اپنے گھر چلا جاتا' جبکہ اسجد نے کرایے پر مکان لیا ہوا تھا۔ گریجویشن تک کا وقت اس نے ہاسٹل میں گزارا تھا۔ لیکن یونی ورسٹی جوائن کرتے ہی ہاسٹل چھوڑ کر ذاتی رہائش اختیار کرلی۔ ان دونوں کی اکثر شامیں ساتھ ہی گزرتی تھیں۔ اور آج پڑھائی مکمل ہونے کے بعد جب اسجد ہمیشہ کے لیے گاؤں جا رہا تھا تو فراز کو اپنا گاؤں دکھانے کے لیے ساتھ چلنے کو تیار کیا۔۔۔ فراز کو بھی گاؤں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ ویسے بھی اسجد کو اب خان سردار کی پگڑی پہن کر گاؤں کی ذمہ داریاں باقاعدہ طور پر سنبھالنی تھیں۔ وہ ذمہ داریاں جو باپ کے قتل کے بعد پورے تیرہ سال اس کی ماں اور چچازاد بخت گل نے سنبھالی تھیں۔ گاؤں بھر نے اب اس موقع پر روایتی انداز میں خوشی منانی تھی۔ فراز نے اس سب کے بارے میں سنا تو کافی ایکسائٹمنٹ محسوس کی اور ساتھ چلنے کے لیے فوراً" تیار ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"بس بچوں۔۔۔ آج کی پڑھائی ختم۔۔۔" وہ چادر سنبھال کر ان سے پہلے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کب تک آتی رہو گی گل آویزہ۔۔۔؟" کھاٹ پر

بیٹی ہاجرہ بیگم نے اچانک ہی جملہ پھینکا تو وہ ٹھٹک کر رکی۔ سوال کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ بہرام خان کے بچوں کو پچھلے دو سال سے پڑھا رہی تھی اور موجودہ سالانہ امتحان بھی ابھی بہت دور تھے۔ پھر انہوں نے ایسا کیوں پوچھا۔ ہاجرہ بیگم نے بھی اس کی آنکھوں میں چھپی حیرت پڑھ لی۔

"آؤ اور بیٹو (آؤ ادھر بیٹھو) جانے کی جلدی تو نہیں ہے۔" ان کا لہجہ کچھ زیادہ ہی شہد آگیں تھا۔ گل آویزہ نفی میں سرہلاتی کھاٹ کی پائینتی کی طرف بیٹھ گئی۔ ہاجرہ نے اپنی تیز نگاہیں اس کے چہرے پر جمائیں۔ فیروزی اور پیلی کڑھائی کی بارڈر والی کالی چادر میں اس کا سفید صبیح چہرہ چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ روشن لگ رہا تھا۔ کاجل بھری موٹی موٹی غلافی آنکھیں اور آتشیں پیالے جیسے سرخ ہونٹوں سے مزین، چھوٹا خوب صورت دہانہ... گلابی گالوں پر نہایت خوش گوار تاثر دیتے بہت ہلکے گڑھے جو صرف مسکرانے پر ہی ابھرتے تھے، اوپر سے غضب کی اٹھان... قسمت بھی خوب پائی تھی۔ ہاجرہ بی بی نے رشک و حسد سے ہونٹ سکوڑے لیکن یک لخت اپنا انداز بدلا۔

"وہ بھئی اب تو خانم بننے والی ہو نا... اور کہاں آؤ گی... اب اسجد خان روز تمہیں ڈولی میں بٹھا کر تو ہمارے گاؤں بھیجے گا نہیں۔" وہ اپنے تھل تھل تھل کرتے وجود کے ساتھ ہنسنے لگیں۔ گل آویزہ کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔ ہاجرہ بی بی کی باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔

"میں سمجھی نہیں چاچی..." دشمنوں کا نام زبان پر لانا ان کے قبیلے کے شایان شان نہیں تھا۔ پر یہ چاچی جانے کیا بول رہی تھیں۔

"لو... اب بھولی نہ بنو۔" وہ پھر ہل ہل کر ہنسنے لگیں۔ "مجھے بہرام خان نے بتایا ہے۔ فیصلہ بھرے جرگے میں ہوا ہے۔ مجھے تو بھئی، تیری قسمت پر رشک آرہا ہے۔ ونی بھی ہوئیں تو کس شان سے... سیدھے خان بیگم کی حویلی میں مقدر چمکا۔"

"مم... مجھے کچھ نہیں پتا... کیسا فیصلہ...؟" وہ

کانپتے وجود کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹانگیں واضح طور پر لرز رہی تھیں۔ ہاجرہ بی بی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"تمہاری ماں نے شاید تمہیں بتایا نہیں۔" انہیں وہ قطعاً "لاعلم" لگی اور وہ بتا پچھ کے لکڑی کا پھاٹک آن کی آن میں پار کر گئی۔ سائیں سائیں کرتی آندھی کے ریلے وجود کے آرپار ہوئے جا رہے تھے۔ چادر کو مضبوطی سے تھامے اپنے آپ کو سمیٹے وہ اندر کی اکھاڑ پچھاڑ سے نبرد آزما کچی گلیوں سے گزرتی اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگی۔ طوفان تو زندگی میں آہی چکا تھا۔

"اگر یہ بلاور لالہ کا فیصلہ ہے تو بتا دوں گی اسے... قربانی کی بھینٹ چڑھنے کے لیے ہم غریب ہی نظر آتے ہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ بہن بھی میری قتل ہوتی ہے اور ونی بھی۔... مجھے کیا جا رہا ہے۔ تو منہ بولی بہن صرف کہنے کو ہوں' ورنہ سمجھتا ہمیں نوکر ہی ہے۔" وہ اپنے آنسو پیتی' جلتی کڑھتی' تیز قدموں سے چلتی سرخ چہرہ لیے گھر میں داخل ہوئی۔

"الٰہی خیر...!" دھاڑ سے دروازہ بند ہوا تو گل آویزہ کی ماں نے دہل کر سامنے دیکھا۔ چادر قریبی چارپائی پر پھینک کر وہ پائینتی پر بیٹھ گئی اور جب تک ماں پاس آتی وہ چہرہ ہاتھوں میں دیے زارو قطار رونے کا شغل شروع کر چکی تھی۔

"ہائے اللہ... کیا ہوا تمہیں... کیا بات ہے آویزے... گل بتاؤ بھی... رو کیوں رہی ہے۔"

"بیچ دیا ہے مجھے... یتیم سمجھ کر دھکا دے دیا... میرے بدلے کیا گندم کی بوریوں سے گھر بھرو گی یا مربعے لکھ دیے ہی خانوں نے۔" وہ بلا لحاظ روتے روتے بولے گئی اور فخری بی ایک ٹھنڈی آہ بھر کر وہاں سے اٹھ گئیں۔ فی الحال کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ خان زادی جب تک دل کی پوری بھڑاس نکال نہ دیتی' کچھ سننے والی نہیں تھی۔ بلاوجہ کیا منتیں کرتیں۔ مٹی کے چولہے کے قریب بیٹھ کر جلتی لکڑیوں کے انگارے چھانٹ چھانٹ کر چولہے میں رہنے دیے اور باقی کی ادھ جلی لکڑیوں کو قدرے دور کر کے پانی سے بجھا دیا۔

پیاز' ٹماٹر کے مسالے میں لکڑی کی ڈوئی ہلا کر کٹی بھنڈیاں دیگچی میں شامل کر کے انگاروں کی ہلکی آنچ پر چڑھا دیں۔ گل آویزہ نے روتے روتے ماں کی بے حسی دیکھی اور ناک رگڑتے ہوئے غصے سے قریب آئی۔

"بلاور لالہ نے کیا میرا فیصلہ... تم سے پوچھا اس نے... بتاؤ نا اماں...." وہ پھر سسکنے لگی۔ فخری بی کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے سے لگایا۔ کب سے خود کو روکے بیٹھی تھیں۔ پر یہ لڑکی تو ضبط آزمانے پر تل گئی تھی۔ اسے ساتھ لگائے چارپائی تک لے آئیں۔

"رونا بند کرے گی تو کچھ بتاؤں گی نا۔" انہوں نے چپکے سے اپنے آنسو دوپٹے میں قید کرنا چاہے' لیکن گل آویزہ سے چھپے نہ رہ سکے۔

"آج بابا زندہ ہوتا تو لالہ ہمارے ساتھ ایسا نہ کرتا اماں!"

"ایک دن تو تیری شادی کرنی ہے نا... خان بیگم کا گھرانا بہت بڑا بہت عزت دار ہے... اللہ نے تیری سن لی اور تو بیٹھی رو رہی ہے۔ اللہ نے عزت' دولت سب تیری جھولی میں ڈال دیے ہیں۔ ناشکری نہ کر...."

"دشمنوں اور قاتلوں کی دولت پر میں تھوکتی بھی نہیں... کیا ایسی عزت اور ایسی دولت کے خواب دیکھے تھے۔" اس نے پھر سے رونا شروع کر دیا۔ تب ہی دروازے کی کنڈی بجی اور ریا کمین اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم ترور (خالہ) وہ میرے ساتھ بلاور لالہ بھی ہے۔"

"ارے باہر کیوں ٹھہرایا۔ بلا لو اندر...." فخری بی فوراً" ایک جذب سے اٹھیں۔ اس کا شوہر خانوں کا مزارع تھا۔ اس حساب سے وہ بھی خود کو خانوں کی خدمت گار سمجھتی تھیں۔ یہ بھی خان کا بڑا پن تھا کہ اس کے شوہر کی وفات کے بعد بھی ان کے سروں پہ اپنا ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ خود چل کر یہاں تک آجاتا تھا اور ان کے بچوں کا بڑا بھائی کہتا تھا خود کو... وہ دوپٹے سے ہی کھاٹ صاف کر کے سرہانہ درست کرنے

لگیں۔

"سلام تروے... ارے... یہ میری بہن کو کس نے رلایا؟" لیکن الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے اور وہ روتی سرخ آنکھوں کے ساتھ اندر کمرے میں چلی گئی۔

"آپ بیٹھیں خان..."

"کیا بات ہے تروے... یہ گل آویزہ اتنی خفا کیوں لگ رہی ہے۔" بلاور کا تیز دماغ جانچ پرکھ میں لگ گیا۔

"وہ تو کچھ سننے کو تیار نہیں... بات بھی اتنی جلدی پھیل گئی۔ میرے بتانے کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔ دوسروں سے سن کر آئی ہے۔"

"ہوں..." وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے سمجھانے دیں۔" وہ کہہ کر اندر چلا آیا۔ "بھائی پہ اتنا ہی بھروسا تھا پاگلے۔"

"نہ تم میرے بھائی اور نہ میں تمہاری بہن... میں تو بس شعبان خان کی یتیم اولاد ہوں، جسے خانوں نے اپنا شملہ اونچا کرنے کے لیے ونی کردیا۔" اس نے قطعی انداز میں کہہ کر صاف اپنی ناراضی کا اظہار کردیا۔

"بات اونچے شملے کی نہیں تھی آویزے۔ بات تیرے بھائی کی زندگی کی تھی۔"

"حمدان...؟" اس نے حیرت سے سر اٹھایا۔

"موت کی تلوار تو دو سالوں سے اس کے سر پر لٹک رہی ہے... اور اب فیصلے کا وقت آیا ہے تو خان بیگم نے قتل کے بدلے قتل کے بجائے ونی کی شرط رکھ دی؟"

"لیکن بہن بھی میری قتل ہو اور ونی بھی میں..." اسے پھر سے اپنا دکھ یاد آگیا۔

کیوں بھول جاتی ہو کہ صنوبر کے قتل کے بدلے میں حمدان نے خان بیگم کے داماد کو قتل کردیا تھا۔ یہاں پرانے خون بس اس وقت تک یاد رکھے جاتے ہیں۔ جب تک ان کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔ ویسے بھی غلطی حمدان کی تھی۔" بلاور کا لہجہ کچھ یاد کرکے ایک دم سرد ہوگیا۔ "نہ قتل کی وجہ پتا چلنے دی، نہ قاتل سامنے آنے دیا اور اگلے ہی دن جو پہلا بندہ اس قبیلے کا نظر آیا اسے مار گرایا وہ بھی جانے کتنوں کی نظروں کے سامنے... اب خود سوچو ونی کا فیصلہ ہم قبول نہ کریں تو کبھی بھی کوئی آکر حمدان کو جان سے مار سکتا ہے۔ اپنی ماں کے بارے میں سوچو جس کا اکلوتا بیٹا ہے وہ..."

"لیکن وہ تو ہمارے دشمن..." گل آویزہ کا لہجہ اب کے نہایت کمزور تھا۔ ہاجرہ بیگم نے ونی ہونے کا بتایا اور اس کے دماغ میں دھواں بھر گیا اور کوئی بات ذہن میں ہی نہیں رہی، سوائے اس کے کہ وہ دشمنوں کے گاؤں بیاہ کر جانے والی ہے۔

"ہاں...! مجھے بھی احساس تھا اس بات کا اسی لیے تو فوراً ہار مان لینے کے بجائے میں نے ان کے آگے شرط رکھ دی۔" بلاور اب بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ "میں نے جرگے میں صاف کہہ دیا کہ ونی ہماری شرطوں پر ہوئی تو ہم مانیں گے۔ ورنہ لو ابھی میرا سینہ چھلنی کرکے اپنا بدلہ پورا کرلو۔"

"شرط..." گل آویزہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیسی شرط...؟"

"خان بیگم کی بہو بننے کی شرط..." وہ پہلی بار مسکرایا۔ "ایک تو میری بہن کو دشمن قبیلے والے بیاہ لے جائیں... دوسرے کسی بھی ایرے غیرے سے شادی کردیں۔ یہ میں کیسے برداشت کرسکتا تھا۔ میں نے بھی کہہ دیا شادی ہوگی تو صرف اسجد عالم خان سے... ورنہ قتل کے بدلے قتل ہی ٹھیک ہے۔"

"لیکن صنوبر کا قتل بھی خانوں کی حویلی کے باہر ہوا تھا اگر قاتل وہیں..." آویزہ کی موٹی موٹی آنکھوں میں واضح خوف نظر آنے لگا۔

"اسی لیے تو میں نے یہ فیصلہ کیا۔" وہ آویزہ کے قریب آیا۔ "کیا تم نہیں چاہتیں کہ ہم صنوبر کے قاتلوں تک پہنچیں۔ دو سالوں سے جو قتل معمہ بنا ہوا ہے کیا اسے حل کرنا ہمارا حق نہیں...؟ تم تو میری بہت ذہین اور سمجھ دار بہن ہو... تم ہی ہو جو وہاں جاکر ہمارا منصوبہ مکمل کرسکتی ہو۔"

"منصوبہ..." گل آویزہ کا دل دھڑکا۔

"ہاں... وہ اب ہاتھ پیچھے باندھے سامنے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔" گل زمان کو مار لینے سے صنوبر کا بدلہ پورا

نہیں ہوجاتا۔ ٹھیک ہے وہ خان بیگم کا داماد تھا اور اس کا حویلی سے تعلق تھا، لیکن وہ قاتل نہیں تھا۔"

"تو کیا آپ جانتے ہیں قاتل کون ہے؟" گل آویزہ کی ساری حسیں بے دار ہوگئیں۔ بہن کے ذکر نے اس کے اندر جوش سا بھر دیا تھا۔

"نہیں... قاتل کو جانتا تو خود جا کر اس کا سینہ چھلنی کر آتا..." بلاور کے لہجے میں عجیب سی نفرت در آئی تھی۔

"لیکن لالہ... میں کسی خونی کھیل کا حصہ نہیں بن سکتی۔"

"نہ ہی یہ کوئی خونی کھیل ہے اور نہ ہی شادی کرنے میں کوئی حرج ہے، بلکہ تمہارے شادی کرنے سے تو خونی کھیل کا خاتمہ ہوگا۔ یاد ہے نا آج سے پچیس سال پہلے پھپھو نور زادہ کی شادی سے بھی خون خرابے کا خاتمہ ہوا تھا۔"

"لیکن ہمیشہ ہم ہی کیوں لالہ... کبھی اجمل قبیلے کی کوئی لڑکی ہمارے گاؤں میں کیوں نہیں بیاہی...؟" اس نے اپنی لمبی پلکیں اٹھا کر بلاور کو دیکھا... حالانکہ یہ بات یوں ہی اس کے دھیان میں آگئی تھی۔

"تمہیں اپنی سمجھ دار بہن ایسے ہی تو نہیں کہتا۔" بلاور کی آنکھوں میں یک لخت چمک ابھری... "ہوسکتا ہے تمہارے حویلی جا کر رہنے سے اس کا کوئی سبب پیدا ہوجائے۔"

"جی..." گل آویزہ نے چونک کر بلاور کو دیکھا تو وہ فوراً "سنبھلا۔

"تمہیں بس خان کی بیوی بن کر حویلی پہ راج کرنا ہے اور صنوبر کے قاتل کو ڈھونڈنا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ حویلی کے اندر ہی ہو۔" اس کے لہجے سے پھر معنی خیزی جھلکی تھی، لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ بلاور نے ایک نظر مستقبل کے خدشوں میں گھری گل آویزہ پر ڈالی اور اپنی فاتحانہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے باہر نکل گیا۔ ویسے بھی اپنے مقصد تک پہنچنے کی اس پہلی فتح کی خبر اسے جلد از جلد کسی تک پہنچانی تھی، جو یقیناً "شدت سے اس کے فون کا منتظر تھا۔

☆ ☆ ☆

"شاید ہمیں گاڑی تھوڑی پیچھے لے جانی پڑے۔" اسجد نے اپنی پرسوچ نگاہ سامنے پہاڑوں کے پیچھے سے اٹھتے طوفان پر ڈالی... طوفان نے انہیں اس وقت آلیا جب وہ مردان سے بھی آگے نکل آئے تھے۔ ماں کو تسلی دینے کے باوجود وہ تو شہو میں نہیں رکا تھا۔ اب عہد شکنی پر دل میں افسوس سا ہوا۔

"کیوں... کیا ہوا؟" فراز نے خطرناک پہاڑی موڑ پر ریورس میں گاڑی چلاتے اسجد کو پریشانی سے دیکھا' لیکن پھر بنا جواب کا انتظار کیے باہر جھانک کر سڑک اور پہیے کے زاویے پر دھیان لگا دیا۔ "تھوڑا اندر کو لو..."

"پیچھے کچھ ہے تو نہیں...؟" اسجد نے تسلی چاہی۔

"ایک لڑکی ہے' لیکن ابھی ذرا فاصلے پر ہے۔ ہاں بس اب کاٹ لو... اف..." فراز نے اسجد کے رسکی ایکشن کے بعد سانس بحال کی۔ موڑ کاٹ کر پیچھے آتے ہی اب وہ قدرے کھلی جگہ پر آگئے تھے۔ یہاں پہاڑی کا کٹاؤ اتنا بڑا تھا کہ سڑک کے کنارے باقاعدہ چھوٹا سا چائے کا ہوٹل بھی بنا ہوا تھا۔ بلکہ وہ کچھ یوں کنارے پر کھڑا تھا کہ عین اس کی پشت پر گہری کھائی تھی۔ لیکن ایریا چونکہ لینڈ سلائیڈنگ والا نہیں تھا تو اس حساب سے کافی حد تک محفوظ ہی تھا۔

"تمہیں بھوک لگ رہی تھی۔ سوچا اس ہوٹل کو مس نہ کروں۔" اس نے گاڑی کی چابی نکال کر قدم باہر رکھے۔

"ارے بھائی... میں تو مردان سٹی میں کہہ رہا تھا۔ سوچا شاید کچھ فاسٹ فوڈ مل جائے۔"

"اوف!" اسجد نے مسکرا کر ہوٹل کا رخ کیا۔ "فاسٹ فوڈ تو یہاں بھی ہے... آؤ..." ایک نظر قریب آتے مٹی کے طوفان پر ڈال کر وہ اندر داخل ہوگیا۔ فراز کی ہرگز اس دھول مٹی کی طرف توجہ نہیں تھی۔

"لو... یہ ہے ہمارا دیسی فاسٹ فوڈ" چائے اور

سموسے آئے تو اسجد نے پلیٹ اس کی جانب کھسکائی۔

"کیا کہنے بھئی اس فاسٹ فوڈ کے.... ہمیں تو یار دل و جان سے عزیز ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بھرپور انداز میں ٹوٹ پڑا۔ کھڑکیوں کے پٹ بجنے لگے تھے۔ سائیں سائیں کی آواز پہاڑوں سے ٹکرا کر وادی میں گونجنے لگی۔ ملا جلا شور اور ہواؤں کی تیزی چھپر ہوٹل کے اندر تک گھس آئی تھی۔

"آندھی...." فراز نے بے تحاشا چونک کر سر اٹھایا۔

"ہوں.... پیچھے بارش بھی لگ رہی ہے۔" اسجد کپ ہاتھ میں لیے کھڑکی میں آیا۔

"اوف.... پھر تو بارش آنے تک ہمیں یہیں رکنا چاہیے۔"

"ہاں دیکھتے ہیں کتنی بارش ہے اور کب تک چلے گی۔ لو بارش شروع ہو گئی۔ اسجد نے کھڑکی پوری کھول دی۔ نیچے وادی اور اس کے پار والے اونچے پہاڑ پر اب تیز بارش برسنے لگی تھی۔ چنار کے درخت دھول مٹی سے اٹنے کے بعد اب جھوم جھوم کر نہا رہے تھے۔ دور کے منظر سے لحظہ بھر کو اس کی نگاہ بے ساختہ انتہائی قریب کھڑکی کے بالکل نیچے آ کر رکی۔ بنفشی اور ارغوانی رنگ کے وہ خودرو جنگلی پھول تھے جو آنکھوں کو اتنے بھلے لگے کہ اسجد نے ہاتھ بڑھا کر دو سرخ ایک نارنجی پھول توڑ کر ہاتھ میں لیا۔ کچھ دیر بغور انہیں دیکھا اور جیسے باہر کی تمام خوب صورتی درد کی صورت اس کے چاروں جانب پھیلنے لگی۔ جانے کیوں کچھ منظر ایسے آنکھ کی پتلی میں ٹھہر جاتے ہیں کہ تشبیہ کی چھوٹی سی جھلک۔ جھٹ سے انہیں لاشعور سے یک لخت نظر کے سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔ پوری وادی میں نارنجی آنچل لہرانے لگا۔ اسجد کے ہاتھوں پر جیسے کسی نے جلتے انگارے ڈال دیے تھے۔ اس نے گھبرا کر مٹھی کھولی۔ پھول نیچے جا گرے اور ڈوبتا دل شاید اتھاہ گہرائیوں میں.... اس نے شعوری کوشش سے جلد ہی خود کو اس کیفیت سے نکالا۔

"بارش میں کمی کا کچھ امکان ہے؟" فراز نے باقاعدہ جھانک جھانک کر یوں باہر دیکھنا شروع کیا جیسے اس سے بہتر فور کاسٹ کوئی نہ بتا سکتا ہو۔

"ہاں.... اس موسم کی بارش کا یہ ہی مزا ہے۔ پانی سے بھرا بادل جس تیزی سے آتا ہے۔ اس تیزی سے جھٹ پٹ آ کر آگے نکل جاتا ہے۔"

"کچھ کچھ میری طرح ہے، پھر تو...." فراز نے شرارت سے سر جھکایا۔ اسجد کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"جیت پھر بھی تمہاری ہو گی۔ بادل بے چارے کی کیا اوقات...."

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" وہ کھسیا گیا۔ "اب تو میں کافی بدل گیا ہوں۔"

"اچھا.... مثلاً...." اسجد نے صاف لتاڑا۔

"پچھلے تین ماہ میں تم نے سندس کے علاوہ کوئی نام سنا میرے منہ سے....؟"

"کیوں.... اس اکیڈمی والی نے اپنا نام نہیں بتایا ابھی تک...." اسجد کا حملہ بہت فوری تھا، فراز سنبھل نہیں پایا۔

"درجن بھر لڑکیاں میں بھی ڈھونڈ ہی لاؤں گا، اگر اتنی نظر میں تم پر رکھوں۔" فراز نے حساب برابر کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔

"لگی شرط...." اسجد نے بنا رو و قدح ہاتھ آگے بڑھایا۔

"واہ.... کیا کانفیڈنس ہے۔" وہ امپریس ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ دونوں باتیں کرتے بھیگی سڑک پر نکل آئے تھے۔ بارش اب ہلکی پھوار کی صورت برس رہی تھی۔ اسجد نے سیٹ سنبھال کر شیشے نیچے کیے۔ سفر کا ایک مرتبہ پھر آغاز ہو گیا۔

"دو ہی ریزن ہو سکتے ہیں اس کانفیڈنس کے.... یا تو تم اپنے دل تک کسی کو رسائی نہیں دیتے.... حتی کہ دوستوں کو بھی نہیں، یا واقعی مردم بے زار ہو۔"

"مردم بے زار کا دل تو شاید پوری دنیا سے اچاٹ ہوتا ہے۔ مجھے تم عورت بے زار کہہ لو۔" وہ خود ہی ہنسا۔ "ویسے دو سالہ دوستی میں یہ ہی سمجھ پائے تم مجھے.... داد دینی پڑے گی۔" اسجد کے لہجے میں واضح طنز

تھا۔

"میرا کیا قصور... تم خود ٹیڑھی کھیر ہو... لیکن عورت بے زار بھی کچھ زیادتی ہوگی۔ لڑکی بے زار کہہ لیتا ہوں۔ البتہ وجہ جاننے کا ابھی بھی اشتیاق ہے۔"

"بہت بار پوچھ چکے ہو۔" اسجد نے ایک اور موڑ کاٹا۔

"اور تم بھی ہر بار ٹال چکے ہو۔ آج نہیں چھوڑوں گا۔" اسجد عالم اتنا فارغ کبھی کبھار ہی میسر آتا ہے۔

فراز اب مسکرانے لگا تھا۔

"تب ہی تم لسوڑے کی طرح ساتھ چپک گئے۔ اکیلے مت رہنے دینا۔" وہ باقاعدہ ہنسنے لگا۔

"اچھا اب بات نہ گھماؤ۔ ایک اچھے خاصے ہینڈسم... بھرپور نوجوان، جو دماغی طور پر بھی مکمل صحت مند، نارمل اور فٹ ہو، کسی عجوبہ عادت کا پایا جانا قطعی غیر فطری ہے۔ غیر فطری اس لیے کہ عورت بلاشک و شبہ کائنات کا حسن بھی ہے، مرد کی تکمیل بھی... وہ باقاعدہ جرح پر اتر آیا۔"

"ہاں... مجھے مکمل اتفاق ہے۔" اسجد سنجیدہ ہوا۔

میری پانچ بہنیں اور ماں بھی خواتین ہیں، جن سے میں دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتا ہوں، ان کی عزت کرتا ہوں، بلکہ جن کے بغیر میری زندگی بے معنی ہے۔

بہر حال جس سسپنس میں تم پوچھ رہے ہو تو اسے میری عجوبہ سوچ ہی سمجھ لو۔ یار مجھے لڑکیوں کی عجیب و غریب عادات سے سخت الجھن ہوتی ہے۔ ان کی معصومیت نرا دھوکا اور آنسو سراسر ہمدردی وصول کرنے کا نسخہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہٹ دھرمی اور پرفریب شخصیت ہوتی ہے ان کی۔ زبان پہ کچھ دل میں کچھ آنکھوں سے کچھ اور... جبکہ مرد میں نہ گہرائی ہے، نہ الجھاؤ... وہ جو ہے بس وہی ہے... سیدھا... صاف... سچا اور کھرا... وہ مثبت سوچ کا حامل ہے تو ہر لحاظ سے اچھا اور پرفیکٹ ہے اور اگر منفی سوچ رکھتا ہے تو صاف صاف دنیا اسے برا سمجھتی ہے... لیکن یہ لڑکیاں... اوپر سے پازیٹو... اندر سے نیگیٹو..."

اسجد نے گیئر پر زور ڈالا۔

"وہ کون تھی اسجد... جس نے تمہیں دھوکا دیا؟"

بغور اس کا ایک ایک لفظ سنتے فراز نے ایک ہی نپا تلا سوال کیا تو دیر سے چلتی اسجد کی زبان کو یک لخت بریک لگی۔ کافی دیر وہ جواب دینے کی حالت میں نہ آسکا۔

"اچھا خیر..." فراز نے خود ہی بات اڑا کر ایک سی ڈی اٹھائی۔ "تمہارے پاس احمد ظاہر اور ناشناس کی کلیکشن بھی ہے۔ واہ... میرے ابو بہت سنا کرتے تھے۔" اس نے سی ڈی ڈال کر پلیئر آن کر دیا۔

زندگی آتش شرارے... بندگی در کار نیست

ناشناس کی پرسوز آواز نے ماحول کی فسوں کو کچھ اور گمبیر کر دیا۔

✡ ✡ ✡

"کھانے وغیرہ کا بندوبست دیکھ لینا زری... مردانے کی صفائی ٹھیک سے کروا دی... تم خود ایک چکر لگا آئیں... اسجد بس آتا ہی ہوگا۔" وہ اٹھ کر تکیے سے ٹیک لگانے لگیں۔ زرمین نے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔

"سب دیکھ لیا اماں... لالہ کے دوست کا کمرہ بھی ٹھیک کروا دیا ہے۔"

"بخت سے کہتیں... درے تک خود چلا جاتا۔ جانے کدھر پہنچا ہے اسجد۔ مجھے تو ٹھیک سے کچھ بتایا بھی نہیں۔" وہ انجانے خدشوں میں گھری، چہرے کا تفکر چھپا نہیں پا رہی تھیں۔ تب ہی بخت خان اندر داخل ہوا۔

"سلام چاچی جان..."

"آئیں لالہ..." زرمین نے اس کے لیے جگہ چھوڑی۔

"وعلیکم السلام... میں کہہ رہی تھی..."

"جی چاچی جان...! میں نے جیپ پر آدمی بھیج دیے ہیں۔ وہ بس اسجد کو لاتے ہی ہوں گے۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔" بخت مودب سا سامنے ٹک گیا۔

"خوش رہو... جیتے رہو۔ تمہارے ہوتے مجھے کس بات کی فکر... ہمیشہ ہی ہر معاملہ اچھی طرح سنبھال لیتے ہو۔ پچھلے بارہ تیرہ سالوں میں تم نے ساتھ

نہ دیا ہوتا تو یہ گاؤں بھر کے جھمیلے کہاں میں اکیلی سنبھال پاتی۔ ہاہ۔ خان بیگم نے ایک آہ بھری۔ "اب تو بس ایک ہی پریشانی ہے۔"

"کیا ہوا چاچی جان۔ سب خیر تو ہے۔ کیا بات ہے زرمین۔" بخت نے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھا۔

"لالہ۔ وہ اماں جان پریشان ہیں کہ اسجد لالہ کو کیسے بتائیں گے جرگے کا فیصلہ اور شادی۔" وہ اٹک گئی۔

"آپ نے ابھی تک بات نہیں کی۔" بخت سخت متعجب ہو گیا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا چاچی جان' فون پر بتا دیں' تاکہ وہ ذہنی طور پر تیار ہو کر آئے اور۔"

"بس بچے۔ ہمت نہیں پڑی۔ پھر ابھی تو مجھے خود یقین نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہو گیا۔ مجھے تو لگا تھا ونی ہی ہمارے تمام مسئلوں کا حل ہو گی اور اسجد گل کی زندگی کی ضمانت بھی۔ کہاں پتا تھا یہ کم بخت بلاور یوں دشمنی نکالے گا۔ میں نے تو ایک دن بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میری بچی کو بیوہ کرنے والے کی بہن میری بہو بن کر آئے گی۔ یہ بخت کہیں کا۔ پورے گاؤں میں اور کوئی نہیں ملی تھی رشتے کے لیے۔ اسجد پر کیا گزرے گی سن کر۔" وہ باقاعدہ تاسف سے ہاتھ مل رہی تھیں۔

"جس کسی سے بھی کہتا چاچی جان' وہ آگے سے یہ ہی جواب دیتے کہ جب حمد ان کی اپنی بہن موجود ہے' اس کی جان بچانے کے لیے' ہم اپنی لڑکی بلاوجہ ونی کیوں کریں۔" بخت کا نکتہ اپنی جگہ جائز تھا۔ انہوں نے اتفاق کرتے ہوئے سر ہلایا۔

"بات تو ٹھیک ہے بچے۔ پر اپنے دل کو کیسے سمجھائیں۔ کیسے میں اپنے داماد کے قاتل کی بہن کو اپنی آنکھوں کے آگے چلتے پھرتے' ہنستے بولتے دیکھوں گی۔ کم از کم یہ شرط تو نہ رکھتا بلاور کہ شادی صرف اسجد سے ہو گی' ورنہ نہیں۔"

"مشکل تو لڑکی کے لیے بھی ہے نا چاچی جی۔ اس کی سگی بہن کا یہاں قتل ہوا تھا' وہ بھی تو۔"

"ارے کوئی ہم نے قتل کیا اس صنوبر کو۔" وہ نفرت سے چلائیں۔

"بے حیا کہیں کی۔ نہ اپنے پرائے کا خیال' نہ چادر پردے کی تمیز' ہر آئے گئے کو ناز نخرے اور ادائیں دکھاتی پھرتی تھی۔ جانے کس دل جلے نے مار کر لاش ڈیرے کے باہر پھینک دی۔ ہم کیا قاتل ثابت ہو گئے اس سے۔"

"بس اماں!" زرمین نے قریب بیٹھتے ہوئے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا' وہ اس لمحے کافی پرجوش اور جذباتی ہو گئی تھیں۔ "فی الحال یہ سوچیں کہ لالہ سے کون بات کرے گا اور کیا کہیں گے اسے۔ آپ کو پتا ہے نا اس کا غصہ بہت تیز ہے۔ ہتھے سے اکھڑ جائے تو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اورنگ چاچا اور میرے بابا کو بات کرنی چاہیے۔ ان دو کے آگے وہ زیادہ سوال جواب نہیں کرتا۔" بخت نے مشورہ دیا۔

"ہاں اماں۔ یہ ہی ٹھیک ہے۔ آپ بتائیں۔" اس نے ماں سے تائید چاہی تو انہوں نے بھی سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے بخت۔ تو تم قربان لالہ اور اورنگ لالہ کو سمجھا دو۔ آج رات کا کھانا بھی ہماری طرف کھائیں۔ تم خیال اور نصیب کو بھی لے آنا اور اپنے گھر سے زمان گل' تنویر اور گل نواز کو بھی کہہ دینا۔"

"جی چاچی جان۔ آپ اب آرام کریں۔ امید ہے خوش اسلوبی سے معاملہ طے پا جائے گا۔" وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہوں۔" انہوں نے ہولے سے سر ہلا کر پلنگ کی پشت سے سر ٹکایا۔ ان کے بوجھل دل کو اس مشکل مرحلے سے گزرنے کے بعد ہی سکون نصیب ہو سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہاں بلاور خان۔ بولو پھر کام ہو گیا؟" ولی بخش کی بھاری آواز ماؤتھ پیس سے ابھری۔

"بالکل خانا۔ خوش خبری ہے تمہارے لیے۔"

بلاور جواباً "چہکا۔
"مان گئی۔۔۔ وہ تمہارے مزارع کی بیٹی۔۔۔"
"تو اور کیا۔۔۔ میں نے ان ماں بیٹی پہ واضح کیا تھا کہ اگر گل آویزہ ونی کے لیے تیار نہ ہوئی تو اجمل قبیلے والے ہر حال میں حمدان کا سر لیں گے۔ اب کیسے نہ مانتے" بتاؤ۔" بلاور بے شرمی سے ہنسے گیا۔
"ہوں۔۔۔" ولی بخش نے پرسوچ انداز میں ایک ہنکارا بھرا۔ "یاد رکھو بلاور خان اس مرتبہ کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارے منصوبے کی راہ میں کافی طویل راستہ پڑتا ہے اور کام بہت خطرناک۔۔۔ جلد بازی سے معاملات بگڑ سکتے ہیں۔"
"پچھلی بار تو اس حمدان کی وجہ سے چوک ہو گئی تھی۔ فکر نہ کرو اس بار سب طے ہے۔" بلاور بھی یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔
"خیر۔۔۔!" وہ سب تو بعد کی بات ہے۔ خان کہہ رہا ہے۔ اگلا پیغام بھی حویلی بھجوا دو۔
"یعنی شادی کی تاریخ۔" بلاور بری طرح چونکا۔
"پر ابھی تو وہ۔۔۔ اسجد کے باقاعدہ خان بننے کی رسم ہونی ہے نا۔"
"خان کہتا ہے۔۔۔ جشن اور شادی ایک ساتھ ہو جانے چاہئیں۔ کہیں اسجد خان پگڑی پہنتے ہی فیصلوں میں تبدیلیاں نہ لانا شروع کر دے۔ بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔ ابھی لوہا گرم ہے' چوٹ لگانے کا یہ ہی بہترین وقت ہے۔"
"بات تو ٹھیک۔۔۔" بلاور سوچ میں پڑ گیا۔ "اچھا مجھے لڑکی والوں سے بات کرنے دو۔"
"ہاں بس جلدی کے لیے کوئی بہانہ بنا دینا۔۔۔ اور جو بھی بات ہو مجھے فوراً" بتانا۔"
"ٹھیک ہے۔۔۔ بے فکر رہو۔" بلاور نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"گاؤں میں رات کیا اتری۔ اسجد عالم کے خوابوں اور سپنوں پر بھی سیاہی چھا گئی۔" اور نگ زیب چاچا کے دونوں بیٹے خیال خان اور نصیب گل' بڑے چچا قربان خان اس کے چاروں بیٹے لائق' بخت' گل نواز اور زمان خان ابھی ابھی ان کے گھر سے اٹھ کر گئے تھے۔ خان بیگم کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ چاچا کے بڑے بیٹے خیال نے بات کا آغاز کیا اور موضوع کھلتا چلا گیا اور اس وقت جبکہ سب ہی افراد اٹھ کر واپس جا چکے تھے۔ خان بیگم کی اصل آزمائش کا آغاز ہوا تھا۔ انہوں نے بغور بیٹے کا صبیح چہرہ دیکھا۔ سب کے درمیان خاموشی سے ہر بات سن لینے والے اسجد کے دماغ میں ہزاروں سوال جنم لے چکے تھے۔ جن کا جواب اسے صرف اپنی ماں سے چاہیے تھا۔
زرمین نے بھانپ لیا کہ بات کو کل پر ٹالنے کا مطلب ایک بھاری رات ماں اور لالہ کے اعصاب پر مسلط کرنا تھی۔ اور وہ ہرگز دونوں کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے اسجد کو خود ہی اماں کے کمرے میں لے آئی۔ بریختہ بھی اس وقت وہاں تھی۔
"میں بہت شرمندہ ہوں بچے۔ اپنی ماں کو معاف کر دینا۔" انہوں نے باقاعدہ اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔ اسجد تڑپ کر ان کے قریب آیا۔
"کیا کر رہی ہیں اماں جان۔۔۔ اس میں آپ کا کیا قصور۔۔۔ بابا کے اصولوں پر چلنے کے لیے تو میں اپنی جان سے بھی گزر سکتا ہوں' یہ تو پھر۔۔۔" جانے کیوں وہ اٹک سا گیا۔ زرمین اور بریختہ اس کے قریب آئیں۔
"بخت لالہ نے بلاور اور اس کے باپ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی' جرگے میں پورا ہفتہ اس معاملے پر بحث چلتی رہی تھی کہ ونی ہونے والی لڑکی اس قاتل کی بہن نہ ہو۔۔۔ بلکہ ہمارے اسجد کے لیے خانوں کے گھر کی لڑکی آنی چاہیے۔۔۔ لیکن بلاور بضد تھا کہ ونی تو بس شعبان مزارع کی بیٹی ہی ہو گی۔ ہمیں تو یہ بھی قبول تھا بشرطیکہ بیاہ آپ کے بجائے ہمارے خاندان یا گاؤں کے کسی اور مرد سے کروا دیا جاتا لیکن بلاور نے صاف کہہ دیا کہ نکاح ہو گا تو صرف اسجد سے۔۔۔ ورنہ دوسری صورت میں خون خرابا ہی جاری رہے گا۔ حتیٰ کہ یہ بھی کہہ دیا قتل کرنے کی باری آپ

کی ہے' چاہو تو ابھی مجھے جان سے مار دو۔ میرا سینہ گولی کھانے کے لیے حاضر ہے۔ اب بتاؤ لالہ ہمارے تو ہاتھ پیر ہی بندھ گئے تھے۔" بربخت باقاعدہ رونے لگی۔ اسجد نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگایا۔

"روتی کیوں ہو پاگل... میں نے کچھ کہا ہے کیا... ہمارے بابا جان امن کی کوششوں میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے... پچھلے تیرہ برس کا ایک ایک دن میں نے اس عہد کے ساتھ گزارہ ہے کہ بابا کا مشن ہر صورت کامیاب بناؤں گا' کیونکہ اسی میں گاؤں' قبیلے اور علاقے کی بھلائی ہے۔ اب مشن کی راہ میں کڑی آزمائشیں تو آئیں گی... یہ تو ابھی پہلا قدم ہے۔ تم سب پریشان نہ ہو' مجھے جرگے کا فیصلہ منظور ہے۔"

"لیکن لالہ..." زرمینہ نے چور نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا۔ "لڑکی بہت معمولی گھر کی ہے۔ اوپر سے اس حمدان کی بہن ہے۔ آپ کا اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔"

"اصول کے معاملے میں اب ایسی باتوں کا کیا جواز..." اسجد کی آہ میں برسوں کی تھکن تھی۔

"نہیں..." خان بیگم کی پاٹ دار آواز پر تینوں نے بے ساختہ نظر اٹھائی۔ ماں کی آنکھوں میں کسی فیصلہ کن ارادے کی چمک تھی۔ سامنے دیوار پر نظریں جمائے انہوں نے قطعی اور بے تاثر لہجے میں بات کا آغاز کیا۔ "خون خرابا بھی رکے گا اور اس قاتل کی بہن بھی آئے گی یہاں... لیکن بس... یہیں تک ہوگی بلاور اور اس کے باپ زرتاج خان کی اجارہ داری... جرگے کے فیصلوں کی پاسداری کر کے میرا بیٹا سرخرو تو ہوگا' لیکن ہارا ہوا اور شکست خوردہ ہرگز نہیں کہلائے گا۔ مزارع کی بیٹی ایک بار پہاڑ کے اس پار وادی میں اتر تو آئے۔ پھر وہ بلاور اور اس کا باپ اپنے سارے اختیار کھو دیں گے۔

سنو بربخت... انہوں نے یک لخت گردن موڑی... تم اور نوری... کل صبح پیچھے کی حویلی میں جاؤ اور جمال بی بی کے کمرے کے ساتھ جو بے کار سامان کے تین کمرے ہیں' ان میں سے ایک کمرہ خالی کروا کے صاف کرادو۔ وہ لڑکی پہلے دن سے اُدھر ہی رہے گی۔ میرے اسجد پر اس کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہیے۔ میرے خان بیٹے کی دلہن اس کی اپنی پسند سے آئے گی۔ میں نے بھی جرگے کے مشیران سے ایک بات منوالی تھی کہ اسجد جب چاہے بلا روک ٹوک دوسری شادی کر سکتا ہے۔ اب بہت جلد میں' ہماری مرضی کی دلہن پوری شان و شوکت سے حویلی میں لے آؤں گی۔" انہوں نے کسی جذبے کے تحت سر کو اونچا کیا۔ "دیکھتی ہوں' کیسے کوئی بلاور ہماری خوشیوں کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔"

زرمینہ نے نہایت سکون سے بھائی کی طرف دیکھا۔ لالہ کی ایک ہاں نے نہ صرف اماں جان کے سر سے بھاری پتھر جیسا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ بلکہ ذہن سکون کی حالت میں آیا تو انہیں نئی اور قابل عمل راہیں بھی سجھائی دینے لگی تھیں۔ اسجد نے ان کے چمکتے چہرے پر اپنی گہری نگاہ جمائی اور ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"سب کچھ بالکل ویسے ہو گا جیسے میری اماں جان چاہیں گی۔ بس اب آپ آرام کریں۔ فی الحال ہم بلاور کو اس کی جیت کا جشن منانے دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کی جیت کی مدت بہت مختصر ہے۔" وہ اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ "میں ڈیرے پر جا رہا ہوں۔ فراز وہاں کافی دیر سے اکیلا ہے۔"

☆ ☆ ☆

کسی بھی قبیلے یا علاقے کی لڑائی دوسرے گاؤں یا علاقے سے کب شروع ہوئی' بعض دفعہ علاقہ مکین خود بھی بتانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ تاریخ اور وجہ تنازعہ پر بھی ابہام پائے جاتے ہیں اور یہ ہی معاملہ ان لڑائیوں کے مستقبل کے بارے میں ہوتا ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان جھگڑوں کا انجام کب اور کیسے ہو گا۔ البتہ مختلف وقتوں میں ان علاقوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے والے خان اور سردار اپنی اپنی عادت اور طبیعت کے مطابق ان جھگڑوں کو بڑھانے یا ختم کرنے کا باعث ضرور بنتے رہتے ہیں۔ ایک اچھے سردار کی ہمیشہ یہ ہی

کوشش ہوتی ہے کہ علاقے میں امن و امان قائم کیا جائے اور خون خرابے سے اجتناب برتا جائے۔
مشعل خان ایسا ہی ایک صلح جو‘ امن پسند جوان تھا۔ اپنے پسماندہ علاقے کو ہر قسم کی رنجشوں اور خون خرابے سے پاک کر کے ترقی کی راہ پر گامزن کرنا جس کی زندگی کا مقصد تھا۔ مشعل خان کے سر پر جس وقت سردار کی پگڑی رکھی گئی‘ اجمل اور رئیس قبیلے کے آپس کے جھگڑے اپنے عروج پر تھے۔ اگرچہ پہاڑ اور وادی کی آپس کی لڑائیاں صدیوں پرانی تھیں‘ لیکن قبیلوں کے اجمل اور رئیس کے نام سے مشہور ہو جانے کا قصہ کچھ بہت پرانا نہیں تھا۔ بیسویں صدی کے اوائل برسوں میں جبکہ پہاڑوں کا سردار رئیس خان اور وادی کا سردار اجمل خان تھا۔ پہلی مرتبہ دوبدو جنگ کی کیفیت پیدا ہو گئی اور انجام اس جنگ کا یہ نکلا کہ آمنے سامنے دونوں سرداروں نے ایک دوسروں کو بندوق کے نشانے پر رکھ کر موقع پر ہی ہلاک کر دیا اور تب سے پہاڑ والے رئیس اور وادی والے اجمل قبیلے کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مشعل خان اسی اجمل خان کا پوتا تھا۔ ادلے بدلے کی قتل و غارت اس وقت بھی زور و شور سے جاری تھی‘ جب مشعل خان سردار بنا۔۔۔ علاقے کے حالات اور خون ریز ماحول کو دیکھتے ہوئے اس نے ونی کی رسم کو تازہ کیا‘ جسے برسوں ہوئے پہاڑ اور وادی والے فراموش کر چکے تھے۔ اگرچہ یہ بھی ایک مشکل فیصلہ تھا اور بے شمار کٹھنائیاں اس کی راہ میں بھی حائل تھیں‘ لیکن رئیس قبیلے کے اس وقت کے سردار شیر اکبر کے ساتھ کی بدولت یہ مشکل مرحلہ بھی آسانی سے طے پا گیا۔
دراصل رئیس قبیلے کے ایک آدمی نے مشعل خان کے سب سے چھوٹے بھائی نوریز خان کا قتل کر دیا تھا۔ اس حساب سے بدلہ لینے کی باری اب اجمل قبیلے کی تھی‘ لیکن مشعل خان نے بھائی کے قتل کے بدلے میں قتل کے بجائے ونی کی تجویز رکھ دی۔ جس کی رو سے اگر رئیس قبیلہ اپنی کوئی لڑکی اجمل قبیلے میں بیاہ دیتا ہے تو خون خرابے کا خاتمہ کیا جا سکتا تھا۔ رئیس قبیلے کے سردار شیر اکبر اس فیصلے کا کھلے دل سے خیر مقدم کرتے ہوئے اپنی سگی بہن ہی ونی کے لیے دینے کو تیار ہو گیا۔ شیر اکبر کے اس فراخدلانہ فیصلے پر مشعل خان نے طے کیا کہ خانوں کی بیٹی کو عزت سے بیاہ کر خانوں کی حویلی میں ہی لایا جائے‘ تاکہ اس کی حیثیت اور مرتبے میں کوئی کمی نہ آئے‘ لیکن یہاں پہلی بار مشعل خان کو اپنوں کی مخالفت کا وار سہنا پڑا۔۔۔ اپنا سگا بھائی قربان خان ہرگز قاتل قبیلے کی لڑکی کو اپنے گھر لانے پر تیار نہ تھا۔ اس کے سر پر چھوٹے بھائی نوریز کے قتل کا بدلہ سوار تھا۔ تب تیسرے نمبر والے بھائی اور اورنگ زیب نے شادی کے لیے حامی بھر کر مشعل خان کی مشکل آسان کر دی۔۔۔ شیر اکبر کی بہن نور زادہ بیاہ کر حویلی آ گئی اور خون خرابا تھم گیا۔ آپس میں بھائیوں کے گلے شکوے اور ناراضیاں بھی دنوں میں نہیں تو مہینوں کے اندر اندر دم توڑ گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب مشعل خان کے گھر دو بیٹیوں زرمین اور بریخنہ کے بعد اسجد عالم کی پیدائش ہوئی۔۔۔ ایک ہی سال میں پہلے امن کے قیام اور پھر بیٹے کی پیدائش کو مشعل خان نے اپنے لیے ایک نیک شگون تصور کیا۔ گاؤں بھر میں خوشیاں منائی گئیں اور علاقے کی رونقیں بحال ہو گئیں۔ وقت گزر تا گیا۔ آنے والے سالوں میں مشعل خان کے ہاں یکے بعد دیگرے تین مزید بیٹیوں دل ناز‘ نورینہ اور بانو کی پیدائش ہوئی۔ ونی کے فیصلے کے بعد اب تک علاقے میں کوئی عہد شکنی نہیں ہوئی تھی۔
اسجد کی عمر اس وقت بارہ سال تھی جب ایک روز شہر سے واپسی پر درے سے گزرتے ہوئے مشعل خان پر رئیس قبیلے نے حملہ کر کے اسے جان سے مار دیا اور الزام یہ لگایا کہ وہ تین گاڑیوں میں اسلحہ بھر کر ان پر حملے کی نیت سے آ رہا تھا۔ الزام اگرچہ غلط ثابت ہو گیا تھا‘ لیکن مشعل خان تب تک جان سے جا چکا تھا۔ بارہ سالہ سکون میں پھر سے دراڑ پڑ گئی۔ خون کے بدلے خون کی روایت ایک بار پھر زندہ ہو گئی۔
مشعل خان کی موت کے بعد اب رسم کے حساب

سے سرداری کی پگڑی اسجد عالم کے سر پر آنی تھی' لیکن اس کی کم عمری اور گاؤں کے حالات کو دیکھتے ہوئے مشعل خان کی بیوہ یعنی خان بیگم نے اسے شہر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ گاؤں کے معاملات وہ خود اپنے دیور قربان خان کی مدد سے دیکھنے لگیں۔ قربان خان کا بڑا بیٹا بخت اس وقت اٹھارہ' بیس سال کا نوجوان تھا۔ بخت خان گاؤں اور جرگے کے معاملات میں نہ صرف بہت دلچسپی لیتا تھا' بلکہ کافی تیز اور پھرتیلا بھی تھا۔ قربان خان کے ساتھ ساتھ خان بیگم بھی اس پر بھروسا کرنے لگی تھیں۔

دوسری طرف اسجد پشاور میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ مہینے میں ایک آدھ بار خان بیگم کالے شیشوں والی کار شہر بھیج کر بیٹے کو اپنے پاس بلواتیں اور اسجد چند دن ماں اور بہنوں کے ساتھ گزار کر واپس پشاور چلا جاتا' البتہ آنے والے سالوں میں جب تھوڑی سی خود مختاری' اپنی گاڑی اور لائسنس ملے تو خود ہی ڈرائیو کر کے ماں کے پاس آنے لگا۔

اور اب تیرہ برس بعد جبکہ وہ اپنی پڑھائی بھی مکمل کر چکا تھا اور مزید شہر میں رہنے کا کوئی جواز باقی نہ رہا تو خان بیگم نے اسے ہمیشہ کے لیے گاؤں واپس بلانے کا فیصلہ کر لیا۔ قبیلوں کی لڑائی اب عین اس موڑ پر تھی کہ قتل کرنے کی باری اجمل قبیلے کی تھی۔ صورت حال ایک مرتبہ پھر وہی بن گئی جو پچیس سال پہلے مشعل خان کی سرداری کے موقع پر بنی تھی۔ خان بیگم نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک بار پھر ونی کے فیصلے کا اعلان کر دیا' تاکہ اسجد کی آمد سے پہلے پہلے علاقے میں امن قائم ہو جائے۔ بس ایک بات اس پورے معاملے میں کافی پریشان کن تھی۔ موجودہ جنگ کی صورت حال پچیس برس پہلے والی کیفیت سے قدرے زیادہ خطرناک تھی۔ خانوں کے قبیلوں میں اس سے پہلے کبھی کسی عورت کا قتل نہیں ہوا تھا۔ اسجد کو اس معاملے میں بھی سنگین خطرات درپیش تھے۔

صنوبر کا تعلق رئیس قبیلے سے تھا اور وہ خانوں کے مزارع شعبان کی بیٹی تھی۔ شعبان کی اچانک موت کے باعث گھر والوں کو خاصے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ حمدان نے باپ کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی کوشش ضرور کی' لیکن نہ تو اسے کام کا تجربہ تھا' نہ ہی سمجھ۔ اس لیے خانوں کے نئے مزارعے کے ماتحت کام سیکھنے کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں فخری بی بی کو کسی ذریعے سے پتا چلا کہ زرتاج خان کی بہن نور زادہ بی بی کو اپنے گھر کسی عورت کی ضرورت ہے۔ نور زادہ خود جوڑوں کی مریض تھی اور اس کی بہو امید سے تھی۔ انہیں کوئی ایسی عورت چاہیے تھی جو مستقل ان کے پاس رہ سکے۔ شرط بس اتنی تھی کہ وہ عورت اجمل قبیلے میں آ کر ان کے ساتھ خانوں کی حویلی میں رہے گی۔

شیر اکبر کی بیٹی نور زادہ اگرچہ پچیس برسوں سے دشمن قبیلے کی بہو تھی' لیکن آپس کی نفرت اور نفاوت برسوں گزر جانے پر بھی کوئی کم نہ کر سکا تھا۔ دونوں قبیلوں نے خود کو دل سے ایک دوسرے کا دشمن تسلیم کیا تھا۔ اور ونی ہونے والی لڑکی کو محض ایک رسم کا حصہ۔ نور زادہ نے بھائی زرتاج کے ذمے لگایا تو اس کی نظر عنایت صنوبر پر ٹکی۔ فخری بی نے صنوبر سے تذکرہ کیا تو وہ جھٹ سے تیار ہو گئی۔ گھومنے پھرنے کی شوقین تیز طرار صنوبر کو ویسے بھی گھر پر کم ہی آرام آتا تھا۔ کہیں جانے کی بات سن کر بلاوجہ ہی دل کی کلی کھل اٹھتی۔

نور زادہ کے پاس رہتے۔ صنوبر کو پانچ ماہ ہو گئے تھے۔ اس دوران وہ کئی بار آ کر اپنی ماں اور بہن بھائیوں سے مل گئی تھی کہ اچانک ایک رات بنا کسی وجہ بنا کسی تنازعے کے نہایت پراسرار طور پر صنوبر کو کسی نے قتل کر دیا۔ اس کی لاش کو صبح نماز پر جاتے کچھ لوگوں نے خان بیگم کی حویلی سے متصل ان کے ڈیرے کے باہر پڑے دیکھا تھا۔ کوئی نہ جان سکا کہ اسے کیوں اور کس نے قتل کیا۔ دونوں گاؤں ابھی اس اچانک افتاد کے صدمے سے نکلے بھی نہ تھے کہ تیسرے ہی دن صنوبر کے بھائی حمدان نے شہر سے آتے خان بیگم

کے داماد گل زمان کو قتل کر کے بہن کا بدلہ لے لیا۔
زرمین بیوگی کی چادر اوڑھے دو معصوم بچوں کو ساتھ لیے خان بیگم کے پاس واپس آگئی' لیکن اس دکھ کے عالم میں بھی خان بیگم گاؤں والوں کو یہ حکم دینا نہیں بھولیں کہ گل زمان کے خون کا بدلہ رئیس قبیلے سے نہیں لیا جائے گا۔ گاؤں اور خاندان والوں نے ان کے حکم کی پاسداری کی اور گزشتہ دو برس سے پہاڑوں میں جیسے طوفان کی آمد سے پہلے کی خاموشی چھائی تھی۔
رئیس قبیلے والوں کے لیے تو ایک طرح سے یہ غیر معینہ جنگ بندی تھی' جس کا ایک نہ ایک دن نتیجہ ظاہر ہونا ہی تھا کہ قتل کا فیصلہ کن جواب' قبیلے کی غیرت سے مشروط ہوا کرتا تھا۔ اور وہ جواب ابھی اجمل قبیلے کی طرف ادھار تھا۔
خان بیگم کی جہاں دیدہ نگاہ نے سب جان پرکھ لیا تھا۔ حساب کتاب کے سودے میں گھاٹے کا لفظ ان کی لغت میں نہیں تھا۔ جس وقت گل زمان یعنی زرمین کے شوہر کا قتل ہوا' اسجد ایم ایس کے پہلے سال میں تھا۔ ابھی اس کی پڑھائی مکمل ہونے میں ڈیڑھ دو سال باقی تھے۔ تب ہی گل زمان کے قتل کا بنا کوئی فیصلہ سنائے انہوں نے پراسرار خاموشی میں عافیت جانی۔۔۔ بساط خون کی بچھی ہو تو سارے مہرے بہت سنبھل سنبھل کر جگہ پہ لگانے پڑتے ہیں۔ پورے دو سال انہوں نے کمال ضبط سے کاٹ لیے تھے اور اب عین اسجد کی واپسی سے مہینہ بھر پہلے جرگہ بلا کر حتمی فیصلہ سنا دیا کہ گل زمان کے قتل کے بدلے میں خون بہانے کے بجائے ونی کی رسم بحال کی جائے گی۔
لیکن اس بار نتیجہ خان بیگم کی توقع کے خلاف نکلا۔ بلاور خان تھا تو شیر اکبر کا پوتا لیکن عادت میں اپنے دادا کے بالکل برعکس۔۔۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ ونی کے حق میں نہیں ہے۔ چاہو تو حمدان کے بجائے خود اس کی جان لے لو۔۔۔ وہ تو بھلا ہوا کہ مشران (جرگے کے ممبر) بیچ میں آگئے اور علاقے کے امن کی خاطر بلاور کو ایسا فیصلہ کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن یہاں بھی بلاور من مانی کرنے سے باز نہیں آیا اور شرط رکھ دی کہ اگر ان کے ہاں سے لڑکی ونی ہو کر جائے گی تو صرف اسجد عالم کے لیے' ورنہ دوسری صورت میں خون خرابا جاری رکھا جائے گا اور لڑکی بھی ان کی اپنی مرضی کی ہو گی۔
خان بیگم کو لامحالہ بلاور کی شرائط ماننا پڑ گئیں' کیونکہ معاملہ اسجد کی زندگی کا تھا۔۔۔ ہمیشہ کے لیے گاؤں واپس آکر خان کی پگڑی پہننے والے کو وہ ہرگز خون کی ہولی کے حوالے نہیں کر سکتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تم رکو گے نا۔۔۔ جشن تک۔۔۔" اسجد نے بندوق کی نالی کو رومال سے صاف کرتے ہوئے ایک نظر فراز کو دیکھا' دونوں پرندوں کے شکار کو نکلے تھے اور اب تھک کر درخت کے سائے میں آبیٹھے تھے۔
"یو۔۔۔ مین۔۔۔ تمہاری شادی تک۔۔۔" فراز آج کافی سنجیدہ سا تھا۔ اسجد نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"پریشان ہو۔۔۔؟" فراز نے بغور اس کے تاثرات جانچے۔
"ہاں۔۔۔" اسجد نے دور پہاڑوں کی طرف پرواز کرتے پرندوں کے غول کو دیکھا۔ "تم سے نہیں چھپاؤں گا۔"
"کیا سوچ رہے ہو؟" فراز کو اچنبھا ہوا۔
"بابا کے ادھورے خواب پورے کرنے کا عزم بہت مضبوط' بہت بلند تھا' لیکن میرے پیر تو پہلے قدم پر ہی ڈگمگا رہے ہیں۔ شاید میں وہ سردار نہیں ہوں جس کا خواب کبھی میرے بابا نے دیکھا ہو گا۔"
"یہ سوچ تمہاری عجلت پسندی اور جذباتی پن کو ظاہر کر رہی ہے۔ کم از کم طے شدہ معاملات کو وقوع پذیر تو ہونے دو۔۔۔ شاید ہر چیز اپنی جگہ پر ٹھیک سے ایڈجسٹ ہو جائے۔" فراز نے اپنی طرف سے مثبت پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اسجد کسی ہارے ہوئے انسان کی طرح ہنسا۔
"میری جگہ خود کو رکھ کر سوچو۔۔۔ شادی جیسا زندگی کا اہم ترین فیصلہ آپ کے سر پر یوں تھوپ دیا جائے

کہ آپ ہونے والی کے نام، نسب، شکل و صورت تک سے واقف نہ ہوں۔۔۔ کیسا لگتا ہے؟" اس نے جتانے والے انداز میں اپنی چمک دار نگاہ فراز پر جمائی۔

"یار کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا اس مسئلے کا۔۔۔؟ خون خرابے، شادی بیاہ سے ہٹ کر۔۔۔؟" فراز نے شاید پہلی بار اس کی حالت کو اپنے دل پر محسوس کیا۔

"شہر واپس بھاگ جاؤں۔۔۔ اور کیا۔"

"نہیں۔۔۔" فراز نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

"خان نہ بھاگتے ہیں' نہ پیٹھ دکھاتے ہیں۔"

"کیا بات ہے بھئی۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ سیریس ہوگئے۔" وہ زبردستی مسکرایا۔

"تمہاری ہمت کی داد دینے کو دل چاہ رہا ہے۔ کل تمہاری شادی ہے۔ "تم" اس نے بطور خاص زور دیا۔ "تم جو لڑکیوں سے سخت بے زار ہو۔ یعنی کہ نفرت کی حد تک۔۔۔ اب پتا نہیں لڑکی کیسی ہے اور۔۔۔"

"ڈزنٹ میٹر۔۔۔ وہ جو کوئی بھی ہے میرے لیے مائنس ہے اس کا وجود۔۔۔" اسجد کا جواب اتنا فوری اور بے ساختہ تھا کہ فراز حیرت زدہ رہ گیا۔

"اچھا۔۔۔ تو پھر۔۔۔ میرا مطلب ہے معاملہ دشمن قبیلے کا ہے۔ کیا اتنی آسانی سے مائنس کر لوگے۔ اگر اسی کو بیس بنا کر آگے اس لڑکی نے کوئی پرابلم کھڑی کردی؟" فراز نے ممکنہ خدشے کا اظہار فوراً" کردیا۔

"امید تو ہے کہ نوبت نہیں آئے گی۔ اول تو یہاں اس کے ساتھ بہت نارمل سلوک کیا جائے گا۔ ہر طرح کی سہولت حاصل ہوگی' اسے خدانا خواستہ کسی ظلم کا نشانہ تو نہیں بنایا جائے گا۔ دوسرے وہ قاتل کی بہن ہے۔ یہاں آنے کے حوالے سے آل ریڈی کافی دباؤ کا شکار ہوگی۔ اس کے لیے تو معمول کا رویہ بھی معجزے سے کم نہیں ہوگا۔ بس ایک مجھے چھوڑ کر اسے یہاں سب حاصل ہے۔"

"ہوں۔۔۔ تو تم یہ سوچ بیٹھے ہو۔" فراز کے ماتھے پر سوچ بھری لکیریں ابھریں۔ "کیا تمہارا دل اور ضمیر مطمئن ہیں اس فیصلے سے۔۔۔" فراز کے صاف سیدھے سوال نے لمحے بھر کو اسے چکرا دیا۔

"اسجد عالم مطمئن ہے۔ البتہ ایک "خان" شاید جیتے جی مرجائے۔" وہ بنا جواب کا انتظار کیے جیپ کی طرف بڑھ گیا اور فراز کی پشت کو دیکھتے ہوئے آنے والے کل کی سوچ میں ڈوب گیا۔

✡ ✡ ✡

دیواروں سے اٹھتی تازہ چونے کی مہک۔۔۔ سادہ سا ایک سنگل پلنگ۔۔۔ کھڑکی کے نیچے رکھی لکڑی کی میز' داخلی دروازے کے پاس لوہے کی ایک الماری' دو بان کی کرسیاں' پکے سیمنٹ کے فرش پر پلاسٹک کی رنگین چٹائی اور دو نیلے کاٹن کے پرنٹڈ پردے۔۔۔ مختصر سادہ سامان سے سجا وہ کمرا گل آویزہ کی ایک نگاہ میں شروع ہو کر ختم بھی ہوگیا۔ ایسا کمرہ خان کا تو نہیں ہو سکتا ہے۔ سجاوٹ کے نام پر اصلی تو چھوڑ' کاغذ کا بھی کوئی پھول نہیں تھا۔ اس نے چھت پر نگاہ کی' تب ہی پردہ ہٹا کر کوئی اندر داخل ہوا۔ وہ فوراً" گھٹنوں میں سر دے کر نظر جھکا کر بیٹھ گئی۔

"میز ادھر لے آ پلنگ کے پاس۔۔۔" کسی عورت کی آواز کمرے میں گونجی تو گل آویزہ نے ایک ڈھیلا سانس خارج کرتے ہوئے سرخ دوپٹے کی اوٹ سے نظر اٹھائی۔ سامنے دو لڑکیاں کھڑی تھیں۔ تب ہی پردہ ہٹا اور ایک خاتون اندر داخل ہوئی۔ حلیے سے تو ملازمہ ہی لگ رہی تھی۔

"نسیمہ تم دلہن کا کپڑوں والا بیگ اٹھالاؤ۔" وہ سبز اٹیچی' بھاری ہوگا' ساتھ رحیمہ کو لگالو اور جمال بی بی آپ دلہن کو غسل خانہ دکھادیں۔ کپڑے وغیرہ بدل کر کھانا کھالے۔" ہدایات دینے والی پیاری سی لڑکی گھر کے مالکوں میں سے لگ رہی تھی۔

سرورق کی شخصیت

ماڈل ------ نداعلوی

میک اپ ------ سلیک بائی عینی

فوٹوگرافی ------ ایم۔ کاشف

بڑی عمر کی خاتون گل آویزہ کے قریب آئی اور باقاعدہ ہاتھ بڑھادیا۔ ناچار اسے فوراً" اٹھنا پڑا۔ پلنگ پہ دھرا اپنا ہی پیر دوپٹے پر آگیا اور اٹھ کر کھڑی ہوئی گل آویزہ کا گھونگھٹ پورا سلپ ہو کر پیچھے کو چلا گیا۔ بریخنہ کی آنکھوں میں بے ساختہ تشویش ناک سی حیرت ابھری۔ اتنا بے پناہ حسن۔۔۔ وہ دم بخود رہ گئی اور اس حسن بلاخیز کے اثر سے نکلنے میں بریخنہ کو کم از کم آٹھ دس منٹ لگ گئے۔

"زیور چوڑیاں وغیرہ یہیں اتار جاؤ۔ غسل خانے میں کہاں سنبھالو گی۔" وہ اٹھ کر خود ہی قریب آئی۔ گل آویزہ نے دوپٹا کندھے پہ ڈال کر خاموشی سے زیور اتارنا شروع کیا۔ پھر بھاری رنگ برنگے پراندے کو آگے ڈال کر اس کے بل کھولنے لگی۔ نعیمہ ایک لڑکی کے ساتھ اس کا اٹیچی کیس لے آئی تھی۔ ان کے پیچھے ہی دو اور لڑکیاں اندر داخل ہوئیں۔

"بھابھی تو بہت خوب صورت ہے۔" ایک نے بغور اسے دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"توبہ نورینہ 'بانو۔۔۔ تم لوگ ادھر کیا کر رہی ہو' چلو بھاگو۔" اس پہلے والی لڑکی نے دونوں کو ڈانٹ دیا۔

گل آویزہ نے آدھے بوجھ سے آزاد ہو کر جمال بی بی کی طرف دیکھا۔ وہ بازو پر کپڑوں کا ایک جوڑا اور تولیہ دھرے کھڑی تھی۔ فوراً" آگے بڑھ کر آویزہ کا ہاتھ تھاما اور باہر لے آئی۔ باہر کا ماحول اندھیرے کی وجہ سے کچھ خاص سمجھ میں نہیں آسکا۔ برآمدے میں ایک ہی بلب جل رہا تھا۔ برآمدے سے اتر کر جمال بی بی اسے صحن کے بائیں ہاتھ کی طرف ایک غسل خانے تک لے آئی۔ ہاتھ بڑھا کر بلب جلایا اور کپڑے تولیہ دے کر اسے اندر بھیج دیا۔ سادہ فیروزی کپڑوں میں اب وہ کافی سکون محسوس کر رہی تھی۔ کمرہ بھی خواتین سے خالی ہو چکا تھا۔ صرف جمال بی بی پاس کھڑی تھی۔

"آپ آرام سے کھانا کھائیں۔ میں باہر بیٹھی ہوں۔ برتن فارغ ہو جائیں تو مجھے بلالیں۔ پھر آپ کمرہ اندر سے بند کر کے سو جائیں۔"

"ہیں۔۔۔" وہ حیرت سے محض سوچ کر رہ گئی۔ "چلو خیر کھانا تو آرام کے ماحول میں مل رہا ہے۔" جمال بی بی کے جاتے ہی اس نے آلتی پالتی مار کر ٹرے سامنے رکھی۔ اتنا تو واضح ہو گیا کہ اب اور کوئی آنے والا نہیں۔ اس نے ڈٹ کر کھانا کھاتے ہر چیز کے ساتھ مکمل انصاف برتا۔ دولہے حضور' مطلب خان کی آمد اگر متوقع نہیں تھی تو اور بھی اچھا تھا۔ صنوبر کے انتقام کی راہ میں کسی جذباتی لمحہ کا حائل نہ ہونا ہی بہتر تھا۔ دشمن کے علاقے میں تنہائی سے بہتر ساتھی اور کون ہو سکتا تھا۔ اس نے پانی پی کر ایک بھرپور انگڑائی لی۔

"مشن کا آغاز ان شاء اللہ کل صبح سے۔۔۔" برتن سمیٹ کر اس نے جمال بی بی کے حوالے کیے اور دروازے کی کنڈی چڑھادی۔ ایک نظر میں کمرے کا جائزہ لیا۔ پیچھے کی کھڑکی پہلے سے بند تھی۔ اس نے بتی بجھا کر بستر پکڑا اور بس مشکل سے چند ہی کروٹیں بدلیں کہ گہری نیند نے آلیا۔

☼ ☼ ☼

"اپنا خیال رکھنا۔" اسجد نے رستم کے ہاتھ سے بیگ لے کر خود ہی جیپ میں ایڈجسٹ کیا۔

"شہر کب آؤ گے؟" فراز نے کسی امید پر سوال کیا۔ دل عجیب بھاری سا ہو رہا تھا۔ اس وقت صحیح معنوں میں احساس ہو رہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے کتنے دور ہونے والے ہیں۔ گزرے دو سالوں کے کئی پل آنکھوں کے سامنے آگئے۔ آج بالآخر ہمیشہ کے لیے اسجد گاؤں کے حوالے ہو گیا تھا۔ پچھلی صبح "خان" کی پگڑی پہن کر وہ باقاعدہ اپنی ذمہ داریاں سنبھال چکا تھا۔ شام کو رئیس قبیلے میں نکاح کی رسم کے بعد وہ لوگ دلہن لے آئے تھے اور آج دوپہر کو گاؤں بھر نے ولیمہ کا کھانا کھایا تھا۔ فراز نے ولیمہ کے فوراً" بعد ہی پشاور واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسجد کے بصد اصرار پر بھی وہ رکنے کو تیار نہیں ہوا کہ آج نہیں تو کل۔۔۔ واپس جانا ہی ہے۔

"تم ہی دوبارہ چکر لگالینا۔۔۔ بلکہ جب تمہارا دل چاہے' بس ایک فون کر دینا میں ڈرائیور اور گاڑی بھیج

دوں گا۔۔۔ لیکن آتے رہنا۔"
"ہاں بھئی۔۔۔ "خان" اب کسی سے ملنے کیوں جائے گا۔ ان کے ہاں تو ہمیں ہی حاضری دینا پڑے گی۔" فراز نے ماحول کو ہلکا پھلکا کیا۔
"بکواس نہ کر۔۔۔" اسجد نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا۔ فراز کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
"تم اب اپنی ذمہ داریاں سنبھالو۔۔۔ کب تک تم سے چپکا رہوں گا۔" اسجد کو شانوں سے تھام کر فراز نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "دوست ہونے کے ناطے مجھے کچھ کہنے کی اجازت دو۔"
"جو جی میں آئے کہو۔۔۔ اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسجد نے کندھوں سے اٹھا کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔
"گاؤں اور قبیلے کے اصول و قانون نبھاتے یہ مت بھول جانا کہ کچھ اصول' کچھ ضابطے اس اوپر والے نے بھی طے کیے ہیں۔" "خان" تب ہی زندہ رہے گا جب اس کے اندر کا انسان بے دار ہو اور جس اسجد عالم کو میں جانتا ہوں اس کی سوچ کا دائرہ کسی لکیر' کسی حد بندی تک محدود نہیں ہے۔ نفرت' کانٹوں بھری ڈالی ضرور ہے لیکن یاد رکھو کہ محبت کے گلاب اسی ڈالی سے پھوٹتے ہیں۔۔۔ امید کرتا ہوں کہ تم دوست' دشمن' اپنے پرائے اور چھوٹے بڑے کے مدار سے باہر نکل کر سوچو گے۔" وہ کہہ کر مزید نہیں رکا اور جیپ میں بیٹھ گیا۔ دھول اڑاتی گاڑی تیزی سے کچے پکے راستوں پر دوڑنے لگی۔ اسجد نے ہوا سے الجھے بالوں کو انگلیاں پھیر کر سلجھایا۔ فراز جو کہنا چاہتا تھا اس تک پہنچ ضرور گیا تھا' لیکن سمجھنے سے عمل کرنے کے بیچ بہت لمبی مسافت پڑتی تھی۔ گلاب کو چھونے کی آرزو میں وہ اب کسی خار سے الجھ کر زخمی نہیں ہونا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کے سائے دھیرے دھیرے آنگن میں اتر رہے تھے۔ وہ ابھی ابھی حویلی کے سامنے کے حصے سے پیچھے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ دن بھر کا وقت اسے خان بیگم کے ساتھ گزارنا پڑتا' کیونکہ نئی نئی شادی کی وجہ سے عورتوں کی کافی آن جان لگی رہتی تھی۔ پھر آس پاس رہنے والے کئی قریبی رشتہ داروں کے گھروں کو حویلی کے اندر سے راستے جاتے تھے' اس لیے بلا جھجک کوئی بھی آجاتا تھا اور خان بیگم شاید نہیں چاہتی تھیں کہ کسی کو اس کے پچھلے کمرے میں رہنے کا پتا چلے۔ البتہ مغرب کے وقت اسے واپس بھیج دیا جاتا۔ ایک تو اس وقت سب کے گھروں میں چولہا چوکا شروع ہو جاتا' دوسرے شام کے بعد یہاں عورتوں کے نکلنے کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا۔
گل آویزہ بھی اس وقت کو نعمت تصور کرتے ہوئے تھوڑی دیر سکون سے بیٹھ جاتی۔ کھانا بھی نسیمہ یا رحیمہ ادھر ہی لے آتیں۔ وہ اس وقت برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے درختوں پہ واپس آکر بیٹھتی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے بے ساختہ اپنا گھر یاد آگیا۔ "جانے اماں کس حال میں ہوں گی۔ کتنا روتی ہوں گی مجھے یاد کر کے۔۔۔ زیبا اور حمدان اس کا خیال بھی رکھتے ہوں گے۔ صرف چار دنوں میں سب کچھ کتنا دور لگنے لگا ہے۔ کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔" اس نے کرب سے لب کاٹے۔ صنوبر کا قتل' حمدان کی غلطی' بلاور کا فیصلہ' بھائی کی خاطر اپنا سر جھکانا' سب ذہن میں گڈمڈ ہونے لگے۔ سر جھٹک کر وہ صحن میں اتر آئی' تکلیف دہ سوچوں کو خود پر حاوی کرنے سے بہتر تھا عملاً" کچھ کرنا۔
اس نے سامنے پچھلے صحن پر پہلی فرصت بھری نگاہ ڈالی۔۔۔ گزشتہ تین شامیں اس نے کمرے میں بیٹھ کر گزار دی تھیں۔ حویلی کا یہ حصہ سامنے والے کمروں کی پشت پر واقع تھا۔ یہاں قطار میں چار کمرے تھے۔ جن میں سے ایک اس کا تھا۔ دوسرا جمال بی بی اور اس کی بیٹیوں نسیمہ' رحیمہ کے پاس تھا۔ باقی کے دو کمرے بند ہی نظر آئے شاید اسٹور روم کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ برآمدے کے آگے تقریباً" پینتیس چالیس فٹ چوڑا صحن تھا۔ جس کے بائیں ہاتھ پر ایک غسل خانہ تھا۔ سامنے دیوار کے ساتھ

ساتھ دس، بارہ دیودار اور چیڑ کے درخت تھے۔ دائیں ہاتھ کے مغربی کونے میں ایک تو گلی نما وہ راستہ تھا جس سے گزر کر وہ لوگ سامنے کے حصے میں جاتے تھے، لیکن مشرقی کونے پر جہاں آویزہ کے حساب سے حویلی ختم ہو جاتی تھی، ایک لکڑی کا دروازہ تھا۔ وہ حیران حیران سی اس دروازے کے قریب آئی۔ آس پاس کا جھاڑ جھنکار اور خودرو گھاس بتاتی تھی کہ اسے مدت سے کھولا نہیں گیا۔ جانے دوسری طرف کیا تھا۔ باہر جانے کا راستہ یا کوئی اور عمارت۔۔۔

"کچھ چاہیے بھابھی۔۔۔؟" آواز ایسے اچانک پشت پر آئی کہ وہ باقاعدہ اچھل پڑی۔ پیچھے رحیمہ کھڑی تھی جو جانے کیسے اتنی خاموشی سے آئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ بس ویسے ہی چہل قدمی کر رہی تھی۔" وہ فوراً" سنبھلی۔

"آپ نے نماز پڑھ لی ہو تو کھانا لے آؤں؟"

"نماز تو میں ابھی پڑھنے جا رہی ہوں۔ کچھ دیر بعد لے آنا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ فوراً" بھاگ گئی اور گل آویزہ بھی دروازے پار کی کھوج کے بجائے غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"کیوں خود پہ اتنا بوجھ ڈال رہے ہو میرے بچے۔" خان بیگم نے پیار سے اسجد کے بالوں میں انگلیاں سہلائیں۔ چند ہی روز میں جس کی سرخ و سفید رنگت کملا گئی تھی۔ نازک مزاج لاڈلے بیٹے پر ذمہ داریوں کے بوجھ تو ڈال دیے تھے، اب دل ہولنے سا لگا تھا۔

"آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آجائے گا۔ کیوں دن رات خود کو مشکل میں ڈالے رکھتے ہو۔" وہ نرمی سے اسے سمجھانا شروع ہوئیں۔ وہ ان کے گھٹنے پہ سر رکھے ان کی نرم انگلیوں کی لوری سے سکون محسوس کر رہا تھا۔ شاید اسی لیے بنا کچھ بولے چپ چاپ انہیں سن رہا تھا۔ "بخت ہے نا سارے معاملات دیکھنے کے لیے۔۔۔ اب تک بھی تو وہی دیکھ رہا تھا۔ دوپہر کو دو گھڑی آرام کرنے آجایا کرو۔ صبح کے گئے دیکھو رات کو لوٹ رہے ہو۔"

"ہوں۔۔۔" اس کی بے دھیانی عروج پر تھی۔

"مہمان تو سب ہی خوش گئے نا۔ کسی کو کچھ شکایت تو نہیں ہوئی؟"

"اونہوں۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ سنو اسجد! وہ۔۔۔" خان بیگم خود ہی جھجک کر رک گئیں۔ اسجد لہجے کے زیروبم پر چونکا۔ وہ یقیناً" کچھ خاص کہنے والی تھیں۔ وہ خاموشی سے متوجہ ہوا، لیکن وہ چپ رہیں۔

"بولیں اماں جان۔۔۔" اس نے پوری آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔

"تم چاہو تو دلہن کے پاس جا سکتے ہو۔" وہ راہ دیکھتی ہو گی۔ بالاخر انہوں نے کہہ ہی دیا۔

"یہ آپ کہہ رہی ہیں؟" اس نے طنز کیا یا حیرت کا اظہار۔ وہ سمجھ نہیں پائیں۔

"خان کو اپنے فیصلے خود کرنے چاہئیں۔ وہ کیا سوچتا ہے، کیا کرنا چاہتا ہے اس کا اختیار اس کے اپنے پاس ہونا چاہیے۔"

"اور جو آپ نے طے کیا تھا اس پر قائم رہنے میں کیا حرج ہے یا کسی نے کچھ کہا ہے آپ سے؟" اس کی روشن کشادہ پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں، خان بیگم مسکرا دیں۔

"نہیں بچے۔۔۔ یوں ہی اپنے دل سے کہہ رہی تھی۔ باقی جن کے کہنے سننے کی طرف تم اشارہ کر رہے ہو۔ وہ اپنے اختیار کھو چکے ہیں۔ اب پیچھے والوں سے اس کا (گل آویزہ) کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ بلکہ اگر کچھ ہے بھی تو سراسر ہماری مرضی پر۔۔۔" ان کے لہجے میں واضح غرور کی جھلک تھی۔ اسجد اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہ تو زیادتی ہے نا اماں۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔ خان بیگم بوکھلا گئیں۔ "یہ تو قانون ہے ونی کا اور۔۔۔"

"تو پھر یہ غلط ہے۔" اسجد کا جواب بہت فوری اور دوٹوک تھا۔ وہ لڑکی ان لڑائی جھگڑوں میں قطعاً" بے

قصور ہے۔ یعنی جو لڑکی علاقے کے خون خرابا روکنے کے لیے اپنی ذات کی قربانی پیش کرتی ہے۔ بجائے اس کا احسان مند ہونے کے اسے غلاموں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا جاتا ہے۔"

"کچھ مصلحتیں ہوتی ہیں بیٹا۔ آخر قانون یوں ہی تو نہیں بن جاتے اور ہم نے کسی کو غلامی کی زنجیر نہیں پہنائی۔ وہ یہاں خان کی پہلی اور حویلی کی بہو کے پورے ٹھاٹ اٹھا رہی ہے۔"

"آپ سمجھیں نہیں اماں جان۔" اسجد تکیہ گود میں جما کر باقاعدہ بحث کے موڈ میں آگیا۔ "حویلی کی بہو بننے کے بعد اس کا اپنے گاؤں سے رشتہ کیوں ٹوٹ جاتا ہے۔ وہاں اس کے رشتہ دار، بہن بھائی ہیں، ماں ہے، بخت لالہ نے بتایا کہ ہم صرف خوشی غمی کے موقع پر ہی اسے وہاں بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی اگر ہم چاہیں اگر نہ چاہیں تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ہاں۔ یہ ہی قانون ہے اور تم بے فکر رہو۔ ہم اس پر ایسی کوئی پابندی نہیں لگائیں گے۔ اسے ہر خوشی غمی پر بھیج دیا کریں گے۔" خان بیگم نے پڑھے لکھے شہری بیٹے کے سامنے فوراً "مصالحت کرنے میں عافیت جانی۔

"یہ کافی نہیں ہے۔" اسجد کے لہجے میں پہلی مرتبہ جیسے ایک خان بولا تھا۔ خان بیگم نے بے تحاشا چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"کیا مطلب۔؟"

"اماں جان۔" اسجد نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں انہیں مخاطب کرتے ان کے ہاتھ تھامے۔ "میں نے برسوں اس گود کی گرمی اور ان نرم ہاتھوں کے لمس سے محرومی میں کاٹے ہیں۔ ماں سے دوری کا دکھ میرے لیے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اب کم از کم کوئی میرے ہاتھوں اس محرومی کا شکار نہیں ہوسکتا۔ وہ لڑکی بھی میری طرح یتیم ہے۔ ایک بیوہ ماں کو تنہائیوں کے حوالے کرکے ہمیشہ کے لیے یہاں آگئی ہے۔ اسے اس کی ماں سے ملنے سے ہرگز کوئی نہیں روکے گا۔"

"لیکن۔" خان بیگم اس کے پختہ لہجے کے سامنے اٹک سی گئیں۔ "اسجد تم قبیلوں کی ناک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے بچے۔ یہاں جھکنے کا مطلب بے غیرتی کی موت سے کم نہیں ہے۔ بنا کسی کے کہے بلائے، کیسے اسے گاؤں ملنے بھیج دیا کریں۔ لوگ کیسی کیسی باتیں کریں گے۔" وہ بالکل ہی ہولا گئیں تھیں۔ جانے بیٹا کیسی بہکی بہکی باتیں کررہا تھا۔

"وہ کہیں نہیں جائے گی اماں جان۔" اسجد نے تسلی کے انداز میں پلکیں موندیں۔ "میں نے بخت لالہ سے صرف اتنا کہا ہے اور نگ زیب چاچا کے گھر اس کی ماں کو بلالے۔ وہ وہیں اس سے ملے گی۔ نور زادہ چاچی ان کے اپنے گاؤں کی ہے۔ نہ اس کے گھر والوں کو وہاں آنے میں کوئی اعتراض ہوگا اور نہ چاچی کو ان کے آنے پر۔"

"تم نے بلوالیا اسے۔" خان بیگم قدرے ڈھیلی سی ہوئیں۔

"جی۔ کل صبح دس بجے اس کی ماں وہاں آئے گی۔ آپ اسے بتا دیں۔ دونوں شام تک وہاں رہ سکتی ہیں۔" وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو خان اسے بیوی کے سارے حقوق دینے سے کیوں کترا رہا ہے۔" خان بیگم کے لہجے میں واضح ناراضی تھی۔ وہ اس خفگی کو محسوس کرکے مسکرانے لگا۔

"کیونکہ ظلم کچھ اور ہے۔ مہربانی کچھ اور۔ وہ کسی ظلم کا شکار نہ ہو۔ فی الحال اس کے لیے یہ ہی کسی نعمت سے کم نہیں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں۔ خان بیگم نے پہلی مرتبہ سکون سا اپنے اندر اترتا محسوس کیا۔ خان کی گدی پر اسے بٹھانے کے فیصلے پر اب وہ پچھتا ہرگز نہیں سکتی تھیں۔ دلہن سے ملنے کی بات تو دراصل اسجد کے خیالات جاننے کے لیے کی تھی۔ ورنہ وہ ہرگز اس حسین بلا کے پاس اپنے سیدھے سادے بیٹے کو بھیجنے پر راضی نہ تھیں۔ اب اسجد کی رائے جان کر ایک گونہ سکون ہوا۔ اب وہ تسلی سے اس کے لیے کوئی ایسی لڑکی تلاش کرسکتی تھیں جو خانوں کے مرتبے

کے شایانِ شان ہو۔

☆ ☆ ☆

چڑیوں کی چہچہاہٹ اور کرنوں کی چمک نے ایک سہانی صبح کا پیغام دیا تو گل آویزہ نے مسکرا کر آنکھیں کھولیں۔ نیند سے بے داری کا سفر ایسے ہے جیسے موت سے زندگی کی طرف واپس آنا۔ خواب نگر سے دامن چھڑاتے دھیرے دھیرے حقیقت کی زمین پر قدم پڑنے لگتے ہیں۔ گل آویزہ کا لاشعور مسلسل کسی خوش کن خیال کی انگلی تھامے ہوئے تھا۔ لب دوبارہ مسکرائے اور وہ جیسے پوری طرح بے داری کی کیفیت میں آموجود ہوئی لب یوں نہیں مسکرائے تھے۔ پچھلے روز کے حسین واقعات شاید نیند میں بھی آس پاس رہے تھے' تب مکمل ہوش میں آتے آتے بھی چاروں طرف زندگی اور خوشی کا گھیرا محسوس ہوا تھا۔

پچھلے روز وہ اپنی ماں اور بہن کے ساتھ تھی۔ پورا ایک دن صبح سے شام تک۔ بانو نے آکر اسے یہ مژدہ سنایا تھا کہ وہ تیار ہو جائے نور زادہ چاچی کے ہاں آج اسے اپنی ماں سے ملنے جانا ہے۔ حیرت سے گنگ وہ بہت دیر تک کچھ بول ہی نہیں پائی۔ اور جب یقین آیا تو جھٹ آگے بڑھ کر بانو کا منہ چوم لیا۔

"سچ کہہ رہی ہو....؟"

"ہاں بھابھی بالکل سچ..... اسجد لالہ نے کہا ہے کہ آپ جب چاہیں اپنی ماں سے مل سکتی ہیں۔" وہ شوخی سے چہکی۔ "تمہارے لالہ جیسا کوئی نہیں۔ وہ سب کا سوچتے ہیں۔" گل آویزہ نے بہت پیار سے اپنی سولہ سترہ سالہ خوب صورت سی نند کو دیکھا جو اس کے لیے اتنی بڑی خوشی کی خبر لائی تھی۔

اور اب ماں سے ایک غیر متوقع ملاقات کر لینے کے بعد وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ شادی کے دس دن بعد آج پہلی مرتبہ اس نے ایک ان دیکھے شخص کے لیے لحہ بھر رک کر کچھ اچھا سوچا تھا۔ اور یہ اسی اچھی سوچ کا نتیجہ تھا کہ گزشتہ روز اس نے ماں کو اپنی ذات کے متعلق کچھ بھی کھل کر بتانے سے گریز کیا تھا۔

سارا دن ہنستے مسکراتے اس سے گاؤں کا حال احوال پوچھتے گزار دیا' زیبا بھی ساتھ آئی تھی۔ اس کی بہن جو اس پوری دنیا میں اس کی سب سے پکی دوست تھی۔ گل آویزہ نے جب ماں کو بتایا کہ وہ دونوں جب چاہیں نور زادہ چاچی کے ہاں اس سے ملنے آسکتی ہیں تو مارے خوشی کے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ وداع کرتے وقت جن کے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ جانے وہ اب جیتے جی اسے دیکھ بھی پائیں گی یا نہیں۔

"گل آویزہ بہت خوش نصیب ہے خالہ جو اسے اسجد جیسا شوہر ملا وہ پڑھا لکھا شہری سوچ رکھنے والا بندہ ہے۔ حالانکہ یہاں شہری سوچ والے کو کوئی پسند نہیں کرتا' بلکہ ہر سید ھی بات پڑھانے والے کو شہری ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ لیکن ہم دونوں کے ساتھ تقدیر نے بھلا کیا ہے۔ اور نگزیب اگرچہ پڑھا لکھا نہیں ہے لیکن وہ طبیعت میں بالکل اپنے بڑے بھائی مشعل خان جیسا ہے۔ خان بیگم بتاتی ہیں کہ اسجد کے بابا بھی بہت نرم اور خاموش طبیعت رکھتے تھے۔ میں آج پچیس برس گزر جانے پر بھی یہاں اگر خوش اور مطمئن ہوں تو صرف اور نگ زیب کی نرم دلی کی وجہ سے۔ ورنہ ہم جیسوں کا نصیب تو کھارے پانیوں کی سیاہی سے پتھر کی سلیٹ پر لکھے جاتے ہیں۔" نور زادہ نے بھی اس کی ماں کے وہم دور کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ گل آویزہ نے تشکر سے اس کی طرف دیکھا آنے والے وقت کے دامن میں جو بھی لکھا ہو کم از کم دور بیٹھی ماں پر وہ اس سیاہ بختی کا سایہ تک نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔ نور زادہ چاچی کی حوصلہ افزائی نے اس کے ارادے کو مزید تقویت دی اور اس نے اپنے اجنبی ہم سفر کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیے۔ اماں بہت خوش خوش یہاں سے گئی تھیں۔ جاتے وقت آویزہ نے انہیں اگلے ہفتے دوبارہ آنے کو کہا لیکن انہوں نے نرمی سے ہاتھ دبا کر اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

"احسان کا ایک بدلہ یہ بھی ہے کہ احسان کرنے والے پر زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ جانے اس نرمی کی خاطر خان نے کتنوں کی مخالفت سہی ہے۔ جس فیصلے نے

مجھے نئی زندگی دی ہے مجھے اس کی قدر کرنے دو۔ میں دوبارہ ضرور آؤں گی۔ بس تم حوصلے اور صبر سے رہنا۔" وہ اس کی آنکھیں چوم کر ڈھیر ساری دعائیں دیتی رخصت ہو گئیں۔

آج آویزہ کا دل چاہ رہا تھا کہ حویلی کے بڑے حصے کی طرف جا کر ان سب کے ساتھ کاموں میں ہاتھ بٹائے۔ دل و دماغ مطمئن اور آسودہ ہوئے تو پہلی مرتبہ اس میں اس حویلی کے فرد ہونے کا احساس جاگا۔ دس دن کی مہمان نوازی کم نہیں ہوتی۔ آج وہ اسی ارادے اور نیت کے ساتھ سادگی سے تیار ہوئی ہلیکن ایک بات ابھی بھی شدت سے کھٹک رہی تھی اور وہ خان بیگم سمیت گھر کے سب ہی افراد کا گریز بھرا رویہ تھا۔ وہ اسے سامنے کے حصے میں مہمان ہی تصور کرتے تھے۔ ملنے آنے والی عورتوں کے رخصت ہوتے ہی اسے بھی اپنے کمرے میں بھیج دیا جاتا...... اور اس بات کی تہ تک پہنچنے میں اسے ذرا بھی وقت نہیں لگا کہ خان بیگم اور اس کی بیٹیاں بلاشک وشبہ اسے اسجد خان سے دور رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ دس دن گزر جانے کے بعد بھی وہ اس کی ایک جھلک تک نہیں دیکھ پائی تھی۔ حتی کہ خاندان بھر کے کئی مرد باقاعدہ سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا دے کر مل گئے تھے جن میں اورنگ زیب چاچا، قربان چاچا اور ان کے بیٹے بجن کے ناموں سے تو وہ واقف نہیں تھی۔ صورت سے البتہ اب پہچاننے لگی تھی۔

"تو اب..... ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔" اس نے لبوں پہ انگلی بجاتے ہوئے سوچا۔ اور پھر ایک آئیڈیا اسے سوجھ ہی گیا۔ آخر کو وہ اپنے بابا شعبان کا فخر اس کی ذہین بیٹی تھی۔ الماری کھول کر اس نے کپڑوں میں سے اماں کے ہاتھ کی بنائی اپنی تین چار گرم شالیں نکالیں۔ موسم تو ویسے بھی سرد ہو رہا تھا۔ اس نے سر سے جارجٹ کا پتلا دوپٹا اتار کر اپنے انگوری سوٹ کی مناسبت سے سبز شال اوڑھ لی۔ اب خان کی نظروں میں آنا اتنا آسان نہیں تھا اور خان بیگم کو بھی یقیناً" اس پر کوئی اعتراض ہونے کا امکان نہیں تھا۔

اس کا اپنا دل ویسے بھی اس معاملے میں صاف سلیٹ کی طرح تھا۔ خود نمائی کی خواہش کہیں کسی کونے میں اب تک نہیں جاگی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ ابھی تک اس نے ایک بار بھی خود کو دلہن محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ ان اجنبی ہواؤں میں صرف اپنی بہن کے قاتلوں کو ڈھونڈنے آئی تھی اور اسی احساس کے تحت یہاں وقت گزارنا چاہتی تھی۔ وہ تو محض اپنے بھائی اور گاؤں کے تمام مردوں کے سروں کی حفاظت کی خاطر قربان گاہ پر چڑھی تھی۔

شال اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ کر اس نے ہلکا سا گھونگھٹ بھی کھینچ لیا تھا۔ اور بائیں کونے کو ہلکا سا دانت میں دبا کر پردے کو مزید پختہ بھی کر لیا تھا۔ اس کے ہاں تو عورتیں اس حلیے میں پہاڑوں پر بکریاں بھی چرا آتی تھیں۔ وہ بھی فوری سامنے کی صورت میں اب پوری طرح بار وہ تھی۔ خان بیگم کی فرمانبردار بہو کا روپ لیے وہ ایک عزم کے ساتھ دروازے عبور کر کے سامنے کے حصے میں آ گئی۔ پہلا سامنا زرمین باجی اور نورینہ سے ہوا جو اسے دیکھ کر ٹھٹکی تھیں۔

"آؤ بھابھی۔" نورینہ فوراً" ہی سنبھل کر آگے بڑھی اور اسے لیے بڑے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ زرمین باجی تو ویسے ہی اس سے بہت لیے دیے رہتی تھیں۔ مخاطب بھی شاید ہی کبھی کیا ہو۔ اور اس کی وجہ کل آویزہ کی سمجھ میں آتی تھی۔ حمدان اس کے شوہر کا قاتل تھا۔ بھلا کیسے وہ ایک قاتل کی بہن سے بات کے لیے اپنے دل کو راضی کرتیں۔

خان بیگم بڑے کمرے میں تھال سامنے رکھے ناریل کتر رہی تھیں۔ تھال میں چھلی ہوئی مونگ پھلی اور بادام بھی رکھے تھے حضور بی بی ہتھوڑی سے بادام توڑ توڑ کر چھلکے الگ کرتی جا رہی تھیں۔ دونوں نے اپنا اپنا کام روک کر اسے دیکھا اور دوبارہ کام میں مصروف ہو گئیں۔

"آؤ بیٹھو۔" انداز خاصا لاپروا سا تھا۔ آویزہ نے دل ہی دل میں خود کو داد دی۔ اس کا موجودہ روپ غالباً" پاس ہو گیا تھا۔ کم از کم اسے تو خان بیگم کے انداز سے کچھ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ایسا ہی لگا۔

"میں کچھ کام کرواؤں؟" اس نے سادگی سے زبان کھولی۔

"ہم کرلیں گے۔ یہاں بہت ہیں کام کرنے والے۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھیں۔

"مجھے عادت ہے کام کرنے کی۔ فارغ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔" وہ بھی مصر تھی۔

"ہوں....." خان بیگم مختصر جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آؤ۔" حضور بی بی نے بات آگے بڑھائی۔ "یہ ناریل کاٹ دو جلدی سے..... حلوہ تیار کرنے دینا ہے۔"

"مجھے حلوہ بنانا آتا ہے۔ میں پکاؤں۔؟" اس نے خان بیگم کو دیکھا۔

"دس دس کلو کی تین دیگیں ہیں۔ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔" وہ اب تخت پر جا بیٹھی تھیں۔

"پانچ کلو تک تو پکالیتی ہوں۔ اس سے زیادہ کبھی نہیں بنایا۔" اس نے سعادت مندی سے سر جھکایا ہوا تھا۔

"کبھی گھر میں پکانا ہوا تو تمہارے ہاتھ کا ذائقہ بھی ضرور چکھیں گے۔" وہ پہلی مرتبہ مسکرائی تھیں۔ گل آویزہ سرہلا کر کام میں جت گئی۔ آج کا دن یقیناً "بہت اچھا تھا۔ خان بیگم نے اسے مسکراہٹ سے نوازا تھا۔

✡ ✡ ✡

"پندرہ دنوں میں آج یاد آرہی ہے بھائی کی....." بلاور نے چھوٹتے ہی شکوہ کرڈالا۔

"یاد تو ہمیشہ کرتی ہوں لالہ..... پھر یہاں میرا ہے ہی کون۔ اپنوں کو یاد نہیں کروں گی تو جیوں گی کیسے۔" آویزہ ایک دم اداس ہو گئی۔

"اچھا دکھی نہ ہو۔ میں تو بس یہ سوچ کر پریشان ہو گیا تھا کہ کہیں تیرا موبائل کسی کے ہاتھ نہ لگ گیا ہو۔"

"نہیں۔ نہیں لالہ۔ اسے تو میں نے سنبھال کر رکھا تھا۔ بس ایک تو نئی جگہ نیا ماحول ہے تو سوچا احتیاط سے سب دیکھ سمجھ لوں۔ اور ویسے بھی مجھے تو ٹھیک سے استعمال کرنا بھی نہیں آتا۔" وہ شرمندہ ہو گئی۔ بلاور نے آتے وقت زبردستی اسے موبائل اور سم چوری چھپے پاس رکھنے کے لیے دیے تھے..... جنہیں لینے کے لیے پہلے تو وہ ہرگز تیار نہیں ہوئی لیکن عین رخصتی سے تھوڑی دیر پہلے ماں سے جدائی کے خیال سے اتنی گھبراہٹ طاری ہوئی کہ خود ہی اٹھا کر سامان میں رکھ دیے کہ جانے آگے کیسے حالات کا سامنا ہو..... احتیاطاً "ہی پاس رہنے دوں۔

"اچھا سنو۔ یہ اسجد عالم کہیں آتا جاتا بھی ہے.....؟"

"پتا نہیں لالہ....." وہ گڑبڑا گئی۔ "اصل میں وہ سارا دن ڈیرے پہ رہتا ہے۔ خان بیگم ویسے کل اپنی بیٹی کو بتا رہی تھیں کہ اتوار کو وہ چارسدہ جائے گا۔"

"ہوں۔" بلاور نے ایک پرسوچ ہنکارا بھرا۔ "دیکھو گل آویزہ یہ جو شہری خان ہے نا۔ بڑا ہی سیدھا ہے۔ اس سے اندر کی باتیں اگلوالیا کرو۔ ہمارے کام آئیں گی۔ اور حویلی میں سب سے دوستی شوستی بنا کر رکھو۔ اس خان بیگم کو بالکل شک نہ ہو۔"

"جی لالہ۔ کوشش تو کر رہی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا۔ کوئی کام کی بات ہو تو فون پر ضرور بتادیا کرو....." وہ اب عجلت میں لگ رہا تھا۔

"جی لالہ..... ٹھیک ہے۔" اس نے الٹے سیدھے ہاتھ مار کر کسی طرح کال آف کی اور الجھی الجھی سی باہر نکل آئی۔ صبح کی نماز کے بعد اس طرف مکمل تنہائی اور خاموشی ہوتی تھی۔ جمیل بی بی نسیمہ اور رحیمہ نماز پڑھتے ہی سامنے چلی جاتی تھیں..... بلاور لالہ سے بات کرنے کا موقع بھی آج اس نے اس لیے نکال لیا تھا۔

اب تو سورج کے سنہری رنگ دھرتی پہ اتر آئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ فضا میں خنکی بھی اب بہت بڑھ گئی تھی۔ یہ سرما کا آغاز تھا۔ جانے سردیوں کا موسم یہاں کیسے کٹتا تھا اسے اچانک ہی اپنا گھر یاد آگیا۔ دل میں ہوک سی اٹھی تو اس

نے سر جھٹک کر خود کو سوچوں سے نکالا۔ پندرہ دنوں میں وہ ایک سامنے والے دروازے کا بھید معلوم نہیں کرپائی تھی۔ آج شاید اچھا موقع تھا۔ اس نے آس پاس دیکھ کر قدم آگے بڑھائے خطرہ تھا تو صرف وہاں اچانک کسی کے آجانے کا۔۔۔۔ حویلی کی طرف جانے والے دروازے کو کنڈی لگاتی تو مشکوک ہو جاتی۔۔۔۔ البتہ اس نے عجلت میں دماغ لڑایا۔ دروازے کے ساتھ چھوٹے بڑے پتھر رکھے تھے اس نے ایک پتھر یوں دروازے کے آگے رکھ دیا کہ اگر کوئی دروازہ کھولے تو فوری طور پر پتھر سے ٹکرا کر دروازہ کھل بھی نہ سکے اور آواز کی وجہ سے وہ بھی ہوشیار ہو کر دور ہٹ جائے۔ یہاں سے تسلی ہونے پر وہ اس دوسرے دروازے کے پاس آئی۔ لکڑی کا وہ دروازہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ لوہے کی کنڈی میں تالے وغیرہ کے بجائے لکڑی کا ایک ٹکڑا پھنسا ہوا تھا' جانے یہ بے احتیاطی کیوں۔ اس نے دروازہ کھولنے کے بجائے کسی روزن وغیرہ پر دھیان دیا تاکہ دوسری طرف کی پچوئیشن پہلے جان سمجھ لے۔

دروازہ تقریباً" ایک ایک فٹ چوڑے چار لکڑی کے تختوں سے مل کر بنا تھا۔ بظاہر روزن بھی ایک دوسرے سے کافی جڑے ہوئے تھے۔ لیکن اوپر کے حصے میں ایک تختے کی حیثیت کچھ ایسی تھی کہ روزن کافی چوڑا تھا البتہ اس میں آنکھ جمانے کے لیے آویزہ کو تھوڑا اوپر ہونے کی ضرورت تھی۔ لیکن اس معاملے میں اسے دقت پیش نہیں آئی کیونکہ ایک بڑا پتھر بالکل پاس ہی رکھا تھا اس نے پتھر گھسیٹ کر روزن کے نیچے رکھا اور فوراً" اوپر چڑھ گئی۔ اب وہ آرام سے دوسری جانب دیکھ سکتی تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ ایک نگاہ پیچھے ڈال کر اپنی توجہ سامنے مبذول کی۔۔۔۔ دروازے کی دوسری جانب وہ ایک بڑا سا صحن تھا۔ جس کی سامنے والی دیوار کے کنارے کنارے گھاس اگی تھی۔ درمیان کی زمین البتہ کچے میدان کی سی تھی۔ تھوڑا سا دائیں جانب دو گھوڑے دکھائی دیے اور ایک چھپر جیسی جگہ کا ذرا سا کونا بھی دکھائی دے رہا تھا۔ یعنی بلاشک و شبہ وہ گھوڑوں کا اصطبل تھا۔

"بابر۔ تم گھوڑوں کو کھول دو میں جیپ نکالتا ہوں۔"

"ہائے۔۔۔۔" وہ جھٹ نیچے اتری اور گھبرا کر آس پاس دیکھا لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا جانے اتنے قریب کس کی آواز آئی تھی۔

"خان! آپ پہلے جیپ نکال لیں۔" دوسری مردانہ آواز ابھری اور اب آویزہ کے حواس صحیح معنوں میں کام کرنے لگے' دونوں مردانہ آوازیں اصطبل سے آئی تھیں اور وہ اچانک افتاد پر بلاوجہ گھبرا گئی تھی۔

"خان"۔۔۔۔؟ اگلے ہی لمحے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"خان تو یہاں ایک ہی ہو سکتا ہے۔ وہ دوبارہ پتھر پر چڑھی۔ دونوں مرد اس روزن سے نظر آنے والے حصے میں ہی ایستادہ تھے۔ جس آدمی کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا وہ اپنے حلیے سے ملازم ہی لگ رہا تھا۔ یعنی وہ بابر تھا اور سفید شلوار قمیص میں ملبوس وہ چوڑے کندھوں اور اونچے قد والا مرد یقیناً" خان تھا۔ گل آویزہ کی طرف اس کی پشت تھی۔ ٹھہرنے کے انداز میں شہری رکھ رکھاؤ تو جھلکتا ہی تھا انداز میں ایک شاہانہ تمکنت بھی تھی۔

اس نے اپنا سفید بھاری ہاتھ اپنے چمکیلے براؤن بالوں میں گھمایا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا موبائل فون سائڈ جیب میں رکھا۔ بابر اس دوران سامنے سے ہٹ کر گھوڑوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ خان نے شاید سامنے کی جیب سے دھوپ کا چشمہ نکالا تھا اسے پھونک مار کر صاف کرتے وہ دھیرے سے گھوما۔ گل آویزہ اب اس کا چہرہ بخوبی دیکھ پا رہی تھی اور بس۔۔۔۔ پہلی ہی جھلک نے جیسے اس کی پوری ہستی گھما ڈالی۔

"جج۔۔۔۔ جیپ والا۔۔۔۔" وہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔ دیوتاؤں جیسے حسن کا مالک وہ جیپ والا لڑکا اب عین اس کے سامنے تھا۔۔۔۔ تو کیا یہی اسجد عالم خان ہے۔ یعنی اس کا شوہر۔۔۔۔؟ وہ منہ پہ ہاتھ رکھے بے ساختہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

گل آویزہ کو یوں تو ماضی میں جھانکنے کی کبھی

ضرورت نہیں پڑی تھی کیونکہ وہ روشن جگنو سا لمحہ تو ہمہ وقت اس کی مٹھی میں بند رہتا تھا۔ جو احساس آپ کے جسم و جاں کو ہمیشہ معطر رکھے اسے دہرایا کب جاتا ہے وہ تو آپ کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

واقعہ اب سے تقریباً" ڈیڑھ سال پہلے کا تھا۔ وہ اپریل کا مہینہ تھا۔ ٹیوشن پڑھنے والی معظمہ پانچویں جماعت پاس کر کے چھٹی میں آئی تھی۔ ہائی اسکول میں اس کا پہلا دن تھا اور وہ کافی گھبرا رہی تھی۔ ہاجرہ بی بی نے گل آویزہ کی منت کی پہلے دن وہ خود معظمہ کے ساتھ اسکول جائے۔ اس نے ایک سال پہلے یہیں سے میٹرک کیا تھا اور سب اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ معظمہ کو نئی کلاس میں بٹھا کر ٹیچرز وغیرہ سے چند ایک ضروری باتیں کر کے وہ دس بجے کے قریب اسکول سے نکل کر گھر روانہ ہوئی تو پہلی مرتبہ یہ خیال آیا کہ اسکول کے زمانے میں جس راستے پر وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں بے فکری سے آیا جایا کرتی تھی آج وہ اس پر بالکل اکیلی ہے۔

"جانے یہ بات پہلے کیوں نہ سوچی۔ چلو خیر۔"

اس نے اللہ کا نام لے کر قدم تیز کیے۔ دریا کے کنارے کنارے چلتے جب وہ ڈھلانی راستے پر پہنچی تو تین لڑکے اس کے پیچھے لگ گئے۔ پینٹ شرٹس میں ملبوس گردنوں میں کیمرے لٹکائے وہ ماڈرن سے لڑکے یقیناً" سیاح تھے۔ اس پر فقرے کستے اب وہ تیزی سے نزدیک آرہے تھے۔ یہ جگہ عموماً" ویران رہتی تھی۔ گل آویزہ نے تیز نگاہوں سے آس پاس نظر دوڑائی لیکن اوپر اونچی سڑک ڈھلوانی راستے اور دریا کے چوڑے پاٹ کے دونوں کناروں پر کہیں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بھاگنے کے انداز میں ڈھلان چڑھنے لگی ارادہ جلد از جلد سڑک تک پہنچنے کا تھا لیکن وہ ابھی کافی دور تھی۔ درمیان میں بڑے بڑے پتھروں اور اونچی جھاڑیوں بھرا طویل راستہ تھا۔ تب ہی گھنی جنگلی جھاڑیوں والی ایک ایسی جگہ آگئی جہاں ایک چھوٹی پہاڑی بھی تھی۔ اس پہاڑی کا موڑ کاٹتے ہی اوپر سڑک تک راستہ کچھ پندرہ بیس فٹ جتنا تھا۔ لیکن ایک تو چڑھائی تھی دوسرے پیچھا کرنے والے جوان چست لڑکے جو سیکنڈز میں اسے آلیتے۔

گل آویزہ نے پہاڑی کو نعمت تصور کرتے ہوئے موڑ کاٹتے ہی بجائے اوپر کی طرف بھاگنے کے خود کو جھاڑیوں میں چھپالیا۔ اگرچہ یہاں چھپنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن وہ رسک لے چکی تھی تب ہی وہ تینوں لڑکے بھی موڑ کاٹ کر وہاں پہنچ گئے۔

"کہاں گئی۔۔۔؟" تینوں نے حیرت سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

"اتنی جلدی دور نہیں جاسکتی۔۔۔ یہیں کہیں ہوگی۔" وہ کہتے ساتھ ہی جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ گل آویزہ کا گلا خشک ہوگیا۔ صنوبر کی موت کے بعد دل یوں بھی بہت چھوٹا اور کمزور ہوگیا تھا۔ ارادے ان لڑکوں کے بھی ہرگز ہنسی مذاق والے نہیں لگ رہے تھے۔ علاقے کی ویرانی نے یقیناً" ان کے سروں پر شیطان سوار کردیا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے خوف کے عالم میں اللہ کو یاد کرنے لگی۔

"یہ رہی۔۔۔" نہایت قریب سے ایک لڑکے کی آواز سنائی دی اور پھر فوراً" ہی کسی نے اس کی کلائی پکڑی۔ گل آویزہ نے آنکھیں کھولیں نظر ایک بدہیئت دانتوں والے لڑکے کی مکروہ ہنسی پر پڑی۔ اس کے حلق سے بے ساختہ ایک زوردار چیخ بلند ہوئی۔ وہ تینوں ہی اس کے سر پر کھڑے اسے گھور رہے تھے۔

"کون ہے۔۔۔؟" اوپر سڑک سے کسی کی پاٹ دار آواز گونجی، جو دراصل گل آویزہ کی چیخ کا ردعمل تھی۔

"بچاؤ۔۔۔" کسی چوتھے فرد کی موجودگی کا احساس پاتے ہی گل آویزہ کی ہمت بندھی اور اس نے پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں حلق پھاڑا۔

"کون ہے وہاں۔۔۔؟" پارعب آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دی اور ساتھ ہی ایک ہوائی فائر بھی ہوا۔ فائر کی آواز سنتے ہی تینوں لڑکے الٹے قدموں پہاڑی پہ مڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور تب ہی سڑک کے کنارے اوپر ایک آدمی نمودار ہوا۔ گل آویزہ نے نظر اوپر اٹھائی۔ فاختائی رنگ کی شلوار قمیص پہنے سر پر بلیک پی

کیپ جمائے وہ حسین لڑکا تیز نگاہوں سے نیچے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"بھاگتے کہاں ہو۔" لڑکوں کو موڑ کاٹتے دیکھ کر وہ زور سے چلایا، لیکن ظاہر ہے تب تک وہ نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ ان کے جانے کے بعد بھی وہ لڑکا دیر تک وہاں کھڑا جھانک کر نیچے دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اسے یقیناً "نسوانی چیخ والی" کی تلاش تھی لیکن گل آویزہ کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے محسن کے سامنے آنے تک کو بھی تیار نہ تھی۔ اور کچھ دیر بعد وہ خود ہی وہاں سے ہٹ گیا۔ پھر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور جب تک گل آویزہ ڈھلان چڑھ کر سڑک پر آئی۔۔۔ لڑکا اپنی جیپ بھگاتا شہر جانے والی سڑک پر کافی آگے جا چکا تھا۔ اور وہ دل ہی دل میں اس مہمان شہری کا شکریہ ادا کرتی گھر والے راستے پر مڑ گئی۔

واقعہ ایسا تھا کہ وہ دنوں، ہفتوں ہی نہیں بلکہ مہینوں اس کے زیر اثر رہی۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ واقعے کی یاد تازہ ہوتے ہی نگاہوں میں صرف اس فاختئی کپڑوں والے کی صورت اتر آئی۔ ایک انجان لڑکی کی عزت کا محافظ بن کر جو یوں سڑک کنارے تن کر کھڑا تھا کہ اگر اسے جان پر بھی کھیلنا پڑ جاتا تو وہ پروا نہ کرتا۔ گل آویزہ بھلا کیسے اپنے محسن کو بھول جاتی۔ اللہ نے جسے وسیلہ بنا کر اس کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو اس مہمان اجنبی کے لیے دعا کرنا نہ بھولتی۔ مہینوں گزر جانے کے بعد بھی دل جس کی یاد سے خالی ہونے کو تیار نہیں تھا۔ کبھی کبھی گھبرا کر خود سے سوال کرتی کہیں وہ اس کی ہمدردی میں حد سے تو نہیں گزر رہی۔ وہ۔ جس نے نہ اسے دیکھا تھا نہ اسے جانتا تھا نہ جانے کیسے اس کی سانسوں کے اتنے قریب آ گیا تھا حتیٰ کہ نکاح کے وقت اقرار میں زبان کھولتے بس ایک ہی خیال دل میں آیا تھا کہ شاید وہ اپنے مہمان سے اب صحیح معنوں میں دور ہو رہی ہے۔ یعنی دل واقعی تسلیم کر چکا تھا کہ اس نے اجنبی کو ہمدردی سے کہیں آگے کی جگہ دے ڈالی ہے۔ اور اب نکاح کے بعد جملہ حقوق کسی اور کے نام منتقل ہونے پر اس بغاوت کو ترک کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

دو دن گزر گئے تھے اور اس مخمصے میں کہ اصطبل میں نظر آنے والا اس کا محسن۔۔۔ کیا اسجد عالم خان تھا یعنی اس کا شوہر۔۔۔ یا خانوں میں سے کوئی اور۔۔۔ بھرے پرے خاندان کے سب ہی مرد یہاں کے نوکروں کے لیے تو "خان" ہی تھے جانے بابر نے کسے خان کہہ کر پکارا تھا۔ لیکن اپنے سوال کا جواب وہ کس سے پوچھتی اور کیسے۔۔۔؟ حویلی کے اندر تو خان بیگم اور بیٹیوں کی متحدہ مہم جاری تھی اسے ہر حال میں خان سے دور رکھنے کی۔۔۔ مغرب کی اذان ہوتے ہی اسے اپنے "محلات" میں بھیج دیا جاتا کیونکہ وہ اسجد کے ڈیرے سے واپس آنے کا وقت ہوتا تھا۔

پچھلے دو دنوں میں وہ بہت بار اس روزن سے جھانک چکی تھی لیکن وہ دوبارہ نظر نہیں آیا۔ وہ مایوس سی نیچے اتر آئی۔ نیند بھی ناراض ہو گئی تھی۔ بس ایک حیرانی تھی اور ڈھیر سارا تجسس۔ وہ جلے پاؤں کی بلی کی طرح ساری رات کمرے میں چکر کاٹتی رہتی۔ تیسری رات یوں ہی تنگ آ کر موبائل فون آن کر لیا۔ بہت سارے دن ہو گئے تھے اماں اور زیبا سے بات کیے ہوئے۔ لیکن آن ہوتے ہی پے در پے کئی پیغامات موصول ہوئے تو وہ حیران ہو گئی۔ دو تین پیغام تو موبائل سروس کے تھے باقی سب ہی پیغام زیبا کی طرف سے تھے۔ ہر پیغام میں جلدی رابطہ کرنے کو کہا گیا تھا۔ اس نے پریشانی سے گھڑی دیکھی۔ رات کے گیارہ بجے تھے اس نے بنا سوچے نمبر ملا دیا۔ زیبا نے تین چار گھنٹوں بعد کال اٹینڈ کر ہی لی۔

"کیسی ہو زیبا۔۔۔ اماں کیسی ہیں۔۔۔ تم سب خیریت سے تو ہو نا۔" گل آویزہ کا دل کسی انجانے خوف سے دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

"ہاں ہاں۔ سب ٹھیک ہیں۔ تم کیسی ہو۔" زیبا کا لہجہ دھیما اور پرسکون تھا۔

"رابطے کا بار بار کیوں کہا۔ کوئی پریشانی والی بات ہے کیا۔" اسے بالکل قرار نہیں آ رہا تھا۔

"بتاتی ہوں بابا۔۔۔ آرام سے۔۔۔" زیبا نے تسلی

دینے کی کوشش کی۔

"ایک تو فون تمہارا ہر وقت بند ہوتا ہے۔ اوپر سے آن بھی کئی کئی دن بعد کرتی ہو۔ کم از کم میسج تو روز پڑھ لیا کرو۔"

"بتاؤ ناں زیبی۔ بات کیا ہے۔" وہ جھنجلا گئی۔

"پہلے یہ بتاؤ۔ اسجد لالہ ٹھیک ہے نا۔؟"

"ہیں۔؟ وہ بری طرح چونکی۔ کیا مطلب۔۔۔"

"بتاؤ ناں لالہ ٹھیک تو ہے نا۔۔۔ گھر پر ہوتا ہے کیا۔۔۔؟"

"ہاں۔ گھر ہی ہوتا ہے۔ بات کیا ہے؟" وہ ہنوز الجھی ہوئی تھی۔

"تم نے بلاور لالہ کو بتایا تھا اس کے شہر جانے کے بارے میں۔؟" زیبا نے عجیب سا استفسار کیا اس نے حیرت سے اقرار کیا۔

"ہاں۔۔۔ شاید۔ کافی دن پہلے کی بات ہے۔"

"دیکھو آویزہ۔ مجھے نہیں پتہ۔ اسجد لالہ کے بارے میں تم کیا سوچتی ہو اور یہ بلاور لالہ تمہیں کیا کچھ سمجھاتا رہتا ہے۔ لیکن خدا کے لیے ایک بات یاد رکھو۔ بلاور کا دل اسجد لالہ کے لیے بالکل صاف نہیں ہے وہ اسے صرف اور صرف اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ تم اس کی کوئی بھی بات بہت سوچ سمجھ کر بلاور کو بتایا کرو۔ مجھے یاسمین نے بتایا ہے کہ بلاور لالہ فون پر کسی سے پروگرام بنا رہے تھے کہ اسجد اتوار کے دن چارسدہ جا رہا ہے۔ واپسی پر درے سے گزرتے ہوئے وہ اپنا کام کر دیں گے۔ اب تم خود سوچو بلاور لالہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ کیا تمہیں ذرا بھی اپنے شوہر سے پیار نہیں ہے۔ وہ ہمارا کتنا خیال رکھتا ہے۔"

"تم لوگوں کا خیال۔۔۔؟" وہ صدمے کے اثر سے نکل کر بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"تمہیں لالہ نے بتایا تو ہو گا۔ انہوں نے ہمارے گھر گندم، چاول اور بہت سارا دوسرا راشن بھیجا ہے۔ اماں بہت خوش ہیں۔ جھولی بھر بھر اسے دعائیں دیتی ہیں۔ خدا کے لیے لالہ کا خیال رکھو اور اس بلاور سے ذرا بچ کے رہو۔"

"سنو۔" ایک خیال کے آتے ہی گل آویزہ اسے پکار بیٹھی۔

"ہاں بولو۔" زیبا چونکی لیکن آویزہ کو بھی رک جانا پڑا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ تمہارے اسجد لالہ کا حلیہ کیا ہے لیکن پھر فوراً ہی اپنے بے وقوفی کا احساس ہوا۔ اس نے کب کسی کو بتایا تھا کہ وہ آج تک اپنے شوہر کی صورت سے بھی واقف نہیں ہے۔ اماں اور زیبا کے نزدیک تو وہ خان کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی حلیہ پوچھنے کا بھلا کیا جواز۔ اس نے خاموشی سے فون رکھ دیا۔

فی الحال دوسرے کئی معاملے اس سوال پر بھاری تھے۔ اسجد عالم اگر وہ جیپ والا نہیں بھی تھا تو بحیثیت شوہر اس پر دو احسان کر ہی چکا تھا۔ پہلا اس کو اپنی ماں سے ملوانے والا اور دوسرا اس کے میکے والوں کو مالی طور پر آسودہ کرنے کا احسان۔۔۔ اور اگر محسن بھی یہی تھا تو کل ملا کر تین احسان۔ حیرانی تجسس کہیں پیچھے رہ گئے اور باقی کی رات اس نے پچھتاووں کی آگ میں جلتے گزار دی۔ "بلاور لالہ نے اسجد کے کہیں آنے جانے کا پوچھا اور اس نے جھٹ خان بیگم سے سنی بات دہرا دی۔ اب جانے بلاور کے ارادے کیا تھے اور۔۔۔" وہ اچانک تڑپ کر اٹھی۔ "صبح اتوار ہے۔"

"اف۔۔۔" اس نے بھاری پتھر جیسے سر کو ہاتھوں میں تھاما۔ "اب کیا کروں۔ کیسے خان کو روکوں۔ اگر وہ صبح کی نماز کے فوراً بعد نکل کھڑا ہوا تو۔۔۔" گل آویزہ نے گھبرا کر گھڑی دیکھی۔ بارہ بجنے والے تھے۔ یعنی اس کے پاس یہی رات کے چار پانچ گھنٹے تھے لیکن وہ کیا کر سکتی تھی۔ اس کے اختیار میں کیا تھا؟ خوف سے اس کے گلے میں کانٹے چبھنے لگے۔ لیکن دل و دماغ پر ایک ہی جنون سوار تھا۔ اسے خان کو کسی بھی قیمت پر روکنا ہے۔ وہ اسے کچھ نہیں ہونے دے گی۔ کبھی نہیں۔!

(باقی آئندہ)

اُم طیفور

میری شادی کرواؤ... میری شادی کرواؤ
جیسے بھی چلتا ہے چکر چلاؤ... میری شادی کرواؤ
...!

بائیک دھوتے ہوئے... پانی اچھال اچھال کر ادھر ادھر پھینکتے ہوئے اسے خود بھی جھٹکے لگ رہے تھے۔ بڑی لچک کھا کر وہ میری شادی کرواؤ کی ہانک لگاتا اور پورا گلا پھاڑنے کے بعد 'اسی انداز میں مدھم سروں میں آتا جاتا۔ محض ایک بائیک دھل رہی تھی مگر پورا صحن چھپڑ بنا ہوا تھا... نگاہیں گاہے بگاہے سامنے والے گھر کی طرف بھی اٹھ جاتی جہاں حسب معمول کوئی بھی نہیں کھڑا تھا... مگر وہ عادت سے مجبور تھا۔

اندر کچن میں ناشتا بناتی مامی کی چلچلاتی نظریں مسلسل کچن کی کھڑکی سے نظر آتے ساحر پر گڑی تھیں ... کب سے پانی کی موٹر چل رہی تھی... اور موٹر کا کنکشن نیچے والے میٹر پر تھا اور صاحب بہادر پچھلے پون گھنٹے سے بائیک کو دھونے میں اتنا پانی صرف کر چکا تھا کہ اتنے پانی سے ماں اپنے چھ عدد بچوں کا میل اتار لے... مگر ساحر کو ٹوکتا کون؟ پلٹ کر ایسا شاندار جواب دیتا تھا کہ اپنے منہ پر خود ہی کس کر چھوڑ لگانے کو دل کرتا کہ آخر اس کے منہ لگے کیوں...؟

ماموں بھی دکان پر جا چکے تھے ورنہ اب تک پیار سے 'پچکار کر... کسی نہ کسی طرح بائیک کا اشنان کروا چکے ہوتے...! ہاتھ میں انڈہ تھامے مامی... نظریں باہر مرکوز کیے... انہی سوچوں میں گم تھیں... جب ایک بار پھر ساحر پوری شدت سے دہائی دے بیٹھا...

"میری شادی کرواؤ...!"

ہاتھ میں پکڑا انڈہ پھڑک کر سیدھا مامی کے پیر پر جا پڑا...

"ستیاناس جائے تیرا... ساحر کے بچے...!" پاؤں پر ٹوٹ کر پھیلے پڑے انڈے کو دیکھتے ہوئے مامی کرلائیں... سفیدی تو لڑھک لی تھی مگر زردی پنجے پر بچی تھی... بڑی مشکل سے اسے کسی طرح جھک کر ہتھیلی میں سمیٹا اور کمینگی کی انتہا دکھاتے ہوئے پلٹ کر اس آملیٹ کے آمیزے والے باؤل میں انڈیل دیا جس کو تیار کر کے اوپر ناشتے کے لیے بھیجنا تھا اور یہ ناشتا ساحر اور نانا نے ہی تناول کرنا تھا...! دل کو ٹھنڈ سی پڑ گئی ...! وہ فٹافٹ آملیٹ کو پین میں ڈالنے لگیں... باہر ساحر اب بس کرنے کے موڈ میں تھا... بائیک بھی ضرورت سے زیادہ دھل چکی تھی اور موٹر بھی ضرورت سے کہیں زیادہ چل چکی تھی... لہٰذا اب بس کرنے میں حرج نہیں تھا۔

ایک آخری للکار میری شادی کرواؤ کی ہو جائے ذرا ... اس نے دل میں سوچا اور مسکراتے ہوئے پوری طاقت سے پھیپھڑوں میں سانس بھرا... مگر سانس اندر کا اندر ہی رہ گیا... اس کے سر پر نیم گرم سی پانی کی دھار پڑی تھی... جو سر سے ہوتی سیدھی پیچھے گردن کی طرف گئی تھی۔ اس نے نہایت الجھن سے جھرجھری لے کر اوپر دیکھا تو دل چاہا کہ ابھی کے ابھی پانی کے پائپ کی موٹی دھار کا رخ اپنی طرف موڑ لے ... مگر پہلے ان سے نمٹنے کا سوچا جنہوں نے یہ حرکت کی تھی۔

"کیا یار نانا...! یہ کیا کرتے ہیں آپ...؟ کبھی کبھی نیچے دیکھ لینا اچھا ہوتا ہے کہ بندہ دشمن پارٹی کا ہے یا سجن پارٹی کا... لے کر ساری رات کا کسیلا پن مجھ پر

انڈیل دیا۔۔۔ حد ہو گئی۔۔۔!"
"میاں نواسے۔۔۔! ساری رات کا نہیں۔۔۔ دو راتوں کا کہو۔۔۔ کیونکہ اتنا ہی ٹائم ہو گیا تھا مجھے اپنی بتیسی رگڑے ہوئے۔۔۔ اب جو کچھ بھی تھا اس کلی میں ہی تھا میاں۔۔۔!"
نانا چہچہائے۔۔۔ ایک مریل سی فلائنگ کس نواسے کی طرف اچھالی اور سامنے والے گھر کی طرف ذرا سا اچک کر دیکھنے لگے۔ نواسے میاں نے ساری بات سنتے ہی میکانکی انداز میں پائپ کا رخ سر کی طرف کیا۔۔۔ پانی کی موٹی دھار نے لمحوں میں اسے بھگو ڈالا۔
نانا کی اس حرکت پر وہ "عموماً" خوش ہی ہوتا تھا کیونکہ اکثر ماسی یا ان کی آل اولاد ہی ہدف ہوتی تھی اور اسے ان کا بدحواس ہو کر یکدم بدک کر پرے کو اچھلنا۔۔۔ لطف دے جاتا تھا۔ نانا کو بالکونی میں کھڑے ہو کر کلی

کرنے کی نئی نئی عادت پڑی تھی۔ اس مقصد کے لیے وہ پانی کا گلاس بھر کر لاتے اور پھر اس پانی سے منہ کو بھرتے اور پھر منہ میں پانی اچھی طرح گھما پھرا کر ایک پتلی لمبی دھار کی صورت نیچے صحن میں جاری فرما دیتے۔ اب نیچے چاہے جو بھی کھڑا ہو... ان کی بلا سے...!

اچھی طرح سر پر پانی بہانے کے بعد ساحر نے اوپر دیکھا تو نانا کا دھیان ہنوز سامنے والے گھر کی طرف تھا... اس نے گھبرا کر دھیان ہٹانے کے بہانے آواز دی۔

"ویسے نانا...! تھوڑی احتیاط کیا کیجیے۔ پچھلی دفعہ بھی آپ نے کلی کی تھی تو آپ کے منہ سے آپ کی بتیسی بھی نکل کر سیدھی ماں کے بھائی کے سر پر آ گئی تھی۔ وہ بے چارے ہاتھ میں تھام کر کتنا سخت خوف زدہ ہوئے تھے... اگر کہیں ان کا سر پھٹ وٹ جاتا تو لینے کے دینے پڑ جاتے... ہو سکتا ہے وہ آپ کی بتیسی واپس ہی نہ کرتے تو آپ کے لیے کڑ شکو کھانے محال ہو جاتے...!"

"ایویں واپس نہ کرتا... کیا اپنے چوکھٹے میں فٹ کرنی تھی اس نے...؟ پورے بتیس ہزار کی بتیسی ہے میری... لے کر بھاگنے دے رہا تھا میں بھلا اسے...!"

نانا نے غصے میں مٹھیاں یوں کسیں جیسے واقعی ماں کا بھائی ان کی بتیسی لے کر بھاگنے والا ہو اور وہ ایک تگڑا سا گھونسا مار کر ان کی "اٹھیسی" توڑنے والے ہوں۔ کیونکہ بقول نانا کے سوائے ان کے منہ کے بتیس دانتوں کے سبھی کے اٹھائیس ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا بتیسی صرف ان کے پاس تھی باقی سب کے پاس اٹھیسی یا چھیسی تھی۔

"اب ذرا کلی کے اثرات ختم ہو گئے ہوں تو اپنی ماں سے ناشتے کی ٹرے پکڑو اور اوپر آؤ... تمہاری ماں کا دو دفعہ فون آ چکا ہے... تیسری دفعہ وہ تمہیں فون پر ہی چپل کھینچ مارے گی... سمجھے میاں نواسے...!"

وہ نانا کو گھورتا ہوا کچن کی طرف گیا... شان بے نیازی سے کاؤنٹر پر پڑی ٹرے تھامی اور گردن اکڑا کر... ٹپ ٹپ کرتے بالوں والے سر کو جھٹکا دیا اور ماں پر ایک تمسخرانہ نظر ڈالتا... دروازے سے باہر نکلنے ہی والا تھا... جب ویسی ہی... ٹھیک ویسی ہی کمینی کمینی سی تمسخرانہ نگاہ ماں نے اس پر ڈالی... مگر وہ پلٹ کر پوچھنے والوں میں سے نہیں تھا... حق لے کر آگے بڑھ جانے والوں میں سے تھا... چاہے اس حق (ناشتے کی ٹرے) میں پیر پر پڑی زردی ہی کیوں نہ شامل ہو۔

ساحر پورے کروفر کے ساتھ ٹرے تھام کر سیڑھیاں تو چڑھ گیا... مگر اس کی پشت پر ماں کے دبے دبے قہقہے نے اس کے حواس چوکس کر دیے تھے... اور اب کسی بھی قیمت پر اسے یہ ناشتا نہیں کرنا تھا۔ یہ بات طے تھی...!

☼ ☼ ☼

وہ برنر کے آگے کھڑا تیز تیز ہاتھوں سے پین میں ڈالی سبزیاں فرائی کر رہا تھا اور نانا سے اپنی ماں کی شکایت کر کے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا نانا بڑے بے ڈھنگے پن سے شملہ مرچ اور گاجر کے موٹے موٹے ٹکڑے کاٹ رہے تھے... پتا نہیں اب سے پہلے چائنیز رائس میں کسی نے اتنے بڑے بڑے گاجر اور شملہ مرچ کے ٹکڑے دیکھے ہوں گے کہ نہیں...!

"ایک بات تو طے ہے نانا... کہ میری آپ کی بیٹی سے نہیں نبھنی... آپ کی بیٹی میں لچک نام کی تو چیز ہی نہیں ہے... مجال ہے جو کسی بات پر کمپرومائز کرنا سیکھا ہو... میں تو کہتا ہوں کہ سارا قصور ماں باپ کی تربیت کا ہے... ماں باپ نے کچھ سکھایا... او تیری...!"

اس کی زبان کو یکدم بریک لگا تھا۔ آخری جملہ نانا کو وارا نہیں کھایا تھا جبھی انہوں نے کھینچ کر اسٹیل کا چمچ دے مارا جو سیدھا کہنی کی ہڈی پر لگا تھا اور ساحر میاں بلبلا اٹھے تھے۔

"اب اگر مجھے یا اپنی مرحومہ نانی کو کچھ بولا تو تمہارا پاستا بنا دوں گا میاں نواسے..."

نانا نے ایک موٹا اور چوڑا گاجر کا ٹکڑا کاٹ کر اسے چھری کی نوک پر ٹکا کر بڑے اسٹائل سے چھری لہرا کر

ساحر کو تنبیہہ کی۔ ساحر تو کہنی چھوڑ نانا کے پاشا پر اٹک گیا۔۔۔

"ارے واہ نانا۔۔۔! آپ کو بھی آخر یہ چٹ چٹ' پٹ پٹ کرتے نام یاد ہو ہی گئے۔۔۔ لگتا ہے آپ عورتوں کے مارننگ شوز میں دل لگانے لگے ہیں۔۔۔"

وہ بربڑ کرتا۔۔۔ کرسی گھسیٹ کر ان کے پاس آ بیٹھا۔ انہیں آنکھ مار کر قہقہہ لگاتے ہوئے کندھے پر یارانہ دھپ بھی لگائی۔ نانا نے ایک نظر اس کے لوفرانہ انداز کو دیکھا اور دوسری نگاہ اپنے کندھے پر دھرے اس کے ہاتھ پر ڈالی۔۔۔ چھری سے اسے ہاتھ پرے کرنے کا اشارہ دیا۔۔۔ ساحر نانا کے تیور دیکھ کر کھسیانا ذرا سی کرسی پیچھے کھسکا کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہے نانا۔۔۔ اتنے سیریس کیوں ہیں آج۔۔۔ ماموں نے کچھ کہا ہے کیا۔۔۔؟"

وہ واقعی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔۔۔ کچھ بھی تھا۔۔۔ نانا اور اس میں غضب کی انڈر اسٹینڈنگ تھی اور ہنسی مذاق چلتا رہتا تھا۔۔۔ مگر آج نانا بے حد چپ چپ سے تھے۔

"کچھ نہیں میاں۔۔۔! بس یونہی تمہاری نانی یاد آ رہی ہے مجھے۔۔۔ حق ہاہ۔۔۔! کیا خیال کیا کرتی تھی میرا۔۔۔ میرے کپڑے لتے ہر چیز کی فکر رہتی تھی اسے۔۔۔ مجال ہے میری کوئی چیز کوئی کپڑا ادھر سے ادھر ہو جائے۔۔۔ اور جب سے تمہارے بس پڑا ہوں۔۔۔ میرے کرتے کی جیبوں سے اکثر تمہارے جانگیے نکلتے ہیں۔۔۔ خبیث۔۔۔!"

نانا نے شملہ مرچ کو افسوس کے عالم میں درمیان سے ٹھک کر کے کاٹا تھا اور ساتھ ہی ساتھ نواسے کی بھی جی بھر کر مٹی پلید کی تھی۔ اس نے شرمندگی مٹانے کے لیے نانا کے ہاتھ سے چھری پکڑی اور نفاست سے شملہ مرچ کے چار ٹکڑے کیے اور پھر بولا۔

"نانا۔۔۔! یہ آپ چائینز کے لیے سبزی بنا رہے ہیں یا مٹن کڑاہی کے لیے گول بوٹیاں۔۔۔ حد ہو گئی۔۔۔ اتنے بڑے ٹکڑے کر دیے ہیں کہ سوچ رہا ہوں جلفریزی بنا لوں۔۔۔ اس میں گزارہ ہو جائے گا' چاولوں میں تو نہیں چلنے والے یہ۔۔۔"

وہ باؤل میں ہاتھ مارتے ہوئے کٹی ہوئی سبزی کا جائزہ لے رہا تھا۔ نانا کو کھدبد سی لگی تھی۔۔۔ گلا صاف کرتے ہوئے بولے۔

"ویسے تمہاری ماں کیا کہہ رہی تھی۔۔۔ بڑا وقت لگایا فون پر تم دونوں نے۔۔۔ خیر تو تھی نا میاں نواسے۔۔۔!"

"ارے نانا۔۔۔ بس سمجھا رہا تھا امی کو۔۔۔ کہ میری پیاری ماں' نانا کے گھر کو ایک عدد عورت کی اشد ضرورت ہے۔۔۔ یہ گھر وجود زن کے بغیر رن نہیں ہو پا رہا۔۔۔"

نانا کے گال یکدم لال سے ہوئے۔۔۔ آنکھیں کچھ پھیل سی گئیں۔۔۔ ساحر نے کن انکھیوں سے نانا کی کیفیت کو نوٹ کیا تھا۔ نانا کے بے چینی سے دو تین بار۔۔۔ پھر پھر کہنے کے بعد ساحر نے پہلے تو لمبی سی مصنوعی ڈکار لی۔۔۔ نانا کا دل کیا کہ رکھ کر الٹے ہاتھ کی چھوڑیں۔۔۔ مگر ابھی چھوڑ دیتے تو نواسہ بات بیچ میں چھوڑ دیتا۔

"پھر کیا تھا۔۔۔ نانا!"

ایک اور وقفہ۔۔۔ اب کے ہاتھ چھلے ہوئے مٹروں کی جانب بڑھا۔۔۔ اور اس سے پہلے کہ ساحر مٹھی بھر کر مٹر منہ میں جھونکتا۔۔۔ نانا نے پھرتی سے باؤل اٹھا کے قبضے میں کیا اور پچکار کر بولے۔

"پھر۔۔۔ پھر کیا میرے لعل! کیا کہا فریحہ نے۔۔۔ جب تم نے بولا کہ میرے گھر کو عورت کی ضرورت ہے۔۔۔!"

"ارے نانا۔۔۔! امی نے تو تھوڑی نا کچھ کہنا تھا۔۔۔ میں ہی بولا کہ پلیز امی۔۔۔ کچھ کیجیے ورنہ نانا کا گھر باس چھوڑ دے گا۔۔۔ جالے لٹک لٹک کر ہمارے چہروں کو چومیں گے۔۔۔ پھپھوندی کا باغ تیار ہو جائے گا۔۔۔ اور اس سے پہلے کہ ایسا ہو۔۔۔ آپ اس گھر کے لیے عورت کا بندوبست کریں اور میری شادی کروائیں۔۔۔!"

پھس۔۔۔ س۔۔۔ س! نانا کے ارمانوں سے بھرے

غبارے کی کس شان سے ہوا نکلی تھی۔ اس وقت نانا کی شکل ایسے بچے کی سی لگ رہی تھی جس کا گیس والا غبارہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اڑ جائے... جبکہ سبھی بچوں کے ہاتھ میں ابھی غبارے ہوں۔

"پھر کیا کہتی ہے تمہاری ماں...؟" نانا نے مرجھائے سے انداز میں پوچھا۔

"یہی تو رو رہا ہوں کب سے... کہا شادی کروائیں... کہنے لگیں کہ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نوکری سے لگے ہو... پہلے کچھ جوڑ تو لو پھر بیٹھ جانا گدھے بن کر گھوڑے پر... اور ابھی تو میں نے تمہاری کمائی سے سونے کی کوئی چیز بھی نہیں خریدی۔"

"تو لو اسے... ماں ہے تمہاری... حق ہے اس کا۔ بنوا دو کچھ بھی ہلکا پھلکا سا...!"

نانا نے مری مری آواز میں، مری مری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کچھ ہلکے پھلکے پر راضی ہی کہاں ہوتی ہیں آپ کی دختر... کہتی ہیں میں تے اٹ لواں گی اٹ (سونے کی اینٹ) لو بتاؤ... آج کل ایک تولہ بنانے میں آدھا سر گنجا ہو جائے... اِڈی وڈی اٹ بناؤں گا تو جنت میں حوروں کی آس پر ہی زندگی بتاؤں گا..."

نانا یکدم کھلکھلا کر ہنس دیے۔ انہیں ہنستا دیکھ کر ساحر بھی ہنسنے لگا۔ نانا میں اس کی جان تھی اور وہ اداس تھے... مگر کیوں؟ اور اس کا توڑ کیا ہو؟

ساحر نانا کا ہنسی سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دن چڑھ آیا تھا... جوں جوں سورج آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا، اس کی تمازت میں شدت آتی جا رہی تھی۔

مانا خالہ نے حسب معمول تڑکے ہی نہا دھو کر اتنی گرمی میں بھی تیکھے سے رنگ کا لان کا جوڑا سجا لیا تھا۔ وہ ہمیشہ شوخ اور نظر کو جھٹکا دینے والے رنگ ہی پہنتی تھیں کیونکہ ان کے خیال میں یہ رنگ گرمیوں میں ہی مناسب رہتے ہیں۔ سردیوں میں شالوں اور سوئیٹروں کے نیچے بھلا نظر ہی کیا آتا ہے۔ اپنے ڈھائی تین بالوں کی اونچی سی جوڑی بناتی تھیں... جیسی اکثر سومو پہلوان بناتے ہیں گوری چٹی تھیں مگر چہرہ اتنا بھاری بھر کم تھا کہ سارے نقوش اندر ہی اندر کھب گئے تھے۔ جسامت درمیانی... قد میانہ اور آواز مردانہ... بلا کی پھرتیلی اور چست! عمر یہی کوئی لگ بھگ اڑتالیس پچاس کے اریب قریب ہو گی۔ جوانی میں کبھی شادی کی تھی گھر والوں نے... شوہر نے بے وفائی کی اور شادی کے آٹھ ماہ بعد ہی ایک دوسری عورت کے ساتھ چھپ کر نکاح کر لیا۔ مانا خالہ اس وقت بھی خاصی تندرست و توانا تھیں... اتنی کہ ایک دفعہ میاں لحاف پھیلائے لیٹے تھے...

وہ بے چارے اتنے نازک اندام تھے کہ مانو دونوں کی اتفاقاً "جون بدل گئی ہو جیسے...

مانا خالہ کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ بستر پر پھیلے نیم پھولے لحاف میں کوئی مسکین بھی موجود ہو سکتا ہے۔ وہ کچن سے فراغت کے بعد کمرے میں آئیں اور سارے جہان کی ڈھیل بدن میں سمیٹ کر ایک اس نمانے لحاف پہ انڈیل دی "چٹ" "کھٹ" کی دو آوازیں ابھریں... تیسری کی گنجائش نہیں رہی کہ لحاف میں دبکے میاں جی کی سانس نہیں نکل پا رہی تھی... آواز تو حصہ دوم تھی۔

کلائی کی ہڈی چیخ گئی... پسلیوں میں ورم آگیا۔ میاں نے اسی لمحے تہیہ کیا کہ اس ڈبل ڈیکر کے ساتھ ساری عمر کالی نہیں کریں گے... کچھ ماہ بمشکل سرکے اور کر لی دوسری...!

مانا خالہ کو پتا چلا تو غم و غصے سے بے نتھے بیل کی طرح ڈکرانے لگیں۔ کسی طرح ڈھونڈ ڈھانڈ کر پہنچ گئیں پریم پنچھیوں کے سروں پر... اور ان لوگوں کے ایکشن میں آنے سے پہلے ہی اپنی ہیل والی جوتی سے سوکن کا سر پھاڑا اور میاں کو صحن میں نچا نچا کر وہ انھو کی وہ مار ماری کہ میاں دوسری کو فوری چھوڑ دینے کی قسمیں کھاتے رہے... مگر مانا خالہ کا دل بے حد برا ہوا

... خود ہی میاں کو چھوڑ دیا... آگئیں میکے... بھابھیوں کو بھتیرے ہول اٹھے مگر چپکی بیٹھی رہیں کہ نندوئی کا حشر دیکھ چکی تھیں... مانا خالہ پڑھی لکھی تھیں... اسکول جاب آرام سے مل گئی... مگر پے در پے نوکریاں بدلنا پڑیں۔ ہر دوسرے اسکول سے انہیں اپنے طرز گفتگو کی وجہ سے کچھ ہی ماہ میں جواب ہو جاتا...!

مانا خالہ کو "ر" کو "ڑ" بلانے کی پختہ عادت تھی... چاہتیں تو اس مسئلے پر قابو پا سکتی تھیں مگر وہ بھلا کیوں چاہتیں...!

اسکول میں بچے بھی مذاق اڑانے کے لیے پہلے ایک دوسرے سے "ڑ" کی بولی بولتے... جو پختہ ہو کر زبان پر چڑھ جاتی اور پھر گھروں میں بولتے... مائیں پریشان اور باپ حیران... کریدا تو پتا چلا کہ ساری حیرانی اور پریشانی کی وجہ مانا خالہ ہیں۔ والدین کی شکایات پر پرنسپل کو مجبوراً انہیں فارغ کرنا پڑتا... ورنہ وہ استاد بہت اچھی تھیں...!

کچھ ہمدرد اساتذہ نے اسپیچ تھراپی کا مشورہ دیا جو انہوں نے شکریے کے ساتھ قبول نہیں کیا... اور پھر تنگ آکر انہوں نے گونگے بہرے بچوں کے اسکول میں نوکری کرلی۔ رولا ہی ختم کر دیا... نہ وہ بولیں گی نہ بچے... قصہ تمام!

وہ بڑے مزے میں ساری عمر گزار آئی تھیں... ٹھیکے اور من مانی سے... جب اچانک ان کی بہن اور بہنوئی لاہور واہگہ بارڈر بلاسٹ میں مارے گئے... دو ہی بچے تھے... بیٹا آئی سرجن تھا اور یو۔کے میں سیٹلڈ تھا... ایک بیٹی تھی جس نے تازہ تازہ اکنامکس میں ماسٹرز کیا تھا... ان دنوں اس کے رشتے ہی کی تلاش جاری تھی... شادی ہو جاتی تو دونوں میاں بیوی کا ارادہ بیٹے کے پاس باہر جانے کا تھا... مگر دونوں اصل ٹھکانوں پر روانہ ہوئے...!

تب مانا خالہ نے نوکری کو لات ماری اور سب کچھ سمیٹ سمٹا کر مستقل بھانجی کے پاس آگئیں... بھانجے کو دلاسا باندھا کہ سکون سے وہیں رچو بسو... وہ تب تک یہیں ہیں جب تک بھانجی کی شادی نہ کروالیں۔ روپے پیسے سے بے فکری تھی کہ مانا خالہ کی اپنی بھی ذاتی جائیداد تھی اور بھانجا بھی کثیر رقم بھیجتا تھا... یوں دونوں خالہ بھانجی ایک دوسرے کے آسرے پر دن گزارنے لگیں۔

مانا خالہ کا وہی معمول تھا... پو پھٹنے سے پہلے اٹھنا اور سارے گھر میں اندر باہر' باہر اندر ہوتے رہنا... آج بھی صبح صبح نہا دھو کر صحن میں چلی آئیں... کل کی گندم دھو کر سوکھنے کے لیے پھیلا رکھی تھی... اسے سمیٹا... اچانک نظر سامنے والے گھر کی طرف اٹھی... وہ جو کوئی بھی تھا یکدم پیچھے ہوا تھا... کینہ توز نظروں سے بالکونی کو گھورتی اندر آگئیں اور بھانجی کو اونچی اونچی آوازیں دینے لگیں۔

"عفیڑہ... او عفیڑہ (عفیرہ) اٹھ جا بیٹا... دیکھ باہڑ کب کا دن چڑھ چکا ہے... ہزاڑ باڑ کہا ہے جلدی اٹھا کڑ... دیڑ تک شیطان سوتا ہے... مگڑ تیڑے سڑ پڑ جوں بھی نہیں ڑینگتی..."

"کیونکہ خالہ میرے سر میں جوں ہے ہی نہیں...!"

عفیرہ نے سست سی انگڑائی لے کر لیٹے سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ظاہڑ ہے ہوتی بھی کدھڑ سے ہے... سڑ پڑ بال ہوں گے تو جوں بے چاڑی کو سڑ چھپانے کی جگہ ملے گی نا... اب کوئی بالوں کی آبشاڑ تو ہے نہیں جو لہڑاتی... بل کھاتی دکھے... ہاں نالی ضڑوڑ کہہ سکتے ہیں۔"

مانا خالہ نے کمرہ سمیٹتے ہوئے منٹوں میں اس کے اچھے خاصے گھنے بالوں والے سر کو گنجا ثابت کر دیا تھا۔

"اب میڑے بال ہی دیکھ لو... آہاہا...! پھسل پھسل جاتے ہیں... ہاتھ ہی نہیں ٹھہڑتا... سو بال ماشاء اللہ ٹوڑ اتڑ جاتا ہے میڑا... جو کہ صحت مند بالوں کی نشانی ہے... اوڑ جوئیں..." خالہ نے چادر تہہ لگاتے ہوئے پہلے رک کر سر میں خارش کی... "جوئیں تو مڑ جانیاں میڑے تو زبردستی گلے پڑی ہوئی ہیں... جتنا مڑضی جان چھڑاؤں چوتھے دن پھڑ سے سڑ میں 'کیٹ واک' کڑتی آجاتی ہیں... اوڑ میڑی چندا... یہ سب

گھنے بالوں کا کمال ہے۔۔۔ آج تیڑے بھی بال میڑے جیسے ہوتے تو جوؤں کی وجہ سے دوسڑا ہٹ ڑہتی۔۔۔ چل اب اٹھ جا شاباش۔۔۔ آج سے دو کالج کی لڑکیاں تیڑے سے ٹیوشن لینے آئیں گی۔۔۔ بچی میں مزا ڑہے گا ۔۔۔ نئے نئے فیشنوں کا تو ان تیز طڑاڑ لڑکیوں سے ہی پتا چلتا ہے۔۔۔ آجا شاباش۔۔۔ ہاتھ منہ دھو کڑ کچن میں ہی آجانا۔۔۔ ناشتا تیاڑ کڑتی ہوں تب تک۔۔۔"

مانا خالہ تیزی سے بات مکمل کرتی ہوئی نکل گئیں ۔۔۔ عفیرہ نے اپنی آنکھوں کے کنارے بے حد آہستگی کے ساتھ صاف کیے۔۔۔ نہ تو مانا خالہ جیسی نفیس عورت کے سر میں جوئیں تھیں اور نہ ان کے بالوں کا یہ عالم تھا۔۔۔ یہ سب بس اس کا دل خوش کرنے کو' ہنسانے کو کرتی تھیں۔ امی بابا کے گزر جانے کے بعد وہ جس یاسیت کا شکار تھی۔ اگر مانا خالہ بروقت اسے آکر اپنی ممتا کی گرمی نہ دیتیں تو وہ نیم پاگل تو ضرور ہی ہو جاتی۔ اب بھی گھر میں دو ہی افراد تھے مگر ایک تھرتھلی سی مچائے رکھتی تھیں وہ۔۔۔ بستر پر لیٹنے تک اسے ہنساتے رہنا ان پر فرض تھا۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے، جو خود کتنے ہی دکھی کیوں نہ ہوں۔۔۔ ان کا خراج دوسروں سے نہیں وصولتے۔۔۔ بلکہ دوسروں کی راحت کا سامان ہو جاتے ہیں۔۔۔ بالکل مانا خالہ کی طرح۔۔۔!

✱ ✱ ✱

وہ ابھی ابھی ٹیوشن والی لڑکیوں کو فارغ کر کے سکون سے چائے کا مگ لیے صحن کے بیچوں بیچ کرسی رکھے بیٹھی تھی۔ یہ مصروفیت بھی خالہ کی تھوپی ہوئی تھی۔۔۔ ان کے بقول۔

"اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارو گی تو دل صحت مند رہے گا۔" جو بھی تھا اس کا وقت واقعی اچھا گزر جاتا تھا۔۔۔ اس نے چائے کا چھوٹا سا گھونٹ بھرتے ہوئے ذرا سا رخ موڑ کر مانا خالہ کو دیکھا جو برآمدے کے پلو کی آڑ میں جاگنگ کر رہی تھیں۔۔۔ آج کل وہ ایکسرسائز کے درپے تھیں۔۔۔ مقصد پتلا ہونا ہرگز نہیں تھا۔۔۔ بلکہ یہ دیکھنا تھا کہ جاگنگ کر کے آخر محسوس کیا ہوتا ہے اور اس محسوس کرنے کے چکر میں انہوں نے اپنا دو 'تین کلو وزن تو گھٹا ہی لیا تھا۔ اس نے ایک میٹھی نظر پسینے میں شرابور مانا خالہ پر ڈالی اور چائے کا گھونٹ بھرنے کے مگ لبوں سے لگایا ہی تھا کہ یکدم بہت زور سے گیٹ دھڑ دھڑایا گیا۔۔۔ چائے چھلک گئی ۔۔۔ مانا خالہ کا پاؤں رپٹ گیا۔ دونوں ہی قدرے غصے میں گیٹ کھولنے کے لیے آگے بڑھیں مگر خالہ نے پھرتی دکھاتے ہوئے اس سے پہلے گیٹ کھول لیا۔

"تم پاگل ہو یا جیل سے چھوٹے ہو۔۔۔ جو اس طرح سے گیٹ بجا ڑہے ہو۔۔۔ لے کڑ ساڑے گیٹ کی چولیں ہلا ڈالیں۔۔۔"

"جی۔۔۔!" آنے والا حیرت سے اتنا ہی کہہ سکا۔۔۔ مانا خالہ کے جارحانہ انداز نے اس کی بولتی بند کر دی تھی۔

"کیا جی۔۔۔ جی کڑ ڑہے ہو۔۔۔ کدھڑ سے آئے ہو ۔۔۔ کیا کام ہے۔۔۔؟"

"جی میں آپ کے سامنے والے گھر سے آیا ہوں ۔۔۔ میرے نانا نے آپ کے لیے کچھ پھل بھیجے ہیں۔ موسمی۔۔۔!" اس نے تھوک نگلتے بمشکل جملہ پورا کیا۔

"کس کھاتے میں۔۔۔؟ اوڑ کون سا سامنے والا گھڑ ۔۔۔ یہ جو ہلکے نیلے پینٹ والا ہے۔۔۔؟"

"جی۔۔۔ جی! بالکل وہی والا۔۔۔ میرے نانا کا ہے وہ ۔۔۔"

"تمہاڑے نانا وہی ہیں نا جو ہڑ وقت بالکونی میں بندڑوں کی طڑح لٹکے ڑہتے ہیں۔۔۔ اب میں سمجھی۔۔۔ بڑخوڑداڑ۔۔۔ چپ کڑ کے یہ تھیلا واپس اپنے نانا کے پاس لے جاؤ اوڑ انہیں کہو کہ یہ پھل وہ خود کھائیں۔۔۔ ان کی عمڑ ہے اب۔۔۔ ضڑوڑت ہے۔۔۔ اوڑ دوباڑہ یہاں کوئی چیز بھیجی تو مجھ سے بڑا کوئی نہیں ہو گا۔۔۔ ساڑا ساڑا دن اوپڑ ٹنگے ہماڑے صحن میں دیکھتے ڑہتے ہیں۔۔۔ جوان بچی والا گھڑ ہے۔۔۔ حیا آتی ہے کہ نہیں۔۔۔ اوڑ اب یہ پھل بھیج کڑ کیا ثابت کڑ ڑہے ہیں۔۔۔؟"

"جی کچھ نہیں۔۔۔ میں چلتا ہوں۔۔۔ آپ کا پیغام

انہیں دے دوں گا۔۔۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔۔۔"

ساحر اس قدر بوکھلایا کہ اس کی بھی زبان نے "ز" کا جھٹکا کھایا۔۔۔ نانا خالہ تو بالکل ہی خونخوار ہو گئیں۔

"اوئے۔۔۔ بے ہودہ 'بد تمیز نقل کرتا ہے میری۔۔۔ ٹھہر تیری ابھی ہڈیاں توڑتی ہوں۔۔۔"

اس پہلے کہ وہ سچ میں اپنی پرانی جون میں لوٹتیں۔۔۔ ایک دم عفیرہ نے انہیں پیچھے سے دبوچ کے سائڈ پہ کیا اور ٹھاہ سے گیٹ بند کر دیا۔ ساحر میاں آئے تو دیدار یار کے لیے آئے تھے مگر اس وقت آواز یار سے فیضیاب ہونے کو کافی جانا۔۔۔

"خالہ اس بے چارے کی زبان گھبراہٹ میں لڑھکی تھی۔۔۔ آپ بھی نا۔۔۔ اتنا کچھ سنا ڈالا اس کے نانا کو۔۔۔ اس کے اوسان خطا تو ہونے تھے۔۔۔"

ساحر نے واپسی کا قصد کیا مگر وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی نانا بالکونی سے ادھر تاڑتے ہیں۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔ کس کو۔۔۔ ان کی چپ اور اداسی۔۔۔ اکیلے پن کی باتیں۔۔۔!

"اوہ۔۔۔ تیری۔۔۔!" اس نے بے اختیار سر پر ہاتھ مارا۔

"نانا کو یہ "ز" کی گٹھڑی پسند آگئی ہے۔۔۔ اور نانا بے چارے اتنی تڑتڑاہٹ کیسے سہیں گے۔۔۔ کدھر پھنس گئے نانا۔۔۔!" وہ سربار تاسر سوچ نظروں سے اپنے گھر کی بالکونی کو دیکھتے معاملے کی تہ میں اتر چکا تھا۔۔۔ مگر اس ساری کارروائی کو عملی جامہ کون پہنائے گا۔۔۔ اور خود اس کی نیا پار کون لگائے گا۔۔۔ تو کیا نانا نواسا ایک ہی گھر میں سہرا باندھ کر آئیں گے۔۔۔ اس نے لمحے کے لیے آنکھیں بند کر کے منظر کشی کرنے کی کوشش کی۔۔۔ تو ایک اونچا بھرپور قہقہہ اس کے حلق سے ابل کر فضا میں منتشر ہو گیا۔۔۔ پھل تو وہ اپنی طرف سے ہی خیر سگالی کے طور پر لایا تھا۔۔۔ مگر اب اسے واپس جانے کی جلدی تھی۔۔۔ بہت سے لائحہ عمل ترتیب دینے تھے۔۔۔ بہت سے اپ سیٹس کو سیٹ اپ کرنا تھا۔۔۔!

✡ ✡ ✡

"بس۔۔۔! میں نے آپ کو کہہ دیا کہ آپ اب بالکونی میں نہیں جائیں گے۔۔۔ تو نہیں جائیں گے۔۔۔ غضب خدا کا۔ اس بھری جوانی میں مجھے اپنے نانا کی شکایتیں سننے کو مل رہی ہیں۔۔۔ اور پھر امی کو پتا چلے تو کیا بیتے گی ان پر۔۔۔ اور پھر نانا۔۔۔ جب آپ کو پتا ہے کہ میرا اپنا ٹانکا سامنے والے گھر میں فٹ ہے۔۔۔ اس کے باوجود آپ نے وہاں تانکا جھانکی کی۔۔۔ وہاں۔۔۔ اف! آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟" اس نے ٹہلتے ٹہلتے یکدم رک کر جوس کا پورا گلاس خالی کیا اور اسے زوردار آواز کے ساتھ تپائی پر پٹخا۔۔۔ مقصد نانا کا ارتکاز توڑنا تھا جو کب سے کارپٹ کے ایک ہی پھول کو تکے جا رہے تھے۔۔۔ نانا خطرناک حد تک سنجیدہ تھے۔۔۔ ساحر کو یکدم تاسف نے گھیر لیا۔۔۔ بھلا وہ کون ہوتا تھا ان سے باز پرس کرنے والا۔۔۔ مگر یہ بھی جانتا تھا کہ نانا کسی صورت اپنے دل کی بات زبان پر نہیں لائیں گے۔۔۔ جب تک کہ انہیں جذباتی جھٹکے نہ دیے جائیں۔۔۔ اور نانا کی دکھتی رگ ان کا کردار تھا۔۔۔ ساری جوانی اکیلے گلا دی تھی۔۔۔ کبھی کسی نے ان میں کوئی ایل میل نہ دیکھا اور اب اس عمر میں انہیں کردار کے حوالے سے طعنہ دینا جذباتی طور پر منتشر کرنے کے لیے کافی تھا۔

"میں تو سوچ رہا ہوں۔۔۔ محلے کے چار بندے اکٹھے کروں اور ان خاتون کی جا کر خبر لوں۔۔۔ وہ کون ہوتی ہیں میرے منہ پر ایسی بات کہہ سنانے والی۔۔۔ اب آپ نے تو جو کیا سو کیا۔۔۔"

"کیا کیا ہے میں نے خبیث۔۔۔؟" نانا نے غصے سے اس کی بات درمیان میں ہی ٹوک دی۔۔۔ ان کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"ڈاکہ ڈالا ہے۔۔۔ بھینس چوری کی ہے۔۔۔ یا ان کے گھر کے گملے اٹھا لایا ہوں۔۔۔ بول بتا ذرا۔۔۔؟"

لو بتاؤ۔۔۔ نانا نے اتنے غصے میں کیا آفت مثالیں ٹھوک دی تھیں۔ وہ خاموش رہا۔۔۔ کوئی جواب نہ دیا۔۔۔ بس ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر اس وقت نانا کا بولنا بہت ضروری تھا۔

"اٹھارہ سال کا تھا جب میرا بیاہ ہوا۔۔۔ انیس کا ہوا تو تیری ماں ہماری گود میں تھی۔۔۔ اللہ نے کیے بعد

دیگر پانچ بچے دیے مگر ایک بھی نہ بچا اور پھر محض بارہ سال بعد تمہاری نانی بھی گزر گئی۔۔۔ تیس سال عمر تھی میری اور ایک چھوٹی بچی کا ساتھ۔۔۔ لوگ ہاتھوں ہاتھ اپنی بیٹیوں کا رشتہ دیتے تھے۔۔۔ پہلے بہتیرا ٹالا مگر آخر کب تک۔۔۔ گھر کو ضرورت بھی تھی اور تیری ماں کے ساتھ ساتھ مجھے بھی گھر کا اکیلا پن کاٹتا تھا۔۔۔ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اللہ نے سبب بنا دیا اور میرا بھتیجا اپنے بال بچے سمیت رہنے آگیا۔۔۔ وہ کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔۔۔ مالک مکان نے گھر خالی کرالیا تو دوسرا کوئی ٹھکانا فوراً" نہ مل سکا سو میرے گھر پناہ لینے کے لیے آیا اور یہیں کا ہو کر رہ گیا۔۔۔ میں نے بھی پلٹ کر نہ پوچھا کیونکہ اس کی بیوی نے سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر بے فکری کردی۔۔۔ کبھی شادی کا ذکر کیا بھی تو یوں دونوں میاں بیوی پریشان ہو اٹھتے کہ میں شرمندہ سا ہو کر رہ جاتا۔۔۔ انہیں یہی فکر تھی کہ کہیں ان کی طرف سے کوئی کمی رہ جانے کے باعث تو میں ایسا نہیں چاہتا۔۔۔ پھر میں نے یہ ورق ہی پھاڑ ڈالا۔۔۔ جو کماتا سب تاجور کے ہاتھ میں دے دیتا۔۔۔ تمہاری ماں کو بھی اٹھارہ کا ہوتے ہی بڑے اچھے گھر میں بیاہ دیا۔۔۔ مجھے ہر طرف سے بے فکری ہو گئی۔۔۔ دکان میرے بھتیجے یعقوب نے سنبھال لی۔۔۔ تو کرنے کو جیسے کچھ بھی نہ رہا۔ اس وقت مجھے تنہائی سے لڑنا پڑا۔ سارا سارا دن بے کار پڑے رہنے کے بعد مجھے احساس ہوتا کہ کاش میرے پاس بھی کوئی دکھ سکھ کہنے والا ہوتا۔۔۔ ایک لمبا عرصہ میں نے خود سے جھگڑتے اور خود کو بہلاتے گزارہ۔۔۔ پھر تم آگئے تو میری زندگی میں جان پڑ گئی جیسے۔۔۔! مجھے باتیں کرنے کو ساتھی مل گیا۔۔۔ دن رات جو کاٹے نہیں کٹتے تھے اب ہاتھوں سے پھسلنے لگے۔۔۔ مگر پھر اچانک خیال آجاتا کہ تم بھی آخر کب تک ہو میرے پاس۔۔۔؟ آج نوکری کے لیے ادھر ہو۔۔۔ کل کو پھر ٹرانسفر ہو گیا تو چلے جاؤ گے۔۔۔ پھر کیا کروں گا میں۔۔۔؟ انہی دنوں میں نے ان محترمہ کو دیکھا۔۔۔ دو چار دن بغور مشاہدہ کیا اور کچھ تاجور سے پتا چلا کہ غیر شادی شدہ ہیں۔۔۔ بھانجی کے پاس آگئی ہیں ہمیشہ کے لیے۔۔۔ مجھے

خیال آیا کہ بھانجی کی شادی کے بعد کیا کریں گی؟ یعنی میرے والی صورت حال۔۔۔!

سو کیا حرج تھا جو۔۔۔! آخر حرج ہی کیا ہے اس میں۔۔۔؟ کیا ہو جائے گا اگر میں باسٹھ سال کی عمر میں نکاح کر لوں گا۔۔۔ حرام ہے کیا؟ زندگی موت کا کوئی پتا نہیں۔۔۔ ہو سکتا ہے دس ماہ بھی نہ جیوں۔۔۔ مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ دس سال جی جاؤں۔۔۔ تو کیا بہتر برس کی عمر میں بھی میں اکیلا بے یار و مددگار کھانستا۔۔۔ خون تھوکتا۔۔۔ بند کمرے میں مر جاؤں گا۔۔۔؟ اور اگر ایسے ہی مرنا ہے تو کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ اس وقت میرا ہاتھ میرے کسی ہمدرد و غمگسار کے ہاتھ میں ہو۔ میاں نواسے! اکیلا جینا بڑا مشکل ہے۔۔۔ لمحہ لمحہ عذاب کی صورت کٹتا ہے۔۔۔!"

نانا خاموش ہو گئے۔ ان کی نظریں اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں پر تھیں۔ ساحر نے انہیں بغور دیکھا تو وہ اسے ہرگز بھی اتنے بوڑھے نہیں لگے۔ بس ذرا سر کی کھیتی اجڑ چکی تھی ورنہ صحت مند اور چاق و چوبند تھے۔

"اب یہ انگوٹھوں کو کیا گھور رہے ہیں نانا۔۔۔؟ کیا میری ہونے والی نانی کی شکل دکھائی دیتی ہے۔۔۔؟"

ساحر کے ایسا بولنے پر یکدم نانا نے سر اٹھایا۔ آنکھوں میں ڈھیر سا تشکر اور نرمی۔۔۔ چہرے پر بشاشت۔

"ویسے نانا۔۔۔ سوچ لیں! ان کے ساتھ ایک مسئلہ بھی ہے۔۔۔"

"جانتا ہوں۔۔۔ بے چاری "ڑ" پر لڑھک جاتی ہے۔۔۔ ایک دفعہ میرے سامنے سبزی والے کو بولی۔"

"بھائی بشنڈی۔۔۔ کل تم اوڑک اوڑ ٹماٹڑ بھی ڑکھ کڑ لانا۔۔۔ لوں گی میں۔۔۔" بس وہیں سے پتا چل گیا تھا۔"

نانا کے چہرے پر ہلکی سی سرخی تھی۔۔۔ شرم کی یا شرمندگی کی۔۔۔ اب یہ پتا نہیں!

"تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ اگر آپ کا گزارہ ہو سکتا ہے تو ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

ساحر نے مانا خالہ کے اسٹائل میں فیصلے پر مہر ثبت کی تو نانا نے بھرپور قہقہہ لگایا۔ وہ ان کی بے ریا ہنسی

دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ کچھ لوگ اس قدر سادہ ہوتے ہیں کہ کوئی ساری عمر ان کا فائدہ اٹھاتا رہتا ہے اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔۔۔ جیسے نانا کے بھتیجے یعقوب اینڈ فیملی۔

✡ ✡ ✡

بیگم کے انتقال کے بعد عبدالباسط صاحب حقیقتاً" بدحواس ہو گئے تھے۔ پورے گھر کی ذمہ داری یکدم شانوں کو بوجھل کر گئی تھی۔۔۔ اور پھر لڑکپن میں قدم رکھ چکی بیٹی' فریحہ۔۔۔! اسے درپیش چھوٹے موٹے مسئلے مسائل۔۔۔ ان تمام باتوں کو سوچتے وہ ذہنی طور پر بیمار سے پڑ گئے تھے۔ پھر انہوں نے واقعی دوسری شادی کرنے کا سوچا مگر سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت ہی نہ آئی اور عبدالباسط صاحب کا بھتیجا اپنے بچوں سمیت تین بڑے بڑے ٹرنک اٹھائے چلا آیا۔۔۔ بولا کہ جب تک رہنے کا ٹھکانا نہیں ملتا' مہربانی کر کے آسرا دے دیں۔۔۔!

عبدالباسط صاحب نرم دل بھی تھے اور حساس بھی۔۔۔ گھر بھی کافی بڑا تھا۔۔۔ جھٹ دو کمرے خالی کر دیے کہ یہاں سکون سے مشکل کے دن کاٹ لو۔ مگر عبدالباسط صاحب کو اندازہ بھی نہ ہو سکا اور یعقوب اور ان کی بیوی تاجور نے پورے گھر پر تسلط قائم کر لیا۔

فریحہ تو تھی ہی بچی۔۔۔ اس کا بھلا کیا بس۔۔۔!

پورے دن بعد عبدالباسط صاحب گھر آتے تو سب کچھ پرسکون حالت میں دکھائی دیتا۔ ویسے بھی فریحہ کی اسکولنگ وغیرہ کی ذمہ داری انہوں نے خود اٹھا رکھی تھی۔۔۔ دھیرے دھیرے یعقوب نے دکان پر بیٹھنا شروع کیا۔۔۔ عبدالباسط صاحب کی جائیداد بھی تھی۔۔۔ تین موقعے کی جگہ پر دکانیں کرائے پر اٹھا رکھی تھیں۔۔۔ جس مکان میں رہتے تھے اس کے اوپر چار کمرے ڈال کر کرائے پر دے رکھا تھا۔۔۔ دکانوں اور مکان کے کرائے کا تو کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا مگر دکان سمجھو یعقوب ہی کی ہوئی۔۔۔ اس پریت اور پچکار سے چچا کو الگ کیا کہ ان کو جب تک خبر ہوتی۔۔۔ تمام کھاتا یعقوب کے ہاتھ میں جا چکا تھا۔۔۔

یہ وہ موقع تھا جب عبدالباسط صاحب ٹھٹکے۔۔۔ بھتیجے کو رہتے چھ سال ہونے کو آئے۔۔۔ پورے گھر میں ٹبر سمیت پھیل چکا تھا۔ یعقوب کی بیٹی فریحہ کی ہم عمر تھی۔۔۔ اس کا تقریباً" سارا جہیز تیار تھا اور یہ بات صاف تھی کہ وہ کہاں سے بنا۔۔۔ جب کہ فریحہ ایف اے کر چکی تھی اور اس کا کوئی ذکر تک نہ تھا۔ ایسے میں عبدالباسط صاحب نے ہوش کو کھنگالا۔۔۔ جو ہاتھ سے نکل چکا تھا' صدقہ سمجھا اور جو بچا تھا اسے سنبھالا۔

گھر کے معاملات میں دخل اندازی شروع کی تو بھتیجے اور اس کی بیوی کے کان بھی کھڑے ہوئے۔۔۔ فریحہ بھی باپ کو شیر ہوتا دیکھ کر میدان میں اتر آئی۔۔۔ دونوں باپ بیٹی پورا نہ سہی مگر کافی حد تک گھر کا کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔۔۔ مگر یہ بھی چار دن کی چاندنی ثابت ہوئی۔

فریحہ کا رشتہ طے ہوا تو جھٹ شادی کی تاریخ بھی رکھ دی گئی۔ لڑکا کراچی کا تھا اور خود وہ لاہور کے۔۔۔ بیٹی کو اتنی دور بھیجنا گراں ضرور گزر رہا تھا مگر کیا کرتے۔۔۔ رشتہ بہت بھائے کا تھا۔ تاجور کے سینے پر تو سانپ لوٹ گئے۔۔۔ اس کی بیٹی کا رشتہ کرانے والے سے ہی طے پایا تھا اور اب فریحہ کا اتنی اچھی جگہ رشتہ ہونا اور پھر شادی کی زور و شور سے ہوتی بھرپور تیاری بڑی مشکل سے ہضم ہوئی۔

ادھر فریحہ کراچی سدھاری اور ادھر عبدالباسط صاحب یکدم جیسے کام والا چھوٹا بن گئے۔ نا جانے کیسا خوف کس لمحے دل میں بیٹھا کہ تاجور اور یعقوب کے آگے دبتے ہی چلے گئے۔۔۔ پہلے کمرے تک مقید ہوئے اور کھانا پینا برائے نام رہ گیا۔۔۔ کچن میں جاتے تو تاجور چیل کی طرح جھپٹ کر آتی اور وہ چوزے سے بنے واپس ڈربے میں لوٹ جاتے۔ پھر ایک روز انہیں ان کے مختصر سامان سمیت اوپر والے پورشن میں شفٹ کر دیا گیا۔ کرائے دار فارغ کر دیے گئے۔۔۔ بغیر پوچھے بتائے۔۔۔!

وہ چپ چاپ اوپر چلے آئے۔۔۔ بڑی مشکل سے

چند دن کٹے تھے کہ فریحہ باپ سے ملنے آگئی۔۔۔ زارو زار روئی مگر کیا کر سکتی تھی۔۔۔؟ وہ کچھ کہتی تو اس کے جانے کے بعد اس کے باپ کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ۔۔۔ کون جانے؟ اللہ کے آسرے پر گھر سیٹ کر کے دیا ۔۔۔ راشن پانی کا انتظام کیا۔۔۔ کچھ کھانے بنا کے فریز کیے ۔۔۔ اتنا کرنے میں ہی واپسی کا دن آگیا اور وہ چلی گئی۔

اس کے بعد کا ایک لمبا عرصہ عبدالباسط صاحب نے دیواروں سے باتیں کر کے کاٹا تھا۔ کبھی کوئی یار دوست آگیا تو ٹھیک، ورنہ چپ چاپ پڑے رہتے۔۔۔!

پچیس سال کہنے کو ایک مدت ہوتی ہے مگر تنہا بتاؤ تو کئی صدیوں پر بھاری ہے۔۔۔ جوانی زخم زخم ہو کر گزر گئی۔۔۔ بڑھاپا آچلا تو شدت سے ساتھی کے خواہاں ہوئے۔۔۔ ایسے میں اچانک فریحہ کے بیٹے ساحر کا آنا ان کے لیے ایسے ہی تھا مانو بڑھاپے میں کھیلنے کو کھلونا مل گیا ہو جیسے!

ساحر میاں خاصے تیز طرار اور خرانٹ تھے۔۔۔ بقول نانا کے "خبیث!" ویسے تو وہ بچپن میں کئی بار یہاں آیا تھا مگر زیادہ سے زیادہ دو، تین دن اور وہ دن بھی کھیل کود میں گزر جاتے اور پھر واپسی ہو جاتی۔ فریحہ کے تینوں بچوں میں سے صرف ساحر کا ہی یہاں دل لگتا تھا ورنہ بڑا بیٹا اور بیٹی تو نانا کے گھر جانے کو صاف منع کر دیتے تھے کہ ادھر کرنے کو تھا ہی کیا۔۔۔؟

جب کہ ساحر کے پاس وقت گزارنے کے ایک سو ایک نسخے تھے۔۔۔ اس نے زندگی میں جتنی شرارتیں کی تھیں، ان سب کی دریافت نانا کے گھر میں ہوئی تھی۔۔۔! خاص طور پر نیچے یعقوب ماموں اور ممانی کو جتنی توبہ کی توفیق اس کے آنے سے ہوئی تھی شاید کبھی بھی نہ ہوتی ہو۔

یعقوب ماموں اپنی فیملی کے ہمراہ کبھی صحن میں چائے سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے تو یہ منظر ساحر کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔۔۔ ایک دفعہ ایسے ہی کسی موقعے پر،

جب سب کچھ اچھا ہے کی عملی تفسیر صحن میں دکھائی دی تو ساحر میاں کو بے چینی سے لاحق ہوئی۔۔۔

پچھلے ایک گھنٹے سے مرغی بند کر رکھی تھی چاولوں کی پیٹی میں۔۔۔ سخت گرمی نے مرغی کو بدحواس کر رکھا تھا ۔۔۔ کیونکہ جب ساحر نے اوپر بالکونی سے مرغی نیچے صحن میں بیٹھے افراد پر پھینکی تو ایسی آفت مچی کہ کیا سونامی آتے ہوئے بیچ بیٹھے لوگوں پر ٹوٹی ہوگی۔

مامی کی بیاہتا بیٹی آکر بیٹھی تھی۔۔۔ میکے آکر پارلر کا چکر ضرور لگاتی تھی۔۔۔ تازہ تازہ ہیئر کٹ کے اثرات صاف دکھائی دے رہے تھے۔۔۔ ایسے میں مرغی صاحبہ سیدھی اسی کے سر پر جا چڑھی اور وہیج کٹ کی دھول اڑا کر رکھ دی۔ گھبراہٹ کی ماری نے مرغی کو خود پر سے پرے اچھالا تو وہ نیچی اڑان بھرتی ہوئی مامی کے مہندی تھپے سر سے لپٹ گئی۔۔۔ اور وہ گویا وجد میں آگئیں۔۔۔ جھوم جھوم کر مرغی کو سر سے ہٹاتیں مگر مرغی جیسے گیلی مہندی کی خوشبو سے مدہوش سی ہو گئی تھی۔۔۔ ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ماموں اور ان کا داماد دونوں ہکا بکا مامی کا دھمال ملاحظہ کر رہے تھے۔ سچی بات تو یہ تھی کہ داماد میاں کا ہنسی کنٹرول کرنے کے چکر میں منہ لال ہوا جا رہا تھا۔۔۔ بیوی کے بال اور ساس کی دھمال نے ایک کمینہ سا مزا دیا تھا۔ بڑی ہمت کر کے یعقوب ماموں نے مامی کے سر سے مرغی کا بھوت کھینچ اتارا۔۔۔ انہیں خوب اندازہ تھا کہ یہ کس کی کارستانی ہے، مگر وہ جب جب ساحر کو ڈانٹتے۔۔۔ اگلی دفعہ وہ پچھلی سے بھی زیادہ سنگین شرارت کرتا۔

مرغی کی بھاگا دوڑی۔۔۔ گھر والوں کی بچاؤ کی خاطر ایک دوسرے سے ٹکریں اور بیچ میں ماموں اور ممانی کی لڑائی کی آوازیں۔۔۔!

یہ ساحر کے وقتی قیام کا بیان تھا اور اب تو خیر سے وہ بوریا بستر سمیت آچکا تھا۔۔۔ اس نے ایک رات میں ساری کتھا کہانی سمجھ لی تھی۔ اس کے نانا کو جس چالاکی سے کھڈے لائن لگایا گیا تھا۔۔۔ اسے رنج کے ساتھ بے حد غصہ بھی تھا۔۔۔ یعنی کہ اتنا بڑا چودہ مرلے کا نانا کا ذاتی مکان۔۔۔ اور انہیں اوپر والے پورشن کے چار کمرے حوالے کر کے فارغ کر دیا گیا تھا۔ جبکہ نیچے تین بیڈ رومز کے ساتھ ڈرائنگ، ڈائننگ اور پھر بڑا سا

صحن بھی تھا۔۔۔!

وہ غصے سے کھولتانہ تو اور کیا کرتا۔۔۔ نیچے سارا راشن دکان سے آتا تھا۔۔۔ دکان نانا کی اور نانا کا راشن؟ پتا نہیں بے چارے کہاں سے خود ہی لاتے اور کچا پکا' پکا کر کھا لیتے۔ محض دو دن لیے تھے ساحر نے اور تیسرے دن نانا کی رات میں ۔۔۔ ایسی برین واشنگ کی کہ صبح تک نانا ۔۔۔ نانا نہیں رہے تھے بلکہ نانا پاٹیکر بن گئے تھے۔

اگلے دن صبح صبح ساحر نیچے اترا اور سکون سے ناشتا کرتے گھر کے افراد کے سروں پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ آج اور ابھی ان دو افراد کا ناشتا اور کھانا نیچے سے بنا کر بھیجا جائے گا اور اگر اس میں ذرا سی بھی رخنہ اندازی کی گئی تو کل تک یہ مکان خالی کر دیں ورنہ پولیس آنے کے ذمہ دار آپ لوگ خود ہوں گے۔

یعقوب ماموں اور ان کی پوری فیملی کا سانس خشک سا ہو گیا کیونکہ ساحر کے تاثرات نہایت کرخت اور جارحانہ تھے۔۔۔ واپس مڑتے ہوئے ساحر چند قدم آگے بڑھا اور ٹیبل کے قریب ہوا۔۔۔ سب کو کینہ توز نظروں سے گھورا اور ٹرے اٹھا کر اس میں گرم گرم دو پراٹھے ۔۔۔ مہنکتے ہوئے سلائس ۔۔۔ مکھن اور چائے کی پوری تھرماس رکھ کر واپس مڑ گیا۔۔۔ جاتے ہوئے مامی کے ہاتھ میں کب سے سہارا پراٹھے کا نوالہ اچکنا نہیں بھولا۔۔۔

یعقوب ماموں نے فوری آرڈر جاری کیے کہ اس سے پہلے کہ بات ناشتے کھانے سے بڑھ کر نیچے رہنے بسنے پر آجائے ۔۔۔ یہیں قصہ لپیٹ لو۔۔۔ کھانے کا کیا ہے۔۔۔؟ تھوڑا اضافی بناؤ اور اوپر بھجواؤ۔۔۔!

ساحر روز فرمائشی لسٹ جاری کر دیتا اور مامی اور ان کی بہو کو وختا ڈال دیتا۔ بہو بیگم کو تو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے سسرال آئے۔۔۔ سو نخرے ابھی تازہ دم تھے ۔۔۔ سہولت سے میاں کو کہہ کر ساس کو صاف انکار پہنچا دیا۔۔۔ تاجور سر پیٹ کر رہ گئیں۔۔۔ اوپر سے میاں نے ڈنڈا بر سار کھا تھا کہ ساحر کو کسی بات کے لیے نہ نہیں کی جائے۔۔۔ وہ نواب زادہ دو دفعہ دکان کا پھیرا بھی مار گیا تھا اور وہ بھی یعقوب ماموں کی غیر موجودگی میں۔۔۔ اور یہ صورت حال خاصی تشویش ناک تھی۔

اوپر نانا کے مدتوں کے ڈھیلے پڑے جوڑوں کا اپنے جوشیلے خطابات کا تیل دے کر دھیرے دھیرے زنگ اتار رہا تھا۔ اس کی محنت نے ہی یہ دن دکھایا کہ نانا کا اور کسی چیز پر بس نہ چلا تو بالکونی میں کھڑے ہو کر صحن والوں پر کلیاں کرنی شروع کر دیں۔ نتیجتاً" صحن میں اب کوئی کم کم یا پھر بڑی احتیاط سے بیٹھتا تھا۔

اور اب تو یہ صورت حال تھی کہ نانا کی امنگیں جوان ہو چکی تھیں۔ سوئے ہوئے جذبات انگڑائی لے کر بے دار ہوئے اور "ڑ" کی پڑوس کے نام ہوئے! ساحر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔۔۔ نانا صاحب جائیداد تھے ۔۔۔ صحت مند آدمی تھے۔۔۔ نکاح کا شرعی حق رکھتے تھے ۔۔۔ ہاں! ہمارا معاشرہ ایسے لوگوں کا کچھ عرصہ جینا حرام کرتا ہے مگر یہ سب کچھ عرصے کی بات تھی۔ لوگوں کی نظر جیسے ہی کسی اور "ٹاسک" پر ٹھہر جائے۔ منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر توپوں کا رخ بھی ادھر ہی مڑ جاتا ہے۔

ویسے بھی نانا جس شیرنی کو بیاہ کر لانے کا ارادہ رکھتے تھے۔۔۔ اس نے "ڑ" کے تابڑ توڑ حملوں سے ہی سب کی پسلیاں توڑ دینی تھیں۔ ساحر کا زیرک و زرخیز دماغ سب کچھ پلان کر چکا تھا۔ خالہ بھانجی کو بیاہ کر ادھر ہی آنا تھا۔۔۔ اب بس امی کو سب کچھ سمجھانا تھا اور اپنے لیے بھی منانا تھا۔۔۔ وہ سب کام پس پشت ڈال کر امی کو فون کرنے کے لیے بیٹھا کیونکہ امی کو کی جانے والی کال کوئی دس منٹ کا ایشو نہیں تھی بلکہ دس منٹ تو محض دودھ والے اور سبزی والے کو روتے ہوئے گزرتے تھے ان کے۔۔۔ سبزی والے کی سبزی کبھی کام کی نہیں ہوتی تھی۔۔۔ پھر بھی پکتی تھی اور دودھ والا چونکہ دودھ میں پکا پانی ملاتا تھا۔۔۔ اس لیے امی کو یقین تھا کہ پانی کسی چھپڑ کا شامل ہوتا ہے کبھی دودھ میں سے ڈڈوں (مینڈکوں) کی باس آتی ہے۔

اور یہ بات وہ کبھی پوچھ نہیں پایا تھا کہ امی آخر آپ کو ڈڈو سونگھنے کا نادر موقع کب ملا تھا۔۔۔!

❋ ❋ ❋

خالہ میں سوچ رہی ہوں کہ آج کل میں پارلر چل کر آپ کے بالوں کی ری باؤنڈنگ کروا دوں۔۔۔ آپ کی لک ایک دم چینج ہو جائے گی۔۔۔ کیا خیال ہے۔۔۔؟"

عفیرہ نے بڑی مہارت سے مانا خالہ کے بالوں کی ایک لٹ پکڑ کر اسے ڈائی لگایا۔ بال تو خالہ کے بہت ہلکے تھے مگر اس کے باوجود انہیں ڈائی کرنے میں خاصا وقت صرف ہو جاتا تھا کیونکہ مانا خالہ کو یہ ہرگز منظور نہیں ہوتا تھا کہ کوئی ایک بال بھی رنگ کی زد میں آنے سے رہ جائے۔۔۔ وہ لاکھ کوشش کرتی مگر پھر بھی مانا خالہ سر دھونے کے بعد چن چن کر سفید بال اسے دکھاتیں ۔۔۔

"دفع مارو عفیرہ۔۔۔! مجھے تو ذرا اچھی نہیں لگتیں وہ لڑکیاں جنہوں نے اپنے بالوں پر ہزاروں برباد کیے ہوتے ہیں۔۔۔ عجیب چپکی چپکی سی شکل ہو جاتی ہے۔ جیسے دونوں طرف سے کنپٹیوں پر کے مارے ہوں۔ اس سے اچھا تو بندہ گھر میں استری پھیر لے۔۔۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ ایک ہی دفعہ استری فل تیز کر کے یہ سیاپا ہی ختم کریں۔ جب بال ہی نہ رہیں گے تو سوچو کتنا خرچا بچ جائے گا۔۔۔"

اپنی بات کا خالہ مزا لیتے ہوئے خود ہی ہنسنے لگیں۔۔۔ عفیرہ بے چاری جو پہلے ہی بڑی احتیاط سے کام لیتی پوری توجہ مرکوز کیے بال رنگ رہی تھی۔۔۔ اس کا ہاتھ پھسل گیا۔ نیا نکور سوئس لان کا لائٹ لیمن کلر کا سوٹ تھا جس کے کندھے پر یہ بڑا سا دھبا لگا تھا۔

"کہا تھا۔۔۔ کہا تھا مانا خالہ کو کہ پلیز شرٹ چینج کرلیں مگر نہیں وہی اپنی کرنے کی عادت۔۔۔!"

عفیرہ نے آنکھیں پھاڑ کر دھبے کو گھورا اور پھر بھنویں اچکا کر تھوک نگل کر گلا تر کیا۔۔۔ جلدی جلدی باقی کا ڈائی لگانے لگی۔ سوچ لیا تھا کہ بعد میں صاف کر جائے گی۔۔۔ ہاں!

"عفیرہ۔۔۔!" مانا خالہ کی پرسوچ آواز ابھری۔

"وہ جو اس دن لڑکا آیا تھا۔۔۔ بہت پیارا تھا۔۔۔ بچی گڈا وا سا لگتا تھا۔ میں نے سبزی والے سے اس کے بارے میں پتا کروایا تھا۔۔۔ بڑا اچھا لڑکا ہے، تین بہن بھائی ہیں۔۔۔ ایک بھائی اور بہن شادی شدہ ہیں۔۔۔ ماں باپ پہلے کراچی ہوتے تھے اب فیصل آباد آگئے ہوئے ہیں۔۔۔ یہاں پڑا اپنے نانا کے پاس رہتا ہے۔ نوکری ادھر ہی ملی ہے۔ میں تو کہتی ہوں شادی ہو گئی تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔۔۔ نہ کوئی روک نہ ٹوک۔۔۔ کیا کہتی ہو عفیرہ۔۔۔؟"

اور عفیرہ تو جیسے گنگ ہی ہو گئی تھی۔۔۔ حیرت سی حیرت تھی۔

"میں کیا کہوں خالہ۔۔۔ مگر بڑی عجیب بات ہو گی یہ ۔۔۔ آپ خود سوچیں۔۔۔ آپ ٹھیک ہے کہ۔۔۔ میرا مطلب ہے کچھ اچھا نہیں لگتا۔۔۔ وہ آپ سے بے حد چھوٹا ہے۔۔۔ جوڑی کچھ عجیب نہیں لگے گی۔۔۔؟" خالہ مانا کو تو جیسے کسی نے کرسی کے نیچے پھلجڑی دکھائی تھی ۔۔۔ یکدم اچھل کر رخ بھانجی کی طرف موڑا۔

گردن گھومی تو ڈائی والا برش چونکہ پوزیشن سنبھالے ہوا تھا۔۔۔ سو بڑی نفاست سے ہونٹوں اور ناک کے درمیان پھرتا چلا گیا۔ وہاں سو قسم کی مونچھ بن گئی تھی۔۔۔ مانا خالہ رستم پہلوان لگ رہی تھیں۔۔۔ عفیرہ کو ہنسی روکنا محال ہو گیا۔

"کیوں ہنس رہی ہے میرے پر۔۔۔ اور تجھے شرم نہیں آتی ایسی بات کرتے۔۔۔ مجھے اللہ نے اولاد دی ہوتی تو اس عمر کا میرا بیٹا ہوتا۔۔۔ حد کرتی ہو تم عفیرہ ۔۔۔"

مانا خالہ یکدم آبدیدہ سی ہو گئیں۔۔۔ ان کا دل بے حد دکھا تھا۔۔۔ عفیرہ نے لمحے کی بھی دیر کیے بغیر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔۔۔ مانا خالہ کا دل دکھنا اس کے لیے بھی بے حد اذیت ناک تھا۔

"سوری خالہ! میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہی تھا مگر مجھے ایسا کہنا نہیں چاہیے تھا ۔۔۔ آپ پلیز دکھی مت ہوں۔"

"اچھا۔۔۔ اچھا! اب ذرا سیدھی ہو کر میرا سر جلدی فارغ کر۔۔۔ باتوں میں ٹائم ہی اوور نہ ہو جائے۔"

مانا خالہ پل میں من جاتی تھیں۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ مجھے یہ لڑکا تمہارے

لیے بے حد پسند آیا ہے۔۔۔ بچی عفیرہ میری نظروں کے سامنے رہو گی تو میرے دل کو قرار رہے گا۔۔۔ ورنہ کہیں دور چلی گئی تو پریشانی رہے گی۔۔۔" مانا خالہ نے ناک پر سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا۔۔۔ عفیرہ نے سر پیٹ لیا۔

"خدا کو مانئیے خالہ۔۔۔! اس سارے فقرے کو انگلش میں بول لیجیے۔۔۔ وہ بھلا! مگر اتنے سارے "ر" تو میرے دماغ کے اوپر سے رگڑ کھا کر گزر گئے۔۔۔"

اس نے منہ پھلاتے ہوئے بولا اور جلدی سے آخری لٹ کو ڈائی لگا کر بالوں کو سمیٹتے ہوئے جوڑے کی شکل دینے لگی۔۔۔ کلپ کیا اور پھر لہجے کو سرسری سا کر کے پوچھنے لگی۔

"ویسے خالہ آپ نے کیسے اتنی جلدی انجان لوگوں پر اعتبار کر لیا۔۔۔ کیا پتا لڑکا کچھ ایسا ویسا کر کرا کے ماں باپ کے گھر سے بھاگا ہو۔۔۔ یہاں نانا کے پاس چھپتا پھر رہا ہوں۔۔۔ اور پھر اس کے نانا سے بھی تو آپ کو بے شمار گلے ہیں۔۔۔ ایک نمبر کے لفنگے اور۔۔۔"

"بڑی بات عفیرہ۔۔۔!" مانا خالہ نے اچانک ہی بات ٹوکی تھی جیسے انہیں سچ میں برا لگا ہو۔

"بڑے ہیں وہ۔۔۔ ایسے نہیں کہتے۔۔۔ اور پھر میں نے ذرا غور کیا ہے تو مجھے خاصے بھولے بھالے لگے وہ۔۔۔"

"ہمم۔۔۔! اور یہ غور آپ نے کب کیا مانا خالہ۔۔۔"

"وہ پچھلے ہفتے جب میں اتوار بازار گئی تھی نا تو واپسی پر چنگ چی سے جمپ مارتے ہوئے میرا جوتا ٹوٹ گیا۔۔۔ گھر ابھی دور تھا کیونکہ میں پچھلی روڈ والے ہوٹل کے قریب اتری تھی۔۔۔ سوچا گھر کے لیے گوشت اور تھوڑا دوسرا راشن کا سامان لیتی چلوں۔۔۔ یہ اچانک ہی کہیں سے نکل آئے "برساتی ڈڈو" کی طرح۔۔۔"

یہ جملہ خالہ مانا نے قدرے شرماتے ہوئے نیم وا آنکھوں سے ادا کیا۔

"میرے قریب آئے اور بڑے احترام سے بولے۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟ بس جی۔۔۔!" عفیرہ نے لقمہ دیا۔۔۔ مانا خالہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

"کہنے لگے کہ محترمہ آپ اس طرح گھر کیسے جائیں گی؟۔۔۔ میں بھی پیدل ہوں ورنہ سواری ہوتی تو آپ کو چھوڑ آتا۔۔۔ آپ کا جوتا ٹوٹ گیا ہے۔۔۔ اب یہی حل ہے کہ سامنے جوتوں کی دکان ہے' وہاں سے میں آپ کے سائز کا نیا جوتا لا دیتا ہوں۔ آپ پلیز اپنا ایک جوتا دیں۔۔۔ ناپ کے لیے۔۔۔ میں یوں گیا اور یوں آیا۔۔۔! بچی عفیرہ انہوں نے میری ایک نہ سنی' زبردستی جوتا لے گئے اور جب واپس آئے تو ایسی شاندار جوتی لائے کہ میرا تو دل خوشی سے بھر گیا!"

"کیا۔۔۔ جوتا دیکھ کر۔۔۔؟"

"ارے نہیں پگلی۔۔۔! ان کا رویہ دیکھ کر۔۔۔ عورت کے لیے ان کی نظروں میں احترام دیکھ کر۔۔۔"

"اوہ۔۔۔! یعنی کہ مانا خالہ کو بھی آخر کار کوئی پسند تو آیا۔۔۔ بھلے جوتا دیکھ کر ہی سہی۔۔۔ تو کیا خیال ہے خالہ۔۔۔ میری چھوڑیے اپنی فکر کریں۔۔۔ ابھی آپ پچاس کی بھی نہیں ہوئیں۔۔۔ اور پھر اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔"

"اب پھر تم پٹڑی سے اتر رہی ہو۔۔۔" مانا خالہ نے قدرے کمزور لہجے میں کہا۔

"نہیں خالہ۔۔۔ بلکہ آپ کی گاڑی کو پٹڑی پر چڑھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔۔۔"

"یہ ناممکن ہے عفیرہ۔۔۔" ان کے انداز میں مایوسی تھی۔ "بڑا وقت گزر چکا۔۔۔ اب تو ایسا سوچنا بھی حماقت ہو گا۔۔۔ ہٹو پرے۔۔۔ میں سر دھو لوں۔۔۔ ٹائم اوپر ہو گیا تو شیڈ اچھا نہیں آئے گا۔۔۔" خالہ مانا آہستگی سے اس کے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے ہٹاتی اٹھ گئیں۔۔۔ عفیرہ کو ان کی چال میں شکستگی محسوس ہوئی۔۔۔ اس نے سر کو جھٹک کر مصمم ارادہ کیا کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی۔ مگر کیا اور کیسے۔۔۔؟ یہ اسے بھی نہیں پتا تھا۔

✲ ✲ ✲

جہاں انسان کا اختیار ختم ہوتا ہے۔۔۔ اس کے اول و آخر صرف پروردگار کا اختیار ہے' جو بات کیسے اور کس طرح' کے الجھاؤ میں الجھی چک پھیریاں کھا رہی تھی

...... وہ ہونے پر آئی تو اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے گئے۔
ہفتہ دس دن بعد کا قصہ تھا...... مانا خالہ صحن میں کرسی ڈالے ناشتے کے بعد سے ہی بیٹھی...... سامنے والوں کی بالکونی میں نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھیں...... بڑے دن ہوئے نانا وہاں کھڑے نظر نہیں آئے تھے اور اتنے ہی دن ہوئے خالہ کو "چپ گزیدہ" ہوئے۔
عفیرہ نے کچن کی کھڑکی میں سے جھانکا اور خاموشی سے دوپہر کی ہانڈی کے لیے پیاز کاٹنے لگی...... کتنے دن سے ناشتا اور دوپہر کا کھانا عفیرہ ہی بنا رہی تھی ورنہ مانا خالہ کہاں اسے کسی کام میں ہاتھ ڈالنے دیتی تھیں۔ رات کا کھانا وہ دونوں ہی نہیں کھاتی تھیں...... دودھ کے بڑے بڑے مگ شہد ڈال کر پی جاتیں...... اللہ اللہ خیر صلا......! عفیرہ پیاز ادھوری چھوڑ کر صحن میں چلی آئی ...... اسے یکدم اس خاموشی سے گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی...... سوچا آج خالہ سے پوچھے تو سہی کہ آخر کتنے دن تک یہ چپ شاہ کا روزہ چلے گا...... کرسی اٹھا کر ابھی خالہ کے قریب رکھی ہی تھی کہ گیٹ کو جیسے توڑنے کی نیت سے پیٹا گیا...... یہ دھڑ دھڑاہٹ مانوس سی تھی۔ مانا خالہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھیں اور گیٹ کھول دیا۔ گیٹ کھلتے ہی ساحر کی سحر انگیز شخصیت سامنے تھی...... ساتھ میں کوئی خاتون اور ساحر سے ملتی جلتی شکل والا سوبر سا مرد اور ایک نازک اندام پیاری سے لڑکی بھی تھی۔
ان لوگوں کے اندر قدم رکھتے ہی ایک دم اتنی چہکتی آوازوں اور جاندار قہقہوں کا غبار سا اٹھا جس نے سارے میں پھیل کر ویران صحن کی کایا پلٹ دی تھی۔ عفیرہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہاں کوئی ٹریجک ڈرامے کا سین چل رہا تھا۔ ڈائریکٹر نے کٹ کہا اور سب کونے کھدروں سے شور مچاتے داد دیتے باہر نکل آئے ہوں......!
خالہ کے تاثرات تیزی سے تبدیل ہوئے تھے...... ابھی محض پانچ منٹ پہلے اجڑے بکھرے بالوں اور مسلے کپڑوں کے ساتھ یوں کرسی پہ سمٹی بیٹھی تھیں...... جیسے...... جیسے کسی اسٹیشن پہ بیٹھے جواں سال مسافر کا وہ ہینڈ بیگ کوئی اچکا چرا کر چلتا بنا ہو جس میں اس کی منگیتر کی تصویر ہو...... مع ایڈریس!
اس سے اچھی مثال اس وقت عفیرہ کے ذہن میں نہیں آسکتی تھی۔ اسے مانا خالہ پہ بے حد غصہ بھی آ رہا تھا...... بھلا کیا ضرورت یوں جوگن بن کے بیٹھ رہنے کی ......
اب جو مسلسل ہاتھ چلا چلا کر اپنے پٹاخہ مار کہ بال بٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں...... انہوں نے بھلا کہاں چپساں ہونا تھا اب......! مانا خالہ دو گھنٹے اگر کنگھی نہ کرتیں تو بال انجلینا ملک جیسے ہو جاتے تھے' یہاں تو دو دن بیت گئے تھے۔
اور کپڑے......! روز کے روز بن سج کے بیٹھ رہتی تھیں اور آج چار دن سے ایک ہی سوٹ رگید مارا تھا ...... کل عفیرہ نے لسی کا گلاس زبردستی منہ سے لگانے کی کوشش کی تھی...... مانا خالہ کو غصہ آیا' ہاتھ پرے جھٹک دیا۔ کتنی ساری تو لسی قمیص کے دامن پر ہی گری تھی اور جو خشک ہو کر دھبوں کی صورت بہار دکھا رہی تھی۔ عفیرہ سمجھ سکتی تھی ان کی ٹینشن...... یقیناً" انہیں خود سے کھٹے دودھ کی ہمک آ رہی ہوگی...... اور وہ جو خاتون ساحر کے ساتھ آئی تھیں۔ خالہ سے چپکی جا رہی تھیں۔ عفیرہ پر نظر پڑی تو لپک کے اس کو بھی خود سے چپکا لیا۔
ساحر شوخا بن کر وہیں صحن میں ہی کرسیاں گھسیٹ لایا...... معلوم ہوا کہ یہ ساحر کی امی اور اس کے بھائی بھابھی ہیں...... بڑا خوب صورت ماحول تھا...... اس قدر مزے کی نوک جھوک دونوں بھائیوں میں جاری تھی ...... بیچ میں بھابھی بھی لقمہ دیتی تو مزا دوبالا ہو جاتا...... شوخ جملے' مدھم مدھم اشارے بازیاں کچھ کچھ اسے بھی باور کرا رہی تھیں...... وہ بمشکل لرزتے قدموں سے پینے کے لیے ٹھنڈا لے کر آئی......؟
دو گھونٹ بھرتے ہی ساحر کی امی نے اپنے آنے کی وجہ بیان کر دی۔
"دیکھیں آپا! نہ آپ بچی نہ میں...... تمہید نہیں

باندھوں گی۔۔۔ اشاروں کنایوں کو لفظوں میں زبان دیتی ہوں۔۔۔ مجھے اس گھر سے دونوں رشتے چاہئیں آپا۔۔۔!"

لو جی۔۔۔! بم پھوڑ دیا تھا انہوں نے۔۔۔ اب سانسیں قدرے ہموار ہو چلی تھیں۔۔۔ خالہ نے اپنے بھٹے ہوئے بالوں کو نماز کے اسٹائل میں دوپٹا لے کر لپیٹا۔۔۔ "دل میں جی بھر کر کوسا "سیاپے جو گے!"

"دیکھیں جی۔۔۔! اس بچی کی ساڑی ذمہ داڑی میڑے پڑ ہے۔۔۔" مانا خالہ کا اشارہ عفیرہ کی طرف تھا۔۔۔ عفیرہ نے کن انکھیوں سے سب کے چہرے دیکھے۔۔۔ سبھی نے بمشکل ہنسی دبائی تھی۔۔۔ یہ مانا خالہ کی "ڑ" بھی نا۔۔۔! اس نے سر نیچے جھٹکتے ہوئے "ڑ" کے لتے لیے۔

"ایک بڑا بھائی ہے۔۔۔ اس نے بھی مجھ پڑ چھوڑ ڑکھا ہے۔۔۔ آپ کا بچہ ماشاء اللہ بہت پیاڑا ہے۔۔۔ مجھے کوئی اعتڑاض نہیں۔۔۔ صڑف اس کی دوڑ جانے کی فکڑ ہے۔۔۔"

عفیرہ عش عش کر اٹھی۔۔۔ کتنی چالاک ہیں نا مانا خالہ۔۔۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ ساحر شادی کے بعد یہیں رہے گا۔۔۔ اس کی جاب تھی ادھر۔۔۔!

"ارے۔۔۔ نہیں نہیں آپا۔۔۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔۔۔ ساحر یہیں اپنے نانا کے ساتھ رہے گا۔۔۔ ان دونوں کا اب ایک دوسرے کے بغیر کہاں جی لگتا ہے۔۔۔ آپ بالکل بھی نہ گھبرائیں۔۔۔"

"اوڑ وہ جو آپ کے نچلے پوڑشن میں فیملی ہے۔۔۔ وہ؟"

"ان کی تو آپ ٹینشن ہی نہ لیں۔۔۔ وہ تو برسوں ہی یہاں سے جا چکے۔۔۔ ساحر نے ان سے گھر خالی کروا لیا۔۔۔ بڑا لوٹ لیا انہوں نے میرے ابا کو آپا۔۔۔ ساحر بڑے عرصے سے سارے معاملے کے پیچھے پڑا تھا۔۔۔ وہ لوگ کدھر نکلتے تھے۔۔۔ مگر ساحر کے چچا اور ان کے دو لڑکے پولیس میں ہیں۔۔۔ ان کی دو چار بار آمد ہی اس ساری فیملی کو یہاں سے نکالنے کے لیے بہت تھی۔۔۔ وہ لوگ پولیس دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ دو دن میں گھر خالی کر دیا۔۔۔ ساحر تو ابا کی دکان کی واپسی کا بھی مطالبہ کر رہا تھا۔۔۔

مگر ابا نہیں مانے۔۔۔ کہا رہنے دو اس کی روزی روٹی بندھی ہے۔۔۔ حالانکہ اسی دکان سے یعقوب بھائی نے چھ سال پہلے کا ایک گھر خرید کر کرائے پر چڑھا رکھا تھا۔۔۔ بس ابا جی کی نرم دلی نے یہ دن دکھایا آپا۔۔۔ ورنہ میری ماں کی جگہ خالی نہ ہوتی تو کسی کی کیا مجال تھی۔۔۔ بس آپا! وہ جگہ آپ پر کر دیں۔۔۔ مجھے ماں اور بہن دونوں رشتے مل جائیں گے۔۔۔" ساری کتھا سن کر ساحر کی امی نے آبدیدہ ہوتے ہوئے مانا خالہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔۔۔ ان کی نگاہوں میں آس تھی۔۔۔ مانا خالہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔۔۔ چند لمحے بعد بدقت بولیں تو آواز پھنسی پھنسی تھی۔

"دیکھو فڑیحہ۔۔۔! لوگ کیا کہیں گے۔۔۔؟"

"لوگوں کو ماریں گولی۔۔۔" سب کے سب ہم آواز ہو کر بولے۔

"لیکن تمہیں پتا ہے کہ میڑے ساتھ زبان کا بھی تھوڑا مسئلہ ہے۔۔۔ یہ نہ ہو کہ کل کو تم لوگ شڑمندگی محسوس کڑو۔۔۔"

"کبھی نہیں آپا۔۔۔!" فریحہ فوراً مانا خالہ سے لپٹ گئیں۔

"ہم سب کو ساحر بتا چکا آپ کے اس مسئلے کے بارے میں۔۔۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ سب کے بیچ رہتے ہوئے آپ کی عادت میں بدلاؤ آ جائے۔۔۔ یا پھر ہم سب آپ کے جیسے ہو جائیں۔۔۔ آپ نے سنا تو ہو گا نا۔۔۔" خڑبوزے کو دیکھ کڑ خڑبوزہ ڑنگ پکڑتا ہے۔۔۔"

فریحہ بیگم نے بالکل مانا خالہ کے انداز میں محاورہ بولا تھا۔۔۔ چھت پھاڑ قہقہے دونوں بھائیوں کے حلق سے ابلے تھے۔۔۔ خود خالہ بھی کھلکھلا کر ہنس دیں۔۔۔ اس سارے دورانیے میں ساحر بھرپور طریقے سے عفیرہ کو تاڑے جا رہا تھا۔۔۔ عفیرہ کا دھیان باقی سب سے ہٹا تو اس کی نظریں محسوس کرتی گھبرا کر فوراً کچن کی طرف رخ کیا۔۔۔ اندر غائب ہونے سے پہلے ایک بار پلٹ کر مسکراتی نگاہوں سے ساحر کو دیکھا اور جھٹ سے دیوار کی آڑ میں جا چھپی۔۔۔!

☆ ☆ ☆

ہماری شادی کرواؤ ہماری شادی کرواؤ۔۔۔
جیسے بھی چلتا ہے چکر چلاؤ۔۔۔ ہماری شادی کرواؤ۔۔۔

حلق پھاڑ پھاڑ کر گانا گاتا اور فورا" واپس ہو لیتا۔ فرق یہ تھا کہ پہلے میری شادی کرواؤ کا رونا روتا رہتا تھا ۔۔۔ اب ہماری شادی کرواؤ کا ورژن نکال لیا تھا۔ آج نانا نواسہ سج بن کر اپنے نکاح کروانے چلے تھے۔ فریحہ خاتون کا خیال تھا کہ ابھی صرف ان کے ابا یعنی نانا کا نکاح کیا جائے۔۔۔ چند ماہ بعد پوری تیاری سے بارات لا کر بہو لے جائیں گی۔۔۔ ان کی خواہش تھی کہ عفیرہ ہفتہ' پندرہ دن اپنے سسرال میں گزارے۔۔۔ مگر ساحر اڑیل ٹٹو کی طرح اڑ گیا۔۔۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میرا اور نانا کا نکاح الگ الگ دن ہو' ہم نے ساتھ نکاح کرنے کی قسم کھائی تھی ۔۔۔ کیوں نانا۔۔۔؟"

جذباتی انداز میں بولتے ساحر نے نانا کو بھی زبردستی قسم کھلانی چاہی۔۔۔ ان بے چاروں کے چودہ طبق بجلی کے جھٹکے کھا کر روشن ہو گئے۔۔۔ جھٹ بوکھلا کر بولے۔

"ہاں۔۔۔ ہاں فریحہ! بالکل ہم اکٹھے نکاح کریں گے اور اکٹھے ہی۔۔۔ اکٹھے ہی۔۔۔ اور کس چیز کی قسم کھائی تھی میاں نواسے۔۔۔؟" نانا کو اگلی بات نہیں سوجھی تو نواسے سے پوچھا تو وہ چمک کر بولا۔

"شاوا نانا۔۔۔! میں کدوں اے ہو جیہا لوسین تساں نال کیتا سی۔۔۔" میں نے (کب ایسا لوسین آپ کے ساتھ کیا)

"آپ بس اتنی قسم نبھائیں۔۔۔ جتنی کی بات میں نے کی ہے۔۔۔ اور میرا ابھی نکاح کرائیں۔۔۔"

آخر فریحہ بیگم کو ماننے ہی بنی۔۔۔ بڑا بیٹا فاخر اور بہو بھی ہم خیال ہو گئے۔ بیٹی ملک میں تھی نہیں۔۔۔ میاں کے ساتھ دو ماہ کے وزٹ پر ناروے گئی تھی۔۔۔ ورنہ وہ ہوتی تو رونق دوبالا ہو جاتی۔۔۔ میاں کو ارجنٹ کال کی کہ جھٹ پہنچیں اور بیٹے کا نکاح کروائیں۔

سو طے یہ پایا کہ پہلے پہر ظہر کے بعد ساحر اور عفیرہ کا نکاح ہو گا۔۔۔ مسجد میں! کیونکہ نکاح سادگی سے کرنا تھا۔۔۔ باقی سارے چونچلے رخصتی کے لیے رکھ دیے گئے تھے۔۔۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھ کر سارا ٹولا نانا دولہا" کو لے کر" مانا دلہن کو بیاہ لائے گا۔

دن چڑھتے ہی ساحر میاں اپنا بوریا بستر پکڑیں گے اور رخصتی تک کے لیے اپنے آفس کے کولیگ کے ساتھ روم شیئر کریں گے۔۔۔ کیونکہ مانا خالہ کے ادھر آنے کے بعد پیچھے عفیرہ اکیلی کیسے رہ سکتی تھی اور عفیرہ کے ادھر ہوتے ساحر کیسے رہ سکتا تھا۔۔۔؟

لہٰذا جب سب کچھ سیٹ ہو گیا تو نکاح کا دن بھی رکھ دیا گیا اور آج وہ مبارک دن تھا۔۔۔ ساحر اور عفیرہ کے نکاح کی رسم نہایت سادگی کے ساتھ مسجد میں انجام پا چکی تھی اور اب نانا کی بارات لے کر جانے کی تیاری جاری تھی۔ سبھی کمروں میں گھسے تیار ہو رہے تھے۔۔۔ سوائے ساحر کے! جو صبح کا جوں نک سک سے تیار ہوا ۔۔۔ تو ابھی تک کلون کی خوشبو بھی ماند نہ پڑی تھی۔

نانا کے لیے نچلا پورشن سیٹ کر دیا گیا تھا۔۔۔ خود ان کا کمرہ جس میں وہ پہلے بھی رہا کرتے تھے۔۔۔ ایک دم چمک دمک رہا تھا۔ ساحر اپنے بے سرے "سروں" سے سب کے کانوں میں چھید کرنے کے بعد نانا کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو نانا لٹھے کا کڑکڑاتا کرتا شلوار پہنے' اوپر براؤن واسکٹ سجائے۔۔۔ نیچے جھکے اپنی پشاوری سینڈل کا بکل بند کر رہے تھے۔

"اوئے ہوئے۔۔۔! آفت اے قیامت اے۔۔۔"

ساحر سیٹی مارتا' داد دیتا اندر آیا اور نیچے جھک کر نانا کی جوتی کا بکل بند کرنے لگا۔ نانا نے پتا نہیں کس صدی کا عطر اتنا وافر انڈیلا تھا کہ اس کی خوشبو ساحر کو اپنے دماغ پہ چڑھتی محسوس ہوئی۔۔۔ جلدی سے کھڑا ہو کر نانا کو سونگھتا ہوا بولا۔

"کیا نانا۔۔۔! یہ کیسا مکس فروٹ عطر لگایا ہے۔ سچی ایسا لگ رہا ہے جیسے خراب برانڈ کی کھٹی میٹھی گولیاں جیب میں ڈال رکھی ہیں۔۔۔ اس کی خوشبو تو آپ کے

ساتھ بیٹھنے والے کا دماغ پھاڑ دے گی۔"

"بک بک بند کرو نواسے۔۔۔! تمہیں کیا خبر کیسا نایاب اور قیمتی عطر ہے یہ۔۔۔ تمہاری مرحومہ نانی نے شادی کے بعد مجھے پہلا تحفہ یہی دیا تھا۔۔۔ اس کی یادگار ہے یہ۔۔۔"

نانا نے جذباتی ہوتے ہوئے نواسے کو بھی آبدیدہ کرنا چاہا مگر نواسے کا ایسا کوئی موڈ نہیں تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ یہ یہ۔۔۔! اتنا پرانا عطر آپ نے ابھی تک سنبھال رکھا ہے۔۔۔ اس عطر کو میوزیم میں دے دیں۔۔۔ یقین مانیں پہلے مغل بادشاہ بابر کے زیر استعمال رہنے والا عطر کا ٹیگ لگ جائے گا اس پر۔۔۔ جس طرح کی سڑی گلی خوشبو ہے اس کی۔۔۔"

نانا نے خفگی سے گھورا اور دوسرے پاؤں کا جوتا بھی آگے کیا جس کا بکل کھلا ہوا تھا۔۔۔ ساحر نے بکل لگایا اور پیار بھری نظروں سے نانا کو دیکھتا ہوا بولا۔

"قسم سے نانا۔۔۔ آج آپ چمک رہے ہیں 'لشک رہے ہیں' بلکہ آج آپ کی شکل میں مجھے۔۔۔ پتا ہے کس کی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔۔۔؟"

"معلوم ہے۔۔۔ معلوم ہے! دلیپ کمار سے ملتی ہے میری شکل۔۔۔ پتا ہے مجھے۔۔۔!" نانا آج اوور کانفیڈنس کی اعلا مثال پیش کر رہے تھے۔

"دلیپ کمار نہیں نانا۔۔۔ مینا کماری کہیے۔۔۔ سچ آج آپ کے چہرے پہ ویسی ہی ملاحت 'تازگی اور بانکپن ہے کہ جی چاہ رہا ہے۔۔۔ کہ۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتا۔۔۔ نانا نے کھینچ کر ہیئر برش اس کی ٹانگ پر دے مارا۔۔۔ وہ بلبلا اٹھا۔

"اچھا نانا۔۔۔! ابھی نانی آئی نہیں تو یہ تیور ہیں۔۔۔ میں بھی انہی کی بھانجی بیاہ کر لا رہا ہوں۔۔۔ خوب مقابلہ رہے گا۔۔۔ اور اب بس کر دیں شیشہ دیکھنا۔۔۔ شیشہ دیکھنے سے یہ جو خضاب دھرنا دیے آپ کی بھنوؤں پر پھیلا ہوا ہے اس نے اتر نہیں جانا۔۔۔ سب لوگ صحن میں اکٹھے ہونا شروع ہو چکے ہیں۔۔۔ آپ کے پاس پانچ منٹ ہیں۔۔۔ تھوک لگا کر رگڑ رگڑ کر اتارنے کی کوشش کریں۔۔۔ ورنہ میں تو کہتا ہوں کہ سیفٹی ہی پھیر لیں۔۔۔

نہ رہیں گی بھنوئیں۔۔۔"

ساحر کا مشورہ ادھورا ہی رہ گیا۔ نانا نے ڈریسنگ پر پڑا ڈیکوریشن اٹھا لیا۔۔۔ ساحر نانا کا ارادہ بھانپ کر فوراً" دروازہ بند کرتا رفوچکر ہو گیا۔۔۔ پیچھے نانا نہایت پریشانی کے عالم میں ٹشو پہ تھوک لگا کر بھنوئیں رگڑ رہے تھے۔۔۔!

✡ ✡ ✡

نکاح کی رسم بخیر و عافیت انجام پا گئی تھی۔۔۔ نانا کا کب کا اٹکا ہوا سانس رودھم میں آیا تھا۔۔۔ سب ہی بے حد خوش تھے۔۔۔ کچھ پرانے محلے دار بھی تھے۔۔۔ نانا کے دوست تھے جنہیں اس وقت نانا کی قسمت پر رشک آ رہا تھا کیونکہ ان میں سے کئی "فارغ الذال" (بیوی) تھے۔

نانا مارے خوشی کے لال انار ہوئے جا رہے تھے۔ ایک کونے پر کھڑی عفیرہ کی آنکھیں خوشی سے نم تھیں۔۔۔ اس کی ماما خالہ کی زندگی میں دیر سے ہی سہی بہار کا جھونکا در آیا تھا۔۔۔ خود ماما خالہ بھی آنکھوں کو مسل مسل کر آنسو لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔۔۔ مگر آنسو تو جیسے کہیں چھپ ہی گئے تھے۔۔۔!

فریحہ بیگم اور ان کے شوہر 'بیٹا اور بہو' ساحر اور اس کے چند دوست۔۔۔ سب نے ادھم مچا رکھا تھا۔۔۔ عفیرہ

کا ننھیال بھی موجود تھا۔ اس قدر شور تھا کہ کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ ساحر ساتھ ساتھ نانا اور مانا نانی کی تصویریں اتار رہا تھا۔ کسی وقت داؤ لگتا تو آدھا چہرہ چھپائے گلابی اور سی گرین لباس میں ملبوس عفیرہ کی بھی تصویر لے لیتا۔۔۔ وہ جگہ بنا نانا کے ساتھ والی چیئر پر جا بیٹھا۔۔۔ نانا موقع پاتے ہی اس سے پوچھنے لگے۔

"نواسے! مٹھائی کہاں ہے۔۔۔ سب کا منہ میٹھا کرواؤ جلدی۔۔۔ نکاح ہوئے بھی دس منٹ بیت چکے ہیں۔۔۔ پلیٹ میں جو برفی تھی وہ تو تم اکیلے ہی چٹ کر گئے۔۔۔"

"میں نے آرڈر دیا تھا نانا۔۔۔ لڈوؤں کا۔۔۔ عین وقت پر چینج کرنا پڑا۔۔۔ شکرپارے منگوائے ہیں اب۔۔۔ آتے ہی ہوں گے۔۔۔ تین ٹوکرے ہیں۔۔۔!"

"کیا۔۔۔؟" نانا حیرت سے دبی دبی آواز میں چلائے۔

"پاگل ہو تم۔۔۔ کس نے چینج کیا۔۔۔ بھلا نکاح کے موقع پر کوئی شکرپارے بھی رکھتا ہے۔۔۔ گدھے!"

"ہا۔۔۔ ہائے! کیا ہو گیا ہے جی آپ کو۔۔۔ غصہ کیوں کھا رہے ہو آپ۔۔۔؟" مانا خالہ نے یکدم انٹری دی تھی۔۔۔ شاید اس سے زیادہ خاموش بیٹھنا ان کے بس سے باہر تھا۔۔۔

ساحر نے نانا کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔۔۔ "ہن بولو۔۔۔!" نانا نے فوراً "نظریں چرائیں۔

"مجھے پسند ہیں جی شکڑپاڑے۔۔۔!"

مٹھائی میں بھی "ڑ" والا آئٹم ہی پسند ہے۔ نانا منہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔

"میں نے ہی ساحڑ سے کہا تھا کہ میڑے نکاح میں شکڑ پاڑے لانا۔۔۔ مجھے بڑے پسند ہیں۔۔۔ صاف ستھری سی مٹھائی ہے یہ۔۔۔ اکٹھے بھی دو دو منہ میں ڈالو تو شیڑہ نہیں ٹپکتا۔۔۔ نہ ہی بھاڑی پن پیدا کڑتی ہے۔۔۔ وڑنہ تو جی ڑس گلے، چم چم جیسی مٹھائیاں تو شیڑو شیڑی ہوتی ہیں۔۔۔"

نانا نے بڑی بے بسی سے مانا خالہ کی "شیڑے" پر تقریر سی تھی ایک نظر ساحر کو دیکھا تو جو ہاں کی آڑ لے کر ہنس ہنس کر پاگل ہوا جا رہا تھا۔۔۔ نانا بھی بے ساختہ مسکرا دیے۔۔۔ ان کے چہرے سے یکدم اطمینان جھلکنے لگا۔۔۔ شکرپارے آئے تو فریحہ بیگم نے سب کا منہ میٹھا کروایا۔۔۔ مانا خالہ نے بھی بھرپور بے تکلفی سے اکٹھے دو شکرپارے شکریے کے ساتھ اٹھا لیے۔۔۔ سب کے شور مچانے پر بڑی پریت سے نانا کے منہ میں پورا شکرپارہ ٹھونس دیا۔ جواباً" نانا نے قدرے ہاتھ روک کر ان کے منہ میں ڈالنا چاہا مگر انہوں نے پورا ہی ہڑپ لیا۔۔۔ نانا بے چارے انگلی مسلتے رہ گئے۔۔۔ انہوں نے ہنستی مسکراتی مانا خالہ کو دیکھا۔۔۔ پھر سب گھر والوں پر نگاہ ڈالی۔۔۔ سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔۔۔ عفیرہ اور ساحر قریب قریب کھڑے بے حد جچ رہے تھے۔۔۔ ساحر نے نانا کو دونوں انگوٹھے دکھا کر ایک دم فٹ کا اشارہ دیا تھا۔۔۔

نانا نے مسکراتے ہوئے ایک اور شکرپارہ اپنی بیگم کی طرف بڑھایا۔۔۔ اور اس دفعہ ان کے انداز میں خود اعتمادی اور اپنا پن تھا۔۔۔!

زندگی بھی تو شکرپارے کی طرح ہے۔۔۔ چھوٹی سی، میٹھی سی اور منہ میں رکھتے گھل جانے والی۔۔۔ زندگی میں خوشی کو نپننے کے لیے خوب صورت رویوں کا پانی چاہیے۔۔۔ ورنہ سانسوں کی آبیاری تو ہوتی ہی رہتی ہے لیکن انسان گھل گھل کر تحلیل ہو جاتا ہے۔۔۔!

تھوڑی سی گنجائش دلوں میں پیدا کرنے سے اگر کوئی کھل کر زندگی جی لیتا ہے تو کیوں نہ جینے دیا جائے۔۔۔! کیوں احساسات و جذبات سے بھرپور انسان کو برف کی دیواروں میں چن دیا جائے۔۔۔! کوئی بھی شخص عمر کے کسی بھی حصے میں ہو۔۔۔ وہ ساتھ چاہتا ہے۔۔۔ وہ اپنی کہنا اور کسی کی سننا چاہتا ہے۔۔۔ وہ جینا چاہتا ہے۔۔۔!

دل مطمئن اور مسرور ہو تو ہر شے شکرپارہ ہے۔۔۔ میٹھی میٹھی۔۔۔ ہلکی پھلکی اور منہ میں رکھتے ہی گھل جانے والی۔۔۔ کیونکہ زندگی شکرپارے جیسی ہی تو ہے۔۔۔!

☆ ☆

ماریہ یاسر
وقت سے پہلے

سورج اپنی ڈیوٹی پوری کر کے مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ گرمیوں کی لمبی دوپہریں بھی عجیب ہی ہوتی ہیں۔ جنہیں کچھ سکون اور اطمینان ہو ان پر تو نیند کی دیوی مہربان ہو جاتی ہے، بڑی بڑی دوپہریں سونے کے بعد بھی انہیں کچھ کمی سی لگتی ہے اور جن سے سکون اور اطمینان ناراض یا روٹھا ہو، ان پر آفت ہی آجاتی ہے۔ لیٹ لیٹ کے سر چکرانے لگتا، پٹر پٹر چھت گھورنے سے آنکھیں دکھنے لگتیں، ایک کمرے سے دوسرے اور پھر کمروں سے پیچھے کی طرف آم کے خوب بڑے درخت کے نیچے چکر لگا لگا کے ٹانگیں شل ہو جاتیں۔ اسے تو کم سے کم یہی لگتا کہ ان گرمی کی دوپہروں کی وجہ سے وہ جلد ہی پاگل ہو جائے گی لوگ پتا نہیں اتنا کیسے سو لیتے ہیں۔ آم کے تنے سے سر ٹکائے وہ اکثر سوچتی۔

بھوری معصوم سی آنکھیں غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔ جن میں ڈھیر ساری پریشانی جھلک رہی تھی اور آج کی اس پریشانی کی وجہ وہی پرانی تھی۔ سارہ کی سسرال کے کسی دور پار کی رشتے دار خاتون، پچھلے ہفتے اپنے بیٹے کے لیے اس کو دیکھنے آئیں اور اس کے دل کو موہوم سی امید کے دیے تھما گئیں۔ گو کہ وہ جانتی تھی کہ یہ امید بھی پہلے کی طرح دم توڑ دے گی، لیکن پھر بھی دل ڈھیٹ بن ہی گیا اور اس بار پھر سے ایک ننھا سا دیا تھام لیا اور پھر وہی ہوا جو پچھلے تین سال سے ہوتا آ رہا ہے۔ بظاہر کوئی بھی کمی نہ ہونے کے باوجود، انہوں نے آج صبح فون کر کے معذرت کر لی اور رمشا کا دل پھر سے سکڑ کر پھیلا تھا۔ ممانی کی طنزیہ نظریں اسے خوف میں مبتلا کر رہی تھیں۔ خالدہ بظاہر تو کچھ نہ کہتیں لیکن ان کی نظریں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہوتیں کہ اس منحوس کی شادی نہیں ہونے کی۔ ساری زندگی میرے سینے پر مونگ دلنے کے لیے یہ یہیں رہے گی۔ ایسے دنوں میں اس کی کوشش یہی ہوتی کہ کام ختم کر کے کسی ایسی جگہ پر چھپ جائے جہاں سے ممانی اس کو دیکھ نہ سکیں۔ لیکن ایسا بھلا کب ممکن تھا۔

☆ ☆ ☆

"خالدہ کوئی فون آیا نورین آپا کی طرف سے، کیا جواب دیا انہوں نے؟" رضا صاحب نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے بیوی سے پوچھا۔ پانی کا گلاس لاتی رمشا کا دل چاہا، کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ "ان لوگوں نے بھی دے دیا جواب۔" خالدہ نے طنزیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو چھوڑو جو اللہ کو منظور اس میں بھی رب کی مصلحت ہوگی کوئی۔"

"نجانے کیا مصلحت ہے اللہ کی جانے کب یہاں سے دفعان ہوگی منحوس۔ سارہ دو سال چھوٹی ہے اس سے، لیکن اپنے گھر کی ہوئے سال ہونے کو ہے اور ایک یہ ہے یہاں سے ہلنے کا نام نہیں لیتی۔" وہ ایک بار پھر سے شروع ہو چکی تھیں۔

"بس بھی کرو۔ کتنی بار تمہیں بولا ہے سوچ سمجھ کر بولا کرو لیکن بڑی ہی جاہل عورت ہو تم بھی۔ اس میں بھلا وہ کیا کر سکتی ہے، یہ تو نصیبوں کے کھیل ہیں۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے یہ فضول بکواس دوبارہ نہ سنوں۔" رضا صاحب بیوی کو ڈپٹ رہے تھے جب وہ بھاگ کے آم کے درخت کے نیچے آگئی۔ اس کے تنے سے لپٹ کے رونے لگی۔

"اے اللہ! میرے نصیب میں اگر کوئی ہے تو اسے جلد سے جلد بھیج مولا اور اگر میرے لیے اس پوری دنیا میں کوئی نہیں تو مجھے اپنے پاس بلا لے مولا۔ مجھ سے یہ بے عزتی نہیں سہی جاتی۔ اے میرے رب بلا لے مجھے اپنے پاس۔" وہ تنے سی لپٹی دھاڑیں مار مار کے رو رہی تھی۔ بھوری معصوم سی آنکھیں انجانے سے خوف سے لبریز تھیں۔ اس وقت وہ خوف حد سے سوا تھا۔ "اگر کسی نے بھی مجھے پسند نہ کیا تو..." "اس تو" کے آگے سوچنے پر اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔

اس بھری دنیا میں ایسی بے شمار لڑکیاں اور عورتیں ہوں گی جن کی شادی نہیں ہوئی ہوگی، لیکن ان کے سروں پر ہو سکتا ہے کہ ان کے ماں باپ کا سایہ سلامت ہو، اس لیے وہ اتنی پریشان نہ ہوں گی جتنا میں ہوں۔" آم کے تنے سے لپٹی رمشا کافی دیر رونے کے

بعد تنے سے دور ہوئی۔

یہ آم کا پیڑ اس کے بچپن کا ساتھی تھا یہ ہمیشہ سے اس کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے کھڑا رہتا تھا۔ بچپن کی چھوٹی چھوٹی الجھنیں وہ اسی آم کے پیڑ کے تنے سے لپٹ کر بیان کرتی۔ جب وہ ماں باپ کے سائے سے محروم ہو کے ماموں کے اس گھر میں آئی تو یہاں کے مکینوں کے دلوں میں اس کے لیے کچھ خاص جگہ نہ تھی اس وقت بھی آم کا یہ پیڑ اسے اپنی بانہوں میں لیتا تھا اور آج بھی جب اس کی پریشانیاں بڑھ چکی تھیں۔ اس کے رویے میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ جب بھی پریشان ہوتی آم کے تنے سے سر ٹکا کے اپنا دکھ روتی۔ کچھ ہی دیر میں وہ تھوڑا ہلکا ہو جاتی۔ گویا کوئی بہت اپنا اسے تسلی کے دو "بول" بول گیا ہو۔ اس وقت بھی وہ تھوڑا ہلکا محسوس کرنے لگی۔

رمشا ایک بار پھر سے خود اذیتی میں مبتلا ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا میں اتنی بری ہوں کہ لوگ پلٹ کے جواب نہیں دیتے۔" آئینے کے سامنے کھڑے ہو کے اس نے جانچتی نگاہوں سے خود کو ٹٹولا۔ گندمی رنگت بھوری آنکھیں۔ ہلکے بھورے سلکی بال جو اس کے شانوں پر جھول رہے تھے۔ کھڑی ناک متناسب سراپا۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل تھی۔ لیکن پتا نہیں کس وجہ سے لوگ اسے رد کر دیتے۔ اس نے پریشانی سے بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

"اے اللہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔" وہ بیڈ پر بیٹھی صدق دل سے اپنے لیے دعا مانگ رہی تھی۔ آج اداسی کا رنگ ایسا چڑھا کہ اترنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ ویسے بھی گرمیوں کی سہ پہر اس کی جان عذاب کرنے کے لیے کافی تھی' اوپر سے ممانی کا تکلیف دینے والا رویہ اسے پاگل کر رہا تھا۔ رو رو کے تھک گئی' تو دبے قدموں پچھلی طرف آم کے پیڑ کی طرف بڑھنے لگی۔ خالدہ اپنے کمرے میں نیند کا مزا لے رہی تھیں۔ جب وہ اپنے ساتھی سے اپنا دکھ بیان کر رہی تھی۔ تنے سے ٹیک لگائے وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔

"تم تو میرے ہمراز ہو نا' تم اللہ سے بولو ناں میری بھی شادی کر دیں کسی بھی لڑکے' بلکہ آدمی سے۔" اس نے خود ہی اپنی تصحیح کی۔ "بولو گے نا یا پھر بولو کہ مجھے اپنے پاس ہی بلا لے اللہ۔ تاکہ میں اس دنیا کی باتیں نہ سنوں۔ تم کرو گے ناں میرے لیے کچھ۔" وہ غائب دماغی سے عجیب باتیں کرتی رہی جب رضا صاحب نے پاس سے گزرتے اس کے آخری جملے سنے تو ان کے دل کو کچھ ہوا۔ لاڈلی بہن کی آخری نشانی آج کس حال میں تھی انہیں کچھ خبر ہی نہ ہوئی یا پھر خبر ہونے کے بعد بھی وہ کچھ کر نہ سکے۔ وہ جھکے کندھوں سے اس کے پاس آ بیٹھے۔ اس کو اپنے سے لگا لیا۔ ماتھا چوما۔ سر پر ہاتھ پھیرا۔ رمشا بھی شرمندہ سی نظر آئی۔

☼ ☼ ☼

اتوار ہونے کی وجہ سے حسب معمول اس کی اکلوتی ماموں زاد اپنے شوہر کے ساتھ تشریف لا چکی تھی۔

"امی پتا نہیں کیوں لوگ رمشا کے لیے منع کر دیتے ہیں۔ ستائیس سال کی ہو گئی ہے۔ بڑی عمر کی لڑکیوں کے لیے تو رشتے والے جلدی حامی بھی نہیں بھرتے۔ کسی نہ کسی طرح کوئی اندھا لنگڑا دیکھ کے ہی رخصت کر دیں۔" سارہ اپنے تئیں بڑی سمجھ دار باتیں کر رہی تھی۔

"دفع کرو منحوس ماری کو۔ میں تو ساری زندگی اپنا خون جلا جلا کے تھک گئی ہوں۔ تم اس کے لیے مت پریشان ہو۔ یہ یہاں سے کہیں نہیں جانے کی مر کے ہی میری جان چھوڑے گی۔ لیکن مرتی بھی تو نہیں۔ پتا نہیں اس عذاب سے کب جان چھوٹے گی۔ خیر دفع کرو۔ اپنی سناؤ۔ تم خوش ہو نا۔" خالدہ دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد موضوع بدل چکی تھیں لیکن کچن میں سارہ اور اس کے شوہر کی خاطر مدارت کا انتظام کرتی

"رمشا بیٹا۔ کیا تمہارے لیے میری کچھ اہمیت ہے؟" انہوں نے تمہید باندھی۔

"جی ماموں۔" اس کے منہ سے۔ بس اتنا ہی نکلا تھا۔

"بیٹا پھر سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے لیے کیا شادی ہی سب کچھ ہے؟" ان کے لہجے میں مان تھا۔ وہ بوکھلا گئی۔

"نن..... نہیں ماموں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"تو بیٹا میری ایک بات مانو گی۔" انہوں نے امید سے اس کی طرف دیکھا اس کا سر اثبات میں ہلتا دیکھ کے وہ دوبارہ گویا ہوئے۔

"رمشا میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ تمہاری کسی اچھی جگہ اچھے لوگوں میں شادی کر دوں تب تک تمہیں انتظار کرنا ہو گا کیونکہ میں تمہیں ایرے غیرے لوگوں میں یا ایسے لوگوں میں نہیں بیاہ سکتا جو تمہارے قابل نہ ہوں۔ میں محض خالدہ کی باتوں کی وجہ سے تمہاری زندگی تباہ نہیں کر سکتا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم سارا سارا دن اپنی ممانی کی باتوں کی فکر میں گھلنے کی بجائے اپنا وقت کسی اچھی سرگرمی میں گزارو۔" انہوں نے اپنی بات مکمل کر کے اس کی طرف دیکھا تو اسے سوالیہ انداز میں اپنے طرف متوجہ پا کے دوبارہ بولے۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کر لو یا کوئی کورس کر لو اور اگر تم چاہو تو پاس کے کسی اسکول میں ٹیچنگ کر لو۔ تاکہ تمہارا دماغ ان فضول باتوں سے باہر نکلے۔ ہر وقت گھر میں رہ رہ کے بندہ تنگ بھی ہو جاتا ہے۔ اس لیے تم اس ماحول سے تھوڑا وقت باہر نکلو گی تو اچھا محسوس کرو گی" انہوں نے سچے دل سے کہا۔

"لیکن ممانی نہیں مانیں گی ماموں۔" اس کے منہ سے روانی میں نکل تو گیا لیکن اب وہ ڈر رہی تھی کہ نجانے ماموں کیا جواب دیں۔

"تم ممانی کی فکر مت کرو اسے میں سمجھا دوں گا۔ تم بس سوچ سمجھ کے فیصلہ کرو۔" کہہ کے وہ اٹھ گئے اور اسے سوچوں کی ایک مختلف سمت میں چھوڑ گئے وہ کافی دیر تک بیٹھی اپنے سکھی سے مشورہ لیتی رہی اور جب اٹھی تو کافی مطمئن نظر آ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماموں کی بات مان کے اس نے بالکل صحیح فیصلہ کیا اس کا اندازہ اسے دو ماہ بعد ہو رہا تھا۔ اس کے سوچنے کا انداز بالکل بدل چکا تھا۔ پاس کے پرائیویٹ سکول میں ٹیچنگ کرنے سے اس کا ذہن بٹ چکا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں میں اس کا دل خوب لگتا۔ B.A تو اس نے کیا ہوا تھا' ماموں کے اصرار پر پرائیویٹ M.A میں داخلہ لے لیا۔ اب اس کی روٹین بدل چکی تھی۔ کہاں تو پرانی رمشا جو گھر کے کام کاج کے بعد اپنے لیے ہلکان ہوتی رہتی تھی اور کہاں آج کی رمشا جو اسکول سے آ کے تھوڑی دیر آرام کرتی پھر گھر کا کام نپٹاتی اس کے بعد اپنی بکس لے کر بیٹھ جاتی۔ اسے بھی اپنی یہ روٹین پیاری لگتی تھی شادی سے متعلق ہر سوچ اور فکر کو اللہ کے بعد ماموں پر چھوڑ کے اب وہ اپنی اسی دنیا اور حال میں خوش رہنے کی کوشش کر رہی تھی اور کافی حد تک کامیاب بھی تھی۔ ممانی بھی اس کی اس بے فکری پر حیران تھیں اور طنز کرنے سے باز نہ آتیں' لیکن وہ ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال دیتی۔ کیونکہ اب وہ فکر کرنے کے بجائے اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح وقت آنے کا انتظار کر رہی تھی کیونکہ اللہ کے ہاں نہ تو دیر ہے اور نہ ہی اندھیر بس ہر چیز اپنے مقررہ وقت پر صحیح انجام کو پہنچتی ہے۔ بے شک وقت سے پہلے اور نصیب سے زیادہ نہیں ملتا تو کیوں نہ اپنے حال پر قانع اور مطمئن رہا جائے۔ کیوں آپ کا کیا خیال ہے؟

☼ ☼

نایاب جیلانی

یہ وسط ستمبر کے دن تھے۔ ان دنوں خنک ہواؤں کا زور تھا۔ شمالی علاقوں میں تو اوس کی جگہ آسمانوں سے برف گرتی تھی۔ سفید روئی نما برف کی پھوار ہوتی، جو پوری رات بوندوں کی مانند گرتی رہتی اور صبح تک پورا علاقہ سفید برف کی قبا میں ملفوف دکھائی دیتا تھا۔ جیسے سفید چاندی نے پوری زمین کو ڈھانپ رکھا ہو۔ اور یہ بابا کا شہر ہنزہ تھا۔ اسے "ہن دیس" یعنی برفوں کا ملک کہا جاتا تھا۔

اسے ہنزہ میں آئے تین سال ہو گئے تھے۔۔۔۔ تین

مکمل ناول

سال پہلے جاشین اپر پنجاب کے انتہائی پسماندہ گاؤں سے اٹھ کر امن آباد آئی تھی۔

امن آباد اس کے دادا کا آبائی گاؤں تھا۔ یہاں پردادا کی زمینیں تھیں۔ خوبانی کے باغات تھے۔ اور ڈیری فارم ہوا کرتا تھا۔ دادا ذات پات سے اصلی نسلی سید تھے۔ سو پورے علاقے میں بہت عزت اور پہچان تھی۔ اس کے دادا انتہائی محنتی اور امن پسند انسان تھے۔ ان کی پانچ اولادیں تھیں۔ ایک بیٹی اور چار بیٹے۔ ان کے پانچوں بچے تعلیم یافتہ تھے۔ کانونٹ اور لارنس کالج آف گھوڑا گلی سے ابتدائی تعلیم کے بعد کاکول اکیڈمی اور اسلامک یونیورسٹی سے پڑھے تھے۔

جاشین کے تایا پاک فوج کے اعلا عہدے پر فائز تھے۔ ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا اور وہ عمر بھر امن آباد سے بہت دور رہے تھے۔ تایا کا اکلوتا بیٹا اردب کاظمی بھی باپ کے نقش قدم پر چلا اور پاک آرمی جوائن کرلی۔ تائی جس قدر خود عالی شان تھیں ویسی ہی اردب بھائی جان کے لیے عالی شان بیوی بھی لائی تھیں۔ فراح بھابھی اور اردب بھائی پورے خاندان کی شان تھے۔ قابل، دلکش، خوب صورت اور مغرور بھی۔۔۔ اردب بھائی جاشین کے بابا سے صرف پانچ سال چھوٹے تھے۔ دونوں میں بہت دوستی تھی اور یہ بہت پرانی بات تھی پھر اردب بھائی کی شادی ہو گئی۔ وہ اپنی جاب اور فیملی میں بزی ہو گئے تھے۔ جاشین کے بابا نے بھی اپر پنجاب کے ایک پسماندہ گاؤں سے آنے والی رائمہ سے شادی کرلی تھی۔ رائمہ بابا کی کلاس فیلو

تھیں۔ جاشین ان کی شادی کے بارہ سال بعد ہوئی تھی۔ وہ تین سال کی تھی جب ہنزہ آتے ہوئے بابا اور امی کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔ جاشین بہت چھوٹی تھی۔ سو اسے نانی اپنے ساتھ گوٹھ لے گئی تھیں۔

اس کی پرورش خالصتاً" دیہاتی اور روایتی سے ماحول میں ہوئی تھی۔ ایک چھوٹا سا گھر' نانی کی محبت اور آس پڑوس کی سہیلیاں۔۔۔ وہ ان کے ساتھ ہی گاؤں کے پرائمری اسکول میں پڑھتی تھی۔ اس نے بڑی محدود سی زندگی دیکھی تھی۔ بس نانی کی محبت' سہیلیاں اور گھر کی چاردیواری۔ نانی نے ہمیشہ اسے خود تک محدود رکھا تھا۔ اسے کسی کے گھر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ گلی میں کھیلنے کی اجازت نہیں تھی۔ نانی جب تک زندہ رہی تھیں اس کا سایہ ہی بنی رہیں۔ اس پہ کسی کا گرم عکس تک پڑنے نہیں دیا تھا۔ امن آباد سے اکثر دادا ملنے آتے تھے ڈھیر ساری سوغاتیں لے کر۔ ڈھیر سارا پیار لے کر۔ دادا کے انتقال سے پہلے تایا فوت ہو گئے اور پھر تائی امی بھی۔ دادا سے یہ صدمہ برداشت کرنا محال ہو گیا اور وہ بھی ان کے پیچھے ہی چل بسے دادا کی وفات جاشین کے لیے بھی بہت بڑا صدمہ تھا۔ پھر تو صدمات کا سلسلہ ہی چل پڑا۔ دادا کے بعد ابھی وہ ایلیمنٹری اسکول میں تھی جب نانی بھی اسے بھری دنیا میں تنہا کر کے راہی عدم ہوئیں۔ تب جاشین کی سہمی آنکھوں سے ہنسی اور شوخی ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی تھی۔ وہ ہنسنا بھی بھول گئی اور خوش ہونا بھی۔ ہر وقت ایک خوف اور ایک ڈر اس پہ سوار رہتا تھا اور اس کی سہمی آنکھوں کا یہ خوف اس وقت بھی نہ گیا جب اس کے شفیق سے منجھلے چچا اور چھوٹے چچا اسے ہمیشہ کے لیے اپنے ہمراہ امن آباد لے آئے تھے۔

امن آباد کی دنیا بھی ایک الگ سی دنیا تھی۔ یہاں یہ دو خاندان آباد تھے۔ منجھلے چچا اعظم اور چھوٹے چچا قاسم کی فیملیز۔ لگتا ہی نہیں تھا۔ یہ ایک چھوٹے سے ناکافی سہولیات سے آراستہ گاؤں کا گھر ہے۔ اس گھر میں سب کچھ تھا۔ خلوص' پیار' چاہت' سہولیات کی فراوانی اور خوش حالی بھی۔ ہر قسم کی سہولیات اور نعمتوں سے قطعاً" ناآشنا جاشین کے لیے یہاں یہ سب کچھ بہت حیرت انگیز تھا۔ جیسا کہ فطرت سے قریب تر مناظر' دریا سے ہر روز لائی جانے والی تازہ مچھلی۔ پھلوں سے لدے درخت اور خشک میوہ جات کی بہتات۔ یہ وہ چیزیں تھیں جن سے وہ عمر بھر آشنا نہیں تھی۔ ترسی ہوئی تھی۔ جو نانی بھی خرید نہیں سکتی تھیں ان کی پہنچ اور بساط سے دور تھیں۔ بجلی نہیں تھی' وہاں پہ فون نہیں تھا' ٹیلی ویژن نہیں تھا بلکہ کچھ بھی نہیں تھا۔ تفریح کے نام پر کوئی خوب صورت منظر بھی نہیں۔ دھول' مٹی گرد کچے راستے اور کچے مکان۔۔۔ ایک ایسے گاؤں سے اٹھ کر اس کی ماں اسلام آباد جیسے شہر میں پڑھنے کے لیے گئی تھی۔ پھر ایک اچھے گھرانے کے لڑکے سے اس کی شادی ہو گئی۔ نانی اسے یہی سمجھاتی تھیں وہ ڈھیر سارا پڑھے اور مقام ہستی میں اپنا الگ سے نام پیدا کرے۔ نانی کہتی تھیں "ایک تعلیم ہی تھی جو اس کی زندگی بدل سکتی تھی۔ وہ آٹھویں میں امن آباد آئی تھی اور دسویں تک امن آباد کے سیکنڈری اسکول میں زیر تعلیم رہی۔ وہ کسی بھی انگلش میڈیم اسکول کا ٹیسٹ کلیئر نہیں کر سکی تھی' قاسم چچا اسے ہر بڑے اور اچھے اسکول میں لے کر گئے تھے لیکن وہ کسی بھی اچھی درسگاہ کی میرٹ لسٹ تک نہ پہنچ سکی۔ اس ناکامی کے بعد اسے امن آباد کے اسکول نے ہی قبول کیا تھا۔ وہ کانونٹ اور بیکن ہاؤس جیسے اسکولز کے لیے سخت ناموزوں تھی۔ جس میں دونوں چچاؤں کے بچے پڑھ لکھ کر اب بڑی یونیورسٹیوں میں پڑھتے تھے۔

اعظم چچا کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ قاسم چچا کی بھی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ ان کے بچے جاشین سے عمر میں بڑے تھے۔ فکر' سوچ اور علم میں بھی بڑے تھے۔ وہ سب کبھی کبھار گھر میں آتے۔ زیادہ اپنی پڑھائیوں اور نوکریوں میں مصروف رہتے تھے۔ اعظم چچا کی دونوں بیٹیاں لیلیٰ اور لالہ رو سائیکلوجسٹ

تھیں۔ بیٹا انجینئر بن رہا تھا۔ ناجیہ اور رادیہ بھی ایم بی اے کر چکی تھیں۔ ان کا بھائی سیکنڈ ایئر میں تھا۔ ان سب نے امن آباد میں چاشین کو خوش آمدید کہا تھا۔ وہ سب چاشین سے، بہت آگے تھے۔ اپنی گفتگو میں، ناز و انداز میں، بول چال میں۔۔۔ نشست و برخاست میں، ہر لحاظ سے، بہت پرفیکٹ تھے۔ اس کے باوجود چاشین کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے تین سالوں میں چاشین کو بہت پیار دیا تھا۔ ان کے خلوص سے وہ خود کو زیر بار سمجھتی تھی۔ وہ سب صاف دل کے محبت کرنے والے طبیعتاً" نرم مزاج تھے۔ شرارتی، ہنسوڑ اور زندہ دلی ان کی اضافی خوبیاں تھیں۔ جب کہ دونوں بچیاں، بہت سادہ طبیعت کی، پرخلوص اور محبت کرنے والی تھیں۔ اپنے اپنے بچوں کو ہوسٹلز میں بھیج کر ہمیشہ، بہت اکیلی اور افسردہ ہو جاتی تھیں، لیکن چاشین کی آمد سے انہیں ایک مکمل مصروفیت مل گئی تھی۔ انہوں نے چاشین کو ہتھیلی کا پھپھولا بنا لیا تھا اور اسے ہمیشہ اپنے بچوں سے بڑھ کر چاہا تھا۔ ان کی یہ چاہت وقت گزرنے کے ساتھ کم نہیں ہوئی تھی بلکہ بڑھتی ہی چلی گئی تھی۔ چاشین کی ہمت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ وادی میں اکیلی سیر کے لیے نکلتی۔ دراصل ان لوگوں نے چاشین کو خصوصاً" وی آئی پی پروٹوکول دے رکھا تھا پھر رادیہ، ناجیہ اور لیلیٰ باجی نے اس کے کئی نام رکھے ہوئے تھے۔ کوئی اسے شیریں کہا کرتا۔ کوئی چاشنی کوئی مٹھاس۔۔۔ کوئی قلاقند، کوئی رس گلہ۔۔۔ چاشین کے نام کے کئی معانی اور مطالب تھے اور یہ لوگ نام کی جگہ اس کا معانی استعمال کرتے۔ چاشین ان کی محبتوں اور نوک جھونک کی عادی ہو چکی تھی۔ وہ ان کے درمیان رہ کر ہنسنا سیکھ چکی تھی۔ بولنا سیکھ چکی تھی۔ مذاق کرنا سیکھ چکی تھی۔

حالانکہ اس گھر میں چاشین سے بڑھ کر حسین چہرے تھے۔ باجیاں تو ساری، بہت عالی شان تھیں۔ ان کے سامنے چاشین تو کچھ بھی نہیں تھی۔ ان میں تو ادا تھی۔ ایک خاص وقار، دل فریبی اور اعلا تعلیم کا اعتماد تھا۔ اوپر سے اچھی اٹھان اور سکھڑاپا ایسا جس کی کہیں بھی مثال نہ ملے اور ان سب دل فریب پریوں میں چاشین صرف خوب صورت تھی۔ سبک خرام سی۔ آنکھوں کو بھلی لگنے والی۔ تو بہ شکن یا قیامت خیز تو کہیں سے نہیں تھی، لیکن ان سب کی توجہ اور پیار نے اسے بہت "سندر" بنا دیا تھا، لیکن اعتماد کا اب بھی فقدان تھا۔ وہ باجیوں کی طرح خوش اسلوب یا خوش گفتار نہیں بن سکی تھی۔ جب وہ آپس میں بیٹھ کر کسی بھی ٹاپک کو انگریزی میں ڈسکس کرتی تھیں تب اس کا احساس کمتری عود آتا۔ ہاں، وہ ان کی طرح گفتگو کے فن سے آشنا نہیں تھی۔ اور اسے باجیوں سے سیکھنے کا اتنا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔ کیوں کہ وہ ویک اینڈ پہ آتی تھیں اور جلد ہی واپس چلی جاتی تھیں پھر ایک دن ہوا کچھ یوں کہ چاشین کی محدود زندگی میں ایک بڑی تبدیلی اچانک ہوئی، جس نے امن آباد کے مکینوں کو حیرت اور شاک کی اندھی وادی میں دھکیل دیا۔

☼ ☼ ☼

ہوا کچھ یوں تھا باجیاں چاہتی تھیں۔ وہ خوب محنت کرے۔ دسویں کا امتحان پاس کرے اور اسلام آباد کے اچھے کالج میں اسے داخلہ مل سکے۔ اس لیے ان دنوں چاشین دل و جان سے پڑھائی میں مگن تھی۔ اس دن بھی ڈھلتے سورج کو دیکھتی وہ پیپر کی تیاری میں مگن تھی۔ کھڑکی کے پٹ کھلے تھے اور سورج کی نارنجی شعاعیں کمرے میں پھیل رہی تھیں۔ یہاں سے دریا کا دوسرا کنارہ دکھائی دیتا تھا۔ کنارے سے اٹھتے ہوئے وادیٔ نگر کے پہاڑ اور ایک تنگ درہ جس میں ایک سیاہی مائل گلشیئر جھانکتا ہوا آگے آ رہا تھا۔ کتنا دل نشین مبہوت کر دینے والا منظر تھا۔ اس کی نگاہیں اس مبہوت کر دینے والے منظر میں اٹکتی اچانک ایک ایسے چہرے پہ ٹھہر کر منجمد ہو گئیں۔ جو اس کے لیے قطعی طور پر اجنبی چہرہ تھا۔ انتہائی اجنبی، انجان اور ناآشنا۔ گھر کے پھاٹک پہ ایک پراڈو آ کر رکی تھی اور اس پراڈو کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہ خوب صورت مرد بیٹھا تھا۔ اتنا سنہرا جیسے چڑھتا ہوا سورج۔۔۔ اتنا مغرور اور

سخت جیسے ہنزہ کے نخوت زدہ گلشمو، تنا ہوا، اکڑا ہوا، ناک کی سیدھ میں دیکھتا۔ نخرے، نخوت اور غرور کے ساتھ نیچے اترتا۔ ایک جھٹکے سے دروازہ بند کرتا۔ جاشین کا دل جیسے اسی دروازے کے ساتھ ہی کھلا اور بند ہو گیا۔ یوں لگا، جیسے کوئی در دل کو کھول کر اندر آیا اور ہمیشہ کے لیے قید ہو گیا۔ آخر یہ دل کی دنیا میں کیا ہوا؟ یہ کیسا بھونچال آیا؟ اس کے قدم زمین پہ نہیں پڑ رہے تھے۔ جاشین کے دل پہ پڑ رہے تھے اس کے ہاتھ سے کتاب گر گئی تھی۔ وہ ناسمجھ تھی، کم عمر تھی۔ اپنی ایک بھی کیفیت کو سمجھ نہ پائی۔ دنیائے دل کو لٹا بھی آئی پھر بھی انجان ہی رہی۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دو لوگ اور بھی تھے۔ ویسے ہی تنے ہوئے اونچی ناک اور اونچی گردن والے۔۔۔ وہ ان دو لوگوں کے اصرار پہ ہی بہ مشکل ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھا تھا۔ ورنہ اس کے رویے سے لگ رہا تھا۔ وہ ان کو ڈراپ کرنے آیا ہے اور بیرونی دروازے سے ہی پلٹنا چاہتا تھا۔ اندر آئے بغیر اور جب وہ لوگ اندر چلے گئے تب اچانک ہی دیکھنے والی نگاہ کا ہر منظر پھیکا پڑ گیا تھا۔ اور کچھ ہی دیر میں نیچے ایک دنگل مچ گیا۔ کوئی باورچی خانے میں بھاگ رہا تھا۔ کوئی برتن شوکیس سے نکال رہا تھا۔ کوئی میز سجانے کے لیے لوازمات اکٹھے کر رہا تھا۔ تب سہمی سی خوف زدہ جاشین کو سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ایک آواز نے بے ساختہ روک لیا تھا۔

"اروب بھائی جان آئے ہیں۔ ساتھ افراح بھابھی اور عزت مآب، نہیں محترم، ظل پناہ، عالی جاہ، شہزادہ معظم، نور چشم، ولی عہد جناب دیان اروب کاظمی صاحب نے بھی اس غریب خانے کو عزت بخشی ہے۔ آج تو سورج شمال سے نکلا ہو گا۔ یہ تو معجزہ ہوا۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ "ظل پناہ" تشریف لائے ہیں۔ دل چاہ رہا ہے۔ دیسی گھی کے چراغ روشن کروں۔ عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر حاضری دوں۔ کوئی بڑی سی نذر مانوں۔" یہ ناجیہ تھی۔ ایک ہی سانس میں بولتی جا رہی تھی۔ بغیر رکے بغیر ٹھہرے۔

"سو نفل پڑھ لینا۔" رادیہ نے مشورہ دیا۔

"میں تو کہتی ہوں۔ الٹا لٹک جاؤ۔" لیلیٰ نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔

"نذر ماننی ہے تو کوئی بڑی مانو۔ چپ چاپ دریائے ہنزہ میں ڈوب جاؤ۔" لالہ رو مسکرائی تھی۔ ناجیہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔ پھر فردا" فردا" "سب کو دو چار سنائی تھیں۔

"تم سب کے منہ میں کیڑے پڑیں۔ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔" ناجیہ کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"ارے میٹھی! آجاؤ نا۔۔۔ رک کیوں گئی۔۔۔ آؤ آؤ۔ اس کار خیر میں حصہ لے لو۔" ناجیہ دل کی بھڑاس نکالتے نکالتے اچانک رک گئی تھی اور جاشین اتنی ہونق ہوئی کہ وہیں سیڑھیوں پہ ہی رک گئی کہ جب کہ مچھلی کے قتلے تلتی رادیہ نے اور روسٹ فرائی کرتی لیلیٰ نے بھی مڑ کر اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دی تھیں۔

"آؤ جاشی! رک کیوں گئیں؟ کیا پیپر کی تیاری ہو گئی؟" رادیہ نے مسکرا کر نرمی سے پوچھا تھا۔ جاشین اتنی غائب دماغ تھی۔ اثبات میں سر بھی نہ ہلا سکی۔

"بھاڑ میں جائے پیپر! اسے ذرا بیٹھک میں بھجوائیں۔ اپنے تایا زاد کا دیدار کر آئے بلکہ تایا زاد کے "ولی عہد" کا۔ جس کی گردن میں سریا فٹ ہے۔ کسی کی طرف دیکھنا گناہ سمجھتا ہے۔ کلام کرنا اپنی بے عزتی۔ کس قدر ذلت کی بات ہے۔ ہم سب باجماعت سلام کرنے کے لیے گئیں اور اس نے نگاہ اٹھائے بغیر جواب ہمارے منہ پر دے مارا۔ دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔" ناجیہ احساس توہین سے بھڑ بھڑ جل رہی تھی اور باقیوں کے چہروں پہ دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ جاشین ہونق پن سے ان سب کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

"وہ اروب بھائی جان کا بیٹا ہے ان ہی کی طرح مغرور ہو گا۔ وہ ہم کو پتا تم پہ تو نہیں جائے گا۔" رادیہ بھی دور کی کوڑی لائی تھی۔

"اور بھائی جان بھی تو ایسے ہی تھے۔ یہ تو تایا کی وفات سے کچھ پہلے تھوڑے تبدیل ہوئے ہیں اور

اپنے رشتے داروں سے بھی ملنا ملانا شروع کیا۔ ورنہ وہ تو یہاں آتے ہی نہیں تھے۔" ماہ رو نے ایک فش کا پیس اڑاتے ہوئے جتلایا۔

"وہ دفتر خارجہ میں بڑا افسر ہے۔ بہت بڑا انٹرنیشنل ویزے پہ ساری دنیا گھوم سکتا ہے۔ بہت قابل ہے' بہت باکمال ہے اور پھر اتنا تو اس کا حق بنتا ہے نا؟ تھوڑا سا نخرہ دکھادے۔ تھوڑا ایٹی ٹیوڈ' تھوڑی سی بے نیازی۔" وہ ہنستے ہوئے لوازمات سے بھری ٹرے سیٹ کررہی تھی۔ جاشین سر ہلانے لگی۔ جیسے حرف بہ حرف ان کی بات سمجھ میں آگئی ہو۔ پھر رادیہ باجی اسے اپنے ساتھ بیٹھک میں لے گئیں۔ وہاں پہ شاندار سے اردب بھائی جان بیٹھے تھے اور ان کے برابر ان کی خوب صورت سی نخریلی بیوی جب کہ ان کا بیٹا دیان اردب شاید جانے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ میز پہ رنگ رنگ کے لوازمات سجاتی' باجیاں' تندرے گڑبڑا گئیں۔ وہ اٹھ کر جارہا تھا' مگر وہ سب روکنے پہ قادر نہیں تھیں۔ نہ وہ رکنے کے لیے تیار تھا۔

رادیہ باجی کے پیچھے چھپی جاشین نے لالہ رو کے آنکھیں دکھانے پر مری مری آواز میں سلام کیا تھا جس پہ اردب بھائی جان چچا سے باتیں کرتے چونک گئے تھے اور چونکی تو افراح بھابھی بھی تھیں' مگر یہ چونکنا غیر معمولی نہیں تھا۔ اس کے سلام کا جواب دے کر وہ پھر سے چاچی کو کوئی بات بتانے لگ گئی تھیں' لیکن اردب بھائی جان نے اسے پاس بلا کر پیار کیا تھا اور ان کا اس کے سر پہ ہاتھ رکھنا اتنا' سایہ دار' سا تھا کہ جاشین کا دل خوشی کے احساس میں سرشار ہو گیا۔

"ناظم کی بیٹی؟ ہے نا...؟" وہ قاسم چچا سے پوچھ رہے تھے۔ قاسم چچا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ ان کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی پھر وہ افراح بھابھی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"یہ ناظم کی بیٹی ہے۔ میرا دوست تھا۔ ہم نے بڑا لمبا عرصہ ایک ساتھ گزارا۔" وہ اپنی بیوی کو بتا رہے تھے۔ جو غیر دلچسپی سے سن رہی تھیں۔ ان کے رویے پہ جاشین کا دل کچھ کھٹا پڑ گیا تھا۔ اس کے بابا اردب

بھائی جان کے چچا تھے' لیکن ایک زمانے میں یہ دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست رہ چکے تھے۔ کیوں کہ ان کی عمروں میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ جب اروب بھائی جان نے پرانی باتوں کا ذکر چھیڑا تو افراح بھابھی قطعاً" بے نیاز ہو گئیں۔ ان کا بیٹا تو بہت پہلے ہی جا چکا تھا۔ چاشین پہ کھڑے کھڑے ہی انکشاف ہوا تھا۔ اروب بھائی جان کا بیٹا اپنی ماں کی طرح مغرور اور خود پسند تھا۔ وہ تو چائے پہ بھی نہیں رکا۔ سب کے روکنے اور اصرار کے باوجود بھی۔۔۔ کتنا روکھا' سرد اور احساسات سے عاری آدمی تھی۔ کسی کے خلوص اور جذبات کا احساس تک نہیں کرتا تھا۔ چاشین کے دل پہ بوجھ آگرا۔ پھر اروب بھائی جان اور افراح بھابھی چلے گئے تھے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے آئے تھے اور ان کے واپس جانے کے ایک ہفتے بعد جیسے دھماکا ہو گیا تھا۔ ایک ایسی انہونی جو گمان میں ہی نہیں تھی۔

✡ ✡ ✡

اور ان دنوں رستوں پہ سدا بہار شہتوت سیاہ ہو رہے تھے۔ سوکھی خوبانی بازاروں میں عام بکتی تھی۔ قاسم چچا ڈھیروں کے حساب سے خشک میوہ جات لائے تھے۔ اس کے امتحان سر پہ پہنچ رہے تھے۔ وہ پورا دن کتابیں رٹنے اور پرچے یاد کرنے میں لگی رہتی تھی۔ اور چچیاں اسے باداموں والے دودھ اور دماغ تیز کرنے کے لیے سوغاتیں بنا بنا کر کھلاتیں وہ اس کے جی بھر کے ناز اٹھاتی تھیں۔ پھر شام ڈھلی' رات چھائی۔۔۔ بادلوں نے آسمان سے اپنا غلاف کھینچ لیا تو سیاہ آسمان پہ ستارے ٹمٹمانے لگے تھے۔ اچانک پھاٹک پہ سیاہ پراڈو آرکی تھی۔ گھر والے حیران سے ہو گئے۔ اروب بھائی جان کا ہفتے کے اندر یہ دوسرا چکر لگا تھا۔ آخر ماجرا کیا تھا؟ اور اس دفعہ بھی وہ اکیلے نہیں تھے۔ افراح بھابھی بھی تھیں اور کچھ میٹھی سوغاتیں بھی۔۔۔ سب حیران' متعجب اور پریشان تھے۔ کیوں کہ اروب بھائی جان کا رویہ خاصا پراسرار تھا۔ پھر رات کو دادا کے کمرے میں محفل سج گئی تھی اور اسی محفل بلکہ خفیہ میٹنگ میں یہ معمہ بھی حل ہو گیا تھا خبر ایسی کے جس نے سنا ششدر رہ گیا۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا تھا؟ اعظم چچا اور قاسم چچا' باقی لوگوں کی طرح متحیر نہیں تھے۔ وہ نارمل تھے بلکہ بہت خوش بھی اور چچیاں بھی کسی حد تک خوش تھیں۔ ایک بھولی بسری خوش بختی ان کے دروازے پہ دستک دینے آئی تھی۔ وہ کواڑ کھولنے میں دیر کیوں کرتے؟ انہوں نے اروب بھائی جان کا مدعا جان کر کچھ دیر سوچنے کے لیے وقت مانگا تھا۔ اور اسی مانگنے کے وقت میں اعظم چچا نے چاشین کی رائے مرضی بھی جان لینی چاہی تھی پھر اروب بھائی جان کو فوراً" ہی ہاں میں جواب دے دیا گیا جس نے سنا بس دنگ رہ گیا۔ لڑکیوں بالیوں نے دل تھام لیے تھے۔

ہر کوئی چاشین کے بخت کی بلندی پہ متحیر تھا اور چاشین ایسی حیران' گم صم' چپ کہ چچاؤں کو مثبت عندیہ دینے کے بعد بھی کسی خواب کی کیفیت میں تھی۔ یقین تھا کہ آ تا ہی نہیں تھا۔ اس میں کیا تھا؟ جو اس کا انتخاب کیا گیا؟ اروب بھائی جان اپنے اسی مغرور بیٹے کے لیے اسے مانگنے آئے تھے۔ وہی جو سورج کی مانند گرم اور سنہرا تھا۔ سونا اگلتی آنکھوں جیسا' گرم' غصیلا' نخریلا اور اکھڑا اکھڑا۔ وہ جو دیان تھا۔ یعنی حاکم۔۔۔ یعنی حکومت کرنے والا۔ یوں چاشین کے دل کا حاکم بنا کہ اسے خبر تک نہ ہوئی۔ یقین نہ کر کے بھی یقین کرنا پڑا تھا۔ کیوں کہ افراح بھابھی اپنے سارے کروفر کے ساتھ دل پہ پتھر کی سل رکھے آخر کار چاشین کو رسم کی انگوٹھی پہنا دی گئی تھی۔ باجیوں کو خاص الخاص بلوایا گیا۔ پہلے وہ حیران ہوئیں۔ پھر پریشان اور پھر بے ساختہ خوش۔۔۔ اس کے دل میں جو ہلکا سا کھٹکا تھا وہ بھی نکل گیا۔ اسے ڈر تھا۔ شاید کہیں کوئی بغاوت کی آواز نہ اٹھ آئے۔ یہاں پہ حسد' بغض اور کینے والی بات ہی نہیں تھی۔ باجیاں اسے ہنستاتی' مذاق کرتیں' اسے طرح طرح سے ستاتی تھیں۔ گھر میں رونق کا سماں بندھ گیا اور ان ہی دنوں میں تاریخ طے کر دی گئی تھی۔

حالانکہ چچیاں متذبذب تھیں اور باجیاں

پرجوش۔۔۔ بچیاں کہتی تھیں۔ جاشین تو بڑی کم عمر ہے۔ ناسمجھ اور معصوم۔ بھلا شادی شدہ زندگی کی ذمہ داریاں اٹھاسکے گی؟ لیکن یہاں پہ کوئی اس نکتے پہ غور کرنے والا نہیں تھا۔ اردب بھائی جان تاریخ لینے کے لیے آئے تو چچیوں کے سارے اعتراضات دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ بھلا اردب بھائی جان کے سامنے کسی کی مجال تھی جو بول سکتا۔ اور جب شادی کی تاریخ طے ہوگئی تب بھی کسی کو یقین نہ آتا تھا۔ اور کبھی کبھار ایسا ہوجاتا ہے۔ جو چیز تصور سے بالاتر ہوتی ہے۔ اس کا حصول آسان تر ثابت ہوجاتا ہے۔ ابھی تو اسے دیکھ کر دل دھڑکنا بھولا تھا۔ ابھی تو اسے دعاؤں میں مانگنا باقی تھا اور بغیر دعا کے بغیر کوشش کے بن مانگے عطا کردیا گیا تھا۔ اور اس کی آنکھوں میں دل کی زمین پہ چلنے والا پورے جلال سے اور پوری شان سے بس گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہنزہ پہ ان دنوں بادلوں کا سایہ رہتا تھا اور درختوں کی شاخیں سیبوں کے بوجھ سے لدی تھیں۔ گھر کی ساری انگیٹھیوں میں کوئلے دہکتے تھے۔ پورا ہنزہ سرد اور برفیلا تھا۔ ٹھنڈ خون کو سرد کرنے والی تھی جب گھر میں چچیوں نے ڈھولک منگوا کر رکھ لی۔ ساری لڑکیاں اپنی ساری مصروفیات ترک کرکے پہلی فرصت میں امن آباد پہنچ چکی تھیں۔ یہ ان کے گھر کی نہیں بلکہ خاندان کی پہلی شادی تھی۔ دیان' تایا کا اکلوتا اور پہلا پوتا تھا جب کہ جاشین سب سے چھوٹے چچا کی اکلوتی اور اس گھر کی سب سے چھوٹی بیٹی۔۔۔ مقابلہ تو ٹکر کا تھا اور شادی کھڑک کر ہونا قرار پائی تھی۔ یعنی بہت ہی دھوم دھام کے ساتھ۔ مایوں کے دنوں میں ہی اس کا جہیز دیان ہاؤس میں پہنچادیا گیا تھا۔ اعلا سے اعلا' قیمتی سے قیمتی۔۔۔ ہر چیز چاچیوں نے اپنی اعلا چوائس کو مدنظر رکھ کر خریدی تھی اور انہوں نے جو اس کے لیے کپڑے بنوائے تھے وہ بھی انتہائی نفیس اور اسٹائلش۔۔۔ شادی سے دو دن پہلے افراح بھابھی کی کال آگئی۔ اس کال میں عجیب سی نخوت اور تحکم تھا۔ اتنا کہ امن آباد میں رہنے والوں کو نہ ان کا لہجہ پسند آیا نہ تحکم بھرا انداز۔ انہوں نے چھوٹی چچی سے اپنے ازلی مغرور لہجے میں کہا تھا۔

"اسے امن آباد سے خود ہی مستری مت بنوایئے گا چچی! شہر سے بیوٹیشن بلوالیں۔ دیکھنے کے قابل تو ہو۔ بارات میں پورے شہر کی کریم ہوگی۔" انہیں اپنی سبکی کا خدشہ تھا یا جو بھی تھا' لیکن ان کے الفاظ ایسے نہیں تھے جو نظرانداز کیے جاتے۔ چھوٹی چچی کو بہت ہی برا لگا' لیکن انہوں نے نرمی سے ہی جواب دیا تھا۔ وہ بات بگاڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

"افراح! کیسی بات کرتی ہو۔ ہم بھی عقل رکھتے ہیں اور بچیاں ماشاء اللہ سب کچھ جانتی ہیں۔"

"لیکن اس میں اتنے گٹس نہیں لگتے۔" وہی نخوت بھرا انداز۔ چھوٹی چچی نے بمشکل ہی افراح کا انداز سہا تھا۔

"میٹھی کی طبیعت میں سادگی ہے' لیکن وہ بے وقوف نہیں۔" چچی نے بس اتنا ہی کہا۔ افراح نے مزید کچھ سنے بغیر فون رکھ دیا تھا جب کہ چچی خدشات میں گھری پریشان سی بیٹھی رہ گئیں۔ "میٹھی کا نباہ افراح کے ساتھ ہوپائے گا؟ یہ تو تگڑی سی عورت ہے۔ اللہ' ہماری بچی کے حال پہ رحم کرے۔" ان کا دل بارات والے دن تک خدشات میں گھرا لرزتا ہی رہا تھا۔ انہیں پریشان دیکھ کر بڑی چچی نے وجہ دریافت کی تو چھوٹی چچی نے افراح کی کال کا بتادیا۔

"سارے زمانے کی عقل مند تو افراح ہی ہے۔۔۔ سارے گنوں سے لبالب بھری۔ باقی سب تو عقل سے فارغ۔ حقیر اور کیڑے مکوڑے۔۔۔ جانے ہماری بچی کا وہاں کیسے گزارہ ہوگا۔" بڑی چچی کا تفکر کے مارے برا حال تھا۔

"اور آپ کو نہیں لگتا' ماں اور بیٹے میں کوئی فرق نہیں۔ ماں نخریلی اور بیٹا مہا نخریلا۔۔۔ ہماری معصوم سی میٹھی تو ان "نخرے بازوں" کے نخرے اٹھا اٹھا کر پس جائے گی۔" ان کے غم اور فکر کا کوئی انت نہیں تھا پھر

ان ہی خدشات کے دوران بارات کا دن بھی آگیا۔

✡ ✡ ✡

اروب بھائی جان کے اکلوتے بیٹے کی بارات کا دن تھا۔ ایسی بارات شاید امن آباد میں پہلی مرتبہ آئی تھی۔ تب ہی تو دور دور سے لوگ دیکھنے کے لیے گھروں کی چھتوں پہ چڑھ آئے۔ جیسی اعلا بارات تھی، جیسے اعلا باراتی تھے ویسا ہی شاندار ان کا روح رواں۔۔۔ اس پوری محفل کا مرکز نگاہ دلوں پہ راج کرنے والا۔

اور وہ دیان اروب کاظمی تھا۔۔۔ پتھر سے تراشا ہوا بت، ناک کی سیدھ میں دیکھنے والا۔ سر اٹھا کر چلنے والا۔ اکھڑ، سنجیدہ، مغرور اور حاکم۔

بارات کا انتظام شامیانے لگا کر کیا گیا تھا اور بڑی اعلا ضیافت کا انتظام تھا۔ پھر روایتی قسم کی رسومات بھی چلیں۔ جن پہ افراح بھابھی کا موڈ ٹھیک ہی رہا۔ پھر دیان کو خواتین والے حصے میں بلایا گیا۔ باجیوں اور دور نزدیک کی شرارتی کزنز نے بھی رسومات کے ایک ایک پل سے حظ اٹھایا تھا۔ گو کہ دیان ان لمبی چوڑی رسومات کو سخت ناپسند کر رہا تھا، لیکن بظاہر اس نے جتانے یا تیور دکھانے سے گریز کیا تھا۔ اور ڈھیروں دعاؤں کے سائے تلے، محبتوں کی پتیاں نچھاور کرتے ہوئے امن آباد کے مکینوں نے چاشین کو اس گھر سے رخصت کردیا تھا اور وہ اپنے تیسرے اور آخری ٹھکانے کی طرف محو سفر تھی۔ ایک پرنم اور قدرے خوش گوار سفر تھا۔ جس گاڑی میں چاشین تھی۔ اس میں ڈرائیور، اروب بھائی جان، چاشین اور اس کی دو چھوٹی سی سنہری تتلیاں تھیں۔ امن اور امان۔۔۔ سنہری بالوں والی خوب صورت گڑیائیں۔۔۔ قریب بارہ اور گیارہ سال کی تھیں۔ وہ اس کے دائیں اور بائیں موجود تھیں۔ دونوں نے اس کا ایک ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اور اس کے کانوں میں تھی چہکتیں۔

"تم تو چاشین ہو پھر سب لوگ تمہیں "میٹھی" کیوں کہتے؟" امن اس سوال کا جواب جاننے کے لیے کب سے تنہائی کی منتظر تھی اور یہ موقع اسے گاڑی میں ہی میسر آگیا۔ اس گاڑی میں بہت سخت سا بھائی نہیں تھا اور موڈی سی ممی بھی نہیں تھیں۔ بس شفیق سے بابا تھے۔ جن کی موجودگی میں وہ نئی نویلی پیاری سی بھابھی سے گپ شپ لگا سکتی تھیں۔ وہ بھابھی جو بہت چھوٹی سی تھی اور غصیلے بھائی سے بہت الگ بھی۔۔۔ دیکھنے میں گڑیا ہی لگتی۔ دونوں کو اپنی اکلوتی بھابھی پسند آچکی تھی۔ چاشین کو ان کا سوال بڑا اچھا لگا۔ اس نے تھوڑا سا سر اٹھا کر امن کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ہولے سے مسکرا دی۔

"مجھے تو سب یہی کہتے ہیں، میٹھی، مٹھاس، شیریں، چاشنی۔۔۔ میرے نام کا یہی مطلب بنتا ہے۔" اس نے سادگی سے بتایا تھا، لیکن اس کے دائیں بائیں بیٹھی مخلوق قطعی طور پہ سادہ نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی سنہری آنکھوں کو سکیڑ کر سر ہلایا۔

"لیکن میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔ یہی کہ دیان بھائی تمہیں کیسے بلائیں گے؟ کیا کہیں گے؟ میٹھی؟ مٹھاس یا چاشنی۔۔۔؟" ایسا سنجیدہ انداز تھا جیسے بہت ہی مشکل صورت حال درپیش تھی۔ اور بڑا ہی غور طلب معاملہ تھا۔ چاشین تو اس بولڈنیس پہ پسینہ پسینہ ہو چکی تھی۔ دل تو پہلے ہے دیان کے نام پہ دھک دھک کرنے لگا تھا۔ اوپر سے ان دونوں کے سوال نے اس کے چھکے ہی چھڑا دیے۔ مارے گھبراہٹ کے اس کا سر جھک گیا تھا۔ ان کی یہ گفتگو "دیان ہاؤس" میں داخل ہوتے ہی سمٹ گئی تھی۔

گاڑی دیان ہاؤس کے پورٹیکو میں آکر رک گئی تھی۔ وہ دونوں اچھل کر باہر نکلیں۔ پھر امن اور امان نے اسے سہارا دے کر باہر نکالا۔ پورا گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے استقبال کے لیے باہر کوئی نہیں آیا۔ افراح بھابھی اور دیان کی گاڑی پہلے پہنچ چکی تھی۔ وہ اس وقت کہاں تھے؟ اس کے سن ہوتے دماغ میں کوئی بات سما نہیں رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

یہ ایک خوب صورت پرانے طرز پہ بنا بنگلہ تھا۔

پھلوں کے درختوں اور ہرے بھرے باغیچوں سے سجا۔ دارالحکومت کے مضافات میں سرکاری اراضی پر بنا یہ بنگلہ کسی کی اعلا سوچ کا شاہکار لگتا تھا۔ یہ اراضی افراح بھابھی کے والد کو فوج سے ریٹائرڈ ہونے پہ ملی تھی۔ وہ فوج کے اعلا عہدے سے ریٹائرڈ تھے۔ افراح بھابھی ان کی اکلوتی اولاد تھیں۔ یوں اردب بھائی ہمیشہ سے گھر داماد ہی رہے۔ جب بھی پنڈی ہیڈ کوارٹر پوسٹنگ ہوتی' ان کا ٹھکانا "دیان ہاؤس" بن جاتا۔ جو تھا تو ان کے سسر کا بنگلہ' لیکن دیان ہاؤس کے نام سے ہی جانا جاتا تھا۔ کیوں کہ نانا نے اپنی پراپرٹی دیان کے نام لگادی تھی۔ نانا اور نانو کی دیان میں جان بند تھی۔ جو محبت' توجہ اور چاہت دیان کے حصے میں آئی تھی وہ امن اور امان کو نہیں مل سکی۔ نانا اس گھر کے ہیڈ تھے۔ جنہیں سب ڈیڈ جی کہا کرتے اور نانو سب کی مام جی تھیں۔ یہ اتنی سی مدت میں معلومات امن اور امان نے بہم پہنچائی تھیں۔ وہ اس کی خواب گاہ تک ساتھ ساتھ تھیں۔ اپنے گھر کے اس خاص کمرے تک ان دونوں نے جاشین کی رہنمائی کی تھی۔ دونوں نے اس کا دایاں اور بایاں ہاتھ تھام رکھا تھا۔

وہ اسے ایک پرتعیش' عالی شان کمرے میں لے آئیں۔ دبیز قالین اور نفاست سے سجا یہ کمرہ دیان کی شبستان تھا۔ جس میں ڈبل بیڈ' صوفہ سیٹ' رائٹنگ ٹیبل اور فائلوں' کتابوں' سرکاری کاغذات سے بھرا ایک بک ریک بھی شامل تھا۔ اس کمرے کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی۔ یہاں پہ دیان کی تصویروں کا پورا کلیکشن تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک کی تصویریں' جن کے خوب صورت کلوزاپ نگاہوں کو بار بار روک رہے تھے۔ زیادہ حیرانی اسے تب ہوئی تھی جب امن اور امان اپنی سنہری ہیل پہ گھومتیں جاشین کا ہاتھ تھامے ایک دوسری سمت' ایک الگ کمرے کی طرف آگئیں۔ یہ بھی پرتعیش روم تھا۔ ویسی سجاوٹ اور نفاست سے نگاہوں کو بھلا معلوم ہوتا۔ چونکی تو وہ تب جب اسے خیال گزرا تھا۔ اس کمرے میں جاشین کے جہیز کا سامان سجا تھا۔ "اور تم تھکی تو نہیں؟"

امن کو بے ساختہ خیال آیا تھا۔ اس نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔" حالانکہ انگ انگ میں تھکن اتر رہی تھی اور سارا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ شاید تھکاوٹ سے بخار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی تھکی تھکی آنکھوں کو دبایا تھا۔ ابھی ان دونوں کا لمبی گفتگو کا ارادہ تھا' لیکن دروازہ کھلا اور کوئی اندر آتا دکھائی دیا تھا۔ دونوں بچیاں جلدی سے بیڈ سے اتر گئیں۔ دونوں کے چہروں پہ "آنا" فانا" ہراس اتر آیا تھا کیوں کہ آنے والے چہرے پہ تاثرات ہی ایسے تھے۔ آنے والی خاتون کے تاثرات اچھے نہیں تھے۔ ان کے چہرے پہ برہمی پھیلی تھی اور سنہری آنکھوں میں غصہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ ان دونوں بچیوں کو غصے میں ڈپٹ رہی تھیں۔

"تم دونوں یہاں گھسی ہو' مام جی کو سلام تک نہیں کیا۔ فولش گرلز!" ان کا چہرہ بھی سرخ تھا اور موڈ بہت آف۔ لگتا نہیں تھا۔ صرف بچیوں پہ غصہ ہے۔ جانے کسی اور بات پہ بھی غصہ تھا۔ جسے جاشین سمجھ نہیں سکی تھی۔ بس ہونق انداز میں انہیں دیکھتی رہی۔ دونوں فورا" سینڈلز اٹھا کر باہر بھاگ گئیں' لیکن جاتے جاتے جاشین کو اشارہ ضرور کیا تھا۔

"وفیتھی! صبح ملیں گے۔ ٹیک کیئر' اینڈ سی یو سون۔" انہوں نے پیار سے ہاتھ ہلائے اور باہر نکل گئیں۔ اس طلسماتی خاموشی میں جاشین اکیلی کھڑی رہ گئی تھی افراح بھابھی کی نگاہوں کے سامنے۔ وہ اسے بغور تک رہی تھیں اور جاشین ان کی نگاہوں سے کنفیوز ہو رہی تھی۔ انہوں نے گہرا سانس لے کر اپنی خوردبین جیسی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹالی تھیں اور ابھی جاشین سکھ بھرا سانس لے بھی نہیں پائی تھی جب افراح نے اپنے مخصوص تحکم بھرے لہجے میں کہا۔

"اپنا حلیہ درست کرو۔ اس روایتی گیٹ اپ کو چینج کرو۔ دیان کا مزاج پہلے ہی گرم ہے۔ تمہیں اس حلیے میں دیکھ کر بگڑ جائے گا۔ اسے یہ مصنوعی چیزیں اٹریکٹ نہیں کرتیں۔" انہوں نے کسی قدر بے زار

لہجے میں اپنے بیٹے کی ناپسند کو واضح کیا تھا۔ اس کا سپنوں سے سجا دل ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے ارمانوں پہ برف گر گئی تھی۔ انہیں پتا ہی نہیں چلا تھا۔ جھکے سر اور جھکی آنکھوں والی جاشین کے سیاہ کٹوروں میں نمکین پانی بھرتا ہی جارہا تھا۔

"اس روم میں تمہارا سامان ہے اور دیان اپنے روم میں اپنی چیزوں کے علاوہ کچھ اور پسند نہیں کرتا۔ اس کی نیچر ہی ایسی ہے۔ شروع سے الگ تھلگ رہا ہے فیملی سے۔۔۔ فیملی کانشس نہیں۔ اب بھی اس کی وہی روٹین ہے۔ تم آگئی ہو تو آہستہ آہستہ بہتری آجائے گی۔" جب وہ پون گھنٹہ واش روم میں میک اپ صاف کرنے اور منہ دھونے کے بہانے آنسو گرا کر باہر آئی تو اسے بالکل بھی امید نہیں تھی وہ ابھی تک روم میں ہی موجود ہوں گی۔ وہ انہیں دیکھ کر ایک مرتبہ پھر گھبرا گئی تھی۔ اس نے سہمی سہمی نگاہوں سے انہیں دیکھا تو وہ اپنے ازلی انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

"اسے گیدرنگز اور لوگوں کی کمپنی پسند نہیں۔ اس کا سرکل خاصا وسیع ہے' لیکن وہ ہرگز بھی سوشل نہیں۔ بس کام کی حد تک لوگوں سے ان ٹچ ہے۔ موڈی ہے۔ اس کا مزاج سخت ہے۔ تمہیں ہی ڈھلنا ہوگا۔ نرم پڑنا ہوگا۔" وہ اپنے بیٹے کے رویے سے اسے روشناس نہیں کرارہی تھیں بلکہ اس کی حدود اور لمٹس کا بتارہی تھیں۔ اسے کہاں تک خود کو محدود رکھنا تھا اور کس حد تک اپنی حیثیت اس گھر میں منوانی ہے۔ جب کہ وہ تو پہلی منزل پر ہی اپنی حیثیت سمجھ گئی تھی۔ جو شخص اپنی شادی کی پہلی رات بھی اپنی فطرت' موڈ اور مزاج کے تابع ہو کر خود میں تبدیلی لانے کا روادار نہیں تھا۔ وہ زندگی کے کسی بھی مقام پہ اپنے معیار سے ایک انچ نیچے آنا گوارا نہیں کرسکتا تھا۔ کیسے جھک جاتا؟ کس طرح سے تابع ہوجاتا؟ اس نے ساری گفتگو کے لفظ لفظ کو گرہ میں باندھا اور اندر تک شکستہ ہوگئی۔ وہ اس کا دھلا دھلایا شفاف اور سادہ روپ دیکھ کر قدرے مطمئن تھیں۔ وہ اس وقت گلابی سادہ سے لباس میں گلابی رنگ کے سارے عکس چہرے پہ لیے خاموش اور سوگوار کھڑی تھی۔ اپنے لیے دوسرے حکم نامے کی منتظر؟

"تمہیں صبح مام جی سے ملوایا جائے گا۔ ابھی وہ دواؤں کے زیر اثر آرام کررہی ہیں۔ ڈیڈ تمہیں اس گھر کے معاملات سمجھادیں گے۔ کل ولیمے کا فنکشن ہے۔ اس ریسپشن کے بعد روٹین لائف معمول پہ آجائے گی۔ اینی وے۔۔۔ میرے ساتھ آؤ۔" وہ ہاتھ باندھے غلاموں کی طرح اپنی ساس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ انہوں نے جو کہا' اس نے سن لیا۔ انہوں نے جو کہا' اس نے سمجھ لیا۔ انکار کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اعتراض کا کوئی جواز نہیں تھا۔ سوال کا کوئی جواز نہیں تھا۔

وہ کچی مٹی سے گوندھی ہوئی مورت تھی۔ اسے جس سانچے میں ڈھالا جاتا۔ آرام سے ڈھل جاتی۔ دیان کا روم اس کی شاید آخری منزل قرار پائی تھی۔ ابھی اس معمے کو حل ہونا تھا یہ آخری ٹھکانہ تھا یا عارضی ٹھکانہ؟ دروازے کے سامنے افراح کے قدم رک گئے تھے۔ جاشین کو بھی بادل ناخواستہ رکنا پڑا۔ پھر انہوں نے لمحہ بھر کے لیے اس کا گھبرایا گھبرایا چہرہ دیکھا اور ٹٹولا تھا۔

"تم میں نفی نہیں ہے۔۔۔ مودب ہو۔ یو آر ویری نائس پرسن۔ مے یو آلویز بی لکی۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ افراح نے دروازہ کھول دیا تھا۔ سنہرا ناب ان کے ہاتھ میں گولائی کے انداز میں گھومتا گیا۔ یہ انگریزی میں کیا تھا؟ تعریف یا دعا؟ اس کا کم فہم محدود علم بے بہرہ ہی رہا۔ وہ سرجھکائے اگلے فرمان کی منتظر تھی۔

"تمہیں دیان اردب کاظمی کا ساتھ مبارک ہو۔ بہت خوش نصیب ہو۔ جو یہاں تک پہنچ گئیں۔ ورنہ اس سومنات انسان سے کئی سورما اور کئی غزنوی ٹکرا ٹکرا کر نیست و نابود ہوگئے۔" ان کے ہونٹ بے آواز ملے تھے اور اپنی بازگشت کے کئی راز افشا کرتے چلے گئے۔ دروازہ کھلا' وہ ایک خوف' ایک سہم' ایک ڈر کا بوجھ اٹھائے سرجھکائے اندر داخل ہوگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں موبائل کان سے لگائے کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ وہ کسی اور زبان میں محو گفتگو تھا۔ جانے کون سی زبان تھی۔ کسی اور ملک کی۔ وہ کسی ماتحت سے بات کر رہا تھا۔ دفتر خارجہ کے ماتحت آفیسر سے۔ اس کے لہجے میں محسوس کیا جانے والا رعب اور تحکم تھا۔ پندرہ منٹ کی یہ گفتگو اختتام پزیر ہوئی تو دیان صاحب نے محسوس کیا۔ کمرے میں کوئی اور ذی روح بھی موجود تھا اس کی توجہ اور نگاہ کرم کی بھیک کا منتظر۔ اس کے پگھلے سورج جیسی سونا اگلتی نگاہوں کا حصار چاشین کے گرد بندھا تو اس کے کپکپاتے ہاتھوں میں نمی بھرنے لگی۔ اس کا نازک سا، کمزور بدن ہولے ہولے لرزنے لگا۔ کھلے علاقوں کی برفانی ٹھنڈ اس کا خون تک سرد کرنے لگی۔ اس کے پیر قالین میں دھنس گئے اور اس کی نگاہیں پیروں پہ جمی تھیں۔ اس کی جھکی نگاہیں اٹھنے کی طاقت کھو بیٹھیں۔ قریب تھا کہ وہ گر جاتی معاً" ایک سرد اور بارعب سی آواز اس کی بہری ہوتی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس کا رواں رواں کان بن گیا۔

"یہاں تک آسکتی ہو تو آگے بحیرہ روم نہیں بہہ رہا جس میں ڈوب جاؤ گی۔ ادھر آؤ۔" دیان کی آواز نیم روشنی میں ابھری تھی۔ چاشین کے جسم میں پھریری سی آئی۔ اس نے سینے میں اٹکا، الجھتا، مچلتا سانس بمشکل کھینچا تھا۔

"یہاں آؤ۔" یوں لمحوں میں فیصلہ ہوا اور چاشین کے لیے جگہ متعین ہو گئی۔ اسے کہاں جگہ ملنی تھی؟ پیروں میں یا پہلو میں؟ اس کی حیثیت کا بھی تعین ہو چکا تھا۔ دیان نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ سر جھکائے حکم پہ عمل پیرا ہوئی تھی اور اس کے قریب بیٹھ گئی۔ دیان نے دو تکیوں کو کراؤن سے لگایا اور فرصت و سہولت سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ گھبرائی تھی، ڈری ڈری سی تھی، سہمی سہمی تھی۔ اس کے انداز میں شرم بھی تھی، خوف بھی تھا، جھجک بھی تھی۔ وہ اس کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ اسے انسانوں کے مطالعے کا خاصا تجربہ تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور اس کے نو عمر سراپے سے نگاہ ہٹالی۔ وہ ہر لحاظ سے دیان اردب کاظمی کے مقام سے بہت پیچھے تھی۔ سوچ میں، عقل میں، عمر میں اور واقعی ہی عمر میں بہت ہی پیچھے تھی۔ بے شمار سال۔ اس کی عمر کتنی ہوگی؟ پندرہ سال یا قریب قریب سولہ؟ اس سے زیادہ کی توقع تو عبث تھی۔

"چاشین؟ یعنی چاشنی میں ڈوبی ہوئی؟ ہاؤ فنی؟؟"

اس کا انداز بدل گیا تو چاشین حیران رہ گئی تھی۔ جانے اس میں فنی کیا تھا؟ وہ سمجھ ہی نہ پائی اور دیان کے ہاتھ کچھ آگے بڑھ آئے تھے، اس نے چاشین کے رخسار کو چھوا تھا، وہ خوف سے ہلکا سا کسمسائی تھی۔ دیان کے پتھریلے، سنجیدہ اور خشک تاثرات میں واضح بدلاؤ آگیا تھا۔ اس کا نازک سراپا لرزنے لگا۔ کانپنے لگا، اسے شرم آرہی تھی۔ اس نے جھکی آنکھوں سے خود پہ ایک موسم اترتے دیکھا۔ جانے خزاں کا تھا، جانے بہار کا تھا، جانے جاڑے کا تھا۔ وہ تو سمجھ ہی نہ پائی تھی۔ اس کے اوپر تو چھایا ہوا موسم خود پسندی کا تھا۔ احساس برتری کا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیان کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے قریب تھا، اس پہ جھکا ہوا، چھایا ہوا اور اس کے الفاظ ایسے تھے جیسے ہنزہ کی برف ڈھکی سرمئی چٹانیں۔ سخت نوکیلے اور پتھریلے الفاظ

"اور تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔ تم دیان اردب کی خواب گاہ میں ہوگی۔ اس کے اتنے قریب؟ اس قدر قریب؟۔ ایسی بات ہے نا؟" وہ بڑے دبدبے اور رعب سے پوچھ رہا تھا۔ چاشین بھلا کیا جواب دیتی، لیکن وہ جواب مانگ رہا تھا تو اسے جواب دینا ہی تھا۔ بولنا ہی تھا۔ دل چاہتا یا نہ چاہتا۔

"جی۔" اس جی میں دیان کے احساس برتری کی تقویت تھی۔ وہ ایسے مسکرایا، جیسے کوئی فاتح جرنیل مسکراتا ہے۔ اور یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو اس کے گلابی ہونٹوں پہ چمکی تھی۔ ورنہ لگتا نہیں تھا۔ اس چہرے پہ کبھی مسکراہٹ آسکتی ہے۔

"تم اپنے نام کی طرح ہو۔ چاشنی میں ڈوبی ہوئی۔" اس کا لہجہ خواب آگیں تھا۔ لبریز، بھرا ہوا۔ چھلکتا ہوا اور اس کی شرابی نگاہوں کا سم قاتل اس کے

دل کو اپوانوں کو پاگل کر رہا تھا۔ وہ ایک موسم کی طرح اتر آیا۔ چھا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے۔ اسے جاننا اور پہچاننا بھی مشکل ہے' یہ ایک راز ہے' ایسا راز کہ جس نے راز جان لیا وہ مر گیا اور جو نہ جان سکا وہ مارا گیا۔ اور اس پہ زندگی کے عجیب راز منکشف ہو رہے تھے۔ حالانکہ ابھی تو ابتدا تھی۔ آگے نجانے کیا کچھ اور ہونا باقی تھا۔ ولیمہ کے بعد زندگی معمول پہ آگئی تھی۔ اور ولیمہ پہ امن آباد پورا کا پورا اٹھ آیا تھا۔ ولیمہ ریسپشن بہت اعلا تھا۔ اس نے اپنے ولیمے کے فنکشن میں بڑا ہی گلیمر دیکھا تھا۔ جن میں زیادہ اروب بھائی جان' افراح بھابھی کے فرینڈز شامل تھے۔ اعلا سرکاری عہدیداران' دیان کے آفیسرز اور ماتحت' کولیگز اور قریبی دوست۔ ان میں ایک وہ بھی شامل تھی۔۔۔۔ کاشمیر الودھی۔۔۔۔ بہت شاندار' خوب صورت' اور با اعتماد۔ دیان نے اس کا تعارف بس اتنا ہی کرایا۔

"وش ائما ئی کولیگ۔" فنکشن کے اختتام پہ جب دیان اپنے مہمانوں کو سی آف کر رہا تھا تب افراح بھابھی کو کاشمیر اکا اس سے تعارف کروانا یاد آیا تھا۔

"یہ کاشمیر اہے۔ ہمارے فیملی فرینڈز کی بیٹی۔ دیان کی کلاس فیلو اور کولیگ بھی ہے۔" اس دوران کاشمیر ا بے نیازی سے مسکراتی رہی تھی۔ پھر اس کے قریب دیوان پہ بیٹھ گئی۔ بعد ازاں وہ اس سے ایسے گفتگو کر رہی تھی جیسے برسوں سے واقف کار ہو۔ دوست ہو۔ اور صدیوں سے اسے جانتی ہو۔ وہ اپنے ظاہری حلیے کے برعکس اتنی تیکھی نہیں تھی۔ وہ ٹونگ سی تھی۔ ہنس مکھ اور با اعتماد۔۔۔ ظاہر ہے اتنی بڑی پوسٹ پہ تھی۔۔۔ اتنی قابل اور تعلیم یافتہ تھی۔۔۔۔ اعتماد تو اس میں ہونا ہی تھا۔ کشمیرا نے اسے سے بہت سوال کیے۔ ذاتی زندگی کے بارے میں' اس کی تعلیم' مصروفیت' مشاغل۔۔۔۔ اور جب جاشین نے ایک لائن میں اس کے ہر سوال کا جواب دیا تو وہ حیران رہ گئی تھی۔ دیان نے اس لڑکی سے شادی کی تھی؟ جو کسی بھی لحاظ سے دیان کے ہم پلہ نہیں تھی۔

"میں نے دسویں کے فائنل پرچے نہیں دیے۔ بیچ میں ہی شادی ہو گئی۔۔۔۔ میری مصروفیت کچھ بھی نہیں۔ شادی سے پہلے گھر تھا اور کتابیں۔۔۔۔" اس نے سر جھکا کر بتایا تھا۔ یوں جیسے اعتراف جرم کیا ہو۔

"تم کیسے بہت پڑھی لکھی ہو سکتی ہو۔۔۔۔ اس ایج میں تمہیں دسویں کلاس میں ہی ہونا چاہیے۔ ماسٹرز لیول پہ تو نہیں۔ آئی ایم شاکڈ۔۔۔۔ دیان نے تم سے شادی کی۔۔۔۔ بلکہ تم نے دیان سے شادی کی۔۔۔۔ دیان تو۔۔۔۔ اینی وے' تم سے مل کے اچھا لگا۔۔۔۔ گلیڈ ٹو سی یو ڈیئر! ہم آئندہ بھی ملیں گے۔" کاشمیرا نے نزاکت سے اس کے گال سے اپنا گال ہلکا سا مس کیا اور اٹھ کر اسٹیج سے اتر گئی تھی۔

تب جاشین بھی اپنی باجیوں اور کزنز کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ وہ لوگ واپس جانے کے لیے تیار تھے۔ باجیاں اس کی گلیمر لائف پہ رشک کر کے چلی گئیں۔ پھر رات گئے وہ لوگ دیان ہاؤس لوٹ آئے۔ آج بھی دیان ہاؤس میں خاموشی تھی۔ نوکروں کی چہل پہل بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ بیرونی اکا دکا لائٹس آن تھیں۔ افراح بھابھی کے ساتھ وہ اپنے روم میں تھی۔ معاً" دروازہ کھلا اور بال تولیے سے رگڑتا دیان باہر آیا۔ اس نے جسم پر محض بنیان پہن رکھی تھی۔ کمرے میں کچھ اور نفوس دیکھ کر اس نے صوفے پہ رکھی شرٹ پہن لی پھر ماں کو دیکھ کر ان کے قریب آگیا۔ وہ دونوں ہیٹر کے پاس بیٹھی تھیں۔ وہ ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا۔

"کبھی اپنی چیزیں بھی سمیٹ لیا کرو۔" ان کا انداز جتلانے والا تھا۔ وہ بالوں میں انگلیاں پھیرتا بیٹھ گیا۔

"اس کو آپ کس لیے لائی ہیں۔۔۔۔؟" اس نے آنکھ کے اشارے سے پوچھا تھا۔ بڑا تیکھا سا انداز تھا۔

"آرگنائزیشن کے لیے نہیں۔" وہ بات بدل کر بولی تھیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
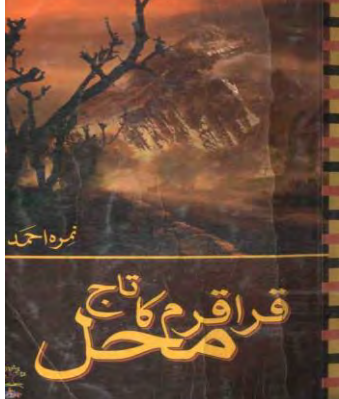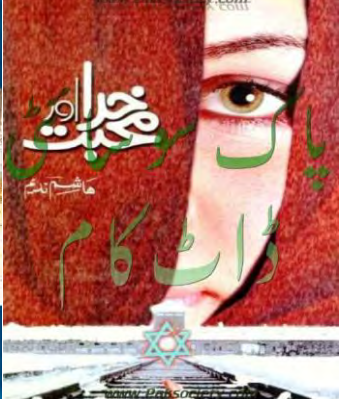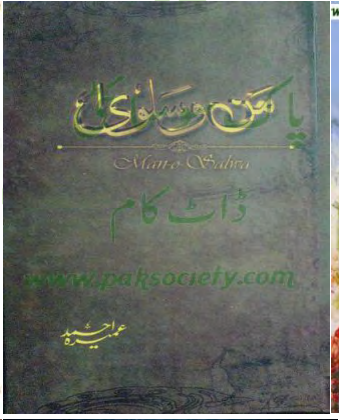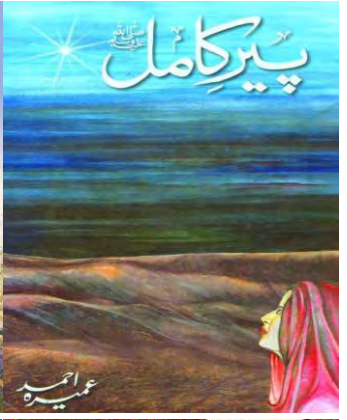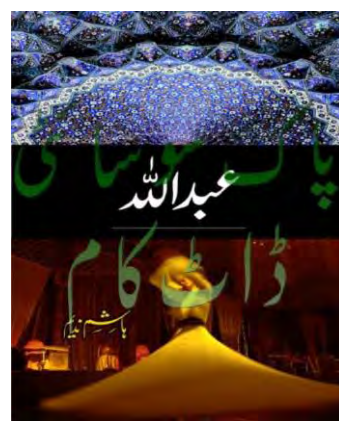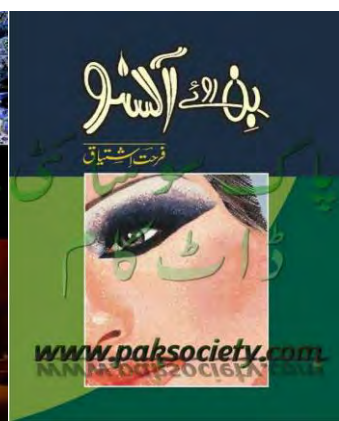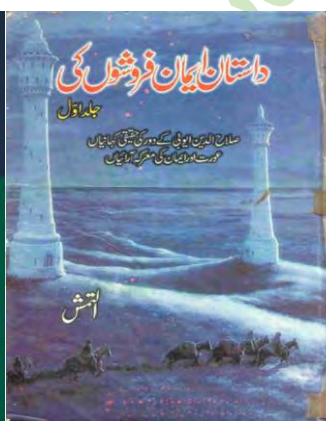
"تو کس کے لیے؟۔۔۔" وہ بات کو چھوڑتا نہیں تھا۔

"ویری سمپل' تمہارے لیے۔۔۔" انہوں نے چڑ کر جواب دیا تھا۔

"تو یہ سارے کام میرے ہیں نا۔۔۔ اس کو سمجھا دیں۔۔۔ مجھے بھی بے ترتیبی پسند نہیں۔" بڑے شاہانہ انداز میں بتایا گیا تھا۔ جاشین گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

"آف کورس یہ تو اسے کرنا ہی ہے۔ اینی وے میں گرم دودھ بھیجتی ہوں۔ تم اب آرام کرو۔ اسے بھی دودھ پلا دینا۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پہ ملاقات ہوگی۔ گڈ نائٹ۔" افراح نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔

وہ سنگھار میز کی طرف بڑھا جس کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے بڑا دل لگا کر بال سنوارے تھے۔ جما جما کر برش کیا تھا۔۔۔ پھر باڈی اسپرے سے خود کو مہکایا۔ پھر وہ چپکے سے اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنا جھکا سر اٹھا ہی نہ سکی۔ اس کی نگاہیں دیان کے پیروں پر جمی رہیں۔ گورے' بے داغ سفید اور مضبوط پاؤں۔ اس کا دل پہلو میں زور زور سے دھڑکنے لگا۔ رات کا فسوں سر چڑھ کے بولنے لگا۔

"یہاں آؤ۔۔۔" نیم خاموشی میں دیان کی آواز ابھری تھی۔ وہی تحکم بھرا لہجہ تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ اپنی ماں سے اتنے ہلکے پھلکے لہجے میں مخاطب تھا' اور اب سنجیدہ سا' لیا دیا انداز تھا دیان کا۔ جو جاشین کے لیے مخصوص۔ اس حکم نامے پر جاشین کو سر اٹھا کے دیکھنا پڑا تھا۔ اور اس کا ایک ہاتھ جاشین کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ اس کے دیکھنے پر نگاہیں ملیں تو جاشین کا جی دھڑک اٹھا تھا۔ "میں مزاجاً مختلف ہوں۔۔۔ انفرادیت کو پسند کرتا ہوں۔۔۔ لیکن اپنی ذات کی حد تک۔۔۔ تم یہاں میری وجہ سے ہو۔۔۔ اور مجھ تک محدود رہو گی۔۔۔ تمہاری پچھلی زندگی کیا تھی؟ کس طرح سے تھی' اسے بھول جاؤ۔۔۔ اس نئے سیٹ اپ میں خود کو ایڈجسٹ کرو۔ تم میری ذات کے دائرے میں مقید ہو۔۔۔ سوچو گی تو صرف مجھے' دیکھو گی تو صرف مجھے۔۔۔ چاہو گی تو صرف مجھے۔۔۔ تمہارا خیال' تمہاری سوچ' تمہارا شعور آج کے بعد میرے پاس گروی ہے۔ تمہارے احساسات' جذبات' خواب اور امنگیں میرے حصار میں ہیں۔۔۔ تم دھڑکو گی تو میرے اندر اور سانس بھی لو گی تو مجھ سے پوچھ کر۔۔۔ یہ گھر تمہارا آخری شبستان ہے۔۔۔ آخری جائے پناہ۔۔۔ اور اس گھر میں میرے دو مضبوط حوالے ہیں۔۔۔ مام جی اور ڈیڈ۔۔۔ تمہاری پہلی اور آخری ریسپانسبلٹی (ذمہ داری) ان دونوں کو تم سے شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ اور شکایت کا مطلب یہ ہو گا تمہارا اس طلسماتی بنگلے سے ہمیشہ کے لیے کوچ۔۔۔ میری زندگی میں رہنا چاہتی ہو تو میرے تابع رہو گی۔ میری مرضی پہ چلو گی۔۔۔ اور میرے اصولوں سے انحراف نہ کرو گی۔۔۔ اگر نہیں' تو تم پہ کوئی پابندی نہیں۔۔۔ کوئی زبردستی نہیں۔۔۔ میں تمہیں اس قید سے آزاد کر سکتا ہوں۔" وہ اس کے کان پہ جھکا' دھیمی بوجھل آواز میں اپنی سونا پگھلاتی آنکھوں کا سم قاتل انڈیل رہا تھا۔۔۔ اور وہ گم صم ہوتی سماعتوں سے ساکت کھڑی تھی۔ ایسے مجسمے کی طرح جو چاندی میں ڈھلتا تھا۔۔۔ لیکن بے سانس کھڑا تھا۔ دیان کے الفاظ میں ایسا کرنٹ تھا جس نے جاشین کو پوری جان سے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ وہ پتھرائی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر اس کے سرخ چمکیلے ہونٹوں پہ تڑپ سی ابھری۔

"نن۔۔۔ نہیں صاحب! مجھے آزادی نہیں چاہیے۔۔۔" اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا تھا۔ سہم اتر آیا تھا۔ ڈر اتر آیا تھا۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ اسے یہی زندگی قبول تھی۔ دیان کی قید منظور تھی۔ وہ تو کشتیاں جلا کر آئی تھی۔ ہر لڑکی میکے کی دہلیز پار کر کے کشتیاں جلا ڈالتی ہے۔ پھر لوٹنے یا پلٹنے کا کیا گمان؟ وہ جانتی تھی ادھر سے دھتکاری جاتی تو اسے جان عزیز چچا بھی قبول نہ کرتے۔ وہ اس کا فرض ادا کر چکے تھے۔ مطمئن ہو چکے تھے۔۔۔ اور جاشین کسی نادانی میں آ کر اپنی زندگی وبال کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ان کے خاندان میں ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا۔ لڑکی شادی کے

بعد میکا چھوٹتی اور سسرال سے مر کے ہی نکلتی۔۔۔ تو پھر ایسی بات تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھی۔ اس کی تڑپ میں کچھ تو ایسا تھا جس نے دیان کو چونکا دیا تھا۔ اس نے تپتی نگاہ سے اس کا گھبرایا گھبرایا خوف زدہ چہرہ دیکھا اور مسکرا دیا۔ وہی مسکراہٹ تھی۔ کسی فاتح جرنیل سی۔ جو علاقوں پہ علاقے فتح کر رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔ تو جاشین! تمہیں میری قید قبول ہے۔"

دیان نے اس کو اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔ یہ پر جوش سا اظہار تھا۔ شاید جاشین کی فرمانبرداری کے عوض۔۔۔ وہ ایسی نوازشات لٹانے کا عادی تو نہیں تھا پھر بھی۔۔۔ اپنی سطح سے کچھ نیچے آکر اپنے مقام، سوچ اور غرور سے کچھ نیچے آکر اسے اپنی زندگی میں جگہ دینے پر تیار ہو چکا تھا۔۔۔ وہ ٹھیک تھی' بے ضرر' خاموش' تابع' مرعوب اور فرمانبردار۔۔۔ اس کی پسند تو نہیں تھی مگر پسندیدہ سانچے میں ڈھل سکتی تھی۔ وہ بحیثیت بیوی اسے قبول کر چکا تھا۔ اپنی زندگی میں جگہ دے چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

روٹین لائف کا اس گھر میں صرف ایک ہی مفہوم تھا۔

ڈسپلن۔۔۔ یعنی نظم و ضبط۔۔۔ گھڑی کی سوئیوں پہ بھاگنا۔ ٹوٹ جانا۔ بکھر جانا۔ اور آخر پہ رو پڑنا۔۔۔ رونا بھی اس گھر میں آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے تنہائی چاہیے تھی۔۔۔ جو اسے کم ہی نصیب ہوتی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی۔ اتنے کم نفوس تھے پھر بھی کام ختم کیوں نہیں ہوتا تھا؟ اروب بھائی جان اور افراح بھابھی پنڈی چلے گئے تھے۔ امن اور امان کانونٹ میں پڑھتی تھیں۔ بورڈنگ میں رہتیں۔ اور دیان صاحب بھی اسلام آباد۔۔۔ اپنے دفتر کی مصروفیات میں بزی۔۔۔ رات کو پنڈی والے گھر میں اس کا قیام ہوتا تھا۔ یہاں پر ویک اینڈ پہ آتا اور اب تو شاید روٹین بدل لی تھی۔ ویک اینڈ پہ آنا بھول گیا تھا۔ گھر میں مام جی تھیں۔۔۔ ڈیڈ تھے۔۔۔ اور نوکر۔۔۔ جن میں دو مالی' ایک چوکیدار اور اس کی بیوی شامل تھی۔ جو گھر کی صفائی کرتی تھی۔۔۔ باقی سارے کام جاشین کے ذمے تھے۔

اسے اندازہ نہیں تھا۔۔۔ ایک فوجی ریٹائرڈ آفیسر اس کی ماڈ' اسکاؤ نخریلی بیوی کے ساتھ وقت گزارنا کتنا مشکل تھا۔ کتنا تکلیف دہ تھا۔ اگر دیان نے زندگی ان دو لوگوں کے ساتھ گزاری تھی تو پھر وہ کیسے ان لوگوں سے مختلف ہو سکتا تھا؟ اسے جلد ہی پتا چل گیا تھا۔ افراح بھابھی نے دیان کو پیدا کرنے کا تکلف تو کر لیا تھا۔ لیکن اپنی تعلیم' اسکالرشپ کی خاطر دیان کو اپنے والدین کے پاس چھوڑ کر باہر چلی گئی تھیں۔ دیان ایک لمبا عرصہ اپنے ماں باپ سے دور اپنے نانا' نانی کے پاس رہا۔ یوں اس کی زندگی پہ ان دونوں کا گہرا اثر تھا۔ وہ ان سے شدید محبت کرتا تھا۔ اور ان دونوں کی بھی دیان میں جان بند تھی۔ مام جی اپنی بیٹی سے زیادہ ماڈرن تھیں۔ نفیس لباس پہنتیں۔ اعلا سے اعلا ساڑھی زیب تن کرتیں۔ صبح صبح ایسے بن ٹھن کے ٹیبل پر آتی تھیں جیسے ابھی کسی بزنس میٹنگ میں شرکت کرنا ہوتی تھی۔ حالانکہ جاشین نے کبھی انہیں گھر سے باہر نکلتے نہیں دیکھا تھا۔

افراح بھابھی جب پہلی مرتبہ اسے مام جی کے سامنے لائیں تو انہیں جاشین خاص پسند نہیں آئی تھی۔

"دیان کی عقل خراب ہے۔" یہ اسے دیکھنے کے بعد ان کا پہلا تبصرہ تھا۔ انہوں نے منہ بنا کر سرتاپا اس کا جائزہ لیا۔

"آپ اسی کو ڈیزرو کرتی ہیں مام جی! کوئی اور آپ کی ناک تلے بھی نہ آتی۔" افراح بھابھی نے بگڑ کر جواب دیا تھا۔ پھر اسے لے کر باہر نکل گئیں۔ یوں مام جی سے اس کا پہلا تعارف ہوا تھا۔ ڈیڈ ان سے تھوڑے مختلف تھے۔ ان کی اپنی بے شمار مصروفیات تھیں۔ باغبانی' کتابیں لکھنا' آرٹیکل پڑھنا۔۔۔ دوستوں سے ملنا ملانا۔ لیکن ڈسپلن پہ ان کا بھی کوئی کمپرومائز نہیں تھا۔ وہ گھر میں بھی فوجی بنے رہتے۔ ڈسپلن' مینرز اور ایٹی کیٹس ان کی روحوں میں رچے ہوئے تھے۔

مام جی کے بارے میں صاحب کا حکم تھا۔

"چاشین! تمہیں مام جی کا سایہ بنے رہنا ہے۔ انہیں دن کے کسی بھی وقت اکیلا نہیں چھوڑنا۔ نسیم کے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ تمہیں مام جی پہ نظر رکھنا ہوگی۔" اس حکم میں ایک تنبیہہ تھی۔ ایک احتیاط بتائی گئی تھی۔ مام جی کا خیال رکھنا ایک الگ بات تھی۔ ان کا سایہ بنے رہنا ایک الگ بات تھی۔ اور ان پہ نظر رکھنا ایک الگ بات۔

اس دن سے چاشین مام جی کا سایہ بن گئی۔۔۔ وہ جہاں جاتی تھیں، چاشین ان کے پیچھے پیچھے رہتی تھی۔ وہ پورا دن اوپر نیچے چکراتی رہتیں۔ تھکتی بھی نہیں تھیں۔ کبھی اوپر، کبھی نیچے۔۔۔ کبھی اس روم میں، کبھی اس روم میں۔ کبھی فل میک اپ کرکے تیار سی باہر آتیں۔۔۔ اور اسی وقت موڈ بدل جاتا تو جاکے چہرہ دھولیتیں۔ کپڑے تبدیل کرلیتیں۔۔۔ اور اصل امتحان تو وہ تب لیتیں جب اتنی شدید ٹھنڈ میں کوٹ، مفلر، کیپ پہنے پورے باغیچے میں مارچ پاسٹ کرتیں۔۔۔ پانچ کینال پہ مشتمل یہ باغیچہ اتنا وسیع تھا کہ چل چل کر چاشین کے پاؤں شل ہوجاتے تھے۔ ٹھنڈ سے وہ برف ہوجاتی۔ جبکہ مام جی۔ پہ شدید ٹھنڈ اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ ایک تو ان کی خوراک طاقت ور تھی۔ گرم اور صحت بخش۔ یخنیاں، سوپ، میوہ جات، دیسی چکن، فروٹس اور دوسرے وہ گرم دوائیں کھاتی تھیں۔ ٹھنڈ ان پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی جبکہ کمزور جان چاشین کا بڑا ہی برا حال تھا۔

پھر وہ اپنا پیچھا کرنے پر ناراض بھی ہوتی تھیں۔ باتیں بھی سناتی تھیں۔ لیکن چاشین کیا کرتی؟ سب کچھ سنتی تھی، سہتی تھی، اندر ہی اندر آنسو پیتی تھی۔ کیونکہ وہ صاحب کے حکم کی پابند تھی۔

انہیں چاشین ناپسند تھی۔۔۔ اور اسے اندازہ نہیں تھا۔ ڈیڈ کے سامنے وہ اس کی شکایتیں کرنا شروع ہوجائیں گی۔ وہ تو ایک دم بوکھلا کر گڑبڑا گئی تھی۔ ڈائننگ ہال میں اسے دیکھتے کے ساتھ ان کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی۔ "اس اسٹوپڈ لڑکی کو کیوں بلایا ہے؟" انہوں نے تیکھے انداز میں شوہر کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ وہ تھوڑے سے خفیف ہوگئے تھے۔

"تمہاری بہو ہے اس لیے۔۔۔" انہوں نے نرمی سے بیگم کو بتایا۔

"اوں۔ ہوں۔" وہ نخوت سے گویا ہوئیں۔۔۔ "یہ ہماری بہو نہیں ہوسکتی۔ ایڈیٹ ہے، اسٹوپڈ گرل، ود آوٹ ایبلٹیز۔۔۔ فولش گرل۔۔۔ یہ ڈل ہے، سلو، بلاک ہیڈڈ (کند ذہن)۔۔۔ "اور۔۔۔ اور مجھے تنگ کرتی ہے۔۔۔ میرا پیچھا کرتی ہے۔۔۔ ہر وقت میرے سر پہ سوار رہتی ہے۔ مجھے بالکل بھی نہیں پسند۔۔۔ دیان سے کہیں، اسے یہاں سے بھیجے۔۔۔" انہوں نے بچوں کی طرح ٹھنک کر کہا تھا۔

"اوکے، اوکے۔۔۔ ایسا ہی ہوگا۔۔۔ یہ خود سے نہیں کرتی۔ دیان اس کو کہتا ہے۔ آپ کا خیال رکھے۔" انہوں نے مام جی کے بگڑے موڈ کو بحال کیا تو وہ سوچ میں پڑگئی تھیں۔

"دیان کہتا ہے اسے؟ ہوں۔۔۔ اچھا، دیان کہتا ہے تو ٹھیک ہی کہتا ہے۔" انہوں نے چپ چاپ تسلیم کرلیا تھا۔ اور چاشین اس دوسرے معمے میں بالکل الجھ کر رہ گئی تھی۔ ابھی تو پہلا معمہ حل نہیں ہوا تھا۔ اور اس سے تو شاید کوئی بھی معمہ حل نہ ہوپاتا؟ وہ ایک ایسے ہی گورکھ دھندے میں الجھ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

سردیوں کے دن ایسے ہی سرد' خشک اور بے جان تھے۔ اوپر تلے سکوں کی مانند گرتے جارہے تھے۔ دن چڑھتے اور ڈھلتے۔ کبھی دھوپ آتی تھی' کبھی نہیں آتی تھی۔ اور یہ تاحد نگاہ پھیلا ہوا باغیچہ۔۔۔۔ دور دور تک دھند کی تہوں میں لپٹا نظر آتا تھا۔ مالی تندہی سے اپنا کام کیے جاتے۔ نسیم صفائی ستھرائی میں لگی رہتی اور جاشین گھر کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ ملازمین پر نگاہ رکھتی۔ زیادہ ڈیوٹی مام جی کی دینا ہوتی تھی۔ اس وقت زیادہ پریشانی ہوتی' جب مام جی بغیر بتائے غائب ہوجاتیں۔ تب پورا دیان ہاؤس زلزلے کی زد میں آجاتا۔ یوں مام جی کبھی باغیچے سے برآمد ہوتیں۔ کبھی گھر کے اندرونی حصے میں روپوش ہوجاتی تھیں۔ یہ صورت حال بڑی پریشان کن ہوتی تھی۔ ڈیڈ بھی دیان کی طرح ایک ہی بات کہتے تھے۔

"مام کا خیال رکھا کرو بیٹا! انہیں ہماری ضرورت ہے۔ سم ٹائم انہیں پتا نہیں چلتا وہ کہاں جانا چاہتی ہیں اور کیا کرنا چاہتی ہیں۔" یوں وہ پہلے سے بھی بڑھ کے مام جی کی ڈیوٹی دیا کرتی تھیں۔۔۔۔ اس دن بھی جاشین نے مام جی کی تیاری میں مدد کروائی تھی۔ تب اچانک مام جی کی نگاہ اس کے ہاتھوں اور لباس پر پڑی تھی۔ پھر انہوں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ دھلا دھلایا سادہ سا چہرہ۔ پیشانی تک دوپٹا' بغیر کسی آرائش و زیبائش کے۔ سادہ سے کپڑے تھے۔ جو دھل دھل کر اپنی رنگت کھوچکے تھے۔ اس کے پاس جہیز اور بری میں یہی چند گرم سوٹ تھے۔ بعد میں کسی کو خیال نہیں آیا تھا۔ انہوں نے فورا" اپنے پاؤں پیچھے کیے تھے۔

"تم نہاتی نہیں ہو؟" عجیب سی مام جی نے عجیب لہجے میں پوچھا تھا۔ جاشین گھبرا گئی۔ اس نے فورا" سرہلایا۔

"دو وقت نہاتی ہوں مام جی! صبح و شام۔۔۔۔" جاشین نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"گڈ گرل۔۔۔۔" وہ کچھ خوش ہوئیں۔ "لیکن تمہارے یہ کپڑے؟" مام جی کی خوشی پھر سے کہیں اٹک گئی تھی۔ جاشین ان کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔ وہاں یہ کچھ کچھ ناراضی تھی۔

"کپڑے اور نہیں ہیں۔ موسم زیادہ ٹھنڈا ہوگیا ہے۔ بس یہی پہنتی ہوں۔" اسے بتانا ہی پڑا تھا۔

"وہ آتا ہے ظل پناہ! تو اس سے کہو۔ تمہیں اچھے کپڑے خرید کردے۔ یہ ماسیوں والا حلیہ نہ بنایا کرو۔ برا امیج پڑتا ہے۔ تمہیں پتا نہیں۔ تم کتنے بڑے آفیسر کی بیوی ہو۔" مام جی نے اسے جی بھر کے سنائی تھیں اور وہ چپ چاپ سنتی رہی تھی۔ اس نے ایسے ہی سرہلادیا تھا۔ صاحب کے سامنے بولنے کی یا کوئی فرمائش کرنے کی جرات تھی بھلا۔ ویسے بھی مام جی کا کوئی پتا نہیں ہوتا تھا۔ ابھی کے ابھی مہربان ہوتیں اور دوسرے ہی لمحے بگڑ جاتیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی ان کا موڈ پھر سے آف ہوگیا تھا۔

"یہ تم نے کون سے ویجز نکال لیے۔ ذرا بھی کمفرٹیبل نہیں۔ تم نے سوچا ہوگا۔ بڈھی پھسلے' گرے مرے اور تمہاری جان چھوٹ جائے۔" اب وہ ماتھے پر بل ڈال کر کہہ رہی تھیں۔ ان کا مزاج اپنے نواسے سے قطعا" مختلف نہیں تھا۔ پل میں تولہ ہو جاتا۔ پل میں ماشہ۔ پل میں دھوپ پل میں چھاؤں۔

"آپ نے یہی کہا تھا مام جی!" وہ منمنائی تھی۔

"جھوٹ مت بولو۔ میں نے کینوس شوز کہے تھے۔" مام جی صاف مکر گئی تھیں۔ جاشین چپ کر گئی۔ وضاحت دینا بے کار تھا۔ کیونکہ انہوں نے ماننا ہی نہیں تھا۔

"میں کوئی اور نکال لاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تو انہوں نے روکا۔

"اب یہی ٹھیک ہیں۔" مام جی اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی تھیں۔ خود کا بھرپور جائزہ لیا تھا۔ پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

"ذرا افراح کو کال ملا کردو۔ بڑی خود غرض ہے میری بیٹی۔ ایک کال تک بھی نہیں کی۔ نہ ماں کا حال پوچھنا یاد آتا ہے۔۔۔۔ بلکہ تم میرا پیغام اسے پہنچادو۔" انہوں نے اس کے سر پہ کھڑے ہو کر نمبر ڈائل کروایا تھا۔ پھر اپنی مرضی کے الفاظ اس کے منہ سے کہلوائے تھے۔

جن کا جواب افراح بھابھی نے کچھ اس طرح سے دیا تھا۔

"روزانہ ان سے بات کر کے سوتی ہوں۔۔۔۔ کچھ مصروفیت تھی سو چکر نہیں لگ سکا۔ تم انہیں بتاؤ۔ ہمیں ان کا بڑا خیال رہتا ہے۔ اسی لیے تو تمہیں ان کے پاس چھوڑ رکھا ہے۔" افراح روانی میں بولتی چلی گئی تھیں اور جاشین کو بڑے زور کا دھکا لگا تھا۔ تو کیا افراح بھابھی نے اسے اپنی ماں اور باپ کی خدمت کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ وہ ان کا خیال رکھے' ان کی تنہائی بٹائے۔ کیا وہ محض ایک کیئر ٹیکر تھی؟ اس کا کام صرف ان کی خدمت گزاری تھی؟ اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔۔۔۔ ہوتی کوئی صاحب کی شہری الٹرا ماڈرن تیز طرار بیوی تو ایک لمحہ بھی اس خبطی بڑھیا کے پاس نہ ٹکتی۔ تو بڑا اچھا سودا کیا گیا تھا۔ افراح بھابھی تب ہی اسے اپنے بیٹے کے لیے زبردستی بیاہ لائی تھیں تاکہ اپنے والدین کا بڑھاپا سنوار سکیں۔ کیونکہ کوئی ماڈ اسکاڈ لڑکی یہاں ایک دن نہ گزارتی۔ انہوں نے اپنے بیٹے پہ زبردستی جاشین کو اس لیے مسلط کیا تھا تاکہ انہیں اپنے والدین کا احساس تھا۔ جاشین کے جذبات جائیں بھاڑ میں؟ اس حقیقت کا ادراک ہوتے ہی جاشین کے اندر سے رہی سہی خود اعتمادی بھی اکھڑ گئی تھی اور وہ احساس کمتری کی دبیز تہوں تلے دب کر رہ گئی۔ لیکن ایک احساس اس کے اندر عمر بھر کے لیے پیوست ہو گیا تھا۔ وہ صاحب پہ زبردستی مسلط کی گئی تھی اور وہ صاحب کی ان چاہی شریک حیات تھی۔

☼ ☼ ☼

آنے والا ہفتہ بڑا ہی مصروف گزرا تھا۔ کانونٹ سے امن اور امان بھی آئی ہوئی تھیں اور ارحب بھائی' افراح بھابھی کا بھی بڑے دنوں بعد چکر لگا تھا۔ مام جی اور ڈیڈ بہت خوش تھے۔ اور اس کی خوشی تو ویسے بھی کسی کھاتے میں نہیں آتی تھی نہ اسے خوش ہونے کا کوئی مقصد یاد آتا تھا۔ بس یوں ہوا کہ امن اور امان کے آنے سے گھر کی خاموشی ٹوٹ گئی تھی۔ ایک دم ہلچل اور رونق ہو گئی۔ وہ دونوں جاشین سے کھل مل گئیں اور جاشین کو بھی چپ رہ رہ کر اپنی زبان کے گونگا ہونے کا گمان ہونے لگا تھا۔ یہ گمان بھی ان کے آنے سے ٹوٹ گیا تھا۔

پھر رات کو بغیر اطلاع دیے صاحب نے بھی چھاپہ مار دیا۔ یوں رونق دوبالا ہو گئی تھی۔ اور جاشین کی تھکی تھکی نگاہوں کو بھی قرار آگیا تھا۔ بالآخر شادی کے دو ماہ بعد اسے گھر کی یاد آ ہی گئی تھی۔ اس کا یہ دن کچن کی نذر ہو گیا۔ نسیم کے ساتھ مل کر مینیو کے حساب سے دعوت تیار کرنے میں وہ خاصی تھک گئی تھی۔ امن' امان کی پسند کا بھی خیال رکھا تھا اور صاحب کی پسند کو بھی خاص اہمیت دی گئی تھی۔ جب وہ سویٹ ڈش کی تیاری کے آخری مراحل میں تھی تب امن اور امان کچن ٹیبل پہ بیٹھی اپنے اسکول کے قصے سنا سنا کر اسے ہنسانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

پھر باتوں ہی باتوں میں اچانک امن نے کشمیرا کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

"اچھا۔۔۔۔ تو میٹھی! کیا کاشمیرا انہیں آئی؟" اسے باتوں کے دوران ایسے ہی کاشمیرا یاد آ گئی تھی۔ اس کا نام سن کر جاشین کو بھی اپنے ولیمہ والے دن ملنے والی خوب صورت لڑکی یاد آئی۔ پھر اس کا سر بے ساختہ نفی میں ہل گیا تھا۔

"پہلے تو بہت آتی تھی۔" امان نے منہ بنا کر بتایا تھا۔ "لیکن اس کی اب بھیا سے لڑائی ہو گئی ہے۔" وہ خشک خوبانیاں کھاتے مزے سے بولیں۔ یہ خوبانیاں امن آباد سے آئی تھیں۔ پچھلے ہفتے سب لوگ آئے تھے جاشین سے ملنے تو چچیوں نے ڈھیر ساری سوغاتیں بھیجی تھیں۔

"مگر کیوں؟۔۔۔۔" بغیر تجسس کے سادہ سے لہجے میں جاشین نے سوال کیا تھا۔ امن نے قل قل ہنستے ہوئے بتایا۔

"میٹھی! تمہیں تو کچھ پتا ہی نہیں۔ بھیا نے کشمیرا سے شادی جو نہیں کی۔ دونوں بیسٹ فرینڈ تھے۔ پھر بھی بھیا نے کہا۔ وہ کاشمیرا سے شادی نہیں کریں

گے۔" امان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"اچھا۔۔۔۔؟ مگر کیوں؟" چاشین نے حیرت سے کہا۔ "وہ تو بہت اچھی ہیں۔"
"اچھی تو ہے پر بھیا کو پسند نہیں۔۔۔۔ ان کی جو بات نہ مانے۔ اسے اپنی لائف سے کک آؤٹ کر دیتے ہیں۔" امن نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا تھا۔ چاشین جیسے گھبرا سی گئی تھی۔
"کیا واقعی؟۔۔۔۔" اس نے فق چہرے کے ساتھ سوال کیا تھا۔
"لیس۔۔۔۔ کشمیرا کی اسی وجہ سے بھیا کے ساتھ شادی نہیں ہوئی۔ وہ ان کی لائف میں انٹرفیئر کرتی تھی۔ اپنی مرضی چلانا چاہتی تھی۔" امن نے اس تک وہی باتیں پہنچائی تھیں۔ جن کا اسے علم تھا۔ اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ اتر آئی۔ اسے صاحب کا تحکمانہ انداز یاد آیا۔ بھلا یہ شخص اپنی زندگی میں کسی کو گھسنے دے سکتا تھا؟
"ممی کو کاشمیرا پسند تھی۔ بٹ بھیا نے انکار کر دیا۔" امان اسے ساری تفصیلات مہیا کر دینا چاہتی تھی۔ معاً" کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی۔ جس نے ان تینوں کو بیک وقت چوکنا کر دیا تھا۔ جہاں چاشین ٹھٹک گئی تھی۔ وہیں امن اور امان کے ہاتھ سے خشک خوبانیوں کی باسکٹ نیچے گر پڑی۔ معاً" ایک سنجیدہ بھاری اور تحکم بھری آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔
"امن و امان! اپنے نام کی عزت کا کچھ خیال رکھ لیا کرو۔ جہاں بیٹھتی ہو۔ شر انگیز گفتگو سے شر پھیلانے کی کوشش کرتی ہو۔ اسٹوپڈ گرلز! تم امن و امان نہیں۔۔۔۔ فساد کی جڑ ہو۔" وہ دونوں گڑبڑا کر کچن ٹیبل سے اچھل کر نیچے اتریں۔
"بھیا! ہم تو مٹھی سے پوچھ رہے تھے اس کے بال اتنے لمبے کیسے ہوئے؟ ہمیں بھی ایسے لمبے بال کرنے کا ٹپ بتا دے۔" امن نے آنکھیں پٹپٹا کے بات بنانے کی کوشش کی تھی۔ تب تک صاحب ڈور فریم میں پورے قد سے کھڑے ہوئے۔ یوں کہ دونوں بچیوں کی روحیں فنا ہو گئی تھیں۔
"مٹھی!" اس نے حیرت و تعجب سے زیر لب کہا۔ "یہ کون خاتون ہیں؟ اور ان کا اسم شریف ایسا عجیب کیوں؟" اس کے سوال پہ دونوں بچیوں نے اپنے ہاتھ منہ پر رکھ کے ہنسی روکنے کی کوشش کی تھی۔ پھر زیر لب کہا۔
"بھیا! یہ آپ کے سامنے۔" انہوں نے گم صم کھڑی چاشین کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ وہ ایک دم گھبرائی تھی۔
"یہ مٹھاس، چاشنی اور شیریں بھی ہے۔"
"اچھا۔۔۔ مجھے نہیں پتا تھا۔" اس نے مصنوعی تعجب سے کہا تھا۔ اور آنکھوں میں نرم سا تاثر تھا۔ اور یہ نرمی پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں دکھائی دی تھی۔ ورنہ ان آنکھوں میں طنز ہوتا تھا' غصہ ہوتا تھا۔ سختی ہوتی تھی۔ سب کچھ ہوتا تھا۔ بس نرمی نہیں ہوتی تھی۔
"مٹھاس' چاشنی' اور شیریں۔۔۔۔ مائنڈ وس آؤٹ' کہیں شوگر نہ ہو جائے۔" اس کے انداز میں تنبیہ تھی۔ وہ اس کی بات میں چھپی شرارت سمجھ کر ہنس پڑی تھیں۔
"اس بات کا خیال تو آپ رکھیں بھیا۔"
"میرے سامنے تو کبھی مٹھاس کا مظاہرہ نہیں کیا۔" اس کے انداز میں تاسف تھا۔ اس پہ ایک سرسری نگاہ بھی ڈالے بغیر پلٹ گیا تھا جبکہ اس کے نظر انداز کرنے پہ چاشین کا پہلے سے اداس دل اور بھی اداسیوں کی اتھاہ میں گر گیا تھا۔ اس کے نصیب میں صاحب کی ایک نگاہ بھی نہیں تھی؟ وہ کس قدر بد نصیب تھی؟
وہ کچن سے سر جھکائے ہی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔ ویسے ہی فرمانبرداری اور تابعداری کے ساتھ۔۔۔۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ چاشین بھی اس کی پیروی کر رہی تھی۔
سنہری ناب گھما کر دروازہ کھولا گیا تھا۔۔۔۔ وہ اندر گیا تو چاشین بھی پیچھے ہی آ گئی تھی۔۔۔۔ وہ دو مہینوں کے بعد

واپس آیا تھا۔ دو مہینے بعد اس نے اپنے روم میں قدم رکھا تھا۔ لیکن اس کا روم ویسا ہی تھا۔ جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ ایک ایک چیز ترتیب سے رکھی تھی۔ فرنیچر بغیر داغ کے صاف ستھرا چمکتا تھا۔ اور اس کے سارے ڈریسز استری شدہ ایک ترتیب کے ساتھ الماریوں میں لٹک رہے تھے۔ اس کے جوتے بھی پالش تھے۔ ریک میں سیدھے پڑے ہوئے۔ اس نے ٹائی اور کوٹ اتار کر رکھا جسے جاشین نے فوراً" اٹھالیا تھا۔ پھر اس کا شلوار سوٹ نکال کے بیڈ پہ رکھا۔ جب تک اس نے جوتے اتارے تھے۔ وہ ٹب میں گرم پانی نکال آ تھی۔ وہ ایک معمول کی طرح اٹھا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جاشین نے اس کی چیزیں سمیٹ دی تھیں۔ پھر صاحب کے آنے تک وہ باہر انتظار میں کھڑی رہی۔ وہ باہر آیا تو نسبتاً" پہلے سے بہت فریش تھا۔ گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا ہوا۔ جاشین نے تیزی سے آگے بڑھ کر ہاتھ سے تولیہ پکڑا اور اسٹینڈ پہ پھیلا دیا۔ وہ سنگھار میز تک گیا تو جاشین نے اسے برش تھمایا۔ وہ جما جما کے بالوں میں برش کر رہا تھا۔ برش سے فارغ ہوا تو اس نے پرفیوم پکڑا دیا۔ کچھ ہی دیر میں روم معطر خوشبو سے بھر گیا تھا۔ اور یوں جاشین کی ضرورت بھی اس کمرے سے ختم ہو گئی تھی۔

وہ الٹے قدموں واپس لوٹ آئی تھی۔ اب وہ بڑے سلیقے سے میز پہ کھانا لگوا رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں کھانا لگ گیا تھا۔۔۔۔ اور افراح بھابھی بھائی بچیاں ڈیڈ ڈیان سب آگئے تھے۔ جاشین مام جی کو خود لے آئی تھی۔ اس طرح کھانا بہت اچھے ماحول میں کھایا گیا تھا۔ جاشین تب دنگ رہ گئی تھی۔ جب صاحب اپنے ماں' باپ اور بہنوں سے خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ بس اس کی قسمت خراب تھی۔ جو صاحب کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ ورنہ اپنی فیملی کے ساتھ تو صاحب کا رویہ کمال کا خوشگوار تھا۔ اور تمام تر خوش اخلاقی کا انت ہو رہا تھا۔

کھانے کی ڈیڈ اور بھائی جان نے بھی بہت تعریف کی تھی۔ امن و امان تو تھیں ہی اس کی فین۔ بھابھی کو بھی کھانا اچھا لگا تھا۔ اس کا سیروں کے حساب سے خون بڑھ گیا تھا۔ کیا تھا جو مام جی اور ان کے نواسے نے اسے کسی قابل نہیں جانا تھا۔ انہیں اس کا بنایا ہوا کھانا پسند نہیں آیا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح ناک بھوں چڑھالی تھی۔ اور وہ سب کے اٹھنے اور چلے جانے کے بعد ڈائننگ ہال سے باہر نکلی تھیں۔ جاتے جاتے انہوں نے وہاں سے کہا تھا۔

"یہ لڑکی کبھی میری پسند کا کھانا نہیں بناتی۔ مسالے تیز رکھتی ہے۔ میرا کولسٹرول ہائی ہو جاتا ہے۔ بی پی شوٹ اور میں مرنے کے قریب پہنچ جاتی ہوں۔ یہ لڑکی چاہتی ہے۔ میں مر جاؤں اور اس کی جان یہاں سے چھوٹ جائے۔" آخری الفاظ انہوں نے نواسے کے کان میں کہے تھے۔ بہت ہی پست آواز میں۔ سرگوشیانہ انداز میں۔ جنہیں اس نے سن لیا تھا۔ اور اس کے چہرے پہ غصہ رعونت اور ناگواری ایک ساتھ در آئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر برتن اٹھاتی جاشین کو ایک ہی سخت نگاہ سے دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ سے برتن چھوٹتے چھوٹتے ہی بچے تھے۔

"جاشین!" اس آواز میں ایک پھنکار تھی۔ ایک غراہٹ تھی۔ ایک غیض تھا۔ ایک لپک تھی۔ جاشین کا دل جیسے ڈوب کر ابھرا تھا۔ اس نے خوف زدہ نگاہوں سے صاحب کے خونخوار چہرے کی طرف دیکھا۔ وہاں کسی بھی تاثر میں نرمی نہیں تھی۔ "آئندہ مجھے ایسی شکایت ملی تو کھڑے کھڑے شوٹ کر دوں گا۔" اس نے پھنکارتے ہوئے کہا تھا اور زہر خند سا آگے بڑھ گیا۔ جبکہ جاشین کے جسم میں جان تک باقی نہیں رہی تھی۔ اس کا سر جھک گیا۔ اور آنکھوں سے سونامی پھوٹ پڑا۔ وہ بے آواز روتی جا رہی تھی۔ اور اس ذلت کے احساس سے ٹوٹتی جا رہی تھی۔ وہ ہر بار اسے اتنا ہی ذلیل کرتا تھا۔ کبھی لفظوں سے' کبھی جذبوں سے۔۔۔۔۔ وہ ہمیشہ اس کے ہاتھوں ذلیل ہوتی آرہی تھی۔ اور جاشین کے صاحب کو صرف دل توڑنا ہی آتا تھا۔ وہ پلٹی اور منہ پہ ہاتھ رکھے کچن کے نل کو کھول کر چہرے پہ پانی کے چھپاکے مارنے لگی۔ اس کی

آنکھوں سے گرم گرم آنسو گر رہے تھے اور وہ اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹے ضبط کی انتہا پر تھی۔
پیچھے سے آتی نسیم نے بہت تاسف سے اسے دیکھا تھا۔ پھر برتن سلیب پہ رکھ کر اس تک آگئی تھی۔
"بی بی! ایسے مت کریں..... رونا کوئی حل ہے بی بی!" اس کے انداز میں چاشین کے لیے ہمدردی تھی۔ "بی بی! ذرا ہمت سے کام لو۔ صاحب ہمارا تو ایسے ہی ہے۔ بڑی بیگم عادت سے مجبور۔ بہت دفعہ وہ دونوں ماں بیٹے کی لڑائی کروا چکی ہیں۔ افراح بی بی کا کتنی ہی مرتبہ صاحب سے جھگڑا ہوا۔ بڑی بیگم شکایت کرتی ہیں اور صاحب اپنی ماں پر غصہ..... بڑی بیگم سے انہیں بہت پیار ہے۔ اور وہ بے چاری بھی کیا کریں۔ تھوڑا اوپر سے کھسکی ہوئی ہیں۔" نسیم نے اپنی کنپٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔ چاشین نے آنسوؤں کے دوران ہی روتے ہوئے کہا۔
"مام جی کا اتنا خیال رکھتی ہوں۔ اتنی خدمت کرتی ہوں۔ ہر وقت ان کا سایہ بنی رہتی ہوں۔ پھر بھی وہ مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ مجھ سے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔" وہ سسکاریاں بھرتی رہی تھی۔
"بڑی بیگم تو کسی سے بھی خوش نہیں ہوتیں۔ دیکھئے گا، کبھی صاحب کی بھی برائی شروع کردیں گی۔" نسیم نے اسے تسلی دی تھی۔ ان کی عادت، فطرت اور طبیعت ہی ایسی تھی۔ یہ کہ اسے دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سنبھل گئی۔ گیلا چہرہ بھی صاف کرلیا تھا۔ لیکن اس سرخ چہرے اور سوجھی آنکھوں کا کیا کرتی؟ صاحب کے سامنے یہ تربوز سا لال چہرہ لے کر کیسے جاتی؟ اگر صاحب نے غصہ کیا تو؟ ایک نیا غم جان کو لاحق تھا۔ ایک نئی فکر دامن گیر تھی۔ وہ ہونٹ چباتی ایک اور اذیت کا شکار تھی۔ نسیم نے ٹرے میں گرم دودھ کا مگ رکھا اور اسے تھمادیا۔
"صاحب اس وقت انتظار میں ہوں گے۔" اس نے چاشین کو وقت گزرنے کا احساس دلایا تھا سو وہ بھی چونک کر سنبھل گئی تھی۔ پھر مرے مرے قدموں سے کمرے کی طرف آگئی تھی۔ اس حال میں کہ اس کا دل بہت سے خدشات تلے دبا لرز رہا تھا۔

☆☆☆

باہر سرد رات پھیلی ہوئی تھی۔ دیان ہاؤس دھند کی لپیٹ میں تھا۔ دور تک ایک دبیز چادر تنی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اور ٹھنڈ خون تک کو سرد کردینے والی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کمرے تک آگئی۔ دروازہ کھلا اور بند ہوا۔ کمرے میں دودھیا روشنی پھیلی تھی۔ اس کی آنکھیں روشنی میں چندھیا گئیں۔ پھر اس نے آنکھوں کو ہتھیلی کی پشت سے مسل کر دیکھا تھا۔ اسی پل صاحب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ بکھری ہوئی فائلوں کو ایک طرف کیا۔ وہ تب تک صاحب کے قریب آگئی تھی۔ پھر اس نے دودھ کا مگ دھیرے سے بڑھایا۔ صاحب نے ٹرے پکڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ وہ مڑنے لگی تو صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا تھا۔ وہ ایک دم گھبراگئی تھی۔ کیا اس نے کچھ غلط کردیا تھا؟ صاحب نے اس کی گھبراہٹ پہ تشویش سے اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں سے آنکھیں ملیں۔ اور اس نے جھٹ سے پلکیں جھپکالیں۔
"یہاں بیٹھو۔" اس کی سماعتوں سے آواز ٹکرائی تھی۔ اس آواز میں ناگواری یا غصہ نہیں تھا۔ البتہ تحکم ضرور تھا۔ اس نے حکم کی فوراً" تعمیل کی تھی۔ وہ بیٹھ گئی۔ اور اس نے اپنے ہاتھ گود میں رکھ لیے تھے۔ جو ہلکے ہلکے لرز رہے تھے۔
"تمہیں کچھ چاہیے تھا تو مجھے کہتیں....." خاموش ماحول میں اس کی سنجیدہ سی آواز ابھری تھی۔ چاشین تو حیران بھی نہیں ہوسکی تھی۔ اس بات کا بھلا کیا مطلب تھا؟ اس نے کب کوئی فرمائش کی تھی۔؟
"میں کیا پوچھ رہا ہوں۔" اب کہ دیان نے سخت لہجے میں اپنا سوال دہرایا تھا۔ وہ گھبراگئی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی سی بھرآئی تھی۔
"مم..... مجھے تو کچھ نہیں چاہیے....." چاشین کی رنگت سفید پڑگئی تھی۔ اور خوف سے اس کا وجود

کانپنے لگا تھا۔

"پھر امن آباد والوں کو الہام ہوا ہے...... تم کئی کئی ہفتے ایک سوٹ میں گھومتی ہو؟ ابھی تمہاری چچی نے ممی کو کال کر کے کہا...... کیا تم ہماری شکایتیں کرتی ہو؟ کہ ہم نے تمہیں برے حالوں میں رکھا ہوا ہے...؟" وہ بلا کے سخت اور سنجیدہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ ہونق سی ہو گئی تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا بات کرے؟ اس بات کا کیا جواب دے۔ چچی نے ایسا کیوں کہا؟ اس نے تو چچی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ پھر جانے انہوں نے خود سے ہی؟ اسے خیال گزرا...... کیا پتا' باجیوں نے اس کی حالت زار کا بتایا ہو۔ وہ اسے دیکھ کر گئی تھیں۔ کچھ بتانے کی تو ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ اس کا ظاہری حلیہ چیخ چیخ کر سچائی بتاتا تھا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا صاحب! مجھ سے قسم لے لیں۔" جاشین نے لرزیدہ آواز میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہی۔

"تو وہاں فرشتے تمہاری رپورٹ پہنچاتے ہیں؟ تمہیں یہاں کھانے کو نہیں ملتا۔ پہننے کو نہیں ملتا۔" وہ زہر خند سا بول رہا تھا۔ وہ برابر نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میرا تو کوئی قصور نہیں۔" وہ سر جھکا کر آنسو پینے لگی۔ صاحب کا سخت لہجہ اسے ایسے ہی رلانے کا سبب بنتا تھا۔

"سارا قصور تو میرا ہے...... اور واقعی ہی میرا ہے...... میں نے ہی......" دیان کچھ کہتے کہتے اچانک رک گیا تھا۔ خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے لب بھینچ لیے تھے۔

"آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" جاشین نے بھیگی آواز میں سر جھکا کر کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ لاکھ ضبط کرنے کے باوجود بھی۔ وہ اس کے آنسو گرتے دیکھ کر ایک دم چپ کر گیا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"اس رونے کا مقصد؟" اب وہ شدید جھلاہٹ کو ضبط کیے پوچھ رہا تھا۔

"اچھا...... نہیں روتی صاحب!" وہ گڑبڑا کر اپنے آنسو پونچھنے لگی تھی' لیکن آنکھوں سے بے قابو ہوتے آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔ دیان نے ایک سخت اور تلخ نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔ پھر اس نے جاشین کی دونوں آنکھوں پر اپنا ہاتھ سختی سے رکھا۔ اس کی پلکیں پپوٹوں سے لگی تو دو آنسو کناروں سے چھلک کر اس کے ہاتھ پہ آ گرے تھے۔ دیان نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ دو شفاف قطرے اس کے ہاتھ کی پشت پہ ٹھہر گئے تھے۔ جاشین نے ایک لمبی سی سسکاری بھری تھی۔ دیان نے اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔ پھر اس نے روتی ہوئی جاشین کی کمر سہلاتے ہوئے لاشعوری طور پر اسے چپ کروانے کی کوشش کی تھی اور جاشین اس کے لمس کو پا کر ضبط کرنے کے باوجود بھی بے آواز روتی رہی۔ وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی اور دیان کی قمیص کئی جگہوں سے بھیگ رہی تھی۔ نمی کے احساس نے اسے چونکایا تھا۔ پھر اس نے جاشین کا چہرہ اپنے سامنے کیا۔ آنکھوں سے آنکھیں ملیں۔ وہ اس کی گلابی گیلی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔

"تم میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے "مجھے دعوا تھا۔ میں کبھی غلط کر ہی نہیں سکتا۔" صاحب کے سنگلاخ بازوؤں کی گرفت سخت تھی اور جاشین کسی ننھی سی مورتی کی طرح اس کے حصار میں بے بس تھی۔ صاحب کا غصہ اب غصہ نہیں تھا۔ ناگواری اب ناگواری نہیں تھی۔ اس کی آواز بوجھل تھی اور لہجہ گمبھیر سا۔ وہ اس کے فسوں خیز لمس کی شدت کو محسوس کر رہا تھا۔ چاہے ضرورتاً "ہی سہی وہ اسے اپنی نظر کرم سے نواز رہا تھا۔ اور وہ عام سی' معمولی سی جاشین اس اتفاق کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ محبت سمجھ رہی تھی۔ وہ بڑی نادان تھی۔ وہ بڑی قناعت پسند تھی۔ صاحب کے لحاتی پیار اور توجہ کی اثر میں آ جاتی تھی۔ صاحب کی طلب کو عنایت سمجھ کر خوش ہو جاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے اب تک تسلیم کر لینا چاہیے تھا۔ اس کی شادی بہت عجیب لوگوں میں اور بہت عجیب شخص کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایسا شخص جو اجارہ داری چاہتا تھا۔ حکومت چاہتا تھا۔ اپنی مرضی اور تسلط چاہتا تھا۔ وہ اپنی "میں" کے حصار میں تھا اور اس حصار سے باہر آنا بھی توہین سمجھتا تھا۔ اس کی ہر رات تاریک تھی اور ہر سویر اندھیر تھی۔ اگلی صبح بھی معمول کے جیسی تھی۔ جاشین کو تو ایسی ہی لگی۔ اس نے نیم گرم پانی سے غسل کیا اور وضو کے بعد نماز فجر ادا کی تھی۔ اور کچن میں آگئی۔ تھوڑی دیر بعد افراح بھابھی کچن میں داخل ہوئیں۔ نماز کے اسٹائل میں دوپٹا لیا ہوا تھا۔ وہ حیران ہوئی تھی کہ افراح بھابھی بھی نماز پڑھتی تھیں؟

"جی بھابھی! کوئی کام تھا کیا؟" اس نے حیرت پر قابو پا کر پوچھا تھا۔ بھابھی نے تسبیح پہ کوئی اسم مکمل کر کے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ایک ہلکی سی پھونک جاشین پہ بھی ماری تھی۔ وہ تعجب سے بے ہوش ہونے لگی ایسی ماڈرن ساس کا یہ روحانی سا انداز؟

"دیان اٹھ گیا ہے۔ اس کی تیاری کروا دو۔ وہ ابھی نکلے گا بالکل ارجنٹ... ہری اپ۔" بھابھی کے بتانے پر وہ بری طرح سے پریشان ہو گئی تھی۔

"اتنی سویرے؟ ابھی تو دھند بھی نہیں چھٹی۔ سڑکیں بھی دکھائی نہیں دیں گی۔ دن چڑھے نکل جاتے۔" اس کے منہ سے بے ارادہ ہی نکلا تھا۔ وہ اس کے دھند میں منہ اندھیرے جانے سے پریشان ہو گئی تھی۔

"دفتر پہنچنا ہے اور باہر فوگ بہت ہے۔ جلدی نکلے گا تب ہی آرام سے ڈرائیو کرتا شہر پہنچے گا۔ ویسے بھی کوئی ارجنٹ کال آئی تھی۔" افراح بھابھی نے تفصیل بتائی تو وہ فکرمندی سے کمرے کی طرف آگئی۔

وہ نہ صرف جاگا ہوا تھا بلکہ کسی سے فون پہ بات بھی کر رہا تھا۔ تیز سا لہجہ اور تیز سی آواز تھی۔ شاید کوئی سنجیدہ مسئلہ تھا۔ وہ اپنے کسی ماتحت کو جھڑک رہا تھا۔ پھر فون بند کر کے اس کی طرف دیکھے بغیر واش روم میں گھس گیا تھا اور اسی دوران فون پھر سے بجنے لگا تھا۔ وہ کبھی موبائل کی اسکرین کو بلنک ہوتے دیکھتی تھی اور کبھی غسل خانے کے بند دروازے کو۔ پھر وہ کنفیوز سی الماری تک آگئی تھی۔ جب تک اس نے کپڑے نکالے تب تک صاحب بھی باہر نکل آیا۔ جاشین نے ساری مطلوبہ چیزیں صوفے پہ سجا رکھی تھیں۔ وہ تولیے سے بال رگڑتا فون کی طرف متوجہ تھا۔ جاشین کو بس اتنی ہی سمجھ آئی تھی۔ دارالحکومت میں کسی مشہور سیاسی شخصیت کا قتل ہو گیا تھا اور صاحب کا جانا بہت ضروری تھا۔ کیوں کہ صاحب کے ان صاحب سے خاصے دیرینہ تعلقات تھے اور کوئی دفتری اہم معاملہ بھی زیر غور تھا۔

"ہاں ہاں... میں پہنچ جاتا ہوں۔ یو ڈونٹ وری... ارے اس الو کی تو ایسی کی تیسی۔" وہ شرٹ بدلتے قطعی طور پر الگ موڈ میں تھا۔ شاید خود کو کمرے میں تنہا تصور کر رہا تھا۔ جاشین بس گن انکھیوں سے صاحب کو دیکھتی رہی۔ بلیک ٹوپیس میں وہ ہمیشہ کی طرح عالی شان تھا۔ ناقابل تسخیر۔ ایسا علاقہ جو کسی سے فتح نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی اس سلطنت پہ اپنی فتح کے جھنڈے نہیں گاڑ سکتا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ اپنا روشن اور دھلا دھلایا عکس دیکھتا ہوا۔ اس نے بال بنائے اور پرفیوم کا ڈھیر سارا چھڑکاؤ کیا تھا۔ پھر آئینے کے اندر جھلکتے عکس کی طرف اچانک متوجہ ہو گیا۔ وہ ابھی تک چور نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اچانک چوری پکڑے جانے پر گڑبڑا گئی تھی۔ جب کہ صاحب پورے کا پورا اس کی طرف گھوم آیا تھا۔

"کیا دیکھتی ہو؟" وہ بیچ کے فاصلے کو کم کرتا اس کے قریب آگیا تھا۔ وہ تھوڑا جھجک کر پیچھے ہٹی تھی۔ صاحب نے اس کے پیچھے ہٹنے کو فوراً نوٹس کیا تھا اور پھر اس معمولی فاصلے کو بھی مٹا دیا۔ اب وہ صاحب کے حصار میں تھی اور وہ اس کے بالوں کو دوپٹے کی اوٹ سے دیکھتا پوچھ رہا تھا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے۔ پہلی دفعہ بات سمجھ نہیں آتی؟" اب کہ لہجے اور گرفت دونوں میں سختی تھی۔ وہ بری طرح سے گھبرا گئی تھی۔

"نہیں آپ کو اس لیے دیکھ رہی تھی۔ آپ... آپ بہت اچھے لگ رہے تھے۔" اس نے نگاہ جھکا کر دھک دھک کرتے دل کے ساتھ جواب دیا تھا۔ جانے اس جواب میں اس کی کون سی حس تسکین سے سرشار ہوئی تھی؟ اس کا موڈ بدل گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں... لیکن کیا پہلے کبھی خوب صورت مرد نہیں دیکھا؟" اس نے جاشین پہ جھکتے ہوئے سوال کیا۔ اور جاشین کا دھک دھک کرتا دل بے قابو ہوا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ دیان کے حصار میں خود کو مامون تصور کر رہی تھی۔

"نن... نہیں۔" جاشین نے سچائی کے ساتھ اقرار کر لیا تھا۔ وہ اس جواب پہ بے ساختہ چونک گیا۔

"رئیلی...؟" اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر ابھرا اور معدوم ہوا تھا۔ وہ اس کی شفاف دھلی دھلی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے سے کچھ تلاش کر رہا تھا۔

"جی۔" جاشین نے پلکیں جھکالی تھیں۔

"ہوں..." دیان کے چہرے پہ ویسی ہی سنجیدگی در آئی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس کا رویہ اور خاموش انداز اسے کچھ متفکر کر گیا تھا۔ دیان نے اس کے پریشان چہرے اور تفکر سے پر آنکھوں کو دیکھا۔ وہاں بے چینی تھی اور جھک کر اس کے کان میں بولا۔

"اس بات کا جواب دینے کے لیے مجھے بہت سا وقت چاہیے... اور ڈھیر ساری فرصت چاہیے۔ تمہیں اس بات پر انعام ضرور دیتا۔ لیکن ابھی بہت جلدی میں ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔" صاحب اسے دن دیہاڑے اتنا نواز گیا تھا؟ اپنے قیمتی الفاظ کا ایسا خزانہ تھما گیا تھا؟ وہ جتنا بھی حیران ہوتی کم تھا، لیکن ایک بات تو طے تھی۔ وہ خوش قسمت ہرگز نہیں تھی۔ کیوں کہ جاشین کی خوشیوں اور مسرتوں کی عمر بہت تھوڑی ہوتی تھی۔ اس پہ بڑی جلدی ہی انکشاف ہو گیا تھا۔ انجانے میں اس نے صاحب کی خودی اور خود پسندی کی تسکین کر دی تھی۔ اس نے صاحب کی تعریف کر دی تھی۔ صاحب کی مردانہ انا میں خودی کوٹ کوٹ کر بھر گئی۔ اس کی آنکھوں میں نخوت اور رعونت بھر گئی تھی۔ وہ اسے قربت کا احساس بخش کر نہیں، اپنا حق استعمال کر کے گیا تھا۔ یکایک جاشین کو اپنی ذلت کا احساس ہوا اور وہ تھک ہار کر صاحب کے بستر پہ گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اور اسی اثنا میں پہلی مرتبہ کاشمیرا آ گئی اتنی صبح اس کا آ جانا حیران کن تھا۔ ویسے یہ صبح کہاں تھی؟ اب تو دس بجنے والے تھے۔ وہ کاشمیرا کو ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ نسیم سے انٹرٹین کرنے کے لیے لوازمات کا کہا اور خود کاشمیرا کے پاس بیٹھ گئی۔ کاشمیرا اسے بہت تپاک سے ملی تھی۔ وہ فطرتاً "عادتاً" بہت اچھی تھی۔ جاشین کو تو بہت ہی اچھی لگی تھی۔ بہت دیر بیٹھی رہی۔ اس سے اپنے بچپن، اسکول اور کالج کی باتیں کرتی رہی۔ کاشمیرا نے ہی بتایا تھا۔ وہ دیان کی اچھی فرینڈ تھی۔ انہوں نے ایک ساتھ بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ جاشین بہت دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اسے دیان کے بارے میں جاننے کا موقع مل رہا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا۔ صنف نازک میں صاحب کسی سے اتنا بے تکلف بھی ہو سکتے تھے۔

"ہماری ہر لحاظ سے کیمسٹری ملتی تھی۔ پسند ناپسند سیم تھی۔ ذہنی مطابقت ایک جیسی تھی۔ وہ میرے مزاج کو سمجھتا تھا۔ میں اس کی طبیعت سے واقف تھی۔ ہم ایک دوسرے کی سوچ پڑھ لیتے تھے۔ پھر بے تکلفی بہت تھی۔ دوستی بہت تھی۔" کاشمیرا بتاتے ہوئے جیسے گئے وقتوں میں کھو گئی تھی۔ جاشین بہت ہی دلچسپی کے ساتھ سن رہی تھی۔ بہت توجہ اور دھیان سے۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ صاحب کے بارے میں جاننا۔ "وہ شروع سے موڈی تھا۔ دل کرتا تو کسی سے ملتا ورنہ نہ ملتا۔ دل کرتا تو کسی سے بات کرتا۔ ورنہ نہ کرتا۔ اکڑ، نخرا اور خودی یا خودی نہیں، خود پسندی کہہ سکتے ہیں۔ اس کو گوارا نہیں تھا۔ کوئی اس کی سطح پہ آ جاتا تم اسے اکڑ اور تکبر بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ وہ ایک نامعلوم احساس برتری کا شکار تھا۔" وہ بولتے

بولتے لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔ اس کی ہلکی نمی سے پر آنکھوں میں چمکیلا سا پانی دکھنے لگا تھا۔

"اسی لیے جب آنٹی (افراح) اور انکل (اروب بھائی جان) نے دیان کے لیے مجھے ممی' پاپا سے بغیر اس کی رائے جانے مانگ لیا تو ایک طوفان اٹھ آیا۔"

کاشمیر لمحہ بھر کے لیے لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ شاید ضبط کر رہی تھی۔ "گو کہ مجھے ریجیکٹ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اور میں خود بھی اس پرپوزل پہ ہاں یا نا کے بیچ اٹک رہی تھی۔ کیوں کہ دیان کا دوست ہونا اور بات تھی اور اس کی بیوی بن جانا اور بات۔ اور شاید میری ہاں' ناں میں ہی بدل جاتی' لیکن دیان کی طرف سے انکار ہو گیا۔ جانتی ہو کیوں؟" کاشمیر اجیسے خود پہ ہی ہنس پڑی تھی۔ اس کے چہرے پہ ایک نامعلوم اذیت کی لہر از آئی تھی۔ ایک ہلکا سا سایہ تھا جو اس کے چہرے پہ لہرا رہا تھا۔

"اس نے کہا۔۔۔ اگر میرے ممی' پاپا میں اس نئے بندھن پہ خواہش کا اظہار کرتی تو ٹھیک تھا بلکہ پھر بھی ٹھیک نہیں تھا۔ اسے بے شمار تحفظات لاحق تھے۔ اسے مجھ جیسی بااعتماد' سوشل' ہائی فائی کوالیفائیڈ' ورکنگ لیڈی سے کسی طور شادی نہیں کرنا تھی۔ اسے اپنے شانہ بشانہ چلتی 'اعتماد سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی اور اپنے رائٹس پہ بہانگ دہل جنگ کرتی بیوی کی قطعاً" خواہش نہیں تھی۔ یہ تو مجھے تب پتا چلا جب اس نے تم سے شادی کے لیے حامی بھری۔ وہ تم جیسی لڑکی سے ہی شادی کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی خودی 'انا' تکبر اور احساس برتری کی کسی طرح سے سبکی نہ ہو۔ ہاں' تب میں نے اس انکار کا نچوڑ نکال لیا تھا۔ وہ تم جیسی خاموش' سنجیدہ' کم گو' ڈری سہمی اعتماد سے عاری لڑکی کو ہی اپنانا چاہتا تھا۔ معذرت کے ساتھ۔ وہ اپنے احساس برتری کو ہر حال میں تقویت دینا چاہتا تھا۔ تم پہ برتری چاہتا تھا۔ اور مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے۔ تم اس کی خواہش کے عین مطابق ہو۔ تم نے کبھی اسے احساس نہیں دلایا۔ وہ غلط کرتا ہے۔ غلط کر رہا ہے۔ وہ تم پہ اپنی اجارہ داری رکھ کے ٹھیک نہیں کر رہا۔ یہ صحت مند عمل نہیں اور تم بجائے اس کی غلطی پہ ٹوکنے' اس کے غلط رویے پہ آواز اٹھانے اور اسے اس بات کا احساس دلانے کہ تم بحیثیت انسان اور بحیثیت اس کی بیوی کے ایک مقام رکھتی ہو۔ کچھ حقوق رکھتی ہو۔ تم نے ہتھیار گرا کر اسے بہت کھلا موقع دیا ہے۔ "کہ آؤ' میری زندگی کے ساتھ کھیلو اور اسے اپنی مرضی سے برتو" میں کبھی تمہارے اس عمل کو نہیں سراہوں گی۔ خود کو ضائع مت کرو جاشین! تم اس کی بیوی ہو۔ اپنا حق استعمال کرو۔ کبھی اس کی مانو اور کبھی اپنی منواؤ۔۔۔"

وہ بولتی جا رہی تھی۔ جاشین سنتی جا رہی تھی۔ اس کی بہت سی باتیں راویہ' ناجیہ اور لیلیٰ باجی سے مطابقت رکھتی تھیں۔ پہلے دن سے لے کر آج تک باجیاں بھی اسے یہی سبق دے رہی تھیں۔ وہ اپنے رائٹس پہ بولے۔ دیان کو احساس دلائے۔ وہ بحیثیت بیوی کے اسے سارے حقوق دے۔ وہ اس کی بے مول' بے دام غلام نہیں تھی۔ جسے نکاح کے بولوں میں باندھ کر وہ سارے حقوق سے بے پروا ہو گیا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ جاشین نے از خود اپنی ذات کو پس پشت ڈال رکھا تھا۔ جب وہ خود ہی اپنے ہونے کا احساس دلانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی تھی تو پھر کون اسے توجہ سے نوازتا؟ اس نے اپنی ذات کو خود ہی بے قیمت اور حقیر بنا رکھا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے جی حضوری میں لگی ہوئی تھی۔ دراصل وہ دیان کی شخصیت و حیثیت سے مرعوب تھی۔ مرعوبیت نے اسے احساس کمتری کا شکار کر دیا تھا۔ وہ سمجھتی تھی۔ دیان نے اسے اپنا کر اس پہ احسان کیا تھا۔ اسے اس گمان سے پہلے باجیوں نے اور اب کاشمیر نے خوب نکالنے کی کوشش کی تھی۔

"اور دوسری وجہ تمہیں منتخب کرنے کی یہ تھی اسے یعنی دیان کو اپنے گرینڈ پیرنٹس کے لیے فل ٹائم کیئر ٹیکر کی ضرورت تھی۔ جو ان کا بہت خیال رکھے۔ شاید اسے اندازہ تھا کوئی اس کے سرکل کی لڑکی اس کے پیرنٹس کی کیئر نہیں کر سکے گی جیسی کیئرنگ کی

اسے اپنی بیوی سے توقع ہوگی۔" وہ دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔ بہت سوچ سوچ کر۔ پھر اس نے گہرا سانس خارج کیا اور قدرے ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگی۔

"یہی وے۔۔۔ میں یہ کارڈ دینے آئی تھی۔ میری انگیجمنٹ ہے۔ اپنے کلاس فیلو سے۔ ہم ایک جگہ ہی جاب کرتے ہیں۔ میں یہ کارڈ دیان کو بھی دے سکتی تھی، مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ خود آجاتا اور تمہیں بتاتا ہی نہیں۔۔۔ اب اسپیشل انوائٹ کرنے آئی ہوں۔ تم دونوں ضرور آنا۔ انکل، آنٹی تو آئیں گے ہی۔ مجھے بہت خوشی ہوگی اگر تم آؤگی تو۔" کاشمیر اپنے جاتے ہوئے ایک سنہرا کارڈ اسے تھمایا تھا۔ جسے چاشین نے تھام لیا اور آنے کی حامی بھرنے سے وہ گریز ہی کر رہی تھی۔ اس کا فیصلہ تو دیان ہی کر سکتا تھا کہ اسے جانا تھا یا نہیں۔

صاحب سے اسے ڈر لگتا تھا در اصل ڈر لگنے کا عمل شادی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ کیوں کہ وہ صاحب کی شخصیت سے مرعوب ہو گئی تھی۔ اس کمپلیکس کا سلسلہ تب ہی شروع ہو گیا تھا۔ جب۔۔۔ ہاں جب اروب بھائی جان نے دیان کے لیے اُسے مانگا تھا۔ یہ کتنی بڑی انہونی تھی جس پہ پورا امن آباد منہ کھولے، حیران اور دنگ تھا۔ کیا ممکن تھا؟ یہ کس طرح سے ممکن تھا؟ اروب بھائی جان کا دماغ چل گیا تھا؟ انہوں نے امن آباد کی ساری طرح دار، قابل ترین لڑکیوں کو چھوڑ کر اپنے اعلا، ارفع بیٹے کے لیے ایک عام سی انڈر میٹرک لڑکی کا رشتہ طلب کر لیا تھا بھلا کسی کو یقین کیسے آجاتا؟ وہ افراح بھابھی کی پسندیدہ بھی نہیں تھی۔ پھر ایسی کیا وجہ تھی جو اسے دیان کی دلہن بنا دیا گیا تھا؟ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور سوچتی بھی تو اس انتہا تک جا ہی نہیں سکتی تھی۔ اور جب شادی ہو گئی تب اسے اپنی بدبختی اور خوش بختی کا۔۔۔ پتا چلا تھا۔ وہ کتنی خوش قسمت تھی اور کتنی بدبخت تھی؟ وہ صاحب کے زیرِ تسلط تھی اور صاحب کی زندگی میں ایک ٹشو پیپر جتنی اہمیت رکھتی تھی۔ صاحب نے اسے شادی کے اتنے عرصے بعد بھی محض خوف سے ہی نوازا تھا۔ صاحب کے آنے کا خوف، صاحب کے جانے کا خوف۔۔۔ صاحب کو کچھ برا نہ لگے۔ کچھ ناپسند نہ لگے۔ اگر اس خیال سے نکلتی تو مام جی کا خوف۔ ان کی خدمت میں کوتاہی کا خوف۔۔۔ اچھا بننے سے برا بننے تک کا خوف۔۔۔ اس کی زندگی تب سے لے کر اب تک ایک خوف کا ہی شکار تھی۔ وہ ایک خوف کے دائرے میں زندگی گزار رہی تھی۔ اس دائرے سے نکل نہیں سکتی تھی۔ کیوں کہ کوئی اسے خوف کے دائرے سے نکالنے والا نہیں تھا۔

✡ ✡ ✡

مام جی کی طبیعت ایسی نہیں تھی۔ اور کیا پتا طبیعت بھی ایسی ہو اور مزاج بھی ایسا ہو۔ بہرحال چند سال پہلے دماغ کی سرجری کے بعد وہ کچھ مخبوط الحواس ہو گئی تھیں۔ اپنے پاس سے لگائیاں بجھائیاں کرتی رہتیں۔ خود سے ہی فلم بنا لیتی تھیں۔ چھوٹی بچی جو بھی بات بناتیں سب لوگ یقین نہ بھی کرتے دیان ضرور یقین کرتا تھا پھر غلطی کرنے والے کی غلطی ہوتی یا نہ ہوتی تب بھی دیان کے عتاب سے بچ نہیں پاتا تھا۔ اتنا ہوا کہ دیان کے بتانے پہ وہ مام جی کی بیماری سے سمجھوتا کر چکی تھی۔ اب مام جی جسے مرضی کال کر کے اس کی شکایتیں کرتیں کہ "چاشین گندا کھانا بناتی ہے۔ انہیں تنگ کرتی ہے۔ بددعائیں دیتی ہے۔ دوائیاں چھپا دیتی ہے۔" تو چاشین ایسی باتیں سن کر اب دکھی نہیں ہوتی تھی۔ روتی نہیں تھی۔ اسے مام جی کی سمجھ آگئی تھی۔ چاشین مام جی کے ساتھ ساتھ صاحب کے بھی گرم و سرد رویے کی عادی ہو چکی تھی۔ صاحب کے آنے جانے کی عادی ہو چکی تھی۔ کیوں کہ باقی سب کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ ڈیڈ، افراح بھابھی اور بھائی جان، ڈیڈ ان دنوں اپنی کتاب چھپوانے میں مصروف تھے۔ گھر کم کم ہی آتے اور صاحب بھی دو مہینے سے لاپتا تھا اور اس کے صاحب کی گم شدگی کے دورانیے عموماً" دو دو مہینے پہ محیط ہو جاتے تھے۔ چاشین نے سب کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا۔ مام جی کے

دھوپ چھاؤں مزاج کے ساتھ' صاحب کی لاتعلقی کے ساتھ اور باقیوں کی مصروفیت کے ساتھ۔۔۔ ہاں' امن و ایان کے ساتھ اچھا وقت گزر جاتا تھا۔ وہ جب بھی آتی تھیں اپنے ساتھ رونق ہی اٹھا کر لاتی تھیں۔ اس سنڈے کو بھی اچانک ہی آگئیں۔ جاشین کو اپنی دونوں نندوں سے بے بہا پیار تھا۔ وہ ان کی کمپنی میں انجوائے کرتی تھی۔ شام کو اس نے امن و امان کی من پسند میکرونی بنائی تو وہ دونوں کچن میں اس کے پاس آگئیں۔ امن کے ہاتھ میں ٹیب تھا اور وہ جاشین کو ٹیب سے تصویریں کھول کر اسے دکھانے لگیں۔ پھر چند تصویروں کو زوم کرکے دکھایا۔

"یہ دیکھو مٹھی!" دونوں کے انداز میں جوش بھرا ہوا تھا۔ جاشین بھی دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ ایک نومولود بچے کی ڈھیر ساری تصویریں تھیں۔ ایک امان جتنی بچی نے اس نومولود کو اٹھا اٹھا کر شوق میں فوٹوگرافی کروائی تھی۔

"یہ کون ہے امن؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ چھوٹا سا بچہ دل کے بہت قریب لگ رہا تھا۔ اچانک ہی دل میں ایک ننھی سی خواہش بے دار ہوئی تھی۔ اور اس کا چہرہ اس خواہش کے خیال سے ہی سرخ پڑ گیا تھا۔

"یہ زلوہ کی بھتیجی ہے۔۔۔ ہماری فرینڈ زلوہ کی۔ وہ لاہور میں ہوتی ہے۔ اس دفعہ جب آئی تو اپنی بھتیجی کی پکس لے کر آئی تھی۔ اتنی کیوٹ ہے نا رومیہ؟ پتا ہے مٹھی! تب سے میرا بھی دل چاہتا ہے میری بھی کیوٹ سی بھتیجی ہو۔" امن نے ڈھیر ساری حسرت لہجے میں سمو کر اپنی خواہش کا اظہار کیا تو جاشین کا چہرہ کچھ اور لال سا ہو گیا۔ اسے ڈھیروں کے حساب سے شرم آئی تھی۔

"وہ ننھی سی پھوپھو بن کر اتنی پراؤڈ ہو گئی ہے مٹھی! سارے میں رومیہ کی پکس اترا اترا کے دکھائی تھی۔ تب مجھے بھی غصہ آیا اور میں نے سوچا' میری بھی بھتیجی ہو۔" امان نے معصومیت سے اپنے غصے کی وجہ بتائی تھی۔ جس کا مطلب تھا۔ وہ بھی ننھی سی پھوپھو بن کر اترانا چاہتی تھی۔

"تمہارا بے بی کیوں نہیں ہے مٹھی!" امن نے مچل کر استفسار کیا تھا۔ جاشین آج بری پھنس گئی تھی۔ اس بات کا بھلا کیا جواب دیتی؟ وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ اپنے بھیا سے پوچھو۔ بھلا ان سے کیا بعید تھا اپنے بھیا کے پاس بھی فرمائشی سلپ اٹھا کرلے جاتیں۔

"تو اللہ سے مانگو۔" جاشین نے ذرا رسان سے کہا تھا پھر ان دونوں کو موضوع سے ہٹاتے ہوئے بولی۔

"اب میکرونی کھاؤ۔ اس ٹاپک پہ پھر بات کریں گے۔"

اپنے تئیں جاشین نے انہیں ٹال دیا تھا اور اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ وقتی طور پہ ٹل گئی ہیں' لیکن یہی بات وہ سنڈے کی رات اپنے بھیا سے بھی کریں گی۔ صاحب کا اچانک آجانا بھی حیران کن تھا۔ اس دفعہ تو جلدی ہی چکر لگا لیا تھا۔ پھر وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ وہ امن و امان کو لینے آیا تھا۔ ڈرائیور چھٹی پہ تھا اور بچیوں کو بورڈنگ چھوڑنا تھا۔ جاشین نے جلدی جلدی دونوں بچیوں کی پیکنگ کروی تھی۔ کیوں کہ صاحب نے جلدی مچا رکھی تھی۔ انہیں ضروری کام سے جانا تھا اور دیر ہو رہی تھی۔ مام جی کا موڈ آف تھا۔ وہ نواسیوں سے ناراض تھیں۔

"اتنی سی دیر کے لیے آتی ہو۔ تو آیا ہی نہ کرو۔" انہوں نے غصے میں کہا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں اور باقی لوگ بھی قریب ہی ڈنر میں مصروف تھے۔ کیوں کہ انہیں ابھی کے ابھی ہی نکلنا تھا۔

"بس اتنا سا ہی ویک اینڈ ہوتا ہے مام جی! ہم ونٹر وکیشنز میں آئیں گے اور بہت سارے دن رہیں گے۔" دونوں نے مام جی کی اپنی طرف سے تسلی کروائی تھی۔

"میں بور ہو جاتی ہوں سارا دن۔۔۔ تمہاری ماں تو مہینے بعد آتی ہے۔ نانا تمہارے اس عمر میں کتابیں لکھنے اور چھپوانے میں بزی۔۔۔ دیان کی اپنی مصروفیات۔۔۔ اور یہ اس کی بیوی۔ بولتی تک نہیں۔ بات تک نہیں کرتی۔ موڈی ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے انسانوں کے بیچ

نہیں رہتی میں۔۔۔ اس کے چہرے پہ تو اسمائل تک نہیں آتی۔ عجیب لڑکی ہے۔ بس تم دونوں کی کمپنی میں خوش نظر آتی ہے۔ دانت بھی نکلتے ہیں۔ میں تو اس کے خیال سے کہہ رہی تھی۔ تم اور رک جاتیں تو یہ بھی دو دن اور خوش ہو لیتی۔" انہوں نے اپنے کٹے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے توپوں کا رخ جاشین کی طرف موڑ لیا تھا۔ وہ جو صاحب کی پلیٹ میں سلاد ڈال رہی تھی۔ اتنے الزامات پہ بوکھلا گئی۔ صاحب نے بھی ایک کٹیلی سی نگاہ اس کے چہرے پہ پھینکی تھی۔ وہ صفائی دینے کی پوزیشن سے بھی باہر نظر آئی، لیکن اس وقت امن و امان نے کمان سنبھال رکھی تھی۔ وہ فوراً" الرٹ ہوئیں۔

"مام جی! آپ کی کمپنی میں تو جوکرز بھی اسمائل کرنا بھول جائیں۔" امن نے کھلکھلا کر کہا تو مام جی اس مذاق پہ ہنس پڑیں۔ بہت موڈی خاتون تھیں۔ نہ ہنسنے والی بات پہ مسکرانے لگتی تھیں اور مسکرانے والی بات پہ منہ بنا لیتی تھیں۔ ویسے نواسیوں کی کوئی بات انہیں بری نہیں لگتی تھی۔ ان کے مذاق کو انجوائے کرتی تھیں، لیکن صاحب نے تنبیہی انداز میں "ہوں ہوں" کہتے ہوئے چھوٹی بہنوں کو روکا تھا۔

"تو بھیا! مام جی بور ہوتی ہیں۔ ان کی بوریت دور کرنے کے لیے کچھ سوچیں۔" امان نے شرارتی انداز میں سنجیدہ سے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ اب وہ اس بات کو سمجھا تھا یا نہیں۔۔۔ لیکن جاشین کے کانوں سے دھواں نکل گیا تھا۔ یہ دونوں اب کیا کرنے والی تھیں؟ کیا کہنے والی تھیں؟ وہ گھبرا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"بھیا! سنیں نا۔۔۔؟" امن نے اسے اپنی پلیٹ میں چمچہ بجا کر متوجہ کیا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ انداز میں ویسی ہی سنجیدگی تھی۔ جاشین کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ وہ ان دونوں کو روکنا چاہتی تھی مگر۔۔۔

"سنائیں۔۔۔" اس نے نیپکن سے منہ پونچھتے ہوئے بڑے دلار سے کہا تھا۔

"وہ زلوہ کی بھتیجی ہوئی ہے۔ ہمیں بھی ویسی ہی بے بی چاہیے۔ کیوٹ سی۔ پھر ہم یہاں زیادہ دن اسٹے کریں گے۔ ہمیں بھی بے بی چاہیے۔۔۔" وہ ایسے مچل رہی تھی جیسے اسے بے بی نہیں کوئی کھلونا چاہیے تھا۔ جسے اس کا بھائی فوراً" بازار سے خرید کر لا دیتا۔ دیان پہلے تو چونک گیا۔ پھر قدرے حیران ہوا اور پھر سنجیدہ۔۔۔ یعنی فرمائش پہ نظرثانی فرما رہا تھا۔ غور و فکر کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ جاشین بس بے ہوش ہونے کو تھی۔ شاید ابھی کے ابھی اس کی واٹ لگ جاتی کہ اس کی کمپنی اچھی نہیں۔ وہ دیان کی بہنوں کے کان بھرتی ہے۔ اور غلط باتیں سکھاتی ہے۔ اس کی جان پہ بن آئی تھی۔

"ویسا ہی بے بی؟ اس سے اچھا نہیں؟" بڑی سنجیدگی سے استفسار کیا گیا تھا۔ جاشین تو بس چکر کھانے والی تھی۔ دونوں نے چہک کر کہا۔۔۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔

"ہمارا بے بی زلوہ کے بے بی سے اچھا ہو گا۔"

"یو ڈونٹ وری، ہمارا بے بی سب سے اچھا ہو گا۔"

اس نے دونوں بہنوں کو بہلایا اور انہیں اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ جاتے جاتے اس نے بڑی گہری، اترتی، بولتی نگاہ حواس باختہ سی جاشین پہ ڈالی تھی۔

"سن لیا ہے؟ فرمائش نوٹ کر لو۔" وہ بولتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا اور اس کے انداز کا سحر اسے بے خود کر رہا تھا۔ وہ تو ایسے لہجے کی عادی ہی نہیں تھی۔ اسے تو یقین ہی نہیں آیا تھا۔ شاید عمر بھر نہ آتا، لیکن پھر وہ ہو گیا تھا جس کے بارے میں کسی کو بھی گمان تک نہ تھا۔ یقین تک نہ تھا۔ بس ایک طوفان تھا جو چلا آیا اور سب کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے گیا۔ سب کچھ فنا ہو گیا۔

✡ ✡ ✡

یہ جاڑے کی عجیب سی شام تھی۔ متواتر مینہ برس رہا تھا۔ دور پہاڑوں سے بادل اُمڈ اُمڈ کر آتے اور برس برس کر نہ تھکتے تھے۔ ڈیڈ کے کچھ مہمان آئے تھے۔ وہ ان کو چائے وغیرہ دے کر اور انہیں شہر بھیج کر ابھی اندر آئی ہی تھی جب مام جی نے اسے بلا لیا تھا ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور اکثر ہی وہ بیمار رہتی

تھیں۔ انہیں دماغی طور پر اتنا نارمل نہیں کہا جاسکتا تھا۔ وہ اکثر چیزیں رکھ کر بھول جاتی تھیں۔ اکثر عجیب و غریب الزامات لگا دیتیں۔ اب تو جاشین ان کی طبیعت سمجھ گئی تھی اور ان کی بیماری سے سمجھوتہ کرچکی تھی۔ وہ آئی تو مام جی اتنی ٹھنڈ میں نہا کر بیٹھی تھیں۔ اس کی اپنی بھی طبیعت گری گری سی تھی۔ اوپر سے مام جی کو اتنا لمبا چوڑا تیار ہونا تھا۔ باہر بارش تھی۔ موسم اتنا خراب تھا۔ انہوں نے تیار ہو کر جانا کہاں تھا؟ بس تیار ہونے کی دھن سوار تھی۔ وہ ان کو تیار کرواتی رہی۔ پھر وہ ہائی ہیل کوٹ شوز پہن کر اوپر لائبریری میں چلی گئیں۔ جاشین خود انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔ اور نیچے ان کے لیے کافی بنانے آئی تھی۔ ساتھ اسنیکس بھی تل دیے۔ پھر چچی کی امن آباد سے کال آگئی۔ لیلیٰ اور رادیہ باجی کا رشتہ طے ہو گیا تھا۔ وہ اسے نکاح پہ انوائٹ کررہی تھیں۔ جاشین کو بہت ہی خوشی ہوئی تھی۔ اس نے باجیوں کو فوراً" کال کر کے مبارک دی تھی۔ پھر نکاح پہ آنے کی حامی بھرلی تھی۔

"صاحب آئیں گے تو انہیں کہوں گی۔۔۔ میں ضرور آؤں گی۔" اس نے بہت خوش دلی سے کہا تھا۔ پھر باجیاں صاحب کو قابو کرنے کے نادر مشوروں سے نوازنے لگیں اور اسی اثنا میں آدھا گھنٹہ مزید لگ گیا۔ وہ چونکی تو تب تھی جب اسے مام جی کی دردناک چیخوں کی آواز آئی تھی۔ جاشین کو تو زمان و مکاں بھول گئے تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر آئی تو مام جی فرش پہ گری تھیں۔ سیڑھیوں کے پاس۔ جاشین کو یہی سمجھ آئی تھی کہ مام جی کا اترتے ہوئے پاؤں رپٹا ہو گا اور وہ سیڑھیوں سے پھسل گئی ہوں گی۔ اب صورت حال بہت پریشان کن تھی۔ مام جی چیخ چیخ کر جاشین پہ الزام لگا رہی تھیں۔

"اس نے مجھے دھکا دیا۔ اس نے مجھے سیڑھیوں سے گرایا۔ یہ مجھے مارنا چاہتی تھی۔ یہ مجھ سے بے زار تھی۔۔۔" ان کی چیخوں پہ ملازم بھی اکٹھے ہو گئے تھے اور جاشین کا ستارہ بھی سخت گردش میں تھا۔ کیوں کہ اچانک ہی دیان بھی پہنچ گیا۔ اسے نسیم نے کال کر دی تھی۔ وہ کہیں ارد گرد سے ہی گزر رہا تھا۔ فوراً" ہی پہنچ گیا۔ مام جی کی حالت دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ اوپر سے مام جی کے الزامات اور رونا دھونا۔ وہ جاشین کو بخشنے کے لیے تیار ہی نہیں تھیں۔ ان کا سر پھٹ گیا تھا اور خون کی دھاریاں بہہ رہی تھیں۔ نسیم انہیں سنبھال رہی تھی۔ ڈرائیور ڈاکٹر کو لینے چلا گیا تو دیان کسی بپھرے طوفان کی طرح جاشین پہ پل پڑا تھا۔ مام جی نے جو بھی کہا تھا۔ اس نے سن لیا اور جاشین کی کوئی بھی وضاحت نہ سنی، نہ سمجھی تھی۔ وہ کسی زخمی شیر کی طرح غرا رہا تھا۔

"تو تم نے اپنا مقصد پورا کرلیا؟ مام جی سے جان چھڑوانے کا بہترین حل ڈھونڈا۔ تم انہیں مار دینا چاہتی تھی۔ کیا سوچ کر تم نے اتنا ظلم ڈھایا۔" وہ چنگھاڑ رہا ہوا اپنے آپے میں نہیں تھا۔ اس نے جاشین کے نازک رخساروں پہ کئی تھپڑ ایک ساتھ دے مارے تھے۔ پھر اسے جھنجوڑتے ہوئے اپنے سامنے سے ہٹایا تو وہ اپنا توازن نہ رکھ سکی یوں منہ کے بل زمین پہ گر گئی تھی۔ اس کا سر میز سے ٹکرایا اور میز کا دوسرا کونا اس کے پیٹ میں شدت سے لگا تھا۔ وہ ایک دم دردناک انداز میں پیٹ پکڑ کر چیخی تھی، لیکن تب تک دیان مام جی کو لے کر اسپتال چلا گیا تھا، لیکن اس کے پیچھے سے ایک قیامت جاشین پر سے گزر چکی تھی۔

وہ خون میں لت پت بے ہوش تھی جب افراح بھابھی اور ارد ب بھائی جان افتاں خیزاں دیان ہاؤس پہنچے تھے۔ وہ تو مام جی کا سن کر آئے تھے آگے جاشین بے حال سی گری پڑی ملی تھی۔ افراح بھابھی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ جاشین کو دیکھ کر تو معاملہ کچھ اور ہی لگا تھا۔ نسیم نے ساری کارروائی سنائی تو افراح بھابھی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"دیان کو کون سمجھے؟ پاگل ہو گیا تھا کیا؟ اسے پتا نہیں تھا مام جی خود سے کہانی بنا لیتی ہیں۔ جاشین کو کیا ضرورت تھی انہیں دھکا دینے کی۔ مام جی تو۔۔۔ اف۔" افراح بھابھی پریشانی اور صدمے سے نڈھال ہو گئیں۔ تب تک دیان مام جی کو واپس لے کر آگیا

تھا۔ ان کے سر پہ ایک اسٹیچ لگا تھا اور پاؤں میں موچ تھی۔ اب وہ ٹھیک تھیں، لیکن سوئلنگ کی وجہ سے چلنا کچھ دشوار تھا۔ افراح بھابھی چاشنین کو ہوش دلانے میں لگی تھیں۔ نسیم اس کی ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔

اروب بھائی جان نے کہا۔۔۔ تو بس اتنا ہی کہا تھا۔

"چاشنین کو اسپتال لے چلو۔۔۔ اسے ہوش نہیں آرہا۔" وہ سخت انداز میں بول رہے تھے۔ انہیں دیان پہ بہت غصہ تھا اور سچ تو یہ تھا۔ چاشنین کی حالت دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"اسے کیا ہو گیا۔۔۔؟" وہ لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔ جو کچھ وہ کر کے گیا تھا۔ ذہن سے محو ہو گیا تھا اور اب خیال آرہا تھا۔ ادھر ماما جی کی حالت غیر ہونے لگی۔

"اس کو کیا ہو گیا۔۔۔؟ افراح اسے اسپتال لے جاؤ۔" وہ گھبرا سی گئی تھیں۔ دیان اور افراح بھابھی اسے اسپتال گاڑی میں ڈال کر لے گئے تھے اور ماما جی تسبیح پکڑ کر دکھتے پاؤں کے ساتھ دعائیں کرنے میں مصروف تھیں۔

"اللہ جی، اسے کچھ مت ہو۔ اسے ٹھیک کر دو۔ کتنی اچھی ہے وہ۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی؟ میں اس کی عادی ہو چکی ہوں۔" ان کی با آواز بلند دعاؤں پہ اندر آتے ڈیڈ بھی چونک گئے تھے۔ انہیں بھی فون پہ اطلاع مل گئی تھی۔ اس لیے اپنا سارا کام چھوڑ کر فوراً واپس پہنچ گئے تھے۔

"اب خیال آرہا ہے۔ اسے موت کے منہ میں دھکیل کے؟ تم دونوں۔۔۔ تم اور تمہارا لاڈلا۔۔۔ ایک مٹی سے بنے ہو۔ مطلب پرست، خود پرست اور صرف اپنا سوچنے والے۔ نہ تمہیں احساس تھا اس بے چاری کا۔ جو شوہر کی خوش نودی کے لیے تمہاری چاکری میں لگی رہتی تھی۔ اور نہ اسے تمہارے لاڈلے کو احساس تھا اس کا۔ اب دونوں ہی پچھتاتے رہو۔ جب وہ نہیں ہو گی تو تم دونوں کو پتا چلے گا۔" ڈیڈ کے الفاظ پہ تسبیح پڑھتی ماما جی تھرا اٹھی تھیں۔

"ایسے مت کہیں۔ خدا نہ کرے اسے کچھ ہو۔ ہمارے دیان کی دلہن ہے۔ اسے کیوں کچھ ہو۔" ان کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔

"اب احساس ہو رہا ہے۔ وہ دیان کی دلہن ہے۔ نہ اسے خیال تھا بے چاری کا، نہ تمہیں۔۔۔" انہوں نے لوہا گرم دیکھ کر مزید چوٹ کی تھی۔

"ہو تو رہا ہے احساس۔۔۔ اتنی پریشان ہوں اس کے لیے۔۔۔" انہوں نے بھرائی آواز میں کہا تھا۔

"اب تو تمہارا لاڈلا بھی بہت پریشان ہو رہا تھا۔ مجھے کال کی۔ ڈیڈ جلدی پہنچیں۔ دعا کریں اس کے لیے۔ اب اپنے سوو کے لالے پڑ گئے تھے نا۔۔۔ فکر کیوں نہ ہوتی۔" ڈیڈ نے سلگ کر بتایا تھا۔ انہیں نواسے کی اپنی بیوی سے لاتعلقی بہت کھلتی تھی۔ بہت دفعہ اسے سمجھایا بھی تھا، لیکن اس کی وہی اکڑ، وہی خودی۔۔۔ وہی نخوت۔

"بیویوں کو ان کی اوقات میں ہی رکھنا چاہیے ڈیڈ! پھر سر چڑھ جاتی ہیں۔ اور مجھے منہ چڑھی 'بک بک کرتی عورتیں نہیں پسند۔۔۔ جیسا ہے چلنے دیں۔ اور میں اس سے سیٹسفائیڈ ہوں۔" اس کی بے نیازی کے کیا ہی کہنے تھے۔ ڈیڈ تب حیران تھے اور بہت ہی حیران ہوئے تھے۔

"کیا وہ بھی تم سے سیٹسفائیڈ ہے؟" انہوں نے چونک کر پوچھا تھا۔

"آئی ڈونٹ نو۔۔۔ اور وہ سیٹسفائیڈ ہو گی۔ اسے اور کیا چاہیے؟" وہی نخوت بھرا انداز تھا۔ جیسے اس بے چاری سے شادی کر کے دیان صاحب نے بڑا احسان عظیم کیا تھا۔

"بیٹا! لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں اور بیوی سی مخلوق بن کر تو اور بھی بے چاری ہو جاتی ہیں۔ انہیں تو بڑے پیار سے رکھا جاتا ہے۔ ان کا اپنے شوہروں کے سوا ہوتا کون ہے؟ اور پھر چاشنین کا تو کیس ہی الگ ہے۔ اس کے تو پیرنٹس بھی نہیں۔۔۔ تم اپنے رویے کو بدلو۔ تھوڑا نرمی برتو۔ مجھے تو یقین نہیں آتا۔ کوئی اپنی پسند اپنی چوائس کے ساتھ بھی یہ حال کرتا ہے۔۔۔؟" وہ اسے سمجھاتے تھے۔ اسے تب سمجھ نہیں آتی تھی۔ اسے اب سمجھ آرہی تھی۔ بیوی کیا ہوتی ہے؟ وہ

حکم کی غلام نہیں ہوتی۔ نہ وہ ہاتھ باندھی کنیز ہوتی ہے۔ وہ ایک جیتی جاگتی انسان ہوتی ہے۔ اس کے بھی کچھ خواب ہوتے ہیں۔ کچھ جذبات ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی مرضی ہوتی ہے۔ تھوڑی سی آزادی کی خواہش رکھتی ہے' لیکن ان کا نواسا اس معاملے میں بڑے الگ خیالات رکھتا تھا۔ اس کے نزدیک بیوی کی نہ کوئی مرضی ہوتی تھی نہ کوئی خواہش ہوتی تھی۔ اور اسے گھر تک ہی محدود رکھنا چاہیے تھا۔ اور اسے دبا کر ہی رکھنا چاہیے تھا۔ اور اپنے رویئے' سختی اور دباؤ کو اب اچھی طرح سے بھگت بھی رہا تھا۔ مام جی نے حیرت سے شوہر کی تمام گفتگو سنی تھی۔ اور وہ صرف ایک ہی بات پہ اٹک گئی تھیں۔

"سود؟ کون سا سود؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا تھا۔ دل میں ایک عجیب سی سرخوشی کی لہر انگڑائی لے کر جاگی تھی۔

"وہی..... جیسے اس نے اپنی خودی اور انا میں گنوادیا۔ اپنے غصے کے ہاتھوں ضائع کردیا۔" ڈیڈ افسردگی سے اٹھے تھے اور مام جی صدمے سے بس گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

چاشین کی حالت سنبھل گئی تو اس نے گھر واپسی پہ صرف اتنا ہی کہا تھا۔

"افراح بھابھی! مجھے امن آباد جانا ہے۔ مجھے وہاں چھوڑ دیجیے۔" اس نے چیزیں سمیٹتی افراح بھابھی کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ افراح بھابھی رک سی گئی تھیں۔ ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"کیوں بیٹا! وہاں کیوں جانا ہے؟" انہیں اپنے ہی الفاظ اجنبی لگے تھے۔

"مجھے آپ کے گھر نہیں جانا بھابھی! مجھے امن آباد چھوڑ آئیں۔" اس کی ایک ہی ضد تھی۔ افراح بھابھی چپ سی کر گئیں۔

"ابھی تم ٹھیک نہیں ہو۔ جب بہتر ہو گی تو چلی جانا۔ ابھی کیوں جانا ہے؟" ان کی ملامت پہ اس نے آنکھوں میں ابھرتی نمی کو اندر دھکیل کر بھنچی آواز میں کہا۔

"اس لیے کہ میں آپ کے عزت ماب بیٹے کے قابل نہیں ہوں۔ میں نا سمجھ ہوں۔ ان پڑھ ہوں۔ مجھے کسی بات کی تمیز نہیں ہے اور میں ان جیسی نہیں بن سکتی۔ میں ان کی مام جی کو مارنا چاہتی تھی۔ ان کی ٹھیک سے کیئر نہیں کرتی۔ نہ آپ کی والدہ مجھ سے خوش ہیں نہ آپ کا بیٹا مجھ سے خوش ہے تو میرا یہاں رہنے کا کیا جواز بنتا ہے؟ جبکہ میرا بچہ بھی نہیں رہا....." وہ اپنے خالی خالی وجود کو دیکھتی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ افراح نے گہرا سانس بھرا اور اس کے قریب چلی آئیں..... وہ اس کی تکلیف کو سمجھتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں۔ چاشین جذباتی توڑ پھوڑ کا شکار تھی۔ اسے تسلی دینا چاہتی تھیں۔ سب سے بڑھ کر اس کا دل صاف کرنا ضروری تھا۔

"ایسا نہیں ہے چاشین! مام جی تم سے خوش ہیں..... اور جو کچھ بھی ہوا۔ مام جی کی وجہ سے ہوا۔ وہ نہ گرتیں' نہ انہیں چوٹیں آتیں اور نہ اتنا معاملہ بگڑتا۔ یقین کرو۔ ہمیں مام جی کے کسی بھی الزام پہ یقین نہیں تھا۔ اور نہ دیان کو تھا۔ اسے وقتی غصہ آیا تھا۔ مام جی کی تکلیف دیکھ کر۔ ان سے بہت پیار کرتا ہے۔ وہ مام جی کے لیے مجھ سے بھی لڑ پڑتا ہے۔ اسے بھی پتا تھا مام جی کی ذہنی رو بھٹک جائے تو جو مرضی بولتی رہتی ہیں۔ اسے بس اتنا غصہ تھا۔ اگر مام جی اوپر گئی تھیں تو تم ساتھ رہتیں۔ ان کا خیال رکھتیں اور ساتھ لے کر نیچے آتیں۔ وہ اکیلی تھیں۔ اسی لیے گر گئیں۔ اس نے ایک مرتبہ بھی یہ نہیں سوچا کہ تم نے انہیں گرایا تھا۔ وقتی غصے میں اس نے تمہیں کچھ برا بھلا کہا۔ لیکن یہ تب کی بات تھی۔ اب ایسا نہیں ہے۔ یقین کرو چاشین!" افراح بھابھی نے اس کے بکھرے بال سمیٹے تھے۔ اس کے آنسو پونچھے تھے۔ وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔ اور انہیں کیا بتاتی۔ دکھ یہ نہیں تھا کہ مام جی نے اس پہ الزام لگایا تھا اور دیان نے اس پر تشدد کیا۔ بغیر وجہ جانے' سمجھے' پوچھے' بلکہ دکھ تو دیان

کی بے اعتنائی کا تھا۔ بے رخی کا تھا۔ سنگ دلی کا تھا۔ وہ انہیں کیا کیا بتاتی؟ اس کا دل تو پور پور فگار تھا۔ زخم زخم تھا۔

"مجھے آپ کی بات پہ اعتبار ہے بھابھی! اور مجھے یہ بھی پتا ہے ماما جی ٹھیک نہیں ہیں۔ وہ تو ڈیڈ نہ بھی ہوں ان کے بارے میں بھی بہت کچھ کہہ دیتی ہیں۔ میری غلطی ہے کہ میں انہیں اوپر لائبریری میں چھوڑ کر نیچے کافی بنانے آگئی تھی۔ اور وہ میرے پیچھے ہی نیچے آگئیں۔ ان کا پاؤں سلپ ہوا اور وہ گر گئیں۔ میں جانتی ہوں۔ صاحب نے بھی وقتی غصے میں کہا۔ مگر کہا تو تھا نا‘ مجھ پہ بے اعتباری ظاہر کی۔ مجھے تکلیف دی۔ مجھے مارا اور میرا بچہ چلا گیا۔ شاید اللہ کی یہی مرضی تھی۔ میری قسمت خراب تھی۔ میں جانتی ہوں۔ میں بخت آور کہیں سے نہیں ہوں۔ میں نے اس پر صبر کرلیا ہے بھابھی! اس کے علاوہ میں کیا کرسکتی ہوں؟ صبر ہی کرسکتی ہوں۔ لیکن پھر بھی مجھے واپس آپ کے گھر نہیں جانا۔ میں آپ کے بیٹے کی پسند نہیں ہوں۔ ان کی زندگی پہ زبردستی مسلط ہوں۔ وہ مجھ سے خوش نہیں۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتے...... ان کا اکھڑا اور تلخ رویہ چیخ چیخ کر مجھے احساس دلاتا ہے۔ میں ان کے قابل ہی نہیں تھی۔ پھر آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے ان سے میری شادی کیوں کردی تھی؟ آپ ان کے لیے‘ ان ہی کے جیسی بلند لڑکی لاتیں۔ جو ان کے قابل ہوتی۔ عقل میں‘ سوچ میں‘ ذہن میں۔ علم میں...... اسٹیٹس میں۔ میں تو بہت حقیر تھی۔ کم علم تھی۔ مجھ میں تو گٹس ہی نہیں۔ آپ نے یہ ظلم کیوں کیا؟ ایک مشکل ترین بندے سے میری شادی کروادی۔ آپ ہی نے کی۔ آپ نہ کرتیں۔ آپ کاشمیرا کو لے آتیں" وہ بے ربط سا بولتی جارہی تھی۔ اتنے مہینوں کا لاوا تھا جو پھٹ پڑا تھا۔ وہ بولتی رہی تھی۔ افراح بھابھی سنتی رہی تھیں۔ جب وہ بول بول کر تھک گئی تو افراح بھابھی نے رسان سے کہنا شروع کیا تھا۔ ان کے لہجے میں سچائی تھی۔ ملائمت تھی۔ اور جو کچھ افراح بھابھی بتارہی تھیں اسے سن کر جاشین کا منہ کھل گیا تھا۔

اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

"جو تم نے کہنا تھا۔ کہہ لیا۔ شاید ٹھیک ہی کہا۔ میرا بیٹا کچھ مشکل پسند ہے۔ اور شاید احساس برتری کا شکار بھی ہے۔ تب ہی تو اسے اپنے اور میرے سرکل میں سے ایک بھی لڑکی نہیں بھائی تھی۔ میں ‘ماما جی‘ ڈیڈ جس کا بھی نام لیتے وہ انکار کردیتا تھا۔ یا وہ اپنے سے بہتر کسی کو نہیں چاہتا تھا۔ یا وہ اپنے برابر کسی کو نہیں چاہتا تھا۔ اور یہ دو چیزیں ہمارے سرکل میں وافر پائی جاتی تھیں۔ تنگ آکر میں نے اور اروب نے کاشمیرا کو مانگنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اور ہم نے اس سے پوچھے بغیر پرپوزل بھی دے دیا تھا۔ لیکن بعد میں ہمیں بڑی خفت اٹھانا پڑی تھی کیونکہ دیان نے صاف انکار کردیا تھا۔ اسے لگتا تھا ایسی کوئی بھی لڑکی اس کے ساتھ نہیں چل سکتی تھی۔" وہ جانتا تھا۔ اس کا مزاج کیسا تھا۔ وہ مختلف تھا۔ مشکل پسند تھا۔ تھوڑا خود پسند تھا۔ وہ سب کچھ ہی تھا۔ میں بھی مانتی ہوں۔ لیکن ایک بات سمجھ لو جاشین! ہمیشہ کے لیے جان لو۔ تم اس پہ مسلط ہرگز نہیں تھی۔ ہم ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے کہ تمہاری زبردستی اس سے شادی کرواتے یا اسے تم سے مجبور کرتے شادی کرنے کے لیے۔ تمہیں اس بات کا یقین دلانے کے لیے مجھے کچھ پیچھے جانا پڑے گا۔ جب ہم‘ میں اور اروب امن آباد جانا چاہتے تھے۔ تو بڑی مشکل سے دیان کو ساتھ لے کر گئے تھے۔ ڈرائیور چھٹی پر تھا۔ اروب ڈرائیونگ نہیں کرسکتے تھے۔ یوں مجبوراً دیان کو ہمیں امن آباد لے جانا پڑا۔ مجھے یاد ہے۔ وہاں دیان برے موڈ کے ساتھ گیا تھا۔ وہ جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے وہاں رکا تھا۔ صرف چند لمحوں کے لیے۔ اور تب تم سامنے نہیں آئی تھی۔ پھر اس نے تمہیں کہاں دیکھا تھا؟ میں نے بہت دفعہ سوچا اور مجھے ناکامی ہوئی۔ مجھے یاد نہیں آتا تھا کہ تمہیں دیان نے کہاں دیکھا تھا؟

یہ معاملہ یہاں تک ہی رہتا۔ آگے نہ ہی بڑھتا۔ لیکن دیان نے اچانک ہی ایک فیصلہ کردیا اور اس پہ ڈٹ گیا۔ میں حیران تھی۔ پریشان تھی اور قطعاً "نہیں

چاہتی تھی کہ امن آباد سے کوئی لڑکی بہو بنا کر لاؤں۔۔۔۔ لیکن دیان کی ضد نے ہمیں مجبور کر دیا تھا۔ پھر میں نے پوچھا۔ وہ کس لڑکی سے شادی کرے گا؟ تو اس نے ایک عجیب بات کہی تھی۔

اس نے کہا۔۔۔۔ "وہ جو دوسری منزل پہ کھڑکی میں کھڑی تھی۔ جس کے ہاتھ میں کتاب تھی۔" میرا ذہن رادیہ 'لیلیٰ' ناجیہ کی طرف بھٹکا۔ وہ اچھی تھیں۔ ایجوکیٹڈ بھی رکھ رکھاؤ والی بھی۔ مجھے تو اتنے دن بعد بھی یقین نہیں آیا تھا۔ وہ لڑکی جو کھڑکی میں کھڑی تھی۔ وہ لیلیٰ' ناجیہ' رادیہ میں سے کوئی نہیں تھی۔ وہ تم تھیں۔ میرے لیے' بہت حیران کن بات تھی۔ دیان تم جیسی امیچور' کم عمر لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا؟ ہماری لمبی لمبی جھڑپیں اور لمبی لمبی بحثیں ہوئیں۔ وہ کہانی الگ ہی تھی۔ بس دیان نے مجھے اتنا ہی سمجھایا۔ "ممی! میرے ساتھ بس وہی چل سکتی ہے۔۔۔۔" اور مجھے دیان کی بات سمجھ آگئی تھی۔ اس کے ساتھ بس تم ہی چل سکتی تھیں۔ مجھے یقین بھی آگیا۔ وہ بہت مشکل پسند ہے۔ تھوڑا مغرور ہے۔ تھوڑا اکھڑ ہے۔ تھوڑا لاتعلق رہتا ہے۔ لیکن یہ بات تمہاری خوشی اور ذہنی سکون کے لیے کم نہیں کہ تم خالصتاً" اس کی پسند سے اس گھر میں ہو۔ تم اس کی پہلی اور آخری چوائس ہو۔ کیا تمہاری خوشی کے لیے یہ کم نہیں؟ ایک بات تمہیں بتادوں۔ وہ ساری عمر بھی گزار کر تمہیں یہ نہیں بتائے گا۔ یہ نہیں کہے گا۔ "تم میری پسند ہو۔" وہ کبھی اظہار نہیں کرے گا۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ اور فطرت کبھی نہیں بدلتی۔ لیکن تمہیں اس کے ایسے ہی مزاج کے ساتھ کمپرومائز کرنا پڑے گا۔

جو حادثہ تمہارے ساتھ ہوا۔ انجانے میں ہی سہی۔ بیٹا! ایک بات سمجھ لو۔ وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ تم پریگننٹ ہو تو ایسی نوبت ہی نہ آتی۔ جو نقصان تمہارا ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر ہمارا ہوا ہے۔ ہم نے اپنا سود گنوادیا ہے۔ وہ بہت تکلیف میں ہے۔ جس دکھ سے تم گزری ہو۔ وہ بھی اسی تکلیف سے گزرا ہے۔ اس نے بھی یہ نہیں سوچا تھا ایسا کچھ ہو جائے گا۔ جو بھی ہوا بے خبری میں ہوا۔ اور بیٹا! اور اللہ نے چاہا تو امید پھر سے لگ جائے گی۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ تم اپنا گھربار چھوڑ کر چلی جاؤ۔ تم اپنا دل صاف کرلو بیٹا! بس اتنا سوچ کر خوش گمان ہو جایا کرو کہ تمہارا شوہر صرف تمہارا ہی رہے گا۔ اس کے دل تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ سوائے تمہارے۔" افراح بھابھی نے بے یقینی کے ہنڈولوں میں جھولتی جاشین کو ہر فکر' غم اور دکھ سے بے گانہ کر دیا تھا۔ ہر لفظ' ہر وضاحت اور ہر غم ان الفاظ کے سامنے ہیچ تھا۔ وہ اپنے صاحب کی پسند تھی۔۔۔؟ کیا یہ خوشی کم تھی؟ کیا یہ احساس چھوٹا تھا عمر بھر کے سکون اور شانتی کے لیے۔ قناعت پسند سی جاشین کو اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے تھا۔ کچھ بھی نہیں چاہیے تھا۔

وہ عمر بھر کے لیے نواز دی گئی تھی

☼ ☼ ☼

اور پھر ایک سال مزید گزر گیا تھا۔ ایک اور سرد ترین موسم پھیل گیا۔ دیان ہاؤس بھی اسی موسم کے زیر اثر تھا۔ دھند اور برف بادل کی طرح پھیلتی تھی۔ پورا دیان ہاؤس دھند میں لپٹ جاتا تھا۔ مام جی اور ڈیڈ عمرہ کرنے روانہ ہو چکے تھے۔ افراح بھابھی اور اردب بھائی جان صبح صبح ہی پنڈی کے لیے نکلے تھے۔ البتہ امن وامان یہیں تھیں۔ اور ابھی لمبی چھٹی کا ارادہ رکھتی تھیں۔ کیونکہ اپنے من پسند کھلونے کو چھوڑ کر ان دونوں کا کہیں بھی جانے کو دل نہیں کرتا تھا۔ چار ماہ کا حنان ان سب کی آنکھوں کا تارہ تھا۔ دادا' دادی' بابا اور دونوں پھپھیوں کی جان بند تھی۔ وہ دونوں تو اسے فیڈ کرنے کے لیے بھی جاشین کو نہیں دیتی تھیں۔ پورا وقت ان کی باری باری گود میں منتقل ہوتا تھا۔ کبھی وہ اسے پرام میں ڈال کر ہال میں گھماتی تھیں۔ موسم اچھا ہوتا تو باہر بھی لے جاتیں۔ اور ہر وقت حنان کے ساتھ سیلفیاں بنانے میں دونوں کا وقت گزرتا تھا۔

حنان کا ملنا ان کی زندگیوں میں آنا ایک اعزاز تھا۔ حنان نے ان کی زندگی میں آکر سب کو ایک ایک

عہدے پر پروموٹ کردیا تھا۔ بیگ سے ادرب بھائی جان اور افراح بھابھی دادی اور دادا بن چکے تھے۔ جاشین کو حنان نے امی اور دیان کو بابا بنادیا تھا۔ سب سے معتبر رشتے پہ امن و امان فائز ہوگئی تھیں۔ چھوٹی سی دونوں پھپھیاں اپنے بھتیجے کے ناز اٹھا اٹھا کر نہیں تھکتی تھیں۔ اور فرینڈز میں اترا اترا کر چلتی تھیں۔ اکثر صاحب بھی امن و امان کو ٹوک دیتے۔

"نہ کرو یار! بے چارا تنگ پڑجاتا ہے۔ تم دونوں اسے سونے بھی نہیں دیتیں۔" جب دیان بہنوں کو ٹوکتا تو افراح بھابھی فوراً بول پڑتی تھیں۔

"اپنے جیسا روکھا نہ بناؤ حنان کو۔ وہ نہیں تنگ پڑتا۔ بچیوں کو کھیلنے دو۔" افراح بھابھی کے جواب پہ دیان خاموش ہوجاتا تھا اور جاشین مسکراہٹ چھپا کر ادھر ادھر ہوجاتی تھی۔ صاحب کے ساتھ افراح بھابھی ہی نمٹتی تھیں اور اب حنان کی وجہ سے اکھڑ مزاج گھڑی کی سوئی پہ چلنے والے صاحب کی پوری روٹین ڈسٹرب ہوچکی تھی۔ حنان صاحب رات دیر تک جاگتے اور صبح دیر سے اٹھتے تھے۔ یوں دیان اپنے روم میں جاشین کا انتظار کرکے تنگ آجاتے۔ حنان نے حقیقت میں ان کی زندگی کافی بدل دی تھی۔ صاحب کی تنگ مزاجی میں کمی آگئی تھی۔ بیٹے کے ساتھ ساتھ بیٹے کی ماں کو بھی وقت دیتے تھے۔ اس کا خیال رکھتے تھے۔ انہیں گھماتے پھراتے تھے۔ وہ لوگ شہر بھی جاتے۔ آؤٹنگ بھی کرتے۔ شاپنگ بھی ہوٹلنگ بھی۔ زندگی میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ اور یہ سب تب ہی بدلا تھا جب ایک ٹھوکر لگی۔ گو کہ اس ٹھوکر کے بدلے میں دیان کا بہت نقصان ہوا تھا۔ لیکن اس نے ٹھوکر سے سبق حاصل کرلیا تھا۔

وہ اپنے ایک بچے کو کھوچکا تھا۔ مزید کوئی نقصان نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی اس صورت میں جب ڈاکٹر نے جاشین کی زندگی کے چانسز بھی کم کم بتائے تھے۔ تب دیان کو احساس ہوا تھا۔ جاشین اس کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتی تھی؟ اس کی خدمت ٗ چاہت ٗ الفت کا ہر رنگ نکل کے سامنے آگیا تھا۔ وہ اندر سے پشیمان بھی تھا۔ اپنے روکھے رویے پہ نادم بھی۔۔۔ اسے احساس ہوچکا تھا۔ لیکن ضروری تھا وہ معذرتیں کرتا؟ اور اظہار بھی کرتا؟ ہاں اس نے خود کو بدل لیا تھا۔ وہ تھوڑا نرم ہوگیا تھا۔۔۔ اور اپنی سطح سے کچھ نیچے آگیا تھا۔ وہ جاشین کے لیے اور سے اور ہوگیا۔ اس کا خیال بھی رکھتا تھا۔ ضرورتیں بھی پوری کرتا تھا۔ اور تو اور امن آباد بھی باقاعدگی سے لے جاتا۔ باجیوں کی شادیوں میں بھی بھرپور شرکت کی تھی۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ بہترین تھا۔ اور بہت اچھا گزر رہا تھا۔ جاشین مطمئن تھی۔ خوش تھی۔ تو دیان بھی اپنی زندگی میں پرسکون تھا۔

لیکن آج بھی وہ اظہار کے معاملے میں اتنا ہی بے نیاز تھا۔ وہ اسے یہ نہیں کہتا تھا۔ "کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔ یا تم میری زندگی کا لازمی جزو ہو۔" اس کے باوجود دیان کا ہر عمل اظہار کی واضح تصویر تھا۔ اس کے الفاظ جاشین کے لیے نہیں تھے۔ وہ اسے چاہتا تھا۔ خیال رکھتا تھا۔ وقت دیتا تھا اور پھر بھی اظہار سے لاتعلق تھا۔ وہ جاشین کو کیوں بتاتا؟ کیا سر چڑھانے کے لیے؟ پہلے ہی حنان کو پیدا کرکے وہ خاصی منہ چڑھ گئی تھی۔ تو کیا مزید بھی اسے خود پہ سوار کرلیتا؟ وہ اپنی عادت اور فطرت سے مجبور تھا اور اسی فطرت کے ساتھ خوش تھا۔

جہاں تک جاشین کا تعلق تھا۔ تو وہ اب بھی دیان کی سانسوں کے ساتھ چلتی تھی۔ اس کی خدمت کرتی تھی۔ محبت کرتی تھی اور ایک وفاشعار بیوی کی طرح اس مدار کے گرد گھوم رہی تھی۔ وہ اپنے اس مدار میں دیان کی فطرت کے ہر رنگ کے ساتھ مطمئن اور خوش تھی۔ اس نے دیان کی فطرت کے ہر رنگ کے ساتھ سمجھوتا کرلیا تھا۔ کیونکہ وہ افراح بھابھی کی بدولت اس سچ کی حقیقت سے واقف تھی۔ کیونکہ وہ دیان ادرب کی حقیقی پسند تھی۔ وہ اظہار کرتا یا نہ کرتا۔۔۔ اور یہ ایسا احساس تھا جو عمر بھر کے زادراہ کے لیے کافی تھا۔

☆ ☆

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراضی کی وجہ سے اپنے خرچ مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔ نینا کی سلیم سے بہت دوستی ہے۔ سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ سلیم نے پرائیویٹ انٹر کیا ہے اور اس کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوتی ہے۔

سمیع اور شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جاکر شادی کی ہے' لیکن شہرین اپنے والدین کی ناراضی کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے۔ سمیع اور شہرین دونوں اپنی بیٹی ایمن کی طرف سے بہت لاپروا ہیں اور انہوں نے گھر کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلا لیا ہے۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا' صوفیہ کی شادی کاشف نثار سے ہوتی ہے' جو وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ شادی کے بعد صوفیہ کو کاشف کا غیر عورتوں سے بے تکلفی سے ملنا پسند نہیں آتا اور وہ شک کا اظہار کرتی ہے' لیکن کاشف کاروبار کا تقاضا ہے کہہ کر اس کو مطمئن کر دیتا ہے۔ صوفیہ کو کاشف کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی ہے کیونکہ

وہ کاشف سے بہت بے تکلف ہے۔ صوفیہ کی ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ زرمین۔
حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوجاتا ہے وہ اپنا سارا پیسا کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کردیتی ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے کاشف کے انکار پر ان کا جھگڑا ہوجاتا ہے اور وہ دبئی چلی جاتی ہے۔
کاشف کے تعلقات ایک ناکام اداکارہ رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں اور وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کرلیتی ہے اور اس چکر میں کاشف اپنا سارا پیسا لٹا دیتا ہے۔ صوفیہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ کاشف کی ماں بی بی جان کا انتقال ہوجاتا ہے۔
سلیم کی بہن رخشی کا انتقال ہوجاتا ہے اور نینا اس کی بیٹی مہر کے لیے پریشان ہوتی ہے۔ نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس اپ پر تنگ کررہا ہے۔ "آئی لو یو رانیہ" لکھ کر۔
شہرین کو برین ٹیومر ہوجاتا ہے اور سمیع اس کا آپریشن کرواتا ہے اور اس کی ماں کو منا کر اسپتال لے آتا ہے۔
زری جس لڑکے سے بات کرتی تھی وہ شادی کے لیے کہتا ہے زری نینا سے ذکر کرتی ہے۔ نینا اس کی تصویر دیکھ کر چونک جاتی ہے بعد میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو رانیہ کو میسج کرتا تھا وہ زری کو منع کرتی ہے اور سلیم کے کہنے پر زری کو سمجھانے کے لیے رات کو سلیم کو گھر بلاتی ہے۔ زری اس پر سلیم سے محبت کرنے کا الزام لگاتی ہے۔ شور ہونے پر ابا جاگ جاتے ہیں اور سلیم کو تھپڑ مارتے ہیں۔ سلیم صدمے اور شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کرلیتا ہے۔
کاشف کے دبئی جانے کے بعد وہاں پر اس کے تعلقات حبیبہ سے دوبارہ استوار ہوجاتے ہیں اور حبیبہ اس کا سارا خرچا برداشت کرتی ہے۔ صوفیہ دبئی جاتی ہے وہاں حبیبہ اور کاشف کے تعلقات دیکھ کر چونک جاتی ہے اور پاکستان جانے سے انکار کردیتی ہے۔ کاشف اس کو بہلا پھسلا کر پاکستان بھیج دیتا ہے۔
صوفیہ کی اپنی بھابھیوں سے لڑائی ہوجاتی ہے اور وہ اپنی بڑی بہن کے گھر جاکے رہنے لگتی اور کاشف سے دبئی بلانے پر اصرار کرتی ہے۔ بہن ہی کے گھر پر صوفیہ نینا کو جنم دیتی ہے اور دیر نہ لگنے کی وجہ سے اس کو بہن کے پاس چھوڑ کر دبئی چلی جاتی ہے۔ صوفیہ کی بہن نینا کو اپنا دودھ پلاتی ہیں۔
زری پر انکشاف ہوتا ہے کہ نینا اور سلیم رضاعی بہن بھائی ہیں۔
(اب آگے پڑھیے)

سولہویں قسط

"آپ شک کررہے ہیں مجھ پر۔۔۔" وہ جب بولنے کے قابل ہوئی تو بس یہی آواز نکلی تھی منہ سے۔۔۔ کاشف نے ایک نظر اسے دیکھا پھر طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے ہنکارا بھرا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا گویا خاموش رہ کر تصدیق کردی کہ جو کہہ رہا ہے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جبکہ صوفیہ تو تڑپ اٹھی۔
"آپ کو کیا ہوگیا ہے کاشف۔۔۔ آپ مجھے بری عورت سمجھتے ہیں کیا۔۔۔ آپ حبیبہ کا موازنہ میرے ساتھ کریں گے اب۔۔۔ کیا میری ریاضتوں کا یہی صلہ ہے کہ آپ مجھے میری ہی بیٹی کا طعنہ دے رہے ہیں۔ اتنے بے یقین ہیں آپ تو لائیں قرآن پاک۔۔۔ میں کوئی بھی قسم کھانے کو تیار ہوں۔۔۔ لیکن مجھے اور میری اولاد کو یوں بے توقیر نہ کریں۔۔۔ مت کریں ایسے۔۔۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔
"کیوں برا لگا۔۔۔! آخر تم بھی تو یہی کرتی ہو میرے ساتھ۔۔۔ میں تو کسی کو نظر اٹھا کر بھی دیکھ لوں تو تم سمجھتی ہو کہ شاید میرے تعلقات ہیں اس سے۔۔۔ حبیبہ کو کیا کیا نہیں کہتی تھیں تم۔۔۔ حالانکہ اس کے ساتھ میرے کاروباری تعلقات ہی تھے۔۔۔ کھا گئیں تمہاری بددعائیں اسے۔۔۔ اب خوش ہو تم۔"
کاشف پر جیسے اس کی بات کا اثر ہی نہ ہوا تھا۔ اسے رونا آنے لگا تھا۔ کاشف چند لمحے کچھ نہیں بولا۔ پھر جیسے اسے احساس ہوا کہ وہ بالکل لاچار ہے۔ اسے ایک فل ٹائم نرس کی ضرورت بھی ہے جو اس مشرقی عورت سے

بستر کوئی دوسری نہیں ہو سکتی تھی۔
"صوفیہ رونا بند کرو... لیکن میں تمہیں صرف احساس دلانا چاہتا تھا کہ جب کوئی آپ پر بلاوجہ شک کرتا ہے تو کیا محسوس ہوتا ہے... اب تمہیں میرے درد کا صحیح اندازہ ہو گا۔" وہ لہجے کو معتدل کر کے بولا تھا۔ صوفیہ نے کچھ نہیں کہا لیکن آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ کونین کی دنیا میں آمد اس کے اور کاشف کے تعلقات میں دراڑ ڈال دے گی ایسا تو سوچا بھی نا تھا اس نے... اور ساتھ ہی دل میں شرمندگی بھی ہوئی کہ شاید واقعی وہی غلط ہے جو اپنے شوہر پر بلاوجہ شک کرتی ہے...
"کاشف کو بھی اتنا ہی برا محسوس ہوتا ہو گا جب میں ان پر شک کرتی ہوں" وہ سوچ رہی تھی اور ہلکان ہو رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

"اچھے انسان ہیں آپ خاور صاحب۔" اس کی سماعتوں میں جیسے کسی نے مٹھاس گھول دی تھی۔ بستر پر لیٹے بلاوجہ ہی وہ اس ملاقات کے متعلق سوچتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے بولے گئے جملے 'ناک چڑھا کر ادا کیا گیا ایک ایک فقرہ جیسے ذہن میں محفوظ سا ہو گیا تھا اور پھر ساری گفتگو کے درمیان ذرا ذرا سی دیر کو چہرے پر چمکنے والی مسکراہٹ' تو اس سے بھلائے نہیں بھولی جا رہی تھی۔
یہ شاید پہلی بار تھا کہ وہ اس طرح سے مسکرا کر بات کر رہی تھی۔ وہ اسے اچھی لگتی تھی' یہ بات تو وہ بہت پہلے اپنے آپ سے تسلیم کر چکا تھا' لیکن یہ محبت نہیں تھی اس بات کا اسے اندازہ تھا۔ اسے اس کی شخصیت میں ایک اسرار محسوس ہوتا تھا' ایک معمہ' ایک گتھی جسے خواہ مخواہ سلجھانے کو دل چاہے' جس کے ساتھ بلاوجہ بیٹھنے کو' وقت بتانے کی خواہش پیدا ہونے لگے۔ بس اتنی سی ہی خواہش جاگتی تھی کبھی کبھی جسے وہ اپنا چھچھورپن کہہ کر ٹالتا رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ پسندیدگی کبھی بڑھتی اور محبت کے دائرے میں داخل ہو جاتی' لیکن ایک شخص تھا جس نے ہمیشہ اس کے اس جذبے کی نفی کی تھی اور اس کی پیش قدمی کو روکا تھا... کون تھا وہ شخص...

✡ ✡ ✡

"کمینے تیری ہمت کیسے ہوئی میری بہن سے ایسی بات کرنے کی" سلیم اس پر چلایا تھا۔ خاور نے خجالت سے بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں۔
"او یار' میرا وہ مطلب نہیں تھا... اس نے غلط سمجھا..." وہ وضاحت دینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن سلیم کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔
"اس نے غلط سمجھا... اس نے... او دو ٹکے کے کلرک' وہ تمہاری طرح ان پڑھ نہیں ہے... انتہائی ذہین لڑکی ہے... وہ غلط نہیں سمجھی... یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم نے ہی غلط بات کی تھی... آئے بڑے راجا اندر کہیں سے' اپنی ہی شادی کا پروپوزل لے کر... اونہہ۔" سلیم منہ بگاڑ کر بولا تھا۔
"او یار تو تو سینٹی ہی ہو گیا ہے... قسم سے میں نے مذاق کیا تھا... وہ تمہاری بہن ایک ہی بات دہرائے چلی جا رہی تھی کہ مہر کے ساتھ رہنے کی کوئی سبیل بن جائے... میں مہر کو اپنے ساتھ رکھوں گی وغیرہ وغیرہ... تو بس میں نے بات برائے بات ایک حل نکالنے کی کوشش کی تھی' اس کے مسئلے کی... اور وہ بھی مذاق میں قسم سے..." اس نے گردن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی لیکن سلیم کی خفگی ختم نہیں ہوئی تھی۔
"اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہے لیکن اگر یہ سچ نہیں ہے تو ایک بات کان کھول کر سن لو... یہ ممکن نہیں

ہے۔ نوشی باجی اور آصف بھائی کی شادی ہمارے خاندان کا ایک غلط فیصلہ تھا 'اب یہ جو نئی پھل جھڑی تم نے چھوڑی ہے نا۔۔۔ ہماری طرف والے اس پر راضی ہوں گے نا تمہاری طرف والے۔۔۔ اس لیے براہ مہربانی دوبارہ یہ ڈھائی کا پہاڑ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" سلیم نے اب کی بار دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔ خاور نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"ارے کہہ تو رہا ہوں کہ مذاق کیا تھا۔۔۔ تم میری بات کو اتنا سنجیدہ کیوں لے رہے ہو؟"

"میری تو خیر ہے۔۔۔ مجھے تو یہ فکر ہے کہ اگر اس نے سنجیدہ لے لیا تو۔۔۔؟" سلیم ابھی بھی چڑچڑا ہو رہا تھا۔

"ہیں۔۔۔ واقعی ایسا چانس بھی ہے کیا؟" خاور نے مصنوعی انداز میں باچھیں چیرتے ہوئے کہا تھا۔ سلیم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"بدنیت انسان۔۔۔ نکل یہاں سے۔۔۔ خبردار جو اب میری دکان پر قدم رکھا تو۔۔۔" سلیم نے اپنی بیساکھی اٹھا کر اس کے ہاتھ پر ماری تھی۔

"آہ۔۔۔" خاور کراہا تھا۔

"دفع دور۔۔۔ ظالم انسان۔۔۔ کتنے احسان فراموش ہو تم۔۔۔ اپنی اس کزن کی خاطر اس بچپن کے دوست پر ایسے تشدد کرو گے تم۔۔۔ جاؤ اب نہیں آؤں گا تمہاری دکان پر۔۔۔ خبردار جو اب اپنی کہانیوں اور گھٹیا نظموں کی رائلٹی منگوانے کے لیے میرے آفس کا ایڈریس استعمال کیا تو۔۔۔" خاور بلبلا کر بولا تھا۔

"کزن نہیں ہے۔۔۔ بہن ہے میری بہنوں سے بھی بڑھ کر ہے۔۔۔ اس لیے کہہ رہا ہوں۔۔۔ خبردار اب ایسی واہی بات نا کرنا اس سے۔۔۔ واہیات انسان نا ہو تو۔۔۔ چھچھورا" سلیم پر ذرا اثر نہیں ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر کافی سنجیدگی تھی' جسے محسوس کر کے خاور بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"یار۔۔۔ تم مجھے کوئی دو نمبر گھٹیا انسان سمجھتے ہو نا۔۔۔ ہاں مان لیتا ہوں کہ میں ایک غریب انسان ہوں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم مجھے کوئی ٹھرکی یا کوئی چول انسان سمجھنا شروع کر دو۔۔۔ اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں کہ دوست کی بہن کو ہی دھوکا دینے کی کوشش کروں گا۔۔۔ اچھا انسان ہوں میں یار۔" خاور نے سادہ سے لہجے میں جیسے جتانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے پروپوزل کو اتنا بھی نیم سنجیدہ نا لیا جائے۔ سلیم نے فوراً" نفی میں سر ہلایا۔

"تم جتنے اچھے ہو نا۔۔۔ میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔۔۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں اب یہ بات مت دہرانا۔۔۔ خواہ مخواہ ہماری دوستی میں دراڑ پڑے گی۔" سلیم کا انداز دو ٹوک تھا۔ خاور کو برا لگا مگر پھر بھی اسے سلیم کی دوستی عزیز تھی۔ اس نے سر ہلا کر اس کی بات مان لینے کا عندیہ ظاہر کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اظفر کو میرے پاؤں بہت پسند ہیں" زری نے شرمیلی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر کہا تھا۔ آج اس کی منگنی کی تقریب تھی۔ سب مہمان گھنٹہ بھر پہلے ہی واپس گئے تھے۔ زری اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ کوئی بھی سراہے بنا نا رہ سکا تھا۔ رشتہ داروں کے منہ سے ایک ہی فقرہ سننے کو ملا۔

"زری تو بالکل اپنے باپ کی جیسی ہے۔۔۔ نینا ماں سے ملتی ہے۔" یہ فقرہ اکثر لوگ کہتے رہتے تھے اور ابا اس فقرے کو سن کر پھولے نا سماتے تھے جیسے اس بات کا سارا کریڈٹ انہی کو جاتا ہو۔ امی اس بات کو بھی اپنے لیے دیا گیا کوئی کمپلیمنٹ سمجھ کر وصول کرتی تھیں اور نینا کو اس بات پر ہمیشہ غصہ آ جاتا تھا۔

"زری نہیں' میں بالکل ابا کے جیسی ہوں۔۔۔ بے صبری اور منہ پھٹ۔۔۔ زری تو بالکل اماں جیسی ہے۔۔۔ صابر اور متحمل مزاج۔" وہ اکثر یہ بات کہنے والے کے منہ پر ہی کہہ دیا کرتی تھی' لیکن زری کی منگنی پر اس کا سجا سنورا

سراپا دیکھ کر اسے بھی یقین آگیا تھا کہ زری نے رنگ روپ اور نقش و نگار ایا سے ہی لیے تھے۔ وہ اپنے اسپیشل ڈے پر اتنی دل موہ لینے والی لگ رہی تھی کہ نظریں اس کے وجود سے ہٹتی ہی نا تھیں۔ کسی ملک کی طرح حسین اور کسی نوخیز شہزادی کے جیسی، طرح دار، زری کو دیکھ کر سب ہی اظفر کی قسمت پر رشک کرتے رہے اور نینا بس زری کو دیکھ کر چپکے چپکے آنسو بہاتی رہی۔

اپنی بہن کے اسپیشل ڈے پر اسے سلیم اتنا یاد آتا رہا کہ نا چاہتے ہوئے بھی وہ اداس رہی۔ حالانکہ اس نے کسی پر ظاہر نا ہونے دیا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ زری کی خوشی کی خاطر اس نے مزاج کو بھی خوش گوار رکھا، سب کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ اچھی میزبان ہو کر سب مہمانوں کو، بالخصوص زری کے تمام سسرالیوں کو کوئی طعنہ دیے بغیر، مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائے ہنس ہنس کر ڈیل کرتی رہی۔ اظفر سے بھی باتیں کر کے زری کو دلی سکون بخشتی رہی لیکن ذہنی طور پر اسے بہت تھکن ہو گئی تھی۔

مہمانوں کے چلے جانے کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ رضائی کو سر تک لپیٹ کر لیٹ جائے گی، لیکن زری میک اپ صاف کر کے آئی تو اپنے اور اس کے لیے چائے بنا لائی۔ اسے ڈھیروں ڈھیر گفٹس ملے تھے۔ سسرال والے بھی کافی کچھ لائے تھے۔ وہ نینا کے ساتھ مل کر سب دیکھنا چاہتی تھی، اس سے اپنی خوشی شیئر کرنا چاہ رہی تھی۔ نینا نے آج سارا دن اپنی طبیعت کے برخلاف گزارا تھا اور زری کی خاطر ہی گزارا تھا، سو اب بھی اس کی خاطر وہ نا چاہتے ہوئے بھی گفٹس کھول کھول کر دیکھنے لگی تھی۔ اظفر نے اسے گولڈ کی اینکلیٹ دی تھی۔ اسے ہی دیکھتے ہوئے زری نے نینا کی رائے لینی چاہی تھی۔ نینا اس کے پاؤں کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاؤں بہت خوب صورت تھے اور آج تو اس نے مہندی بھی لگا رکھی تھی۔ سرخ مہندی دودھیا پاؤں کی خوب صورتی کو مزید بڑھا رہی تھی اور نازک سی اینکلیٹ تو پاؤں میں سج گئی تھی۔ زری نے فوراً ہی سیل فون نکال کر پاؤں کی تین چار تصاویر اتاری تھیں اور پھر یقیناً انہیں اظفر کو واٹس ایپ کر دیا تھا۔ نینا اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"اظفر کہتا ہے میرے پاؤں بہت خوب صورت ہیں..... ہیں نینا..... واقعی۔" اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر زری نے اس سے رائے لینی چاہی تھی۔ اظفر کا ذکر آتے ہی اس کے چہرہ چمکنے لگتا تھا۔ نینا کو پھر سلیم یاد آیا۔

"زری، کیوں پسند ہے تمہیں حالانکہ وہ تو تم سے بات بھی نہیں کرتی؟" کوئی پرانا جملہ سماعتوں میں گونجنے لگا تھا۔

"محبت میں کیا پسند، کیوں پسند، کیسے پسند، کس لیے پسند نہیں ہوتا نگلی..... محبت اگر واقعی محبت ہو تو پھر وضاحتوں

ڈیلیوں اور توجیہات سے مبرا ہوتی ہے... مجھے تو خود نہیں پتا وہ مجھے کیوں پسند ہے... بس میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اسے دیکھتا ہوں تو اپنا آپ بھولنے لگتا ہوں..." وہ زری کے ذکر پر ہمیشہ خوش ہو جایا کرتا تھا اور نیناہمیشہ پشیمان... وہ جانتی تھی زری کبھی سلیم کو قبول نہیں کرے گی۔

"اونہہ... مجھے پتا ہوتا کہ تم ایک سادہ سے سوال کا اتنا مشکل اور فضول جواب دو گے تو کبھی پوچھتی ہی نہیں... بہتر ہے تم سے پاپڑوں اور مونٹوں کی ہی باتیں کی جائیں۔" وہ ہمیشہ اس کو زری کے لیے جذباتی ہوتا دیکھ کر موضوع تبدیل کر دیا کرتی تھی۔

"بولو نا نینا... کیا سوچ رہی ہو۔" اسے سوچ میں گم دیکھ کر زری نے اسے ٹوکا تھا۔ نینا چونکی۔

"ہاں... کیا... کیا کہا تم نے؟" اس نے گلوگیر لہجے کو کھنکار میں چھپاتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"میں نے پوچھا تھا کہ تمہیں اظفر اچھا لگا نا... میرا مطلب..." وہ لمحہ بھر کے لیے رکی، پھر بولی۔

"وہ بہت اچھا ہے نینا... تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی نا... تمہیں پسند آیا نا وہ... یقین کرو بہت اچھا ہے اظفر... جتنا وہ مجھے ویلیو کرتا ہے نا نینا... اتنا کوئی نہیں کر سکتا تھا جتنی محبت وہ مجھ سے کرتا ہے نا... شاید ہی کوئی اور کرتا ہو گا نا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ نینا نے گہری سانس بھری۔ اب تو آنسو چھپانا ہی مشکل ہو گیا تھا۔

"نہیں زری... یقین کرو وہ جو اب نہیں رہا وہ اظفر سے بھی زیادہ چاہتا تھا تمہیں... چلو... اچھا اللہ پاک آپ کی مرضی..." اس نے سوچا تھا کہا نہیں تھا اسے ڈر تھا کہ وہ بولے گی تو رو دے گی۔ زری اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ نینا نے بہت سوچا کہ ضبط کا بندھن نا ٹوٹے مگر اس سے ہو نا سکا تھا۔

"یہ بات مت کرو زری... بھول جاؤ... جو بھی ہوا... بھول جاؤ... بس میں تمہیں اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ میں بہت محبت کرتی ہوں تم سے اور تمہارے لیے بہت دعا کرتی ہوں... اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے... بس مجھے بتانا نہیں آتا... میں اس سبجیکٹ میں کمزور ہوں کافی... آئی تھنک مجھے ٹیوشن کی ضرورت ہے" وہ سنجیدہ سی بات کرتے ہوئے بھی عادت کے مطابق اناپ شناپ بول رہی تھی۔ زری نے پہلے حیرانی سے اسے دیکھا پھر اس کی آنسوؤں سے تر آنکھیں دیکھ کر وہ بھی جذباتی ہو گئی تھی۔ اس نے اسے گلے لگانا چاہا تھا۔

"اوہو... موٹی... پیچھے ہٹو زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے اسے پیچھے ہٹا دیا مگر زری پھر آگے ہوئی اور زبردستی اس کے گلے لگ گئی۔

"نینا... مجھے پتا ہے تم بہت اچھی ہو... بس جھوٹ موٹ جھگڑتی ہو مجھ سے مگر محبت بہت ہے تمہیں مجھ سے..." وہ اس کے گلے لگے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھی۔ نینا نے اسے پیچھے نہیں ہٹایا مگر اپنے مخصوص نخوت بھرے لہجے میں بولی۔

"جی نہیں... آپ کو غلط فہمی ہوئی... کوئی محبت وحبت نہیں ہے مجھے آپ سے... منہ دھو کر رکھیے۔" وہ بول رہی تھی مگر زری اسے مزید اپنے ساتھ لپٹائے جا رہی تھی۔ بہت سالوں بعد اتنی محبت سے بیٹھی تھیں دونوں بہنیں... زری انتہائی خوش تھی۔

اظفر کی گھر میں پہلی باقاعدہ آمد بڑی ہی خوش آئند ثابت ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"واٹس یور نیم...؟" میز کی دوسری سمت بیٹھی ٹیچر نے ایمن کی جانب ملائمت سے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اس کے سامنے میز پر رنگین اسٹیکرز، پنسل اور کارڈز وغیرہ پڑے تھے۔ ایمن کی نگاہوں کا مرکز ارد گرد پڑے ایجوکیشنل کھلونے اور دیواروں پر لگے رنگین چارٹس تھے۔ اس نے ٹیچر کی بات سنی تو تھی، لیکن وہ جواب دینے

کے موڈ میں قطعی نہیں لگ رہی تھی۔

"ٹیل یور نیم ٹو ٹیچر۔۔۔؟" سمیع نے اسے دیکھتے ہوئے ٹھوکا دیا تھا۔ وہ ٹس سے مس نا ہوئی۔

"ڈو یو لائک وریز تھینگز۔۔۔ واٹس دا کلر آف پکچر؟" انٹرویو لینے والی ٹیچر نے دوبارہ ایک کوشش کی تھی۔ ٹیچر کے ساتھ کو آرڈینیٹو بھی بیٹھی تھیں۔ شہرین اور سمیع کو دل ہی دل میں شرمندگی ہوئی۔ یہ جوہر ٹاؤن کا ایک مشہور اسکول تھا' اگرچہ بہت مشہور نہیں تھا لیکن باقی بڑے اسکول کی نسبت یہاں ایڈمیشن ہونے کا چانس تھا۔ ان دونوں کو کافی امید تھی کہ اس اسکول میں اس کا ایڈمیشن ضرور ہو جائے گا۔ سمیع کے کسی واقف کار کی اہلیہ اسی اسکول میں ٹیچر بھی تھیں۔ انہوں نے پہلے ہی انٹرویو میں پوچھے جانے والے سوالات بتا دیے تھے تاکہ ایمن اچھی طرح سے یاد کرلے۔

شہرین نے اسے یہ سوالات یاد کروانے میں کافی محنت بھی کی تھی لیکن ایمن ٹیچر کے سامنے بالکل ہی اسٹیچو بن کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا ارادہ ہی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کچھ بولے گی۔ شہرین کو بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ شہر کے باقی بڑے اور مشہور اسکولز میں تو اس کا ایڈمیشن ہو نہیں رہا تھا اور یہاں بھی ایمن چپ تھی۔

"ڈو یو لائک اینیملز۔۔۔ وچ ون ڈو یو لائک موسٹ۔۔۔؟" اس ٹیچر نے مختلف جانوروں کی تصاویر اس کے سامنے رکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ ایمن نے کندھے اچکا کر شہرین کی جانب دیکھا اور پھر ٹیچر کی جانب سے منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

"او کے۔۔۔ ڈو یو لائک ایپل" شو می دا پکچر آف ایپل۔۔۔؟" سمیع نے جھینپتے ہوئے ٹیچر کو دیکھا پھر کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

"شی از کوائٹ شائی (یہ کافی شرمیلی سی ہے)"

"ٹیچر نے سر ہلایا پھر کو آرڈینیٹو کی طرف دیکھا' آنکھوں آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے پھر اس نے اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ نا صرف شہرین اور سمیع بلکہ کو آرڈینیٹو بھی ٹیچر کے باہر نکل جانے تک دروازے کی سمت دیکھتی رہی پھر کو آرڈینیٹو نے گہری سانس بھری تھی۔

"مسز اینڈ مسٹر سمیع۔۔۔ ساری صورت حال آپ کے سامنے ہے۔۔۔ بچی پھلوں کے نام تک نہیں پہچان سکتی۔۔۔ ایسے میں ہمارے لیے بہت ہی مشکل ہے سیشن کے درمیان میں اس کو ایڈمیشن دینا۔۔۔ آپ ستمبر میں آئیے گا جب نئی ٹرم شروع ہوگی۔ تب ہمیں آپ کے کام آکر خوشی ہوگی۔" اس نے گول مول بات گھما کر انہیں انکار کر دیا تھا۔ سمیع کچھ کہنا چاہتا تھا' لیکن اسے سمجھ میں نا آیا کہ کیا کہے سو وہ چپ رہا تھا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ ایمن واقعی پڑھائی میں کچھ کمزور ہے۔۔۔ وہ بہت مایوسی کے عالم میں اسکول سے نکلے تھے۔

"تم اس کو ٹھیک سے کیوں نہیں پڑھاتی شہرین" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سمیع نے اکتا کر کہا تھا۔

"سمیع۔۔۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ میں نے ان سب سوالات کے جوابات اسے یاد کروائے تھے۔ اسے فروٹس نیمز' اینیملز' برڈز نیمز۔۔۔ سب کروائے تھے۔۔۔ یہ کنفیوز ہو جاتی ہے پبلک کے سامنے۔۔۔ اب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے نا۔۔۔ تم آج کل خواہ مخواہ مجھے ٹوکنے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہو۔" شہرین کو بہت برا لگا تھا۔

"اوہو۔۔۔ ٹوک نہیں رہا۔۔۔ ایک بات کر رہا ہوں کہ اس کو محنت کی ضرورت ہے۔۔۔ یہ تیسرا بڑا اسکول ہے جہاں اس کا ایڈمیشن نہیں ہو سکا۔" سمیع کو بھی اب ایک عام باپ کی طرح پریشانی سی ہو گئی تھی۔ شہرین کچھ نہیں بولی۔ وہ خود سوچوں میں الجھی تھی جبکہ بیک سیٹ پر بیٹھی ایمن لاپروا انداز میں گاڑی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آپ نے کال کی تھی مجھے... خیریت ہے نا... سب ٹھیک ٹھاک؟" نیہا کی حیرانی سے بھرپور آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ خاور نے اسے نصف گھنٹہ پہلے کال کی تھی لیکن اس نے ریسیو نہیں کی تھی اور اب جب وہ مایوس ہو گیا تھا کہ وہ کال نہیں کرے گی تو اس نے کر لی تھی۔ اس کے خشک سے انداز میں کیے گئے سوال پر وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ اس کا کوئی بھروسا نہیں تھا کہ فوراً ہی اس کا جواب سن کر کھری کھری سنانے لگتی۔ اس نے فوراً" کہا۔

"آپ نے برا تو نہیں منایا نا میرے کال کرنے کا..." دوسری جانب چند لمحے خاموشی چھائی رہی پھر آواز سنائی دی تو ذرا نخوت سی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ ہمیشہ سوال کے جواب میں سوال کیوں کرتے ہیں... بہت فارغ انسان ہیں بھئی آپ... فون پر تو بس دو ٹوک باتیں ہونی چاہیے... یہ کام تھا' یہ مسئلہ تھا' یہ ضرورت آن پڑی... یہاں تک تو ٹھیک ہے... لیکن اگر آپ ایک چیپ انسان کی طرح یہ کہنے والے ہیں کہ آپ ویلے بیٹھے تھے تو آپ نے سوچا کہ مجھے کال کر کے اپنی بوریت کا علاج کر لیں تو میں واقعی سخت برا ماننے والی ہوں... میں امید کرتی ہوں کہ آپ اتنے چھچھورے تو نہیں ہوں گے۔" اس نے ایسے جواب دیا تھا جیسے اطمینان سے بیٹھ گئی ہو اور لمبی بات کرنے کے موڈ میں ہو۔ خاور کو اس کی بات پر ہنسی بھی آئی اور تھوڑی سی چڑ بھی ہوئی۔ اتنی صاف گو اور منہ پھٹ لڑکی سے بات کرتے ہوئے بہت احتیاط کی ضرورت تھی۔

"یا اللہ... آپ تو کسی کی بھی عزت نفس کا جنازہ منٹ میں نکال سکتی ہیں... آپ کو تو ایک کال کرنا بھی مہنگا پڑ سکتا ہے... حالانکہ اب اتنی بھی کیٹ میڈلٹن نہیں آپ۔" اس نے وضاحت دینے کے لیے ایسے کہا تھا۔ دوسری جانب سے اس کی آواز میں ذرا ملامت اترتی محسوس ہوئی۔ شاید اسے ہنسی آ گئی تھی۔

"اچھا اگر کوئی لڑکی کیٹ میڈلٹن نہیں ہے تو ہرا یرے غیرے کو اس کے ساتھ چھچھورپن برتنے کی اجازت ہونی چاہیے کیا...!" خاور اس کی بات سن کر چپ سا ہو گیا جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اب کیا کہے۔ اس کی خاموشی کو دوسری جانب صاف محسوس کیا گیا۔

"اچھا یہ بتائیے کیوں کال کی تھی... مجھے یقین ہے آپ اتنے چھچھورے نہیں ہو سکتے کہ بلاوجہ کسی کو کال کریں؟" وہ استفہامیہ انداز میں پوچھنے لگی تھی۔ اب لہجے میں ملائمت اور شرارت سنائی دینے لگی تھی۔ خاور نے بھی خود کو سنبھال لیا تھا اور وہی کہنے کا سوچا جو سوچ کر پہلے کال کی تھی۔

"الحمدللہ... میرے بارے میں کچھ مناسب بھی سوچا آپ نے... میں نے مہر کے لیے کال کی تھی۔ میں آفس سے آیا تو اس کی طبیعت کچھ خراب تھی' ست سی ہو رہی تھی شاید اپنی ماما کو مس کر رہی تھی۔ میں نے سوچا آپ سے فون پر بات کروا دوں تو اسے اچھا لگے گا... بس اتنی سی بات تھی جی... اب دیکھ لیں آپ میری کال کو کس کیٹیگری میں شمار کرتی ہیں۔ ضروری یا غیر ضروری؟" اس نے کال کرنے سے پہلے بھی یہی سوچا تھا کہ یہی کہے گا۔ مہر کا بہانہ بنا کر اس سے بات کرے گا۔

"ارے کیا ہو گیا ہماری بچی کو... کروائیں میری بات اس سے... میں پوچھتی ہوں اس سے۔" مہر کے نام پر وہ پرجوش سی ہو گئی تھی۔

"ہلکا سا ٹمپریچر تھا... بس کھا لیا اسکول میں کچھ الٹا سیدھا... گلا خراب ہے نا اس لیے... میڈیسن کھلا کر سلا دیا ہے اب تو" خاور نے دل ہی دل میں خود کو گالیاں دیتے ہوئے کہا تھا۔

"اوہو... کر دیا نا بیمار ہماری بچی کو... میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ لوگ بالکل خیال نہیں رکھتے مہر کا... میں کل آؤں گی اس سے ملنے۔" وہ بولی تھی۔ خاور کو اس بات کی امید نہیں تھی۔ اس لیے کچھ گڑبڑا سا گیا۔

"آپ کہاں خوار ہوں گی... بس میں شام کو فون پر بات کروادوں گا آپ سے... خوش ہو جائے گی وہ۔"
"یعنی آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے گھر نا آؤں... اطمینان رکھیں میں آؤں گی بھی نہیں۔" لگ تو یہی رہا تھا کہ وہ برا منائے بغیر بولی تھی۔
"نہیں یہ بات نہیں ہے... دراصل اسکول سے آکر مہر ٹیوشن چلی جاتی ہے... پھر قاری صاحب آجاتے ہیں قرآن پاک پڑھانے کے لیے... تو آپ آئیں گی تو ملاقات ہو نہیں پائے گی۔ بہتر ہے فون پر بات کرلیں... اسے اچھا لگے گا۔" خاور نے سنجیدگی سے مشورہ دیا تھا۔ دوسری جانب چند لمحے خاموشی چھائی رہی پھر وہ بولی تھی۔
"ہاں یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں... چلیں آپ کل فون پر بات کروائیے گا مجھ سے... میں انتظار کروں گی" خاور نے سکھ کا سانس لیا ورنہ کال سے پہلے تو ڈر رہا تھا کہ کہیں بے عزتی نا ہو جائے۔ اب نا صرف فون پر بات ہو گئی تھی بلکہ نیکسٹ کال کا چانس بھی بن گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سلیم کے ساتھ خاور کی دوستی بہت پرانی تھی۔ وہ دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ سلیم اگرچہ اس سے دو تین سال جونیئر تھا لیکن وہ دونوں تقریری مقابلوں اور مباحثوں میں حصہ لیتے تھے تو ان کی اسکول کی جانب سے اکثر ویشتر ایک ٹیم بنا کرتی تھی۔ دوسرے اسکولز میں مقابلوں کے لیے بہت بار اکٹھے جانا ہوتا تھا۔ پریکٹس کے لیے بہت بار وہ کئی کئی گھنٹے اکٹھے بیٹھتے تھے۔ اسی لیے ان کے درمیان اچھی دوستی تھی۔ پھر یہ دوستی تب بہت زیادہ بڑھ گئی جب سلیم زخمی ہو کر کئی دن گھر پڑا رہا، پھر اپنی ٹانگوں سے بیساکھیوں تک آجانے کے ہر ہر مرحلے تک خاور اس کا ساتھ دیتا رہا۔
وہ سلیم کے بہت سے رازوں سے واقف تھا۔ سلیم کی شاعری سے لے کر زری سے اس کی پسندیدگی تک وہ اسے سب بتاتا رہتا تھا... نینا کے بارے میں بھی بہت سی باتیں اسے سلیم کے منہ سے ہی پتا چلی تھیں۔ وہ اس سے بہت اٹیچڈ تھا اور اس کے متعلق کثرت سے باتیں کیا کرتا تھا۔ شروع میں تو خاور کو بھی شک گزرا تھا کہ یہ پسندیدگی کچھ اور ہے... لیکن یہ بات بھی سلیم نے ہی اسے بتائی تھی کہ وہ اس کی رضاعی بہن ہے... وہ کثرت سے اس کے بارے میں باتیں کرتا رہتا تھا۔ خاور کو اس کے متعلق بہت سی باتیں سلیم سے پتا چلتی رہتی تھیں۔ وہ اس کی بہنوں کی طرح ہی پروا کرتا تھا اور اکثر اس کے لیے پریشان رہتا تھا۔ اس کی بھلائی کے لیے منصوبہ بندی کرتا رہتا... اس کی اور سلیم کی دوستی کے کہیں بعد نوشی باجی کی شادی کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ دوہری یہ رشتے داری ان دونوں پر کافی بعد میں واضح ہوئی تھی۔ اس شادی سے ان کی دوستی پر کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔
آصف بھائی کے ناروا رویے یا اپنی امی کی نوشی باجی کے ساتھ بدسلوکی پر وہ اکثر سلیم کے سامنے شرمندہ ہوتا مگر سلیم نے اسے کبھی بلاوجہ ٹوکا تھا، نا کسی بات پر طعنہ دیا تھا۔ نوشی باجی اور آصف بھائی کی شادی کے بعد سے ان دونوں ہی نے ایک اصول بنا لیا تھا۔ وہ گھریلو کوئی بھی معاملہ کم ہی ڈسکس کرتے تھے اور نا ہی اپنے اپنے گھر میں اس دوستی کا کوئی ذکر کرتے تھے، بلکہ حالات زیادہ خراب ہو جانے کے بعد انہوں نے اس دوستی کو سب سے مخفی رکھنا شروع کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں پھر بھی ان ٹچ رہتے تھے۔ پھر نوشی باجی کے انتقال کے بعد خاور کئی دن اس سے ملنے بھی نا جا سکا تھا۔ اسے شرمندگی ہوتی تھی کہ جیسے اس سارے معاملے میں وہی قصوروار ہو۔ سلیم نے ہی اسے کال کر کے کھری کھری سنائی تھی کہ کیا وہ اس کے مزاج سے ناواقف ہے، جو ملنے نہیں آتا اور پھر نینا والی بات ہو گئی تو سلیم نے اسے ٹوک دیا تھا۔ وہ بھی سمجھ گیا تھا کہ سلیم صحیح کہہ رہا ہے یہ رشتہ نہیں نبھ سکتا تھا۔ دونوں اطراف کے خاندان والے ہی اس پر راضی نا ہوتے۔ یہ تو اس کے گمان میں بھی نا تھا کہ سلیم خودکشی کر لے گا۔

اسے اتنا تو پتا تھا کہ سلیم زری کے متوقع رشتے سے بہت دل برداشتہ تھا پھر ایک روز اس نے اسے فون کیا۔ وہ کسی لڑکے کے متعلق انکوائری کروانا چاہتا تھا۔ ان کا ایک مشترکہ دوست ایک سیلولر کمپنی میں ملازم تھا اور پہلے بھی ایک بار انہوں نے ایک لڑکے کے متعلق اس سے انکوائری کروائی تھی۔ سلیم اب کی بار باقاعدہ کوئی ثبوت چاہتا تھا لیکن پھر خودکشی والی رات اس نے اسے کال کی تھی۔

"خاور... کیا کر رہا ہے؟"

"اپنے محل کی بڑی سی خواب گاہ میں بیٹھا کنیزوں سے دل بہلا رہا ہوں..." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سلیم نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے ایک کام تھا میری طرف آسکتے ہو؟"

"اوہ بھائی کوئی کرنے والی بات کر... کہا تو ہے کنیزوں سے دل بہلا رہا ہوں... کوئی احمق ہی ہوگا جو ایسے وقت میں کسی سڑی ہوئی شکل والے دوست سے ملنے جائے گا... سوچو ذرا میں کتنے مزے میں ہوں... حسین و جمیل کنیزیں ہی کنیزیں ہیں اردگرد... ایک سرداب رہی ہے تو دوسری پنکھا جھل رہی ہے... تیسری والی انگور توڑ توڑ کر منہ میں ڈال رہی ہے... یاد رہے اپنے منہ میں نہیں... میرے منہ میں... اور بتاؤ کچھ مزید ارشاد کروں یا چپ رہوں" وہ عادت کے مطابق نیم مزاحیہ انداز میں بول رہا تھا۔ اسے پتا نہیں چلا تھا کہ سلیم کا انداز کچھ بجھا ہوا سا ہے۔

"خاور... تمہیں ایک شخص کے متعلق انکوائری کرنے کو کہا تھا نا... اب اس کی ضرورت نہیں رہی... تم شاکر کو کہنا اس معاملے کو یہیں ختم کر دے۔" اس نے کہا تھا۔ خاور نے برا سا منہ بنایا تھا۔

"کیوں... میں تمہارے اباجی کا نوکر ہوں کیا... خود فون کروا سے..." خاور چڑ کر بولا تھا۔

"کر دے یار... آخری کام ہے... کر دے" سلیم بہت ہی تھکے ہوئے انداز میں بولا تھا لیکن وہ پھر بھی دوست کے درد کو سمجھ نا سکا تھا۔

"آخری کام... ؟ جیسے صبح تو تمہارا رام رام ستے ہونے والا ہے نا..." اس نے نیم سنجیدہ لہجے میں ہی کہا تھا۔ چند لمحے سلیم کی آواز سنائی دی۔

"اور ایک اور بات بھی تھی... ہو سکے تو... وہ نینا ہے نا... اگر ہو سکے تو... اس کا خیال رکھنا... میرا مطلب ہے۔" وہ جانے کیا کہنا چاہ رہا تھا لیکن پھر جانے کیوں چپ ہو گیا۔ پہلی بار خاور کو اس کے لہجے میں کچھ عجیب سی بے چینی محسوس ہوئی۔

"کیا... یعنی کہ کیا فرمانا چاہ رہے ہیں آپ... ؟" وہ کچھ متجسس سا ہوا لیکن سلیم نے گہری سانس لی۔

"کچھ نہیں یار... چھوڑ... بس یاد سے وہ انکوائری والا کام رکوا دینا... اب یہ ہمارا خاندانی معاملہ بن چکا ہے... زری کی شادی ہونے والی ہے اس لڑکے کے ساتھ جس کے متعلق ہم پوچھ کچھ کروانا چاہ رہے تھے... صبح اٹھتے ہی شاکر کو فون کر دینا... اوکے۔" سلیم نے کہا تھا اور خاور کو اس کی بے چینی کی ساری وجہ سمجھ آگئی تھی... وہ جانتا تھا سلیم زری کو بہت زیادہ چاہتا تھا۔ وہ کچھ کہنے والا تھا لیکن سلیم نے اسے بولنے نہیں دیا تھا۔

"خاور... تم اچھے انسان ہو... کہا سنا معاف کر دینا۔" اس کے لہجے کا کرب خاور کو تڑپا گیا تھا۔ سلیم نے مزید کچھ کہے بنا فون بند کر دیا تھا اور بعد میں خاور نے اسے کئی بار کال کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا فون بند تھا اور اگلے دن وہ ہو گیا تھا جس کا تو اس نے کبھی گمان بھی نا کیا تھا۔ سلیم ان سب کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"بابا بلیک شیپ... ہیو یو اینی وول" وہ بچہ بہت روانی سے پڑھ رہا تھا۔ اس کو پوری نرسری رائم زبانی یاد تھی۔

رائم ختم کرلینے کے بعد اس نے ایمن کی شکل دیکھنی شروع کی تھی کہ اب وہ اپنی باری پر وہی رائم سنائے گی لیکن ایمن کو کوئی رائم نہیں آتی تھی۔

"تم سناؤ نا اب۔۔۔ تمہاری ٹرن ہے۔" وہ اسے مجبور کر رہا تھا۔

"مجھے نہیں آتی۔۔۔" ایمن نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اس بچے کے چہرے کے تاثرات بدلے جیسے وہ ایمن کو بہت ہی نکمی سمجھ کر تاسف کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

"اچھا پھر۔۔۔ اِنسی وِنسی اسپائڈر سنادو۔۔۔ یا جانی جانی یس پاپا۔۔۔" وہ چاہتا تھا کہ ایمن کچھ تو سنا ہی دے' لیکن ایمن منہ میں انگلی ڈال کر ہنسنے لگی۔ اسی دوران شہرین' رانیہ لوگوں کے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ ایمن کو اکثر رانیہ اپنے پاس نیچے والے پورشن میں لے آتی تھی۔ وہ سب ایمن سے پیار کرتے تھے اس لیے شہرین بھی نہیں روکتی تھی۔ آج بھابھی کے کوئی ملنے والے آئے ہوئے تھے جن کے ہمراہ ایمن کی عمر کا بچہ تھا تو رانیہ اسے کھیلنے کے لیے اپنے پورشن میں لائی ہوئی تھی۔ شہرین بھی نیچے ساتھ ہی آگئی تھی۔ دونوں بچے کھیلتے رہے تھے جبکہ وہ بھابھی کے مہمانوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"آنٹی یہ آپ کی بیٹی کو کچھ نہیں آتا۔" ایمن کو مسلسل رائم نا سناتا دیکھ کر وہ بچہ شہرین کے پاس آکر بولا تھا۔

"ایمن کیا کر رہی ہو؟" شہرین نے اس کی جانب دیکھ کر سوال کیا تھا۔ اسے دل ہی دل میں بڑی شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔ اس بچے نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آنٹی یہ گڈ گرل نہیں ہے۔ اسے کوئی رائم نہیں آتی۔۔۔ اس کی ٹیچر ناراض نہیں ہوتیں۔" اس بچے نے شکایت لگانا شروع کردی تھی۔

"یہ ابھی اسکول نہیں جاتی موحد۔۔۔ یہ جب اسکول جائے گی تو سب بچوں سے زیادہ گڈ گرل بن جائے گی۔" رانیہ نے فوراً" اس کا ساتھ دیا تھا لیکن شہرین کے دل میں جیسے بات کہیں چبھ سی گئی تھی۔ ایمن ان کی ایک ہی بیٹی تھی اور وہی' ویسی نہیں بن پا رہی تھی جیسی اس نے بھی اسے بنانا چاہا تھا۔

"رانیہ تم اسے پڑھا دیا کرو نا۔۔۔ اس کا ایڈمیشن تو ایک مسئلہ ہی بن کر رہ گیا ہے۔۔۔" اس نے مہمانوں کے جاتے ہی رانیہ سے درخواست کی تھی۔

"میں نے ایک دوبار کوشش کی ہے آنٹی اسے رائم یاد کروانے کی' لیکن مجھ سے یہ پڑھتی نہیں ہے۔" رانیہ نے وضاحت کی تھی۔

"میں تو اب بہت پریشان ہو گئی ہوں اس کے لیے۔۔۔ پڑھتی ہی نہیں ہے۔۔۔ اس طرح تو یہ سیشن کے شروع میں بھی ڈس کوالیفائی ہو جائے گی۔" شہرین نے بھابھی کی جانب دیکھ کر کہا۔ وہ کافی دن بعد اس موضوع پر ان سے بات کر رہی تھی۔ اسے خود بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ بار بار اپنی اسی ایک پریشانی کا اظہار کرتی رہے۔

"اتنا پریشان کیوں ہوتی ہو شہرین۔۔۔ بہت اچھی بچی ہے ایمن۔۔۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہو۔۔۔ اتنے بھی مشکل نہیں ہوتے ایڈمیشن ٹیسٹ۔۔۔ ایل کے جی ہے نا کہ پی ایچ ڈی کہ اتنا سر پر سوار کرلیا جائے۔" بھابھی نے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

"ایل کے جی میں نہیں لیں گے اب۔۔۔ عمر کے حساب سے ایچ کے جی میں ایڈمیشن ہو گا۔۔۔ اور اسے تو کچھ بھی نہیں آتا۔" شہرین نے تاسف بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"اوہو۔۔۔ اتنا بھی پریشان مت ہو۔۔۔ بچے جب اسکول جاتے ہیں تو سب سیکھ جاتے ہیں۔" بھابھی ایک تجربہ کار ماں کی طرح اس کا غم بانٹ رہی تھیں۔

"آپ کی باتیں بھی ٹھیک ہیں بھابھی لیکن پھر بھی کچھ تو ابتدا ہونی چاہیے نا۔۔۔ اور صورت حال اب یہ ہو گئی

ہے کہ یہ میرے پاس بیٹھ کر پڑھتی ہی نہیں ہے۔۔۔ اور ٹیوٹر ملتی نہیں ہے کوئی۔" شہرین کی سوئی اسی مقام پر اٹکی تھی۔

"اچھا تم اتنا پریشان مت ہو۔۔۔ میں اپنی کسی فرینڈ سے پوچھتی ہوں۔۔۔ کہ کسی کے بچوں کی ٹیوٹر اگر ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے ایمن کو بھی پڑھا دیا کرے۔۔۔ اب تو رانیہ کی پرانی والی ٹیوٹر بھی یونیورسٹی سے فارغ ہو چکی ہو گی۔۔۔ اس کو بھی کال کروں گی۔"

"ابھی کال کرلیں نا۔۔۔ بلکہ ایسا کریں مجھے فون نمبر دیں۔۔۔ میں خود اس سے بات کر کے آمادہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔" شہرین اتاولی ہوئی جا رہی تھی۔

"ہاں یہ اچھی بات ہے۔۔۔ بلکہ تم زیادہ اچھی طرح سے اپنا پوائنٹ آف ویو سمجھا پاؤ گی۔۔۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔۔۔ اگر تو وہ پڑھانے پر مان گئی تو تمہاری ایک بڑی پریشانی ختم ہو جائے گی۔۔۔ ایمن کی بیس بنا دے گی" بھابھی کہہ رہی تھیں۔

"اللہ کرے وہ ضرور ہی مان جائے۔۔۔ میں ابھی اوپر جا کر کال کرتی ہوں" شہرین کافی پرجوش سی ہو گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

چند سال اسی کشمکش میں گزر گئے۔ کاشف کے علاج معالجے پر کافی رقم خرچ ہوئی لیکن پھر بھی وہ مکمل طور پر صحت یاب نا ہو سکا تھا۔ وقت گزر رہا تھا اور زندگی کی گاڑی دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی لیکن حالات سے کاشف خوش تھا نا ہی صوفیہ مطمئن تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک بار پھر آزمائش میں گھر چکے تھے۔ صوفیہ کو اس صورت حال نے زود رنج اور ڈرپوک سا بنا دیا تھا۔ اب وہ پہلے کی طرح کاشف سے لڑتی جھگڑتی نا تھی بلکہ اس کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرنا جیسے اس کی عادت بن گئی تھی کہ کہیں وہ غصے میں آ کر اسے چھوڑ ہی نا دے۔

دوسری جانب کاشف کا دم خم بھی کمزور پڑنے لگا تھا۔ مالی مسائل تو تھے ہی جن کی بنا پر دوست احباب کترانے لگے تھے۔ کاشف صاحب۔ کاشف صاحب کہنے والے قریب سے سلام کیے بنا گزرنے لگے تھے جس سے کاشف کا احساس تفاخر پر بڑی چوٹ لگتی تھی۔ وہ احساس کمتری کی وجہ سے مزید چڑچڑا ہو رہا تھا جبکہ صحت کے مسائل الگ پریشان کر رہے تھے۔ شراب نوشی کے باعث اس کا معدہ پہلے ہی کمزور ہو چکا تھا پھر ایکسیڈنٹ سے جو چوٹیں آئیں اس نے اسے اندرونی طور پر کافی کمزور کر دیا تھا۔ اسے بدہضمی پیٹ درد کا مسئلہ لاحق تھا۔ ایسے میں کسی پرانے دوست نے مشورہ دیا کہ پاکستان جا کر کسی اچھے حکیم سے علاج کروانا بہتر رہے گا کیونکہ پیٹ اور اس سے متعلق مسائل کے لیے حکماء کا دیسی علاج بہتر رہتا ہے۔

صحت کی مسلسل خرابی نے کاشف کو بھی ذرا احساس بنا دیا تھا۔ مالی مسائل الگ درپیش تھے کیونکہ کاروبار عدم توجہی اور فنڈز کی کمی کے باعث پہلے ہی کافی پتلی حالت میں تھا سو کاشف نے اس مشورے کو بہترین تصور کرتے ہوئے واپس پاکستان جانے کا سوچ لیا۔ صوفیہ کے لیے یہ صورت حال کافی اطمینان بخش تھی کیونکہ ایک تو وہ مالی مسائل سے پریشان رہتی تھی دوسرا اسے تنہائی کا احساس بھی ستانے لگا تھا۔ زندگی پہلے جیسے نہ رہی تھی۔

جیب میں درہم نا تھے تو باہر آنا جانا بھی نا تھا۔ ہر وقت گھر میں بند رہنے سے بھی ارد گرد کے انسانوں سے تعلقات نا ہونے کے برابر تھے۔ بے زاری اور اکتاہٹ طبیعت پر حاوی رہتا تھا سو ان دونوں میاں بیوی کے تعلقات بھی کمزور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ صوفیہ نے اس فیصلے کا کافی خیر مقدم کیا۔ اور یوں ساڑھے چھ سال کی زری کو لے کر وہ دونوں پاکستان آ گئے۔

✡ ✡ ✡

"یہ جو سائز ہے نا... آپ نے بالکل یہی رکھنا ہے۔" زری نے قمیص پھیلا کر رکھتے ہوئے کسی سے کہا تھا نہنا سو کر اٹھی تھی۔ اب بھوک بھی لگ گئی تھی اور چائے کے کپ کی طلب بھی شدید تر تھی۔ وہ اطمینان سے دیوان پر آکر ڈھیر ہو گئی۔
"نہنا! سلام تو کرو خالہ کو۔" امی نے اسے ٹوکا۔
"السلام علیکم..." اس نے دیکھے بنا سلام کیا نہیں تھا... جڑ دیا تھا۔ اس وقت وہ صرف چائے کے کپ کے ساتھ خوش اخلاقی برتنے کو تیار تھا۔
"وعلیکم السلام... یہ چھوٹی والی ہے نا...؟" سامنے بیٹھے خاتون نے اس کے انداز اور اسے بغور دیکھتے ہوئے بظاہر مسکرا کر سوال کیا تھا۔
"ہاں... یہ زری سے چھوٹی ہے... یونیورسٹی میں پڑھتی ہے... ماشاء اللہ ایم اے کر لیا ہے۔" امی نے خود ہی بتا دیا تھا۔ گھر میں اب زری کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ شام کو ہر روز اب چائے پر کپڑوں اور جیولری کی باتیں ہی سننے کو ملتی رہتی تھیں۔
"زری سے بالکل مختلف ہے... یہ آپ کے جیسی ہے بھابھی... ہو بہو آپ کے جیسی۔" اس خاتون نے اتنا ہی کہا تھا کہ نہنا نے لیٹے لیٹے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔
"یہ امی ہیں خیر سے میری... مجھے ان کے جیسا ہی ہونا چاہیے تھا... یا میں ثمینہ پیرزادہ جیسی ہو جاتی... آپ کی بیٹیاں ماہ نور بلوچ جیسی ہیں کیا... آپ کے جیسی ہی ہوں گی نا۔" اس نے بہت ہی نرم دلی سے طنزیہ جملہ ادا کر دیا تھا۔ زری جو اپنے کپڑے پھیلائے کاؤچ پر بیٹھی تھی اس کی بات پر مسکرائی جبکہ امی نے کھا جانے والے انداز میں اسے دیکھا تھا۔
"صحیح کہہ رہی ہو... بیٹیاں تو بالکل ماں کا پرتو ہوتی ہیں... اور میری بات کا برا نا منانا بیٹی... میری بیٹی نہیں ہے کوئی... لیکن بڑی پیاری ہوتی ہیں بیٹیاں... اللہ سب بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے... بہت بھاگوں والی ماں کی بٹی ہو تم... اللہ تم لوگوں کو بھی تمہاری ماں جیسے روشن نصیب عطا کرے۔" وہ خاتون اپنی بات کے اثر کو کم کرنے کے لیے تیز تیز بولی تھیں۔ نہنا کے چہرے کے تاثرات مزید تن سے گئے جبکہ امی فوراً میدان میں کودی تھی۔
"آمین... ثم آمین... بس ان کے نصیبوں کے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔" امی جذباتیت سے بھرپور لہجے میں بولی تھیں۔
"چلو... امی بھی کبھی کبھی بالکل ہی ڈرامہ کوئین بن جاتی ہیں... نصیب وصیب کچھ نہیں ہوتے خالہ جی..." اس نے ان خاتون کی جانب دیکھ کر کہنا شروع کیا تھا۔
"لغت میں بھی تلاش کریں تو "ت" سے تدبیر پہلے ہوتی ہے اس کے بعد "ت" سے تقدیر آتا ہے... توکل کرنے کے ساتھ ساتھ اونٹ باندھنے کا بھی ذکر سنا ہے کبھی کسی نے یا نہیں... اللہ نا کرے میرے نصیب امی کے جیسے ہوں۔ دعا کریں میری امی محنت کرنے والی خاتون ثابت ہوں۔ بیٹی کا رشتہ چھان پھٹک کر تلاش کریں تاکہ بعد میں سسرال میں ہر آنے والی مصیبت کو "نصیب" کے ذمہ ڈال کر بری نا ہو سکیں" وہ ایسے چت لیٹی بات کر رہی تھی جیسے خود کلامی کر رہی ہو... امی کا دل چاہا دو تھپڑ مار کر اسے سیدھا کر دیں یا زور سے اس کا کان پکڑ کر موڑ دیں۔ انہوں نے موضوع ہی بدل ڈالا۔
"ارے زوہراں۔ تم بھی کس کے منہ لگتی ہو... چھوڑو... یہ قمیص دیکھو نا... سی لوگی نا... بڑی مہنگی ہے... خراب نا کر دینا... اور سنو... کوئی ضرورت نہیں اسی سائز کی رکھنے کی... تھوڑا کھلا رکھنا... شادی کے بعد جسم پھیل جاتا ہے... تو اتنے اتنے مہنگے کپڑے کسی کام نہیں آتے۔" امی بہ عجلت بول رہی تھیں۔

"فکر نا کریں بھابھی۔۔۔ بہت صاف ہاتھ ہے میرا۔۔۔ آپ کو شکایت نہیں ہو گی۔۔۔ یہ تو میں کل ہی لے آؤں گی۔"
وہ آنٹی بھی موضوع بدل جانے پر کافی خوش دکھائی دیں۔ امی نے بھی دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے فٹافٹ ساری چیزیں سمیٹ کر ان کو چلتا کر دیا تھا۔ جیسے ہی خدا حافظ کہہ کر وہ سیڑھیوں سے پلٹیں۔ نہنا نے دیوان پر بڑا کشن اٹھا کر منہ پر رکھ لیا۔
"قسم سے میرا وہ ارادہ نہیں تھا جو آپ سمجھیں۔۔۔ میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ لوگ ایویں بیٹیوں کے نصیب کی گردان کرتے رہتے ہیں۔۔۔ بیٹیوں کے ساتھ ساتھ بیٹوں کے اچھے نصیب کی دعائیں بھی کریں تو زیادہ افاقہ ہو سکتا ہے۔۔۔ لڑکوں کو روشن نصیب کی ضرورت نہیں ہوتی کیا۔۔۔ بھلا بتاؤ یہ کوئی بات ہوئی۔۔۔
سارا زمانہ بس بیٹیوں کے نصیب کو روتا رہتا ہے۔۔۔
بیٹے کون سی گیدڑ سنگھی لے کر پیدا ہوتے ہیں۔۔۔ انہیں بھی تو باادب بانصیب ہونا چاہیے نا۔۔۔ اور پھر نصیب کو کوسنے کے بجائے اگر اچھے رشتے ڈھونڈ دیں۔۔۔ بیٹیوں کو بوجھ سمجھنا چھوڑ دیں اور ساری تربیت سلیقہ لڑکیوں کو دینے کے ساتھ ساتھ لڑکوں کو بھی دینا شروع کر دیں تو ساری صورت حال بہتر ہو سکتی ہے۔۔۔ غلطیاں اپنی ہوتی ہیں۔۔۔ الزامات میاں نصیب کو دے دیتے ہیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ لیکن یہ صرف میری ادنیٰ سی رائے تھی۔۔۔ سچی قسم سے۔۔۔ اچھا چلیں اس کے باوجود آپ کو میری بات غلط لگی تو ٹھیک ہے۔ جانے دیں۔۔۔ میں اپنے الفاظ واپس لے لیتی ہوں۔۔۔ آپ کو پتا ہے چائے کے بنا میری کھوپڑی اینٹی کلاک وائز گھومنے لگتی ہے۔۔۔ ارے زری۔۔۔ کمبخت چائے لے آ۔۔۔ ورنہ اس بک بک کے ہاتھوں ہونے لگی ہوں قتل میں امی کے ہاتھوں۔۔۔ مگر یاد رکھنا میرا نقصان کم ہو گا تمہارا زیادہ۔۔۔ تمہارا بیاہ کینسل ہو جائے گا۔۔۔ اٹھو کچھ کرو۔۔۔ بچاؤ۔" وہ ہر جملے کے بعد کشن اٹھا کر دیکھتی تھی کہ امی کا چہرہ کس قسم کے تاثرات سے بھرا ہے۔ اس کی یہ حرکتیں دیکھ کر امی کا غصہ ذرا کم ہو گیا تھا لیکن وہ مسکرائی نہیں تھیں جبکہ زری کھل کر ہنس رہی تھی۔
"بکواس بند کرو نہنا۔۔۔ جو دل چاہتا ہے' جب دل چاہتا ہے اور جس کے سامنے دل چاہتا ہے۔۔۔ اناپ شناپ بولنے لگتی ہو۔۔۔ دیکھ تو لیا کرو کہ کون بیٹھا ہے۔ تمہارے ابا کی خالہ کی بیٹی ہیں یہ محترمہ۔۔۔ شوہر کا انتقال ہو چکا ہے تو لوگوں کے کپڑے سیتی ہیں اور بوتیک وغیرہ کے کام پکڑتی ہیں۔۔۔ رشتے وشتے بھی کرواتی ہیں۔۔۔ خاندان کے ہر گھر میں جاتی ہیں۔۔۔ سو ملنے والے ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے۔۔۔ لیکن تمہیں کیا۔۔۔ بس جو دل چاہتا ہے بس وہی بولتی چلی جایا کرو۔" امی کو یقیناً کافی برا لگا تھا۔
"بھرم تو میرا بھی ٹوٹ چکا ہے کہ کیسے ابا ہیں میرے۔۔۔ خیر میں یہ کہہ رہی تھی۔۔۔" اس نے پہلا جملہ بہت ہی دھیمی آواز میں ادا کیا تھا پھر یکدم ہا آواز بلند بولی۔
"میرا کیا قصور ہے۔۔۔ میں کہہ تو رہی ہوں کہ چائے کے بغیر میں ذرا آؤٹ ہو جاتی ہوں۔۔۔ اور پھر آپ مجھے ان کی موجودگی میں ٹوک دیتیں نا۔۔۔ آنکھ مار دیتیں۔۔۔ آہم آہم کہہ دیتیں۔۔۔ میں سمجھ جاتی۔۔۔ میں تو یہی سمجھ کر بول رہی تھی کہ واہ کیا گیان برسا ہے میرے منہ سے۔۔۔" وہ شرمندہ نہیں تھی لیکن بس ایسے جیسے خود کا مزاج اچھا ہو تو ماحول کو اچھا بنائے رکھنے کی خاطر امی کا غصہ کم کرنا چاہ رہی ہو۔
"اللہ معاف فرمائے ہمیں ایسے گیان سے۔۔۔" امی نے باقی پھیلائے ہوئے کپڑے سمیٹ دیے تھے۔
"آمین۔۔۔" نہنا کی آواز بھرپور انداز میں بلند ہوئی تھی۔ زری جانتی تھی اب امی پھر ناراض ہو جائیں گی اس لیے فوراً "بات سنبھالنے کی غرض سے بولی۔
"امی نہنا کو چھوڑیں۔۔۔ میری بات سنیں۔۔۔ مجھے اب پریشانی سی ہو رہی ہے۔۔۔ یہ نا ہو کہ یہ آنٹی میرے اتنے مہنگے کپڑے خراب کر دیں۔۔۔ اچھا بھلا ٹیلر کو دینے والی تھی۔۔۔ آپ نے خواہ مخواہ ان کو دینے کے لیے بول دیا" زری

نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تھا۔ وہ فینا کو امی کی ڈانٹ سے بچانا چاہ رہی تھی کہ گھر کا ماحول پھر مکدر سا ہو جاتا تھا۔
"میں بھی کب اس حق میں تھی۔ سچی بات یہ کہ میں اس عورت کو زیادہ پسند ہی نہیں کرتی۔۔۔ لیکن تمہارے ابا نے کہا کہ بے چاری ضرورت مند ہیں۔ ان کے کچھ پیسے بن جائیں گے۔۔۔ ان سے سلوا لو۔"
"یہ ساری ضرورت مند عورتیں ابا کو ہی کیوں مل جاتی ہیں۔۔۔؟" فینا نے اسی طرح کشن منہ پر رکھے ایک پھل جھڑی اور چھوڑی تھی لیکن جب جواب میں امی کا کوئی کرارا جملہ سنائی نا دیا تو ذرا سا کشن اٹھا کر دیکھا۔ وہ کھا جانے والی نظروں کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ چہرے پر تاسف سا بھی تھا۔ فینا نے فوراً مصنوعی مسکراہٹ سے چہرے پر سجائی اور باچھیں پھیلا کر اداکاری کرتے ہوئے بولی۔
"مذاق۔۔۔ مذاق تھا۔۔۔ ہاہا۔۔۔ آپ بھی مذاق کے طور پر ہی لیں۔" زری کو ہنسی آ رہی تھی۔ وہ فینا کی ایسی باتوں کو شرارت ہی سمجھتی تھی لیکن امی کے لیے یہ طعنے تھے اور جوان بیٹی کے منہ سے ایسے طعنے کسے اچھے لگ سکتے ہیں۔ ان کے چہرے پر پھیلی تلخی دیکھ کر زری نے بھی اپنی مسکراہٹ چھپالی تھی جبکہ فینا نے پھر کشن منہ پر رکھ لیا اور کشن کے نیچے وہ خود مسکراتی تک نا تھی۔

✲ ✲ ✲

پاکستان آ کر وہ لوگ ماڈل ٹاؤن والے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے۔ وہ گھر کافی بڑا تھا نیچے ایک وسیع گودام تھا جو پہلے سے ہی کرائے پر چڑھا رکھا تھا جبکہ اوپر والے حصے کی تھوڑی بہت تزئین و آرائش کروا کر اسے رہنے کے قابل بنا لیا گیا۔ ان دنوں صوفیہ کی آپا ان کے گھر کے قریب نہیں رہتیں بلکہ وہ باغبان پورہ میں رہ رہی تھیں۔ کاشف ایک مہینے تک ان سے ملنے بھی نا گیا تھا۔ یہ اس کا تعصب اور غرور ہی تھا کہ اسے صوفیہ کے سارے رشتہ دار حقیر نظر آتے تھے۔ صوفیہ اصرار کرتی رہی کہ چلو اپنی بیٹی کو لے آئیں مگر وہ آج کل پر ٹالتا رہا یا کہتا کہ اپنی آپا کو بولو خود چھوڑ جائیں۔
یہ نہیں تھا کہ اسے اولاد سے کوئی بغض تھا۔۔۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے لیے اپنی ذات سے اہم کچھ تھا ہی نہیں۔ صوفیہ اور اس کے رشتے دار اور اس کے سارے فیصلے وہ جوتے کی نوک پر رکھتا تھا اور اس طرح کی حرکتیں کر کے وہ اپنی ہی بیوی کو صرف اذیت دیتا تھا جس کا اسے احساس تک نا تھا۔ صوفیہ کے بار بار کہنے پر وہ کہتا تمہاری آپا ہم سے ملنے آئیں۔ میرا ایکسیڈنٹ ہوا۔ ہم دبئی سے آئیں ہیں۔ انہیں ہم سے ملنے آنا چاہیے تھا۔ صوفیہ یہ بات آپا سے نہیں کہہ سکتی تھی کیوں۔
"ان کو شیاٹیکا درد کا عارضہ لاحق تھا۔ ڈاکٹر نے سیڑھیاں چڑھنے سے منع کر رکھا تھا۔ صوفیہ ان سے اصرار بھی نا کر سکتی تھی۔ وہ خود کو ان کے سامنے زیر بار محسوس کرتی تھی۔ یوں دن پر دن گزرتے گئے اور لوگ ایک مہینہ تک آپا کے گھر نا جا سکے پھر ایک دن کاشف کو خیال آ گیا۔
"اپنی آپا کو فون کر دو ہم آ رہے ہیں۔۔۔ لیکن یاد رہے ہم زیادہ دیر نہیں بیٹھیں گے۔۔۔ بس آدھا گھنٹہ بیٹھیں گے اور واپس آ جائیں گے" کاشف نے اسے نخوت بھرے انداز میں کہا تھا۔
"یہ کیسے کہہ سکتی ہوں میں آپا سے۔۔۔ وہ کتنی بار کہہ چکی ہیں۔۔۔ کہ وہ ہماری دعوت کرنا چاہتی ہیں۔۔۔ اب گھنٹے آدھے گھنٹے میں جائیں گے تو انہیں برا لگے گا نا۔" صوفیہ نے اسے تحمل بھرے لہجے میں کہا تھا۔ کاشف نے طنزیہ مصنوعی قہقہہ لگایا۔
"اوہ میں صدقے۔۔۔ یعنی اب ان کی اتنی اوقات ہو گئی ہے کہ کسی کی دعوت کر سکیں۔۔۔ اللہ کے کام ہیں بھئی۔۔۔ ذات کی کوڑھ کرلیاں (چھپکلیاں) شہتیروں کو جھپھاں (معانقہ کرنا) ڈالنے کے قابل ہو گئی ہیں۔" اس کا

انداز تو برا تھا ہی "الفاظ نے تو صوفیہ کا کلیجہ ہی جلا ڈالا۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا ان کے ساتھ' وقت بدل گیا تھا' وہ ٹھاٹھ باٹھ نا رہے تھے' مگر اس شخص کا طنطنہ برقرار تھا۔ وہ انسانوں کو کس طرح جج کرتا تھا اور کس طرح لمحوں میں ان کو بے توقیر کر دیتا تھا۔

"ایسے مت کہیں کاشف۔۔۔ آپ کی تو اتنی عزت کرتی ہیں آپا۔" اس نے جان بوجھ کر آپا اور دولہا بھائی نہیں کہا تھا۔ دولہا بھائی کا ذکر سنتے ہی کاشف کے ماتھے کی تیوریاں چڑھ جاتی تھیں اور صوفیہ اتنی سمجھ دار ضرور ہو چکی تھی کہ بھانپ سکتی کہ اس کے شوہر کو کون سا ذکر مشکوک کرتا ہے اور اسے کس ذکر کو مصلحتاً "درگزر کرنا ہے۔

"ارے تو جو عزت کے قابل ہوتا ہے' اس کی عزت ہی کی جاتی ہے۔ ہم کون سا تھانوں میں بستر لگا کر سوتے رہے ہیں' کہ لوگ ہماری عزت نہ کریں گے۔" کاشف کا انداز ابھی بھی ویسا ہی تھا جو صوفیہ کے دل کو تو جلا تا ہی تھا' ساتھ ہی اسے ڈرا بھی دیتا تھا۔ وہ عام سی کم پڑھی لکھی عورت تھی۔ وہ کاشف کی تمام بدسلوکیوں کو بعض اوقات کسی کی نظر بد یا تعویذ دھاگوں کی کارستانی سمجھنے لگتی تھی۔

"آپا کھانا کھائے بغیر واپس نہیں آنے دیں گی۔ ان سے فون پر بات ہوئی تھی تو کہہ رہی تھیں کہ بٹیر لا کر مسالا لگا کر فریزر میں رکھ چھوڑے ہیں کہ کاشف آئے گا تو بنائیں گی۔ بار بار پوچھ رہی تھیں کہ آپ کو نہاری زیادہ پسند ہے یا پائے۔۔۔ آپ جانتے ہی ہیں وہ بہت مزے کا کھانا بناتی ہیں۔ آپ اگر ان کے یہاں کھانا کھالیں گے تو ان کو اچھا لگے گا۔" اس نے شوہر کو راضی کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔

"ہاں کاشف بے چارے نے تو کھائے نہیں پہلے کبھی بٹیر اور پائے۔۔۔ اب تمہاری آپا کے گھر جائیں گے تو ان کھانوں سے فیضیاب ہوں گے۔ اچھا بھائی۔۔۔ کھالیں گے کھانا۔۔۔ تمہاری خاطر یہ بھی کر لیں گے صوفیہ بیگم۔" وہ یک دم ہی مان گیا تھا۔ صوفیہ نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

"بہت شکریہ۔۔۔ اور میں بھی اتنا اصرار نہ کرتی' لیکن کونین کی وجہ سے میں چاہتی ہوں کہ آپ ان کے گھر جائیں اور ان کا ایک بار دل سے شکریہ ضرور ادا کریں۔ آپ کچھ بھی کہیں کاشف میں تو ان کی بڑی ہی احسان مند ہوں۔۔۔ ورنہ کون رکھتا ہے کسی کی اولاد کو اتنا عرصہ۔" صوفیہ نے بڑے ہی نرم لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا اچھا۔۔۔ اب دوبارہ نہ شروع کرنا وہی قوالی۔۔۔ زبانی یاد ہے مجھے کہ تمہارے بہن اور بہنوئی کا بڑا احسان ہے ہم پر۔۔۔ ہماری بچی پالی ہے انہوں نے اور وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ختم کرو بس اب۔۔۔ لے آئیں گے بچی کو واپس۔" وہ اسی ناگواری سے بولا تھا۔ صوفیہ چپ کی چپ رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ دوپٹا دکھاؤ۔۔۔" زری نے سیلز مین کو کہا تھا۔ نمنانے اسی شیلف کی سمت میں دیکھا جہاں سے سیلز مین دوپٹا اتار رہا تھا۔ ست رنگی دوپٹا جس پر گوٹا کناری کا کام نمایاں تھا۔ سنہرا اور میرون رنگ نمایاں تھا جب کہ سبز اور آتشی گلابی رنگ بھی جھلکتا سا نظر آتا تھا۔

"باجی یہ بہترین چیز ہے۔۔۔ آپ پر بہت سجے گا۔ دھڑا دھڑ بک رہا ہے آج کل یہ۔۔۔" سیلز مین نے اپنے کندھے پر دوپٹا پھیلا کر زری کو سوالیہ انداز میں دیکھا تھا۔

"نمنا یہ لے لو۔ اس کے ساتھ پیلے رنگ کی کرتی اور غرارہ بنا لینا۔ مہندی کے لیے بہترین سوٹ تیار ہو گا۔ پراندہ پہننا اور ڈھیر ساری چوڑیاں بھی۔۔۔ غرارے کے ساتھ کولہاپوری چپل۔۔۔ اف اف اف۔۔۔ قیامت لگو گی قسم سے۔۔۔ میں تینوں دن تمہارا ابھی منیب سے اپائنٹمنٹ لوں گی۔ وہ زبردست میک اپ کرے گا۔ خبردار جو تم نے میک اپ کروانے سے انکار کیا تو۔۔۔ ایک ہی بہن ہے تمہاری۔ اس کی شادی پر تمہیں بہترین نظر آنا ہے۔" وہ

جیسے خود اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔ نمنا نے فقط سرہلایا۔
"جو تمہیں ٹھیک لگے لے دو۔۔۔ تمہیں پتا ہے اس معاملے میں میرا اوپر والا خانہ بالکل خالی ہے۔" اس نے سادہ سے لہجے میں خوش دلی سموتے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔ زری بہت خوش تھی۔ وہ اسے زبردستی اپنے ساتھ لے کر آئی تھی اور چاہتی تھی کہ ساری شاپنگ کروا کر دم لے۔ شادی کی شاپنگ زور و شور سے شروع ہو گئی تھی۔ امی نے کہا تھا کہ نمنا روز روز نہیں آتی اس لیے بہتر ہے کہ اگر آج ہی اسے زری کی شادی میں پہننے کے لیے کچھ پسند آئے تو ہاتھ کے ہاتھ خرید لیا جائے سو شاپنگ طویل ہوتی جا رہی تھی۔
"دیکھیں امی۔۔۔ صحیح کہہ رہی ہوں نا۔۔۔ مہندی کے لیے غرارہ اچھا رہے گا نا۔" زری نے ساتھ بیٹھی امی کی بھی رائے مانگی تھی۔
"تمہیں پسند ہے نمنا۔۔۔؟ اپنی مرضی سے لینا۔۔۔ پہننا تو تمہیں ہے نا۔" امی نے اس کی جانب دیکھ کر استفہامیہ انداز میں کہا تھا۔ اس نے ان کی بات پر بھی سرہلایا تھا۔ سلیم کی وفات کے بعد امی کا رویہ اس کے ساتھ بہت نرم ہو گیا تھا۔
"اچھا ہے امی۔۔۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ امی کو اطمینان ہو گیا۔ یہ سب چیزیں لے کر وہ گھر جانے کی غرض سے مین سڑک پر آ گئی تھیں۔ ابا انہیں ڈراپ کر گئے تھے' لیکن واپسی پر رکشا سے جانے کا ارادہ تھا۔ اسی لیے وہ رکشا اسٹاپ پر آ گئی تھیں۔
"امی وہ لے دیں نا۔۔۔ گول گپا گوٹالا۔۔۔ کتنے مزے کی چیز ہے۔" وہیں کھڑے زری نے فرمائش کی تھی۔ انار کلی میں نیا کیفے ٹیریا کھلا تھا جہاں گول گپوں کی پاپڑی چاٹ ٹائپ ایک نئی ڈش متعارف کروائی گئی تھی۔ زری کی پسندیدہ تھی اسی لیے اس نے فرمائش کر دی تھی۔
"معاف کرو بی بی۔۔۔ کھٹی چٹنیاں کھا کر کہیں گلا خراب ہو گیا تو پڑی رہو گی بستر پر۔۔۔" امی نے صاف انکار کیا تھا۔
"ایسے تو نہ کہیں امی۔۔۔ ان شاء اللہ کچھ نہیں ہو گا۔ گھر جا کر جوشاندہ ڈال کر چائے پی لوں گی نا۔" اس نے ضد کی۔ امی نے زچ ہو کر سرہلایا۔
"نہیں زری۔۔۔ پہلے ہی نو بج گئے ہیں۔۔۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ پھر کبھی کھا لینا۔"
"پھر کبھی بھی کھا لیں گے امی۔۔۔ آج تو نمنا آئی ہے نا۔۔۔ یہ روز روز کب آتی ہے۔ اسی خوشی میں کھلا دیں۔" اس نے ضد کی تھی۔
"اب یہاں سے وہاں جائیں گے تو مزید دیر ہو جائیں گی۔ واپسی پر ویسے بھی رکشا دیر سے ملتا ہے۔" امی بے چاری بیٹی کی فرمائش پوری بھی کرنا چاہ رہی تھیں' مگر تاخیر سے ڈرتی بھی تھیں۔ شہر کے حالات ویسے بھی پہلے جیسے نہ رہے تھے۔ شادی بیاہ کی خریداری کرنے والے ویسے بھی نظر میں جلدی آ جاتے تھے۔
"اچھا ایسا کرتے ہیں پیک کروا لیتے ہیں۔ گھر جا کر کھا لیں گے۔" زری نے ہی مسئلے کا حل نکالا تھا۔ امی نے نہ چاہتے ہوئے بھی اثبات میں گردن ہلائی پھر پرس سے ہزار روپے کا نوٹ نکال کر دیا تھا۔
"جلدی سے لے کر آ جاؤ۔۔۔ میں تب تک رکشے میں بیٹھتی ہوں۔" انہوں نے تاکید کی تھی اور ساتھ ہی قریب کھڑے رکشے کو اشارہ کیا تھا۔ نمنا اور زری دونوں ہی کیفے ٹیریا کی طرف بڑھ گئی تھیں جو عقب میں ہی تھا۔
"باجی بڑے نوٹ کا کھلا نہیں ہے۔" کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے آرڈر لکھنے کے بعد ہی بتا دیا تھا۔
"اوہو۔۔۔ اب کیا واپس جائیں گے۔ امی پہلے ہی ناراض ہو رہی ہیں۔" زری نے ناک چڑھائی تھی۔
"میرے پاس دو سو روپے ہیں۔ تم امی سے سو روپے لے آؤ۔ تب تک میں پیک کرواتی ہوں۔" نمنا نے اس

سے کہا تھا۔ زری نے سر ہلایا اور ایک بار امی کی جانب چل دی تھی۔ اسی دوران نینا انتظار کرتے ہوئے کیفے ٹیریا کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ وہاں نیم تاریکی تھی۔ دیواروں پر اشتہاء کو بڑھانے والے جنک فوڈز کی تصاویر تھیں۔ لوگوں کا رش بھی خوب لگا تھا۔ وہ بلاوجہ ادھر ادھر جھانکنے لگی تھی۔ وہاں چھوٹے چھوٹے کیبنز بنے ہوئے تھے جو یقیناً "یونیورسٹی سے بنک کر کے آنے والے اسٹوڈنٹس کے لیے تھے۔ وہاں زیادہ روشنی بھی نہیں تھی۔ اسی اثنا میں نینا کی غیر ارادی طور پر ایک کیبن میں نظر پڑی۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر جوڑا بیٹھا تھا۔ نادانستگی میں نینا ادھر ہی دیکھتی جا رہی تھی جیسے کوئی چھٹی حس اسے وہیں دیکھنے پر مجبور کر رہی ہو اور پھر سیکنڈز میں اس پر عقدہ کھلا تھا کہ وہ اس عورت سے کہیں مل چکی تھی۔

اگلے ایک منٹ میں وہ اس آنٹی نما خاتون کو درزن آنٹی کے طور پر پہچان چکی تھی، جن کے سامنے اس روز اس نے بڑی بڑی باتیں کی تھیں۔ اسے کچھ عجیب سا لگا۔ آج وہ خاتون زیادہ ہی بنی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ان کے متعلق کچھ مزید مشکوک ہوتی اس نے دوبارہ اس مرد جس کی سائڈ کی جھلک ہی نظر آ رہی تھی کو بغور دیکھا۔ اسے خفیف سا جھٹکا لگا تھا۔ وہ اس شخص کو بہت اچھی طرح سے جانتی تھی۔ اس نے دوبارہ دیکھا اور مسلسل دیکھا۔ چھتیس چالیس سالہ، میک اپ سے چہرے کو آراستہ کیے ہوئے اس عورت کے سامنے بیٹھا وہ شخص کوئی اور نہیں اس کے ابا ہی تھے جن کی نگاہیں تو اسے نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ یقیناً "پشت سے ان کے چہرے پر پھیلے تاثرات نہیں دیکھ سکتی تھی، لیکن وہ عورت جو ان کے سامنے بیٹھی تھی، اس کا حلیہ بتا دینے کو کافی تھا کہ ابا کی فطرت کی رنگینی لاعلاج تھی ورنہ ایسی کیا بات تھی کہ ابا ایک کیفے میں اس وقت اسے ہمراہ لیے بیٹھے تھے۔ اسے ٹھنڈا پسینہ سا آنے لگا۔

"نینا... شش... آؤ..." زری گلاس وال سے پیچھے اشارے کر رہی تھی۔ نینا دل پر بوجھ لیے واپس مڑی تھی۔

٭ ٭ ٭

"آپ ابھی سے ہال کی بکنگ کروانا شروع کر دیں... دیکھ بھال لیں کہ کون سا ہال اچھا ہے۔ یہ کام سب سے اہم ہے۔ یہ نہ ہو کہ وقت پر ہمیں کوئی اچھا ہال ہی نہ ملے۔" امی ابا کو چائے پکڑاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ نینا نے دیکھا ان کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے لاؤنج میں بیٹھے امی ابا کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ابا نے ٹانگیں دیوان پر پھیلا رکھی تھیں اور امی پاؤں دابنے کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ وہ بہت ہی نیک خدمت گار بیوی تھیں۔ ابا کے کھانا کھانے سے پہلے کبھی کھانا نہ کھاتی تھیں، رات کے کسی پہر ابا ان کو جگا کر بھی کہتے کہ سائڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس پکڑا دو تو امی برا منائے بغیر سوتے سے اٹھ کر پانی کا گلاس دے دینے کی عادی تھیں۔

ابا کی ہر کڑوی کسیلی پر چپ رہنا ان کا وطیرہ تھا۔ مجال ہے کبھی انہوں نے ابا کی مرضی کے برخلاف کوئی کام کیا ہو یا ابا کے سامنے کبھی اونچی آواز میں بات کی ہو... اور ابا... ابا کیا کرتے تھے... ایسا کیوں کرتے تھے ابا... ایک مرد کو عورت سے کیا چاہیے ہوتا ہے... اور ایسا کیا چاہیے ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت سیر نہیں ہوتی... وہ بہت دکھی تھی۔ انسان کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے ماں باپ کی خامیوں کو برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اس نے زری کی جانب دیکھا۔ وہ مارکیٹ سے آ کر تھک گئی تھی، سو اب سو چکی تھی۔ سردیوں میں امی ابا لاؤنج میں بیٹھ کر ہی نیوز چینل دیکھا کرتے تھے کیوں کہ ان کے کمرے تک روم ہیٹر کا پائپ نہیں جاتا تھا۔ نینا اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازہ پوری طرح بند کر دیا۔ وہ بستر پر لیٹ گئی تھی۔

وہ ایک اور بے چین سی رات تھی۔ نیند پھر آنکھوں سے غائب تھی۔ نگاہوں کے سامنے سے وہ خاتون ہٹ

نہیں رہی تھیں اور یوں ہی ابا۔۔۔ اور یہ پہلی بار نہیں تھا کہ اس نے ابا کو کسی خاتون کے ساتھ دیکھا تھا۔۔۔ پہلے بھی کئی بار۔۔۔ کئی بار اپنے ہی باپ کو کسی غیر عورت کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھ چکی تھی وہ۔۔۔ اور یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہ تھی۔ آخر لوگ غیروں سے بات کرہی لیا کرتے ہیں' لیکن ابا کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ اسے اچھا نہ لگتا تھا' وہ سب سے ہنس کر بات کرسکتے تھے' لیکن کیوں۔۔۔ اور پھر اس کے ساتھ تو ہمیشہ اکتائے رہتے تھے۔۔۔ کیوں۔۔۔ یہ سوال اس کے بچپن سے اس کے ساتھ تھے کہ اب تو اسے اپنے بے سروپا سوالوں پہ خود ہی الجھن ہوتی تھی' لیکن یہ حقیقت تھی کہ اسے ابا سے ہمیشہ نیگیٹو وائبز آتی تھیں۔۔۔ ہمیشہ۔۔۔ اور بچپن سے۔۔۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ ابا کی شکل بھی نہ دیکھے۔۔۔ ان کے گھر سے ہی چلی جائے۔ اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب اس نے اپنے ابا کو پہلی بار دیکھا تھا حالانکہ وہ تب بہت چھوٹی تھی۔

✡ ✡ ✡

"یہاں آؤ بیٹا۔۔۔ اپنے امی ابا سے ملو۔" ابو نے اسے آواز دی تھی۔ وہ تین سال کی تھی یا شاید ساڑھے تین سال کی' لیکن اس کی یادداشت میں وہ دن ہمیشہ محفوظ رہا تھا۔ ابو امی (خالہ خالو) نے صبح سے ہی اسے باور کروانا شروع کردیا تھا کہ آج اس کے والدین آرہے ہیں۔ اس سے ملنے کے لیے۔۔۔ وہ اس کے لیے ڈھیروں تحفے لائیں گے۔ وہ اسے خوب پیار کریں گے اور اسے بھی ان سے مل کر خوشی ہوگی۔ مہمانوں کی آمد بچوں کے لیے ویسے ہی بڑی خوش آئند ہوتی تھی۔ اس روز خالہ مزے مزے کی چیزیں بناتی تھیں۔ اور گھر میں بڑا خوش گوار سا ماحول بنا رہتا تھا سو وہ بھی پرجوش تھی۔

سخت گرمی کے دن تھے۔ خالہ نے اس کی اور سلیم کی ٹنڈ کروادی تھی۔ سخت دھوپ میں سارا دن دھما چوکڑی مچائے رکھنے کے باعث اس کا رنگ مزید سیاہی مائل سا ہوا چلا تھا۔ نوشی باجی نے اسے نہلا دھلا کر گلابی سے رنگ کا نیا فراک پہنایا تھا۔ اس کے سر پر نمایاں ہونے والے ننھے منے بالوں پر کنگھا پھیر کر ایک چھوٹی سی بال پن بھی ٹکادی تھی جو بار بار پھسل کر نیچے گر جاتی تھی اور جسے سنبھالنے کی خاطر اس نے بایاں ہاتھ مسلسل سر پر دھر رکھا تھا۔ خالہ نے آنکھوں میں سلائیاں بھر بھر کر سرمہ ڈال دیا تھا اور پاؤں میں بھی نئے سفید سینڈل پہنائے تھے جو ابو (خالو) اس کے لیے نمائش سے لائے تھے۔ سانولے پاؤں میں سفید سینڈل ذرا بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے' لیکن سب کہہ رہے تھے کہ وہ تو آج بہت پیاری لگ رہی تھی اور وہ خود بھی بہت خوش تھی۔

اس کی بہن آنے والی تھی۔ امی (خالہ) اسے اس کے امی ابا اور بہن کے متعلق بہت سی باتیں بتاتی رہتی تھیں سو جب وہ لوگ آئے اور گھر کی بیٹھک میں بٹھائے گئے تو وہ بہت اشتیاق سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"یہاں آؤ بیٹا۔۔۔ اپنے امی ابا سے ملو۔" اسے یاد تھا جو ابو نے جملہ کہا تھا۔ وہ کبھی بھول نہیں پائی تھی کہ یہ سن کر اس کے چہرے پر جھنپی ہوئی مسکراہٹ چمکی تھی اور پھر کسی کی چبھتی ہوئی آواز سماعتوں میں جیسے گھسی تھی اور وہ قہقہہ۔۔۔ اور وہ کھنکار۔۔۔ وہ ہنکارا۔۔۔ اور پھر وہ خاموشی۔۔۔

"ہاہا۔۔۔ ہاہا۔۔۔ یہ واقعی میری بیٹی ہے صوفیہ۔۔۔ اتنی کالی۔۔۔ ہاہا۔۔۔ یہ زرمین کی ہی بہن ہے نا۔" یہ اس شخص نے کہا تھا جس کے چہرے پر ایک عجیب سی نخوت تھی اور رعونت بھی اور ابو کہتے تھے یہ اس کے ابا ہیں۔

"تمہارے ابا آرہے ہیں صبح۔۔۔ وہ تمہیں بہت پیار کریں گے۔ وعدہ کرو تم ان کو تنگ نہیں کروگی اور ضد بھی نہیں کروگی اور بہت اچھی بچی بن کر رہوگی۔" ابو (خالو) نے ایک رات پہلے اسے گود میں بٹھا کر کہا تھا اور تاکید کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ جاتے ہوئے روئے گی نہیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس کی ساری ضدیں خالہ اور نوشی باجی کے ساتھ ہوتی تھیں۔

ابو (خالو) کو گھر میں کوئی بھی انکار نہیں کرتا تھا۔ وہ بھی کیسے کر سکتی تھی مگر وہ شخص... وہ سامنے بیٹھا شخص جس نے اسے دیکھنے کے بعد صرف ایک طنزیہ جملہ ہی کہا تھا۔ جس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی... گہری طویل خاموشی... نینا کو کبھی کبھی لگتا تھا کہ اس کے اور ابا کے تعلق میں صرف خاموشی ہی تھی۔ وہی خاموشی جو ابا کو پہلے بار دیکھنے "ان سے ملنے کے بعد اس کے وجود پر چھائی تھی۔

اسے ابا سے کبھی انسیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ خلا جو پہلی بار ان کو دیکھ لینے کے بعد اس کے دل میں پیدا ہوا تھا پھر آنے والا وقت "اس خلا میں کوئی کمی نہیں کر پایا تھا۔ سو اس کے دل میں ان کے لیے صرف خلا تھا۔

اس لیے نہیں کہ انہوں نے اسے دھتکار دیا تھا' بلکہ اس لیے کہ اسے ان سے الجھن ہوئی تھی۔ پہلی بار ہی ان کو دیکھنے کے بعد اس کے دل نے انہیں مسترد کر دیا تھا... وہ اسے اچھے نہیں لگے تھے۔ یہ اس کے بچپن کی وہ پہلی محرومی تھی جس نے وقت گزرنے کے بعد ایک خوف ناک شکل اختیار کر لی تھی۔

اور ایسا لگتا ہے کہ بچپن کے دکھ معمولی اور وقتی ہوتے ہیں۔ آسانی سے بھلائے جا سکتے ہیں۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ بچپن کا دکھ تو دل میں ایسا زخم دے جاتا ہے کہ پھر وقت کا مرہم کبھی اس زخم کو نہیں بھرپاتا۔ نینا کے دل پر بھی ایسے ہی گہرے زخم تھے جن سے خون رستا رہتا تھا اور اس کی زبان زہر اگلتی رہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"امی مہر کو کبھی کبھی اس کی نانی کے گھر لے جایا کریں... ان کی بھی اولاد ہے۔ مہر سے مل کر اچھا لگتا ہوگا انہیں۔" خاور نے ناشتا کرتے ہوئے اپنی اماں سے کہا تھا۔ آصف بھائی نے اماں کی مرضی کے بغیر دوسری شادی کر لی ہوئی تھی۔ وہ اپنے فرماں بردار بیٹے کی اس نافرمانی سے اتنی دل برداشتہ ہوئی تھیں کہ خاور کے ساتھ ان کا رویہ بہتر ہو گیا تھا۔ خاور کی بھی تین سال پہلے ایڈہاک کی بنیاد پر ملنے والی جاب مستقل ہو گئی تھی اور اس کی سیلری بھی بڑھ گئی تھی جس کا بڑا حصہ اماں کو دینے لگا تھا تو اماں کی نظر میں اس کا درجہ کچھ بلند ہو گیا تھا۔

"ارے ہم سے نہیں جایا جاتا اتنی دور... مرنے والی سے رشتہ تھا... وہ ختم تو رشتہ بھی ختم۔" اماں نخوت سے بولی تھیں۔

"کیسے گزارا ہوگا ساس بہو میں... وہ سیر تو یہ سوا سیر..." خاور نے دل میں سوچا۔ یہ بات فی الحال وہ سوچ ہی سکتا تھا۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی ہی اماں سے کر تا پا "اس" سے کرتا جسے فی الوقت بیٹھا "سیر" قرار دے رہا تھا۔
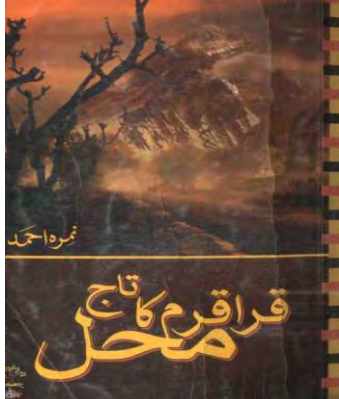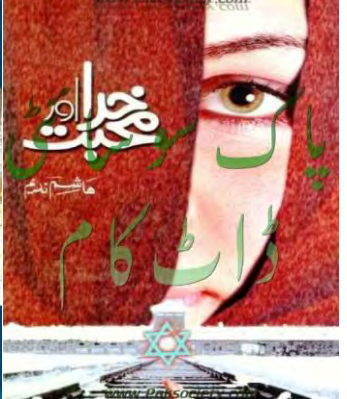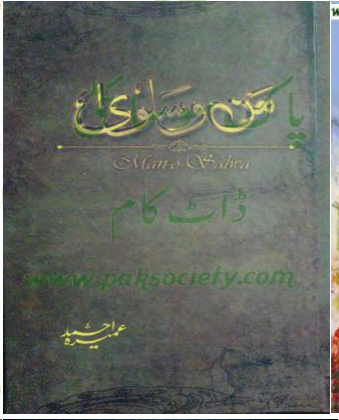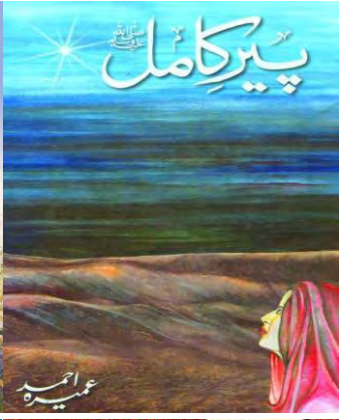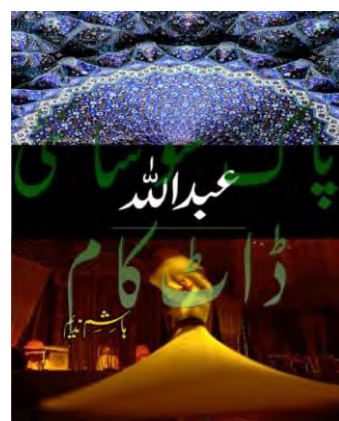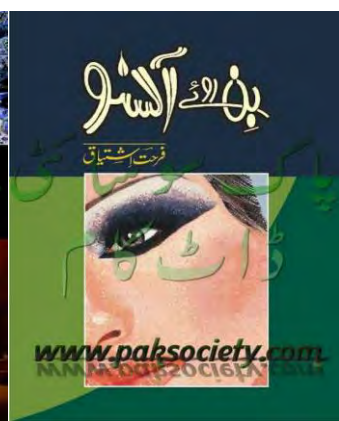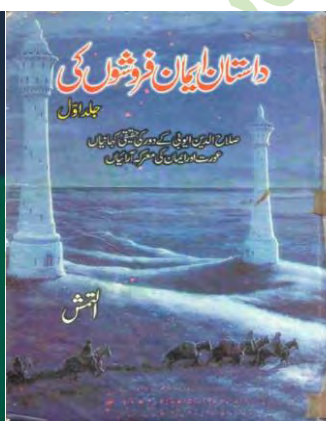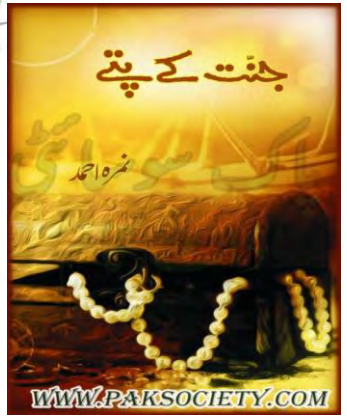
"اچھے لوگ ہیں امی۔"

"ارے ہٹاؤ بھی... بڑے اچھے لوگ ہیں... کبھی اتنی توفیق تو ہوئی نہیں کہ نواسی کا حال ہی پوچھ لیں۔ فون ہی کر لیں۔ بس زبانی کلامی پیار محبت تھا ان کا... ورنہ کبھی تو کہیں کہ بچی کو بھیج دو... پتا ہے نا پھر خرچا کرنے پڑے گا۔ یہاں تو سارا خرچا ہم کر رہے ہیں۔ ان کا تو دھیلا نہیں خرچ ہو رہا۔" امی کا حساب کتاب بڑا کھرا تھا۔ چونی اٹھنی تک کا حساب یاد رہتا تھا۔ خاور نے سر ہلایا۔

"وہ نوشین بھابھی کی کزن ملتی ہے کبھی کبھی بس اسٹاپ پر... سلام دعا ہو جاتی ہے... ہمیشہ آپ کا حال بہت محبت سے پوچھتی ہے۔" خاور نے جملہ بناتے ہوئے کہا تھا اور ساتھ ہی ان کا چہرہ دیکھا۔

"اف اف اف... اس لڑکی کی تو بات نہ کرو... وہ تو ڈائن ہے بالکل... بات ایسے کرتی ہے جیسے چیر کر رکھ دے گی... اتنی کڑواہٹ دیکھی ہے کبھی انسان میں... کریلا ہے وہ تو اور خبردار اس سے مت کیا کرو کوئی سلام دعا... ہم دور دور سے ہی بھلے..." اماں کا تو حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ خاور کا بھی دل ٹوٹ سا گیا۔

"ہائے او ربا... کیسے سر ہوگا یہ مرحلہ... کیسے بنے گی بات۔" وہ سوچ رہا تھا۔ اس کی ماں سے کبھی نہیں جمی تھی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ان کی ہر بات سے انکار کرنا اس کی عادت تھی' لیکن وہ اتنا بھی خود سر نہیں تھا کہ شادی بھی ان کی مرضی کے بغیر کر لیتا۔

"سن رہا ہے خاور... کوئی ضرورت نہیں مہر کے رشتہ داروں سے ملنے کی اور اس لڑکی سے تو بالکل نہیں ملنا... تو سمجھ رہا ہے نا میری بات... ہماری نہیں جم سکتی ان یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکیوں سے... حرافہ ہوتی ہیں یہ تو... اور وہ تو خیر سے بچپن سے ہی چڑیل ہے۔" اماں کو تو سخت ناپسند تھی وہ۔

"اماں ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تو مہر کی وجہ سے کہتا ہوں۔ چھوٹی بچی ہے۔ اس کی نفسیات پر اچھا اثر پڑے گا اگر اپنی ننھیال سے وابستہ رہے گی تو..." اس نے بودی سی وضاحت دی۔ اماں نے اسے گھورا۔

"ارے ہمیں نہیں پتا اس نفسیات شفسیات کا... ہمارے لیے تو بس یہ اہم ہے کہ ہمارا رشتہ ختم ہو چکا ان کے ساتھ اور نیا رشتہ جوڑنا نہیں ہمیں... سن رہا ہے نا۔ ہمیں نہیں رکھنی کوئی رشتہ داری... اس کڑوی کسیلی لڑکی سے تو بالکل نہیں... بھلا بتاؤ نام کیا رکھا ہوا ہے اس کا کونین..." اماں ناک چڑھا کر کہہ رہی تھی۔ مہر اور نبیحہ (چھوٹی پھپھو) اسی وقت کچن میں داخل ہوئے تھے۔

"کس کا نام رکھا ہے کونین... بڑا پیارا نام ہے..." نبیحہ نے تعریف کی تھی۔

"ارے اسی "نینا" کا... نوشی کی کزن یہ اسی کا اصل نام ہے کونین..." اماں اسی انداز میں بولی تھیں۔

"اچھا نام ہے ورنہ میں تو یہی سمجھتی تھی کہ اس کا نام نینا ہے... پتا نہیں اس کا مطلب کیا ہے۔" وہ اٹھارہ انیس سال کی لڑکی تھی۔ اپنی عمر کے مطابق ہی باتیں کرتی تھی۔ اماں نے منہ کا زاویہ مزید بگاڑا۔

"بڑا اچھا نام ہے... ایسے ہوتے ہیں اچھے نام...؟ ارے اس کا مطلب ہے کڑواہٹ... میٹھے (پھل) کھائے ہوئے ہیں نا... ان میں ہوتی ہے یہ کونین... اسی لیے تو کڑوے ہوتے ہیں وہ... یہ جب پیدا ہونے والی تھیں نا تو ان کی ماں میٹھے چوستی رہتی تھیں۔ بس اسی لیے یہ نام دیا تھا بچی کو... اسی لیے تو اتنی کڑوی ہے یہ... توبہ توبہ۔" اماں اسے سخت ناپسند کرتی تھیں۔ خاور کو بڑی مایوسی ہوئی۔

"آپ کو کیسے پتا اماں...؟" نبیحہ پوچھ رہی تھی۔

"ارے پرانی رشتے داری ہے... کیا ہوا جو وہ کم ظرف لوگ ہیں... ہیں تو ہماری ہی برادری کے... بس اللہ کے کام ہیں... ہمارے والی تو کوئی اچھی عادت نہیں ہے ان میں' مگر رشتہ دار ہی ہیں اپنے... دور پرے کے..." اماں نخوت سے بولی تھیں' جب کہ خاور چائے کے سپ لیتا ہوا "کونین" والی بات میں گم تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ کونین بات کر رہی ہیں نا... میں رانیہ کی آنٹی ہوں... آپ پڑھاتی تھیں نا اسے... میں نے آپ سے اپنی بیٹی کے متعلق بات کرنی تھی۔" شہرین نے کال ملتے ہی سلام دعا کیے بنا کہا تھا۔ نینا کو بڑا عجیب لگا۔

"نہیں... میں کونین بات نہیں کر رہی... شکریہ..." اس کا موڈ تو پہلے ہی سخت آف تھا۔ اس نے نخوت سے کہہ کر کال کٹ کر دی تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

☼ ☼

حنا اشرف
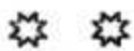
"اماں... یہ دیکھیں یہ کیسی ہے؟"
"آئے ہائے غضب خدا کا کیا زمانہ آگیا؟ اب میں کہہ رہی ہوں نئی تصویریں لے کر آؤ تو بار بار وہی دکھائے جا رہی ہے! ماں کا کہنا تو ماننا ہی نہیں' سارے جہاں کی سن لے یہ لڑکی' مگر ماں کی بات سننا توہین سمجھتی ہے۔" رشیداں خاتون نے کہتے اپنے ہی گال پیٹ ڈالے۔

"اماں بس بھی کریں یہ بس ہاتھ جوڑتی ہوں آپ کے سامنے اگر ہماری ماننی ہی نہیں تو پھر بلاتی کیوں ہیں؟ گھر بار چھوڑ کر اتنی دور یہاں آتی ہوں مگر آپ ہیں کہ بس..." فاریہ نروٹھے پن سے کہتی ان کے پاس سے اٹھ کر سامنے والے صوفے پر جا بیٹھی جہاں عبید بیٹھا اپنے آفس کا کام کر رہا تھا۔

رشیداں خاتون نے پاس رکھی تصویریں اٹھائیں' چشمہ جو تھوڑا کھسک کر نیچے ہو گیا تھا دوبارہ سے اسے اپنی جگہ پہ درست کرتے ایک ایک کر کے ساری تصویریں دیکھنے لگیں۔

"اماں میں آخری بار کہہ رہی ہوں ان ہی میں سے کوئی سلیکٹ کرلیں اتنی اچھی اور پڑھی لکھی لڑکیاں ہیں سب۔" فاریہ عاجزی سے بولی' عبید بہن کی بات سن کر زیر لب مسکرا دیا' رشیداں نے بیٹی کی بات ان سنی کردی اور محویت سے تصویریں دیکھنے لگیں! سب تصویریں دیکھ لینے کے بعد رنجیدگی چہرے پہ سجائے بیٹے کی طرف رخ کیا۔

"پھر ملی آپ کو من پسند بہو اماں حضور!" عبید کے بولنے میں واضح شرارت تھی۔

"بس بیٹا مت پوچھو' کس کی ناک موٹی تو کسی کی آنکھیں چھوٹی' کسی کا قد عالم چنا جیسا تو کوئی ٹھگنی... اوپر سے صاحبزادی صاحبہ کا حکم ان ہی میں سے ایک چن لوں ہونہہ!"

اماں میری طرف سے اجازت ہے ایک کی بجائے چار چن لیں۔" عبید چہرے پر مسکنمت سجا کر بولا۔

"اللہ میری توبہ' اماں بس کریں ڈریں خدا کی پاک ذات سے' ایسے پرائی بیٹیوں پہ باتیں کیے جا رہی ہیں صورتیں تو اللہ پاک نے بنائی ہیں کیوں گناہ گار ہوتی ہیں۔"

"اے بی بی تم تو بات ہی نہ کرو تو بہتر ہے یہ میں ہی ہوں جو ہر بار تم سے بے عزتی کروانے کے باوجود پھر سے بلا لیتی ہوں۔" فاریہ کے رونی صورت بنا کر کہنے پر وہ ہاتھ نچا کر تیز لہجے میں بولیں' جواباً" فاریہ نے خاموشی میں عافیت جانی ان سے تو بحث کرنا ہی فضول تھا۔

"آخر آپ کو کیسی بہو چاہیے؟" اماں سب کو ہی ریجکٹ کیے جا رہی ہیں اب کی بار عبید کچھ سنجیدگی سے بولا...

"اپنے گبھرو جوان شیر کے لیے چاند سی دلہن لاؤں گی ساری دنیا دیکھتی رہ جائے گی..."
"مگر اماں چاند میں بھی دھبے ہوتے ہیں۔" ماں کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ بول پڑا۔ فاری کو اس حالت میں بھی ہنسی آئی جو ماں کے ڈر سے چہرے پہ

ہاتھ رکھ کر چھپا گئی۔
رشیداں خاتون کا تعلق ایک پسماندہ گاؤں سے تھا۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے تین بچے تھے' بڑی بیٹی ماریہ کی شادی اس کے خالہ زاد سے ہوئی تھی۔ فاریہ اپنے ماموں کی بہو تھی' جو حال ہی میں شہر شفٹ ہوئے تھے۔ عبید دونوں بہنوں سے چھوٹا تھا اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ماں کی محنت اور اپنی ذہانت کی بدولت اس نے سی ایس ایس کا امتحان پاس کر لیا تھا اب اچھی جاب کے ساتھ گھر اور گاڑی بھی ملی ہوئی تھی۔
رشیداں سیدھی سادھی سی خاتون تھیں مگر کہتے ہیں نہ کہ "خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔" وہ جو شروع میں شہر آنے پر رونا پیٹنا ڈال بیٹھی تھیں' اب تو رنگ ڈھنگ ہی نرالے تھے۔ اتنی جلدی تبدیل ہوئیں کہ خود کو پھنے خان سمجھنے لگیں۔ نظر کہیں ٹکتی ہی نا۔ پچھلے تین ماہ سے چاند سی بہو کی تلاش جاری تھی۔ فاریہ کو خوب صورت لڑکیوں کی تصویریں لانے کا کہہ کر تو اس کو خوار کر رکھا تھا۔ وہ بے
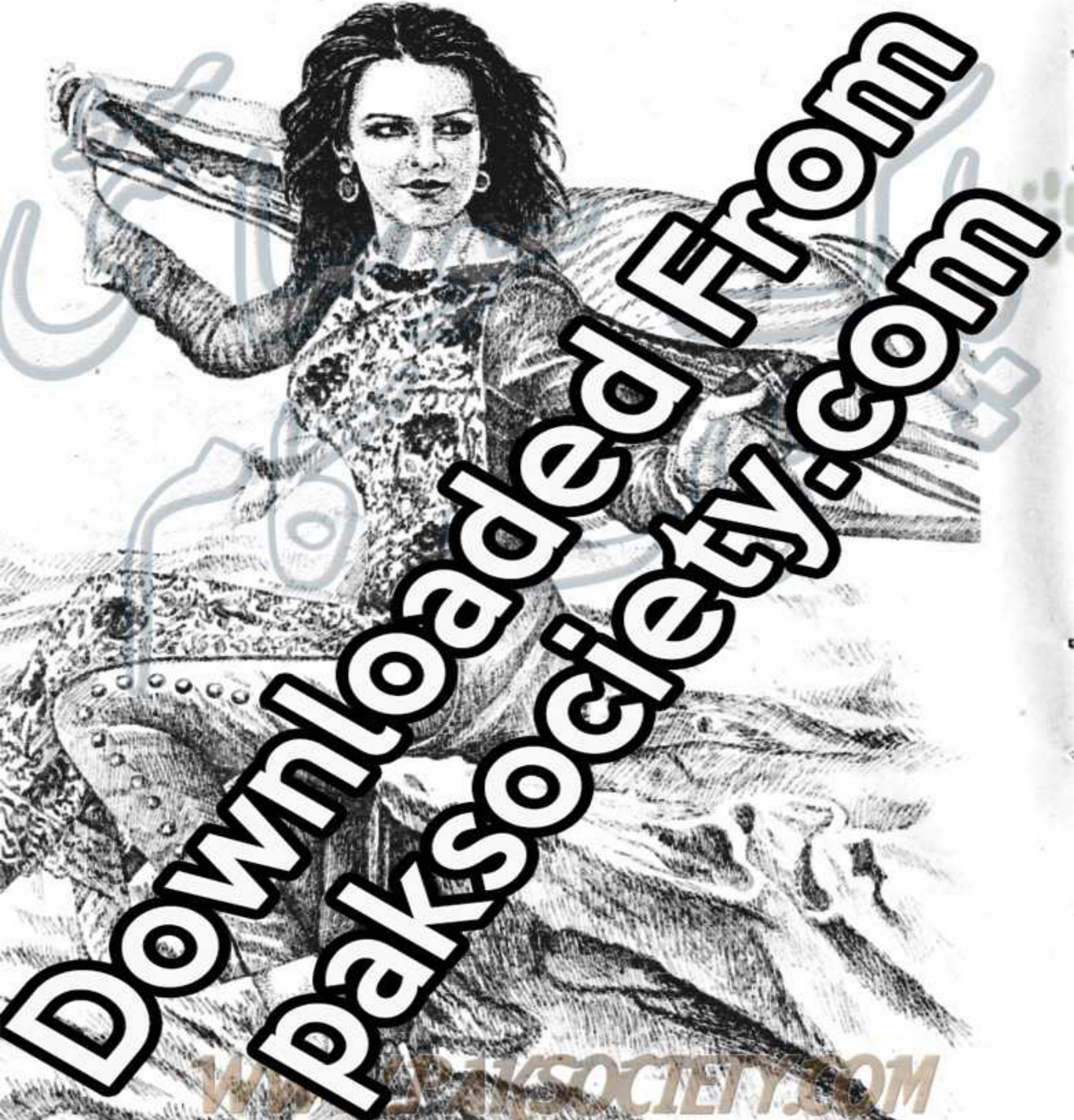
چاری دہائیاں دیتی اماں اگر یہی حال رہا تو میرے سسرال والے بھی مجھے رشتہ کرانے والی ماسی سمجھ بیٹھیں گے! مگر اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دی جاتی۔

☆ ☆ ☆

"اچھا اماں! چلتی ہوں اب پھر کس روز چکر لگاؤں گی۔"

"بتانے کی کیا ضرورت ہے چلی جاتی ایسے ہی، آئے ہائے کم بخت ماری ہڈحرام ذرا زور سے دبا' مفت کے پیسے ایویں بٹور لیتی ہو کام وام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔" فاریہ کو بے رخی سے جواب دینے کے بعد ملازمہ کو کوسا گیا جوان کے پاؤں دبا رہی تھی۔

"اچھا سن تو..." فاریہ جانے لگی تو اسے پھر پکارا.... بیگ وہیں نیچے رکھ کر وہ ماں کے قریب آبیٹھی جو صوفے پر نیم دراز تھیں۔" وہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ....."

"بیگم صاحبہ جانے والوں کو پیچھے سے پکارا نہیں کرتے بدشگنی ہوتی ہے جی۔" ڈراموں کی رسیا پروین عرف پونم نے ایک ادا سے کہا۔ رشیداں نے اپنی بات مکمل نہ ہونے پر دو چار بڑے زور کی دھپ ایک ساتھ اسے رسید کیں۔ پونم بے چاری اپنا بازو سہلا کر رہ گئی۔

"جا دفع ہو میرے لیے جوس بنا کر لا۔" انہوں نے پونم کو وہاں سے ہٹایا کہ کہیں دوبارہ ہی ان کی بات میں خلل نہ ڈالا جائے۔ منہ میں بڑبڑاتی بلکہ کوستی پونم کچن میں چلی گئی تو رشیداں نے سکھ کا سانس لیا۔

"کس کے ساتھ گھر جاؤ گی؟" ایک ہاتھ سے اپنے گھٹنے کو دباتے نرمی سے پوچھا۔

"باسط آنے والے ہیں آفس سے سیدھا ہیں آئیں گے رات میں نے کال کردی تھی۔ ماریہ باجی کی طرف کب چکر لگانا ہے۔ میں بھی اس بار ساتھ چلوں گی کافی دن ہوگئے باجی کو دیکھا نہیں۔"

"تہذیب نے کہا تھا اگلے ہفتے چلیں گے سچ بتاؤں تو میرا جی ہی نہیں چاہتا وہاں جانے کو تیری خالہ ایسی باتیں کرتی ہے کلیجہ جل کے رہ جاتا ہے' مبالغہ آرائی کی حد کی گئی' خالہ کے ذکر پر ان کے منہ میں جیسے کونین کی گولی آگئی تھی۔

"ویسے اماں سچ بتاؤں آپ نے اچھا نہیں کیا خالہ کے ساتھ۔ تہذیب بہت اچھی لڑکی ہے' اس جیسی سلیقہ شعار اور سگھڑ لڑکی آپ کو کہیں نہیں ملے گی' اتنا عرصہ آپ نے خالہ کو پابند کیے رکھا اب ایک دم سے انکار کرکے آپ نے اچھا نہیں کیا۔ بہن کا گھر نہ سہی' بیٹی کا سسرال سمجھ کر ہی کچھ لحاظ کرلیتیں۔" فاریہ افسوس سے بولی۔

"ماریہ نے کہا کچھ تم سے؟ دیکھ سچ بتا مجھے کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

"آپ نے انہیں اس لائق چھوڑا کہاں کہ وہ کوئی بات کرسکیں! خالہ بہت صابر و شاکر ہیں' اتنا کچھ کیا آپ نے ان کے ساتھ مگر انہوں نے ماریہ باجی کے سامنے اف تک نہیں کی! باجی بتارہی تھیں ساتھ والے گاؤں سے تہذیب کے لیے رشتہ دیکھا جارہا جلد ہی اسے رخصت کردیا جائے گا۔"

"کل کی کرتی آج کرے ہمیں کیا' تو کیوں پریشان ہوتی ہے۔"

"اماں آپ اچھا نہیں کررہیں دیکھ لیجیے گا۔ پچھتائیں گی۔ دولت اور شہر کی چکاچوند نے آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے' خدانا خواستہ عبید بھائی کی نوکری ختم ہوگئی تو کیا کریں گی آپ؟ کس منہ سے واپس جائیں گی۔ وقت ابھی بھی آپ کے ہاتھ میں ہے اچھی طرح سوچ لیں۔ انسان کے لیے دولت کی اہمیت نہیں ہونی چاہیے اصل چیز اخلاق' عزت واحترام ہے جو مخلص لوگوں سے ہی ملتا ہے۔ خود کو مت بھولیں کبھی آپ بھی وہاں کا حصہ تھیں جہاں پہ جانے سے اب آپ کو کراہیت کا احساس ہوتا ہے' خیر چلتی ہوں اب' میرا کہا تو ویسے بھی برا لگتا ہے آپ کو مقصد سمجھانا تھا جو میں نے سمجھا دیا اب آپ سمجھ کر بھی نا سمجھ بنیں تو یہ آپ کی مرضی۔ اللہ حافظ۔" باسط کی گاڑی کا ہارن

سن کر وہ الوداعی کلمات ادا کرتی چلی گئی۔ رشیداں اسے پکارتی رہیں مگر وہ جا چکی تھی۔

"نجانے اس لڑکی کو کب عقل آئے گی۔ باسط کیا سوچتا ہوگا نہ چائے پانی کا پوچھا نہ کھانے کا' لے کر چلتی بنی۔" وہ کافی دیر تک خفگی سے بولتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

سب قسمت کے پھیر ہوتے ہیں۔ دولت' ہاتھ کی میل کبھی ایک ہاتھ میں تو کبھی دوسرے میں' لوگ نجانے کیوں اسے مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ ساری زندگی مشکل سے گزر بسر کرنے والوں کے پاس جب پیسہ آتا ہے تو خود کو کوئی توپ شے سمجھتے ہیں' حاکم بن کر دوسروں کو محکوم سمجھنے لگتے ہیں۔

رشیداں ابھی کچھ دیر پہلے ہی گاؤں پہنچی تھیں۔ عین وقت پر عبید کو کوئی ضروری کام یاد آگیا تھا چونکہ وہ تیاری مکمل کر چکی تھیں' اسی لیے عبید کے بجائے ڈرائیور کے ساتھ آگئیں۔ ماریہ اچانک ماں کو وہاں دیکھ کر بہت خوش ہوگئی۔ جلدی سے ان کی خاطر تواضع کے لیے باہر دوڑی۔ گاڑی میں چونکہ اے سی چل رہا تھا' سفر کے دوران ذرا سا بھی گرمی کا احساس نہ ہوا تھا۔ مگر اب انہیں ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے دوزخ میں آگئی ہوں۔ پسینے سے بری حالت تھی۔ نزاکت سے دوپٹے کے پلو سے خود کو ہوا دیتیں' واپڈا والوں کو کوسے جا رہی تھیں۔ ماریہ کا بیٹا بوتل لے آیا' تو اس نے جلدی سے گلاس میں ڈال کر ماں کو تھمائی' ٹھنڈی ٹھار پیپسی کی بوتل پینے کے بعد کچھ افاقہ ہوا۔

"جنریٹر یا یو پی ایس لگوالے ماریہ' پتا نہیں کیسے گزارہ کر رہی ہو یہاں؟ بچوں کی شکلیں بھی دیکھنے والی ہیں۔" ماریہ کے چہرے کے پھیکے پڑتے رنگ پر ان کا دھیان ہی نہ گیا۔ بس جو منہ میں آیا بولے جا رہی تھیں۔

"اماں یہ شہر نہیں گاؤں ہے اور گرمی اتنی ہے نہیں جتنی آپ کو محسوس ہو رہی ہے۔" ماریہ بے بسی سے بولی مگر رشیداں اس کی سن کہاں رہی تھیں۔

"کرتی ہوں تیرے ویر سے بات' جلال کو دیں میں کہیں نوکری پر لگوا دے۔"

"خالہ تیرا بیٹا کوئی وزیر نہیں جو بات کرے گا اور میری نوکری پکی۔ اعلا تعلیم یافتہ لوگ نوکری کے لیے دھکے کھا رہے ہوتے ہیں تو مجھ جیسے میٹرک پاس کو کون پوچھے گا۔ ہمارا گزارہ اچھا ہو رہا۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے' کرم ہے اس پاک ذات کا جو رزق دے رہا ہے شہر تو بالکل نہیں جانا سنا ہے وہاں جانے والوں کے پر پرزے کچھ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ رشیداں اپنی بات مکمل کرتی جلال وہاں آگیا جو ان کی آخری بات سن چکا تھا۔ اب ماریہ کے روکنے کے باوجود اپنی ہانکے جا رہا تھا۔ رشیداں کے ماتھے پر واضح بل نمودار ہوئے تھے۔ جلال کے آنے سے انہوں نے چپ سادھ لی۔

☼ ☼ ☼

عبید اور اس کا کولیگ شہوز کسی اہم فائل پر ڈسکشن کر رہے تھے۔

"کیا بات ہے عبید طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔" عبید کی توجہ اپنی طرف مرکوز نہ پا کر شہوز نے فائل بند کی اور اس سے مخاطب ہوا۔

"ٹھیک ہوں یار کچھ نہیں ہوا؟" دائیں ہاتھ سے ماتھے کو مسلتے وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا سائڈ پر پڑی فائل اٹھا کر گود میں رکھ لی۔

"میں دیکھ رہا ہوں۔ پچھلے کچھ دنوں سے تم مضطرب دکھائی دیتے ہو مجھ سے شیئر نہیں کرو گے کچھ؟" شہوز نے فائل اس کی گود سے اٹھا کر دوبارہ بند کی۔ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا۔

شہوز اور عبید کی اچھی خاصی دوستی بھی تھی۔ وہ دونوں بعض اوقات اپنے مسائل ایک دوسرے سے شیئر کر کے ان کے حل نکالتے۔

"یار تمہیں بتایا تھا نا کہ میری بات خالہ کے ہاں طے تھی اور پھر امی نے انکار کر دیا بقول ان کے وہ اپنے

لاڈلے بیٹے کے لیے چندے آفتاب چندے مہتاب ڈھونڈھ لائیں گی۔ آخر کو ان کا بیٹا کمانے والا ہے۔۔۔۔"

"ہاں تو پھر اب کیا ہوا۔"

اب یہ کہ باجی کی کال آئی تھی وہ بتا رہی تھیں کہ تہذیب کا رشتہ تقریباً" فائنل ہونے والا ہے۔ ساتھ ہی شادی کی تاریخ بھی رکھ دی جائے گی۔ منیبہ نے بات مکمل کرنے کے بعد لب بھینچ لیے۔

اوہ سیڈ۔ یہ تو بہت برا ہوا اب پھر کیا سوچا تم نے آخر تمہاری خوشی کا سوال ہے۔ آنٹی سے پھر بات کرو شاید ان کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہو جائے۔"

"امی میری سنتی کہاں ہیں ہمیشہ اپنی کرتی ہیں۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے شکوہ نکلا۔

"تم ماریہ باجی سے بات کرو۔ کسی طرح وہاں روکیں ان لوگوں کو ہم یہاں کسی نہ کسی طرح آنٹی کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

ناممکن ہے امی کبھی نہیں مانیں گی وہ ضد کی بہت پکی ہیں۔" نفی میں سر ہلاتے وہ چیئر کی بیک سے ٹیک لگا گیا۔ آنکھوں میں واضح نمی تھی۔

شہوز کو افسوس ہوا ساتھ میں آنٹی صاحبہ پہ غصہ بھی آیا بھلا یہ بھی کوئی تک بنتی ہے بیٹے کی پسند کی کوئی اہمیت نہیں چلی ہیں اپنی کرنے۔

"امی جس طرح کے ماحول سے رہ کر آئی ہیں وہ کبھی بھی یہاں سروائیو نہیں کر سکیں گی یہ صرف وقتی کشش ہے جو وقت کے ساتھ مدھم پڑ جائے گی۔ اور ان کی شہری بہو جو آئے گی وہ بھلا کیسے ان کے ساتھ گزارہ کر سکیں گی۔" "اپنی تو پھر خیر ہے یہ ضدی دل کسی نہ کسی طرح بہل جائے گا مگر میری ماں کو کوئی تکلیف پہنچے یہ میں کبھی برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"ان شاء اللہ جو بھی ہو گا اچھے کے لیے ہو گا تم پریشان نہ ہو۔۔۔" شہوز کے تسلی بھرے لفظوں سے وقتی طور پر اس کی پریشانی ختم نہ سہی مگر کم ضرور ہو گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

شہری زندگی کا خمار جوان پہ چڑھ چکا تھا اسے اتارنے کے لیے شہوز نے بڑا زبردست سا پلان ترتیب دیا تھا۔ اور اس وقت اسی پلان پر عمل کرتے ہوئے وہ اپنی بیوی اور کزن کو ساتھ لے کر عبید کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔

رشیداں نئے آنے والے مہمانوں کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھیں۔ سب سے بڑی وجہ خوب صورت سی رطابہ تھی، جو بار بار نزاکت سے اپنے خوب صورت بالوں کو جھٹک کر انگلیوں کی مدد سے پیچھے کرتی جو ڈھلک کر پھر سامنے آ جاتے۔ رشیداں نہال ہوتی نظروں سے اس پہ واری صدقے ہوئی جا رہی تھیں۔۔۔ ایک ہی نظر میں انہوں نے رطابہ کو دیکھ کر بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

انہیں یہی بتایا گیا کہ شہوز آؤٹ آف سٹی جا رہے ہیں جب تک وہ واپس نہیں آ جاتے بھابھی اور رطابہ ان ہی کے پاس رہیں گی۔ پونم جو صرف دو تین لوگوں کا کھانا بناتی تھی اب ایک ساتھ اوروں کے لیے اتنا اہتمام کرنا اسے گراں گزر رہا تھا۔ مگر اب وہ سوائے کڑھنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

✡ ✡ ✡

"رطابہ بٹیا یہ میں نے تمہارے لیے بنایا ہے، یہ لے میری دھی رانی جی بھر کے کھا۔" سوہن حلوے سے بھری پلیٹ اس کے ہاتھوں میں تھماتے رشیداں جوش سے بولیں۔

انہیں آئے دوسرا روز تھا، رشیداں خاتون اپنی دھاک بٹھانے کی غرض سے مزے مزے کے پکوان پکائے جا رہی تھیں۔ بھابھی اور پونم سیر ہو کر کھاتے مگر خاص جس کے لیے بنائے جا رہے تھے وہ محض ذائقے کے لیے منہ میں ڈالتی۔

"تھینکس آنٹی آپ نے بنایا ہے تو اچھا ہی بنا ہو گا۔" ایک ادا سے کہتے رطابہ نے پلیٹ پونم کے حوالے کر دی۔ اتنا سارا حلوہ دیکھ کر تو ویسے بھی پونم کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ رشیداں اپنی محنت ضائع ہونے پر گنگ سی کھڑی تھیں۔

"عالی لوگ کب تک آئیں گے آپی؟" سیل پر تیزی سے ہاتھ چلاتے رطابہ نے انہیں مکمل اگنور کر کے بھابھی سے پوچھا۔

"بیٹا رانی! عالی تمہاری بہن ہے کیا؟"

"وٹ ڈیو مین بہن؟" رطابہ ناگواری سے تیز لہجے میں بولی۔ "اُف توبہ کہاں آکر پھنس گئی ہوں آپی آپ نے اچھا نہیں کیا جو مجھے یہاں لے آئیں نجانے کیسے لوگ ہیں عقل نام کی کوئی چیز نہیں ان میں۔ ہونہہ آ" پیر پٹختی وہ وہاں سے واک آؤٹ ہو گئی۔ بھابھی نے اس کی ایکٹنگ پر دل میں خوب داد دی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" حیرت زدہ سی وہ بھابھی سے مخاطب ہوئیں۔

"آنٹی جی آپ بھی حد کرتی ہیں۔ اس نے عبید کو عالی کہا اور آپ نے اسے بے چاری کی بہن ہی بنا دیا۔" بھابھی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی ضبط کی۔

"رطابہ بہت نازک مزاج اور تنک چڑھی ہے آپ اس کی باتوں کا برا مت مانیے گا جانتی تو ہیں آج کل کی لڑکیاں کسی کی سنتی کہاں ہیں۔ بس اپنی من مانیاں کرنے کی عادی ہوتی ہیں۔"

"ارے بھئی میں برا کیوں مانوں گی۔ بچی ہے بڑی ہو کر خود ہی سنبھل جائے گی جب گھر بار سنبھالنا پڑے گا۔" بھابھی نے ان کی بات سن کر مسکرا کر "جی" کہا۔

رشیداں جیسی گاؤں کی بھولی بھالی عورت کی برین واشنگ کرنا نہایت آسان کام تھا۔ رطابہ بدتمیزیاں کرتی، بھابھی اس کے بجائے شہر کی امیر تیز طرار لڑکیوں کو کوسنا شروع کر دیتیں۔ رشیداں خاتون اس کی باتیں سن کر جھرجھری لے کر رہ جاتیں۔

ایک ہی ہفتے میں رطابہ نے انہیں جی بھر کر خوار کیا۔ ایسا کہ وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے توبہ توبہ کیے جاتیں۔ بہو بنانے کا فیصلہ رد کر دیا گیا۔ کسی اور کو دیکھوں گی اس رطابہ سے تو اپنی تہذیب بھی زیادہ اچھی ہے۔ بے دھیانی میں سچ ان کی زبان پر آخر آہی گیا۔

☆ ☆ ☆

رطابہ، عبید کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہوئی تھیں جبکہ بھابھی روم میں آرام فرما رہی تھیں۔

"آئے یہ عبید، اس کا دماغ تو میں ٹھکانے پہ لگاتی ہوں کیا ضرورت ہے بھلا غیر لڑکی کو ساتھ لے کر بازاروں میں گھومنا۔" ادھر سے ادھر چکر لگاتی وہ غصے سے بولے جا رہی تھیں۔

"آنٹی جی کیوں دل جلاتی ہیں، آئیں آپ آرام سے بیٹھ جائیں اتنی جلدی وہ آنے والے نہیں۔" بھابھی جو کچن میں جا رہی تھیں آنٹی صاحبہ کو دیکھتے ادھر ہی آگئیں۔

"رطابہ ونڈو شاپنگ زیادہ کرتی ہے شاید اسی لیے آنے میں دیر ہو گئی ہے۔ ایسی لڑکیاں اپنی من مانیاں

کرتی ہیں' اب ہی دیکھ لیں میں نے کتنا سمجھایا کہ عبید کے ساتھ اکیلی مت جاؤ پونم کو ہی ساتھ لے جاؤ مگر نہ جی۔۔۔۔" رشیداں کو کن انکھیوں سے دیکھتی وہ دل جلانے والی باتیں کرنے لگیں۔۔۔۔

"ایسی ہی لڑکیاں ہوتی ہیں جو شادی کے بعد سسرال کو راہ میں آیا کانٹا سمجھتی ہیں' خود عیش و عشرت سے زندگی گزارنے کی ٹھان لیتی ہیں گھرداری کرتے موت پڑتی ہے۔ بس لگی رہتی ہیں شاپنگ' پارٹیز اور سجنے سنورنے میں۔" جواب نہ پاکر وہ دوبارہ شروع ہوئیں۔

تیر نشانے پہ لگ چکا تھا بھابھی دل میں خوش ہوئیں اب آر یا پار ہو جانے کی باری تھی۔ اپنی طرف سے تو ان لوگوں نے مکمل کوشش کرلی تھی باقی عبید کی قسمت۔

"آنٹی شہوز بتا رہے تھے جلد ہی عبید کی شادی کر رہی ہیں آپ؟" وہ جو اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھیں بے ساختہ چونک کر دیکھا۔

کون ہے وہ خوش نصیب جو آپ کی بہو بنے گی۔" رشیداں نے اس کا مسکراتا چہرہ دیکھا۔

"تہذیب۔۔۔۔ میری بھانجی' بڑی آپا کی بیٹی ہے۔" انہیں خود بھی پتا نہ چلا تہذیب کا نام کیسے ان کی زبان سے ادا ہوا۔ اپنے کہے لفظوں پر وہ خود ہی حیران ہو رہی تھیں۔

"سچ میں آنٹی بہت اچھا کیا آپ نے' ساری زندگی سکون سے گزرے گی۔ تہذیب آپ کی اپنی ہے جو کہیں گی وہی کرے گی۔ اگر کوئی شہری لڑکی ہوتی تو فوراً" ہی شادی کے بعد الگ رہنے لگتی' مہینوں آپ عبید کو دیکھنے کو ترس جاتیں۔ شہر والی کہاں آپ کو برداشت کرتی۔" بھابھی کی باتوں سے وہ سو فیصد متفق تھیں۔۔۔۔ نادانی میں وہ غلط فیصلہ کرنے سے بچ گئی تھیں۔

اب وہ تہذیب نامہ کھول چکی تھیں' بھابھی توجہ و محبت سے ان کو سننے لگیں۔

☆ ☆ ☆

مبارک ہو یار تمہاری نیا تو پار لگی۔" شہوز اس سے بغلگیر ہو کر بولا۔ عبید کے چہرے پر بچی خوشی بجی تھی' ویسی ہی جیسے کوئی قیمتی من پسند چیز آپ کے پاس آجائے۔ وہ بہت خوش تھا جو چاہا وہ پالیا۔

عبید ماں کو اچھی طرح جانتا تھا' تہذیب کے علاوہ اس کی ماں کی نفسیات کو کوئی نہ سمجھ پاتا۔ اچھا کہتی یا برا' تہذیب ان کی کسی بات کا برا نہ مانتی وہ ایسی ہی محبت کرتی تھی اپنی خالہ سے بغیر کسی غرض کے' پر خلوص محبت۔

ماریہ باجی نے سسرال والوں کو کیسے راضی کیا تھا یہ ایک الگ داستاں تھی۔ خالہ نے اعلا ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی چھوٹی بہن کو گلے سے لگا کر شرمندہ ہونے سے بچالیا۔

گاؤں والے گھر کی از سر نو تعمیر کروائی جارہی تھی۔ بقول رشیداں خاتون میں اپنوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں جہاں ہر طرح کا سکھ اور اپنوں کی خالص بے غرض محبت ہے۔

وہ لوگ اس وقت خالہ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ فاریہ اسپیشل آج اپنی بھابھی صاحبہ سے ملنے آئی تھی۔ عبید نے وہاں بیٹھے سب لوگوں کو دیکھا' جو ہنسی خوشی باتوں میں مصروف تھے۔ اس نے دل ہی دل میں اپنوں کی خوشیوں کو ہمیشہ قائم و دائم رہنے کی دعا کی۔

سب وہاں موجود تھے سوائے تہذیب کے' جس کی کمی عبید کو شدت سے محسوس ہوئی۔ کچھ دعائیں جلد ہی قبولیت کا درجہ پا جاتی ہیں' یہی ابھی عبید کے ساتھ ہوا تھا۔ فاریہ تہذیب کو بازو سے پکڑ کر کھینچتی باہر لارہی تھی "محترمہ تم مایوں نہیں بیٹھیں جو ابھی سے پردہ کرنا شروع کردیا ہے۔" فاریہ سے زبردستی خود کو آزاد کروا کر وہ جلال بھائی کے ساتھ آبیٹھی۔

عبید نے محض اسے ایک نظر دیکھا' اور اس کے چہرے پر سجے دھنک رنگوں کو پہچان لیا تھا۔

☆ ☆

آسیہ عارف

دھرتی نے اندھیرے کو رخصت کرتے ہوئے اجالے کو خوش آمدید کہا ہی تھا کہ اس نے جلدی سے شال لپیٹتے ہوئے بیگ کندھے پہ ڈالا اسے اکیڈمی سے دیر ہو رہی تھی۔

"فرحی ناشتا کرلو" ممانے آواز دی حالانکہ وہ جانتی بھی تھیں روزانہ کی طرح آج بھی ان کی مشقت بے کار تھی' اس نے آج بھی خالی پیٹ ہی نکلنا تھا' اسٹوڈنٹس کی مخصوص عادت۔

"امی بالکل بھوک نہیں' اللہ حافظ" اس نے کچن کی طرف منہ کر کے ہانک لگائی اور لپک جھپک سیڑھیوں کی طرف دوڑی۔ سیڑھیوں پہ ہی تھی کہ راحت بیرونی دروازہ کھول کے داخل ہوا ہاتھ میں بریڈ اور انڈوں والا شاپر تھا۔

"گڈ مارننگ!" وہ اسے دیکھتے ہی چہکا' اسے' اس کے موڈ پہ چھائی ہوئی ہمہ وقت بہار پہ حیرت ہوتی تھی۔ دن کے کسی بھی حصے میں ملے فریش ہی ہوگا۔ چاہے صبح صبح ناشتے کا سامان ہی کیوں نا لے کے آیا ہو۔

"السلام علیکم!" وہ سنجیدگی سے کہتی' پاس سے گزری۔

"لو میں تو سمجھا انگلش والے' انگلش میں سلام پسند کرتے ہوں گے' یہاں تو الٹا ہی حساب ہے۔" وہ ایم اے انگلش کے سیکنڈ پارٹ میں تھی وہ اسے اس کے سبجیکٹ کے حوالے سے اکثر چھیڑتا رہتا تھا۔

"ہاں جی ہماری انگلش بس یہیں تک محدود ہے۔" وہ باہر نکلتے ہوئے ایک دم رکی۔

"پہلے سلام کر کے جو تھوڑی بہت نیکیاں کما لیتے تھے اب اس سے بھی گئے۔" وہ جلدی میں بھی اسے طنزیہ جواب دینا نہیں بھولی۔ اس سے لڑائی کرنے کے لیے تو وہ اکیڈمی کیا امتحانی سینٹر سے بھی لیٹ ہو سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

کالج سے آتے ہی وہ کھانا کھا کے سو گئی۔ صبح بہت جلدی اٹھنے کی وجہ سے سر بوجھل ہو رہا تھا' اس لیے لیٹتے ہی گہری نیند میں چلی گئی۔ ابھی اسے سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ عجیب نامانوس سے شور سے اس کی آنکھ کھلی ایسے لگ رہا تھا جیسے ڈھیر ساری چڑیلیں چیخ رہی ہوں۔ کچی نیند سے جاگنے کے باعث کچھ دیر تو اسے سمجھ نہیں آئی کہ یہ شور کیسا ہے۔ تھوڑے حواس بحال ہوئے تو وہ بے ہنگم سی موسیقی سمجھ میں آئی جس کی آواز نزدیک سے ہی آ رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ راحت کے سر پہ تھی' جو ریموٹ ہاتھ میں لیے صوفے پہ نیم دراز اپنے فیورٹ پاپ میوزک کو انجوائے کر رہا تھا' اسے دیکھ کے سنبھلا۔ جو سرخ آنکھیں اڑے ہوئے بالوں سمیت اسے گھور رہی تھی۔

"ادھر دو ریموٹ" وہ حلق کے بل چیخی۔ اس نے فوراً اچھے بچوں کی طرح حکم کی تکمیل کی۔ اگلے ہی پل ٹی وی آف تھا۔

"تم انتہائی الّو منحوس اور جاہل انسان ہو۔ تمہیں کسی کے گھر میں بیٹھنے کی تمیز نہیں۔" نیند سے اٹھائے جانے پہ وہ آپے سے باہر ہو جاتی تھی' اب بھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا سر دیوار سے دے مارے۔

"تم اپنے گھر میں یہ بے ہودہ گانے نہیں سن سکتے۔" اس کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"سن تو سکتا ہوں لیکن کیا کروں جب تک ادھر نہ آؤں دل کو سکون نہیں ملتا۔ اس گھر میں آنا میرے لیے فرحت کا باعث ہے' فرحت جی۔" وہ بس سوچ ہی سکا' جواب دے کے مزید شامت بلوانے کا ارادہ نہیں تھا۔ موسیقی سننا راحت کا شوق تھا اور فرحت کو اس کی طرح اس کا یہ شوق بھی زہر لگتا تھا۔ اس کے مطابق تو وہ خود کو بھی راحت فتح علی خاں سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ وہ فل والیوم میں ڈیک لگاتا آواز فرحت لوگوں کے پورشن تک آتی' وہ ٹھہری تنہائی پسند' اسے اپنے سکون میں کسی کا مخل ہونا پسند نہیں تھا۔ تھے تو کزنز لیکن دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ فرحت کی امی بھی اس کی طرح ایک ہی بہن تھیں' ان کی شادی کے فوراً" بعد فرحت کی نانی کی ڈیتھ ہو گئی۔ نانا اکیلے ہونے کے باوجود گھر چھوڑنے کو تیار نہیں تھے مجبوراً" اس کی امی کو ادھر ہی رہنا پڑا۔ یوں فرحت کا بچپن اپنے ننھیال میں گزرا تھا۔ وہ لوگ کچھ سال پہلے ہی اپنے گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔ وہ لوگ اوپر والے پورشن میں رہتے تھے جبکہ راحت کی فیملی نیچے والے پورشن میں رہتے تھے۔ ان کا جنرل اسٹور تھا جو اس کے ابو اور تایا چلاتے تھے۔ راحت کے دو بڑے بھائی تھے' دونوں شادی شدہ تھے اور اپنی فیملیز کے ساتھ دبئی ہوتے تھے۔ وہ اسٹور پہ ہی جاتا تھا وہ بھی اگر موڈ ہو تا تو ورنہ سب اس کے لیے ہی تو کماتے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مما بازار چلیں مجھے اپنی فرینڈ کے لیے گفٹ لینا ہے۔" وہ کھانے کی تیاری کر رہی تھیں جبکہ وہ مسلسل انہیں تنگ کر رہی تھی۔

"بیٹا تمہارے پاپا آنے والے ہیں کھانے کو لیٹ ہو جائے گی۔" ان کے انکار پہ اس کا منہ اتر گیا۔

"اچھا تم راحت کے ساتھ چلی جاؤ۔" ان سے اس کا اترا ہوا منہ دیکھا نہ گیا تو فوراً" تجویز دی۔

"اس سے بہتر ہے میں جاؤں ہی نا۔" اس کا ذکر آتے ہی جیسے فرحت میں بارود بھر گیا۔

"بری بات ہے فرحی' بدتمیزی مت کیا کرو اس سے' تمہارے پاپا اور تایا تم دونوں کے بارے میں کچھ اور سوچ رہے ہیں۔" انہوں نے سختی سے تنبیہہ کی۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی اس کچھ اور نے ہی تو اس کی نیندیں اڑا رکھی تھیں۔ اسے ویل ایجوکیٹڈ' ڈیسنٹ اور باوقار مرد اچھے لگتے تھے۔ ادھر یہ مسخرا اس کے سرمنڈنے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ جسے اپنی ہی ہی' ہاہا سے فرصت نہیں تھی اور ایجوکیشن سے تو پیدائشی بیر تھا۔ ایف اے بڑی مشکل سے تایا کی ڈانٹ کھا کے اور سپلیاں دے' دے کے کلیئر کیا تھا۔ اس کی یہی باتیں فرحت کی برداشت سے باہر تھیں۔

کم عقل تھی نا سچے موتی کی پہچان نہیں تھی اسے۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی وہ اپنے گھر کی خاموشیاں توڑنے کے لیے ہر وقت شور مچائے رکھتا ہے۔ اپنے ماں باپ کو دوسرے بیٹوں کی یاد سے دور رکھنے کے لیے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا ہے' انہیں خود میں مصروف رکھتا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ جہاں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
یہی بات اچھی ہے میرے ہر جائی کی

پوری ترنگ میں پڑھے گئے شعر نے اس کے کان کھڑے کر دیے۔ جلدی سے چائے چھان کے کچن سے جھانکا توقع کے مطابق راحت اس کے رجسٹر کو ہاتھ میں پکڑے شاعری کو پڑھ کے سر دھن رہا تھا۔

"ادھر دو۔" اس نے فوراً" رجسٹر جھپٹ لیا میری مت ماری گئی تھی جو میں نے کتابیں ادھر رکھ دیں۔"

وہ یکی جھکتی کتابیں سمیٹ رہی تھی۔

"فرحی یہ کیا بدتمیزی ہے۔" مما سے راحت کی شان میں گستاخی برداشت نہیں ہوئی' فوراً" ڈانٹا۔ مائیں کسی دوسرے کے سامنے ڈانٹتے ہوئے ہاتھ ہولا رکھ لیں تو کیا ہی بات ہو' لیکن وہ تو بے نقط سنا دیتی ہیں۔

"تم بہت آؤٹ اسپوکن ہوتی جا رہی ہو۔" وہ پہلے ہی بھری پڑی تھی مما کے ڈانٹ سن کے تو پھٹ پڑی۔

"آپ ہمیشہ مجھے ہی ڈانٹتی ہیں حالانکہ پہلے یہ مجھے تنگ کرتا ہے۔" کتابیں دوبارہ وہیں پھینک دیں' تم کپ بھی وہیں پٹخ دیا۔ وہ بے چارہ ہمیشہ کی طرح ٹھنڈی آہیں بھرتا رہ گیا۔ کچھ مخصوص لوگوں کے لیے ہمارے جذبات کی طرح' انداز بھی خاص ہوتے ہیں لیکن وہ سمجھیں تو تب نا۔ ان کا نا سمجھنا تو ایسے ہی ہے جیسے دھند میں ٹھنڈی بغیر چینی کے بدمزا چائے۔ وہ بھی بد دل سا اٹھ آیا۔ چاچی کے رکنے کے باوجود نہیں رکا۔

✡ ✡ ✡

اس کا خیال تھا چونکہ فرحت اس کے دل کا حال نہیں جانتی اس لیے ایسا کرتی ہے' اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے میسج کے ذریعے اپنے دل کی حکایت اسے سنا ڈالی۔ اکثر اوقات' ہم خود ہی اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مار لیتے ہیں اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا تھا۔ وہ جو فیصلہ پاپا اور تایا کا سمجھ رہی تھی' وہ اس کی مرضی جان کے بالکل ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔ وہ تو کہہ کے پچھتایا۔ اس نے راحت کے سامنے آنا ہی چھوڑ دیا۔ اگر وہ اپنی کوششوں سے اس کا دیدار کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو ایسے نظروں کے تیر چلاتی کہ الامان۔ سونے پہ سہاگا ایک رقیب بھی آن ٹپکا' وہ تو برا پھنسا تھا۔ جس کا خیال اس کے رگ و پے میں راحت بھر دیتا وہ آج کل اس کے لیے مسلسل پریشانی کا سبب بنی ہوئی تھی۔

✡ ✡ ✡

محبتوں کے معاملے میں وہ بہت امیر تھی اور قابل رشک بھی۔ مما پاپا کے علاوہ اسے تایا جی اور تائی سے بھی بے پناہ پیار ملا تھا۔ وہ بھی بیٹیوں والے سارے ارمان اس پہ نکالتے تھے' اسی لیے وہ تھوڑی خود پسند ہو گئی تھی شاید۔ آج کل اسے یہی محبتیں گلے کا طوق لگ رہی تھیں۔ فرحت کے لیے اس کے پاپا کے دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا۔ لڑکا ڈاکٹر تھا اور انگلینڈ میں جاب کرتا تھا۔ رشتہ بہت اچھا تھا لیکن مما پاپا اسے اتنی دور نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ ان کا ووٹ راحت کے حق میں تھا' اس طرح وہ ان کی نظروں کے سامنے رہتی اور بقول ان کے اپنے تو اپنے ہوتے ہیں۔

اس پہ مما کی طرف سے مسلسل دباؤ تھا۔ وہ کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ اپنے ماں باپ کا اعتماد وہ توڑنا نہیں چاہتی تھی اور راحت سے شادی اسے کسی طور گوارا نہ تھی۔ اسے نہ تو پریشانی میں بھوک لگ رہی تھی' نہ پہلے کی طرح پڑھائی میں توجہ تھی۔ آج بھی بلاوجہ ہی کالج سے چھٹی کر لی۔

وہ سب سے اوپر والی سیڑھی پہ سر گھٹنوں میں دیے بیٹھی تھی۔ سیاہ گیلے بالوں نے سارے وجود کو ڈھانپ رکھا تھا۔

راحت ابھی اسٹور سے واپس آیا تھا اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کے حیران ہوا۔ اس نے بہت دنوں بعد اسے دیکھا تھا۔ وہ جیسے آج کل اس سے پردہ کر رہی تھی۔ پہلے سیڑھیوں کی طرف بڑھا پھر رک گیا۔ اس نے اسے دیکھ کے پھر اندر گم ہو جانا تھا' پھر نجانے کتنے دنوں بعد اس کی شکل دکھائی دیتی۔ ایک خیال بجلی کی طرح اس کے دماغ میں کوندا۔ کبھی کبھار جلد بازی میں انسان کی مت ماری جاتی ہے تو وہ بے عزتی کروانے والے کام کر ڈالتا ہے۔ اس نے موبائل نکال کے کیمرہ زوم کیا ہی تھا کہ فرحت نے سر گھٹنوں سے اٹھایا۔ وہ اسے اپنی تصویر بناتے دیکھ کے حیرت سے منجمد ہو گئی۔ اس کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔

تصویر بننے سے پہلے ہی وہ دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ ایک دم سٹپٹایا' یہ مذاق اسے مہنگا پڑنے والا تھا۔ اس پوزیشن میں

بیٹھتے ہوئے وہ باہر کی مخلوق لگ رہی تھی' یا نہیں' اب خون آشام چڑیل ضرور لگ رہی تھی۔

"اچھا تو جناب میری تصویر بنا رہے ہیں۔" اس نے طنزیہ لہجے میں زہر اگلنا شروع کر دیا۔ راحت کا رنگ ایک دم سرخ ہوا اسے سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ اپنی بے ضرر سی شرارت کی کیا وضاحت دے۔ "میری زندگی عذاب بنا دی تم نے ہم میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" دنیا بھری پڑی ہے لڑکیوں سے تمہیں ایک چھوڑ ہزار ملیں گی' کسی سے بھی شادی کر لو' میرا پیچھا چھوڑ دو۔" بولتے بولتے اس کا لہجہ بھرا گیا' اس نے ایک دم ہاتھ جوڑ کے ماتھے کو لگائے۔

راحت کا سرخ چہرہ اپنے رنگ کھو بیٹھا۔ وہ اسے سوچوں کے سمندر میں پھینک کے جا چکی تھی۔ اپنی بے رنگ خالی نگاہیں سیڑھیوں پہ جمائے وہ کسی بت کی مانند کھڑا تھا۔

✲ ✲ ✲

اپنی ساری فرسٹریشن اس پہ نکال کے وہ پرسکون تھی۔ اب تو وقت گزرنے کے ساتھ پچھتاوا ہو رہا تھا۔

ایویں بے چارے کو اتنی باتیں سنا دیں کون سا پہلی بار وہ اس کی تصویر بنا رہا تھا۔ کئی بار فیملی فوٹوز میں اس کی تصویر بنی تھی۔

"فرحت ایسے کیوں بیٹھی ہو' پریشان ہو؟" مما اپنے کمرے سے نکلیں تو اسے بند ٹی وی کے آگے بیٹھا دیکھ کے تشویش کا شکار ہوئیں۔

"نہیں مما بس سونے جا رہی ہوں" وہ دل سے مسکرائی اب مما کو کیا بتاتی وہ اپنی پریشانی کا حل نکال آئی تھی۔

"میں بھی تمہیں سونے کے لیے ہی بلانے آئی تھی' آج میرے ساتھ سو جاؤ تمہارے پاپا آج گھر نہیں آئیں گے۔" انہوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ پاپا اور تایا کسی رشتے دار کی عیادت کے لیے دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔ مما کی طبیعت آج تھوڑی خراب تھی۔

"مما آپ نے میڈیسن لی؟" وہ شوگر پیشنٹ تھیں۔

"ہاں لے لی ہے۔"

"کوئی بد پرہیزی تو نہیں کی؟" ان کا زرد ہوتا چہرہ دیکھ کے اسے پریشانی ہوئی۔

"نہیں' میں ٹھیک ہوں' دوائی لی ہے ابھی آرام آ جائے گا۔" انہوں نے اسے تسلی دی بلکہ اس سے زیادہ خود کو۔ رات کو ان کی طبیعت سنبھلنے کے بجائے بگڑ گئی اس کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پاپا کو کال ملائی ان کا نمبر بند۔ اس نے ایک نظر ان کے زرد' پسینے میں ڈوبے چہرے کو دیکھا اور نیچے کی طرف بھاگی۔

✲ ✲ ✲

صبح پاپا اور تایا بھی آ گئے' مما بھی کافی بہتر تھیں۔ رات راحت ہی مما کو اسپتال لے کے گیا تھا ساتھ وہ اور تائی جی بھی۔ اس کا دل ابھی تک ڈرا ہوا تھا۔

"اگر مما کو کچھ ہو جاتا تو۔۔۔ اگر وہ ان کے ساتھ نہ سوتی تو۔۔۔" اس 'تو' کے آگے کئی سوالیہ نشان اس کے دماغ میں چکرا رہے تھے اور اس کی پریشانی اس میں اضافہ کر رہے تھے۔

وہ راحت کی شکر گزار تھی جو اس کی' دن کی بدتمیزی بھلا کے فوراً" چل پڑا تھا' نا صرف رات کو اس نے صورت حال کو ہینڈل کیا تھا بلکہ صبح سے بھی ان کے کام ہی کر رہا تھا۔ اب اسے سمجھ آئی تھی مما اتنے شاندار پروپوزل کے مقابلے میں راحت کے حق میں کیوں تھیں۔

اب بھی وہ کچن کا سامان تائی جی کو پکڑا رہا تھا ہاں البتہ انداز معمول کی نسبت کافی سنجیدہ اور قدرے افسردہ تھا۔ لیکن تھوڑی دیر کی بات تھی اس کا ارادہ تھا مما کو اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے اس سے اپنے رویے کی معافی مانگ لے اور اسے بتا دے کہ آج اس کا خیال اسے راحت بخش رہا ہے۔

✲ ✲

کرشمہ سازی

مریم جہانگیر

میرے چہرے پہ زندگی نے اتنے تھپڑ مارے ہیں کہ اگر میں سالہا سال آئینے میں اپنا عکس کھوجتی رہوں تب بھی اپنی اصل شکل دیکھ نہیں سکتی۔ وہ شکل جو میں نے شیر خوارگی میں خدوخال میں مختلف تبدیلیوں کے بعد آخر کار اپنائی تھی۔ اب اس شکل پہ بھی صدیوں کی مسافت کے اثرات نظر آتے ہیں۔ وہ سب لہجے جو میری سماعتوں میں زہر بن کر گھلتے رہے میرے چہرے پہ اپنی نشانی چھوڑ گئے ہیں۔ میرے بدن کی نیلاہٹ گم گشتہ غازے کی کہانی سناتے ہوئے بھی ڈرتی ہے۔ ایک عمر تھی جب میں دنیا و مافیہا سے بیگانی تھی۔ میرے سنہری بال کندھوں پر جھولتے اور میں اٹکھیلیاں کرتی پھرتی۔ میرے پاؤں کو زمین پر جمنے کا کبھی سلیقہ نہیں آیا تھا۔ ایک عجیب سی اتھل پتھل تھی؟ جو میرے وجود میں برپا رہتی۔ میں خوشیاں ڈھونڈتی اور خوشیاں ہی تلاش کرتی۔

اب تو ماضی کی راکھ میں اگر غلطی سے ہاتھ پڑ جائے ہاتھ جل جاتے ہیں کہیں نہ کہیں سے یادوں بھڑکتا ہوا کوئلہ میری انگلیوں کو جھلسا دیتا ہے اور میرے ہاتھ ماضی کی طرف جانے والی ہر شاہراہ کو دیکھتے ہی مٹھی بن جاتے ہیں۔ والدین کا سایہ اٹھنے کے بعد ہر شے عذاب ہی ہوئی۔ یادوں کی تپش انگلیوں کو جھلسانے کے لیے بے قرار رہتی ہے۔ میری شوخی اور شگفتگی بابا کی آنکھوں کا چین تھی اور ماما کی نبض کا سکون۔ مجھے معلوم ہوتا کہ میرے والدین مجھ سے اتنا لاڈ پیار اس لیے کرتے ہیں کہ اتنی جلدی مجھے چھوڑ جائیں گے تو میں ان کی محبت کو اپنی زندگی کے آخری دن تک تقسیم کرتی چاہے مجھے تھوڑا پیار ملتا‘ بے شک وہ مجھے ہتھیلی کا چھالا نہ بنا کر رکھتے‘ کبھی جھڑک دیتے‘ کبھی ٹوک دیتے لیکن کم از کم وہ میرے ساتھ تو رہتے۔ ان کا سایہ میری حیات کے لیے کتنا ضروری تھا یہ مجھے تب پتا چلا جب ان کا سایہ بھی نہ رہا۔

ان کی موجودگی میں لوگ مجھے یوں لیتے جیسے میں چھوٹی سی گڑیا ہوں۔ ان کے بعد بھی لوگوں نے ہاتھوں میں لینا چاہا‘ لیکن ان کے ہاتھوں کی ہر جنبش کے معنی و مطالب ہی بدل گئے۔ میرے اندر محرومیاں بال کھول کر بین کرتی ہیں۔ لیکن میں اپنی ناتمام آرزوؤں کے پیش نظر خود کو گڑیا بنا کر اپنے کردار کو موم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میرا کردار وہی تھا جو میرے ماں باپ کی محنت کی کمائی سے تخلیق ہوا۔ میں نے اپنی حسرتوں کی ساری کھڑکیاں اپنی ذات کے اندر کھول دی۔ جو گرم ہوائیں چلتی وہ میری ذات کے کواڑ توڑ دیتیں لیکن باہر سے میں برف کا مجسمہ معلوم ہوتی بے جان‘ سخت اور سرد۔ زمانے کے سارے جھوکے میرے اوپر لگتے چلے گئے۔ میرے اندر سے لے کر باہر تک دراڑیں ہی دراڑیں پڑ گئی لیکن میں خود کو سنبھالے خاموش رہی۔

تعلیم اور نوکری میری مجبوری بن گئی۔ میں نے اس مجبوری کو زیور کی طرح اپنی آرائش کے لیے استعمال

کرنا شروع کر دیا۔ لوگ اب ٹھٹک کر مجھے دیکھتے لیکن ان آنکھوں اور ہاتھوں کی جنبش سے ابھی تک کھیلنے کی خواہش نہیں گئی تھی۔ میں نے خود پر اتنے خول چڑھا لیے کہ میں خود بھی نہیں جان سکی کہ تنہائی سے فرار کی خواہش کب اندر ہی اندر دستک دے کر میری ذات کے دروازے کھٹکھٹاتی رہی۔

میں بس خود مختاری کا جھنڈا لیے اپنے اندر کی لڑکی کو چھپاتی پھرتی رہی۔ لوگ مجھے جاننے کی خواہش میں میرے قریب آتے لیکن ان کی تجسس سے کھولتی ہوئی منہ زور موجیں میرے ساحل پہ آ کر سر پٹختی یوں ہی ناکام لوٹ جاتیں۔ میں چاہتی تھی کہ اگر کوئی میری زندگی میں آنا چاہے اس تھکے ہوئے مسافر کی طرح آئے جو اپنا ساز و سامان برگد کے پیڑ تلے رکھ کر ٹھنڈی چھاؤں میں پاؤں پھیلا کر سو جاتا ہے۔ لیکن جو کوئی بھی میری زندگی میں آیا اس کے ہاتھوں کی لرزش اور ناخنوں کی دھار میرے اندر تک سے مٹی کرید لینے کو بے تاب نظر آئی۔ حالانکہ کوئی بھی ذرا صبر کرتا تو میں خود اپنے سارے پتے اس کے سامنے پھینک دیتی۔ اس کو اپنی محرومیوں کا پتا بتا کر اپنی محبتوں کی ہوا دیتی۔

پھر یوں ہوا کہ محدود زندگی میں محدود سے لوگ اپنے بار بار پٹختے ہوئے سر کو لے کر انسانوں کے ہجوم میں گم ہونے لگے۔ میں انسانوں کو ڈھونڈتی تو سر ملتے جن پر میری سرد مہری ایک مہر کی طرح ثبت تھی اور وہ مجھے بتانا چاہتے تھے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اگر سروں کو ڈھونڈنے نکلتی تو مجھے انسان ملتے جو یا تو بہت خدا ترس تھے یا بہت منافق۔ میرا دونوں صورتوں میں گزارا نہیں تھا۔ مجھے میانہ روی چاہئے تھی جو مل ہی نہیں رہی تھی۔ میں دوپٹا گلے میں ڈالتی تو لوگ مجھ سے ڈھکنے کی امید کرتے اور اگر ڈھانپ لیتی تو ان آنکھوں میں مجھے برقع میں دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھتی۔ کبھی سب کو خوش کرنے کے چکر میں رہتی اور کبھی سب کو خفا کرنے کے پیچھے پڑ جاتی۔ اس سب میں "میں" نہیں رہی تھی کیونکہ سب تو صرف سب تھے ان میں کوئی بھی اپنا نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

عمر رواں نے اپنی رفتار تیز کر لی کہ اچانک ہی مجھے غازے کی ضرورت پڑنے لگی اب میری سرد مہری کرختگی میں بدل رہی تھی مجھے اس بات کا احساس ہونے لگا۔ لیکن ٹھہریے مجھے بتانا چاہئے کہ ایسا کب سے ہوا؟

اس کا نام زعفران تھا۔ موٹی موٹی آنکھوں والا، ہلکی سی رنگت والا عجیب سا شخص۔ اس کے آنے کی دیر تھی کہ میرا سارا سکون آخری سسکیاں بھرنے لگ گیا۔ مجھے اس کے آنے سے معلوم ہوا کہ مجھے غازے کی ضرورت ہے۔ وہ مجھ پر ہنستا میں بے اعتنائی برتتی تو ایسے منہ چڑاتا جیسے میں نے اس کا قرض دینا ہے۔

آہستہ آہستہ وہ کمپیل ہو رہا تھا۔ میرے بالوں کی لٹ کھینچ لیتا میں اس کے ہاتھوں کو دیکھتی لیکن ان میں کوئی لرزش نہیں تھی لیکن موٹی موٹی آنکھوں میں اتنی شرارت تھی کہ مجھے ماں باپ کی موجودگی میں کٹا اپنا بچپن یاد آ جاتا۔ وہ مجھے سادہ دیکھتا تو بوڑھی روح کہہ کر پکارتا۔ غازے کو دیکھ لیتا تو بوڑھی گھوڑی کہتا۔ پتا نہیں وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا۔ کتنی دفعہ میں چائے یوں ہی کپ میں چھوڑ کر اس سے روٹھ جاتی۔ مجھے لگتا وہ میرے پیچھے آئے گا اور میرا ہاتھ تھام لے گا۔ مجھے منائے گا اور مجھے جانے نہیں دے گا۔ لیکن وہ ایسا نہیں تھا۔ وہ بالکل بھی ایسا نہیں تھا۔ جس سے کوئی توقع کی جا سکے۔ عرصے بعد میں نے پھر سے کرکٹ دیکھنا شروع کیا اور مجھے اس کے تقابل کے لیے کوئی چیز ملی۔

وہ کرکٹ ٹیم جیسا تھا پاکستانی کرکٹ ٹیم۔ جو ہمیشہ توقع کے خلاف ہی کھیلتی ہے۔ پھر یوں ہوا وہ گھر بھی آنے لگا میں دروازہ نہ کھولتی تو گھنٹی سے نکلنے والی موسیقی لوگوں کے گمان کو ہوا دیتی۔ خود پر قابو رکھنے کا غرور جیت گیا میں دروازہ کھولنے لگی۔ وہ پہلے خالی ہاتھ آتا تھا پھر گلاب لانے لگا۔ لیکن میری طرف سے چپ ہی تھی..... میں شاید بولنا بھول گئی تھی۔ سالوں سے لگتے مقفل کو ٹوٹنے میں چند سال تو لگنے ہی چاہئیں۔ دفتر میں بالوں کی لٹ کھینچ لیتا لیکن گھر میں یوں سمٹ کر

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

بیٹھتا جیسے مسجد کے تقدس کی پامالی کا خدشہ ہو اور وہ دنیا کا آخری مسلمان ہو۔ ایک دن دفتر سے واپسی پر میرے راستے میں آکر کھڑا ہو گیا۔

"واپس کیسے جاؤگی؟"

"جیسے ہمیشہ جاتی ہوں۔"

میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ میرے جسم میں لگی بندھی روٹین نے تنگی بھر رکھی تھی اور میری مسکراہٹ پہ میرا اختیار نہیں تھا ورنہ میں کبھی اسے مسکرا کر نہیں دیکھتی۔ اس نے مجھے جواباً" کہا۔

"جو طرز زندگی اپنایا ہوا ہے اس میں ہمیشہ کی طرح اکیلے جانے کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں۔" میں خاموش رہی۔ مجھے لگا شاید وہ مجھے گھر تک چھوڑ دے گا یا ایک کافی کی آفر کرے گا۔ وہ ویسا ہی رہا عجیب و غریب بھی کبھی مجھے لگتا کہ وہ میرے قریب آکر مجھ سے دور اس لیے جا رہا ہے کہ میں اس کے دامن سے لپٹ جاؤں لیکن اس کا یہ رویہ اس کی شرٹ جیسا تھا جس پر پتلون یوں کسی ہوتی کہ اور کسی چیز کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ اس کے رویے کی وجہ سے میرا اس کے دامن سے لپٹنا ممکن ہی نہیں تھا۔

میرا دل کرتا کہ میں ٹھنڈی آہیں بھروں اور اپنا دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دوں کہ وہ بارشوں کے موسم میں سردیوں کی دھوپ کی طرح ضروری ہے لیکن میری انا مجھے اجازت ہی نہیں دیتی تھی میں اس کے سامنے بند باندھ کر رکھتی۔ وہ اپنے رویوں کی مختلف کشتیاں میرے ساحل پہ کھڑی کرتا۔ میری نظریں ان کشتیوں کا پیندا چوم لیتیں لیکن انہیں اپنے جذبات کی بیجائی سے تباہ نہ کرتیں جو بھی تھا میرا ماننا تھا کہ مجھے گھٹنے نہیں ٹیکنے چاہییں وہ تین لفظ جو رشتوں کو نئے پیراہن عطا کرتے ہیں انہیں زعفران کے منہ سے نکلنا چاہیے۔

اگر میں کہہ دیتی تو رشتہ مل جاتا لیکن پرانے زمانے کی لڑکی جو آج کی لڑکیوں میں خال خال نظر آتی ہے ساری زندگی میرے سامنے روتی رہتی۔ وہ آنا میں لفظ سمیٹ لیتی لب سی لیتی اور ساعتیں انتظار کرنے لگ جاتیں۔ وہ مجھ سے باقاعدہ طور پر ہنچکیے لیا کرتا شاید وہ چاہتا تھا کہ میں کھل کر لڑوں۔ کھل کر بات کروں لیکن میرا آئینہ مجھے کچھ کہنے نہ دیتا۔ میری دراز زلفوں کا سایہ بھی اس نے نہیں دیکھا تھا' اسے آج تک میرے چہرے کے مشینی سے تاثرات نظر آئے تھے صرف ایک لٹ جو سامنے ہوتی اسے کھینچ کر اس نے ایک دفعہ یہ بھی کہا کہ اسکارف کے ساتھ نقلی تو نہیں باندھ لاتیں۔

✡ ✡ ✡

یہ کئی مہینوں بعد کی بات ہے اس نے مجھے کہا کہ وہ آج شام میرے گھر اپنی بہن کے ساتھ آئے گا۔ اس نے کوئی ہدایت نہ دی میں نے بھی امید نہ باندھی۔ میں اسے آنے سے منع بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس نے مجھ سے پوچھا ہی نہیں تھا۔ سیدھا سیدھا بتایا تھا۔ میں نے سوچا آج بال کھول ہی لوں۔ سفید نیٹ کی فراک اور چوڑی دار پاجامے پر میرے سنہری بالوں کی آبشاریں اس کے جذبات کو زبان دینے کے لیے محرک ثابت ہو ہی سکتی تھیں۔ بال پشت پر کھلے چھوڑ دیے اور سامنے دو تین چھوٹی چھوٹی لٹیں جھولنے کو چھوڑ دیں۔ وہ لٹ بھی جس کو وہ کھینچ لیا کرتا تھا۔ لیکن ان سے میرے بالوں کی لمبائی کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ جوں ہی بیل بجی میں نے سنہری اسکارف میں سارے بال جوڑے کی شکل میں چھپا لیے۔ اپنی ذات کی نمائش کرنا مجھے بالکل بھی نہیں پسند تھا۔ میرے اندر کی دقیانوسی لڑکی بیل کے بجتے ہی جاگ گئی۔ وہ اور اس کی بہن آئے۔ جاتے وقت وہ پہلے باہر نکل گیا اور بہن جاتے جاتے حکم صادر کر گئی کل سے آپ دفتر نہیں جائیے گا۔ زعفران بھائی نے کہا ہے کہ جمعہ کو آپ دونوں کا نکاح ہو گا اور ولیمہ بھی۔ میں حیران کھڑی رہ گئی۔ اگر اسے مجھ سے محبت ہے تو مجھ سے کہا کیوں نہیں اور اگر شادی کا فیصلہ کرنا تھا تو میری رائے تو لیتا۔

میں جو بس کنڈیکٹر سے پانچ روپے بقایا لیتے وقت لڑ پڑتی تھی اور خود مختار ہونے کو بادشاہت سے کم نہیں سمجھتی تھی۔ خاموش رہی بالکل خاموش۔

انسان اس وقت خاموش ہو جاتا ہے کہ جب کام

اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہو۔ اگر اس کے مزاج کے خلاف کام ہو جائے تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔ یہ غلط مانتا ہے کہ کوئی صبر کر لیتا ہے صبر کوئی نہیں کرتا اور تحمل کا مظاہرہ بھی کوئی نہیں کرتا۔ بات صرف مزاج کی ہے۔ جہاں تک مزاج اور طبیعت اجازت دے ہم اچھے ہیں۔ مجھے بھی اس وقت محبت نے خاموش اور اچھا بنا دیا۔ جمعہ کو نکاح ہوا اور میں اسی سفید سوٹ میں اس کے گھر آ گئی۔ بستر پر بیٹھے میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

سامنے آئینہ دیکھا تو میرا چہرہ زندگی کی دھوپ سے جھلسا ہوا نظر آیا۔ کیا یہ کمرہ ہمدردی میں نہیں ملا اور اس ڈر سے مجھے ٹھنڈے پسینے آنے لگ گئے۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو مجھ میں آنکھ اٹھانے کی بھی طاقت نہیں تھی۔

"اگر میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل نہ کرتا تو محترمہ آپ تو کبھی بھی مجھے اپنے جذبات سے آگاہ نہ کرتیں۔" وہ چھپر نگالے رہا تھا۔ میں خاموش رہی۔

"ایک دفتر میں کام کرنے والی لڑکی میرا مطلب عورت اتنی خاموش رہے تو حیرت ہوتی ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے پیچھے سے تکیہ نکالا اور نیم دراز ہو گیا۔ میں چپ رہی۔ اور دھڑکنوں کے تلاطم کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ "سفید کپڑے ایسے پہن لیتی ہو جیسے بہت ڈیسنٹ خاتون لگ رہی ہو۔ اچھی خاصی بدروح لگتی ہو۔ دنیا کی پہلی مسلمان دلہن ہو گی جو سفید جوڑے میں رخصت ہوئی۔

دفتر میں تو کبھی کسی کام کے لیے اتنی آسانی سے راضی نہیں ہوئی تھیں جتنی جلدی اس نکاح کے لیے تیار ہو گئیں۔" وہ بول رہا تھا اور میرے صبر کی چٹان میں دراڑیں پڑ رہی تھیں۔ میں اضطراب میں انگلیاں چٹخنے لگی۔

"تم سوچتی نہیں ہو کہ میں نے تم سے شادی کیوں کی؟ شادی کے بارے میں تو ہمیشہ مسز واسطی کو آئیڈیلائز کرتی تھیں کہ جیسے وہ اپنے میاں کی جی حضوری کرتی ہیں اور جیسے ان کے میاں ان کو آپ جناب کہہ کر پکارتے ہیں تم بھی اس قسم کے کسی مدبر شخص سے شادی کرو گی، لیکن میرے جیسے شوخ نوجوان سے کیسے شادی کرنے پر راضی ہو گئیں۔ جو طنز کے علاوہ تمہارے ساتھ لفظ آپ استعمال بھی نہیں کرتا۔ لیکن میں بھی یہ سوال کس سے پوچھ رہا ہوں جس کے جھاڑ جھنکار جیسے چھوٹے بالوں اور موٹے موٹے عدسے والی عینک کے پیچھے چھپی چینی آنکھوں کو کسی اور نے قبول ہی نہیں کرنا تھا۔"

میں اٹھی اور ہاتھ میں پکڑا ہوا پرس نیم دراز زعفران کو دے مارا پشت اس کی طرف کر کے بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ اسکارف اتارا پھر ایک پن ہٹانے کی دیر تھی سارے بال کھل گئے۔ عینک کو مسہری پر رکھا اور شہزادہ گل فام پر جھپٹ ہی پڑی۔

"میں بوڑھی ہوں تو آپ کہاں کے نوجوان ہیں میری عمر تیس تو آپ کی پینتیس برس ہے۔ یہ میرے بالوں کی لمبائی دیکھیے اور اپنے اڑتے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیریں آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں رونے دھونے لگ جاؤں۔ آپ نے شادی کر کے مجھ پہ احسان کیا ہے یا نہیں، لیکن آپ سے شادی کر کے میں نے آپ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ساری زندگی تم اور تم کرتے گزر گئی اب شاید آپ جناب کرنا آہی جائے۔ اور کچھ نہیں تو تمیز سکھا ہی دوں گی۔ میری آنکھیں چینیوں جیسی ہیں تو مڑی ہوئی پلکیں دیکھتے وقت آپ اندھے کیوں ہو جاتے ہیں۔ باتیں کرنا آتی ہیں لیکن ایک اظہار محبت کرنا نہیں آیا۔"

زعفران پر نظر پڑی تو ان کی آنکھوں میں وہی شرارت رقصاں تھی۔ وہ کامیاب ہوئے تھے مجھے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی 'وہ مسکرا رہے تھے اور میرے باہر کی خود مختار عورت میرے اندر کی عورت کے باہر آ جانے پر حیران تھی۔ زندگی کے سارے تھپڑ محبت کی کرشمہ سازی نے بھلا دیے تھے۔

☆ ☆

شعاع عمیر

القرآن

☆ ساری نسل انسانی ایک مرد اور ایک عورت سے چلی قومیں اور برادریاں پہچان کے لیے ہیں، تعصب اور فساد کے لیے نہیں پرہیزگار ہی عزت والا ہے۔
(سورۃ الحجرات آیت 13)

☆ رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن۔ پیدا فرمایا انسان (کامل) کو۔ (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔ سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں اور (آسمان کے) تارے اور (زمین کے) درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو کم نہ کرو اور اس نے زمین کو پیدا کیا ہے مخلوق کے لیے اس میں گوناگوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی اور اناج بھی بھوسے والا اور خوشبودار پھول۔ پس (اے انس و جان) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (سورۃ الرحمٰن آیت نمبر 1 تا 13)

تھوڑے رزق پر صبر

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق سے راضی رہا تو اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل سے راضی ہو جائیں گے۔" 5034

(مشکوۃ شریف، باب فضل الفقراء الخ)

یقین و زہد

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس امت کی پہلی نیکی یقین اور زہد سے اور اس کا پہلا فساد بخل اور درازی حیات کی امید میں ہے۔" 5052

(مشکوۃ شریف، باب الامل والحرص)

نمک پارے

☆ پیاس شدید ہو تو لہجے شیریں ہو جاتے ہیں اور جب پیاس بجھ جائے تو رویوں میں فرق آجاتا ہے۔

☆ اضطراب بے سبب نہیں ہوتا، بلکہ یہ بھولا ہوا سبق، چھوڑی ہوئی منزل اور نظر انداز کیے ہوئے فرائض یاد دلاتا ہے۔

☆ کچھ دل بہت نازک ہوتے ہیں ان پر لفظ استعمال کرنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو جان لو، ورنہ یا وہ دل ٹوٹ جائے گا یا تم خود۔

☆ روپے کی قیمت کتنی بھی گر جائے اتنی کبھی نہیں گر سکتی، جتنا روپے کے لیے انسان گر جاتا ہے۔

☆ انسانی سمجھ کا معیار بس اتنا ہے کہ اسے جانور کہا جائے تو ناراض اور اگر شیر کہا جائے تو خوش ہو جاتا ہے۔

فوزیہ ثمرین، ہانیہ عمران ...... گجرات

شجر ممنوعہ

"میں اسلامیہ کالج میں فرسٹ ایئر میں نیا نیا داخل

ہوا تھا۔ ڈاکٹر تاثیر انگریزی کی کلاس کو لیکچر دے رہے تھے معاً انہوں نے کسی متعلقہ چیز کا ذکر کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب نام لیا "گائی دی موپساں" اور کہنے لگے اس مصنف کی 88 کہانیوں کا ایک مجموعہ کالج کی لائبریری میں آیا ہے، لیکن مصنف کی صاف گوئی اور بے باکی اس امر کی متقاضی ہے کہ نو عمر طلبا کو یہ کتاب پڑھنے کو نہ دی جائے چنانچہ لائبریرین کو ہدایت کردی گئی ہے کہ یہ کتاب شجر ممنوعہ تصور کی جائے۔"

جیسے ہی چھٹی ہوئی ہاسٹل کا رخ کرنے کے بجائے میں سیدھا رام کرشنا کے ہاں پہنچا جب میں کتاب کا نام زبان پر لایا تو تاجر نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا اسلامیہ کالج میں پڑھتے ہو...؟" میں نے سر کی جنبش سے اثبات میں جواب دیا۔ تاجر نے سامنے کی الماری سے کتاب نکالی پھر اس کے دام بتاتے ہوئے بولا "اس کتاب کی آٹھ کاپیاں پچھلے دو گھنٹے میں اسلامیہ کالج کے طلبا کے ہاتھ بیچ چکا ہوں، کیا یہ کتاب کورس میں داخل ہو گئی ہے۔

(محمود نظامی)

شبنم صدیقی.... مورو سندھ

بت پرستی کی ابتدا

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شرک کا آغاز قوم نوح سے ہوا۔ قوم نوح میں پانچ نیک آدمی تھے، جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے قوم نوح کو ان نیک لوگوں کی تصاویر بنا کر ان کی یاد تازہ کرنے کو کہا، پھر آہستہ آہستہ یہ تصاویر مجسموں کی صورت اختیار کر گئیں اور ان کی یاد تازہ کرنے کی عادت بڑھتے بڑھتے ان کی تعظیم اور ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے تک پہنچ گئی اور پھر آخر کار شیطان نے انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کو پس پشت ڈال کر صرف ان مجسموں کی عبادت میں مشغول کر کے اپنا ہدف پورا کر لیا اور اس طرح انسانوں میں بت پرستی کا آغاز ہوا

(بخاری)

صدف سمیع.... کراچی

عشق میں

عشق بتاں میں اپنی حجامت بنی ہے خوب
اب ڈس رہے ہیں دل وہ پیاں کیے ہوئے
موٹر بکی، مکاں گیا، نوکری چھٹی
بیٹھے ہیں خود کو بے سرو ساماں کیے ہوئے

اللہ کے ناپسندیدہ

☆ اور اللہ کا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (سورۃ الصف)

☆ اللہ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (سورۃ المائدہ)

☆ اللہ ظالموں راہ راست نہیں دکھاتا۔ (سورۃ توبہ)

☆ اللہ کافروں کو توفیق ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۃ توبہ)

☆ بے شک وہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ النحل)

افشاں سمیع.... کراچی

علم کے بغیر

ایک سنار کے انتقال کے بعد اس کا خاندان مصیبت میں پڑ گیا، کھانے کے بھی لالے پڑ گئے ایک دن اس کی بیوی نے اپنے بیٹے کو نیلم کا ایک ہار دے کر کہا۔

"بیٹا! اسے اپنے چچا کی دکان پر لے جاؤ کہنا یہ بیچ کر کچھ پیسے دے دیں" بیٹا وہ ہار لے کر چچا جی کے پاس گیا چچا نے ہار کو اچھی طرح دیکھ اور پرکھ کر کہا۔

"بیٹا! ماں سے کہنا کہ ابھی مارکیٹ میں بہت مندا ہے، تھوڑا رک فروخت کرنا اچھے دام ملیں گے۔" اسے تھوڑے سے روپے دے کر کہا کہ "تم کل سے دکان پر آکر بیٹھنا۔" اگلے دن سے وہ لڑکا روز دکان پر جانے لگا اور وہاں ہیروں جواہرات کی پرکھ کا کام سیکھنے

لگا۔ ایک دن وہ بڑا ماہر بن گیا۔ ایک دن اس کے چچانے کہا۔

"بیٹا اپنی ماں سے وہ ہار لے کر آنا اور کہنا اب مارکیٹ میں بہت تیزی ہے اس کے دام اچھے مل جائیں گے۔" ماں سے ہار لے کہ اس نے پرکھا تو پایا وہ تو جعلی ہے۔ وہ اسے گھر پر ہی چھوڑ کر دکان لوٹ آیا اور چچا کو بتایا۔ کہ ہار تو جعلی ہے تب چچا نے کہا۔

"جب تم پہلی بار ہار لے کر آئے تھے 'اس وقت اگر میں نے اسے جعلی بتادیا ہوتا تو تم سوچتے کہ آج ہم پر برا وقت آیا تو چچا ہماری چیز کو بھی جعلی بتانے لگے۔"

سچ یہ ہے کہ علم کے بغیر اس دنیا میں ہم جو بھی سوچتے' دیکھتے اور جانتے ہیں' سب غلط ہے اور ایسے ہی غلط فہمی کا شکار ہو کر رشتے بگڑتے ہیں۔

امروز جہاں..... خانیوال

بین الاقوامی کہاوتیں

☆ آسمان کا حسن ستاروں سے ہے اور عورت کا حسن بالوں سے ہے۔ (اٹلی کی کہاوت)

☆ عورت کا ایک بڑا ہتھیار اس کی زبان ہے اور وہ بھی اسے زنگ آلود ہونے نہیں دیتی۔ (فرانس کی کہاوت)

☆ کسی کو جنگ پر جانے اور شادی کرنے کا مشورہ نہیں دینا چاہیے۔ (اسپین کی کہاوت)

☆ "جوان بچیاں" اور "مردہ مچھلیاں" یہ دونوں غیر معینہ مدت تک آٹو روم تک رکھنے کی چیزیں نہیں۔ (برطانیہ کی کہاوت)

☆ نوجوان اور خرگوش کو کان سے پکڑنا چاہیے۔ (جرمنی کی کہاوت)

☆ قانون ہمیشہ قلم سے نہیں کبھی "ہتھیار" سے بھی لکھا جاتا ہے۔ (ہنگری کی کہاوت)

سیدہ نسبت زہرا..... کہروڑپکا

محبت

کاش دلوں کے بھی الیکشن ہوتے
میں دھاندلی کر کے تمہیں جیت لیتا

(آزاد احمد)

چیتا اور گدھا

ایک دفعہ جنگل میں دن کے وقت میں ایک چیتے اور گدھے کی بحث ہوئی' چیتے نے کہا کہ آسمان کا رنگ نیلا ہے اور گدھے نے کہا کہ کالا ہے۔ حالانکہ بات چیتے کی ٹھیک تھی' تو چیتے نے کہا چلو جنگل کے بادشاہ شیر کے پاس چلتے ہیں۔ دونوں شیر کے پاس گئے اور واقعہ سنایا تو شیر نے کہا کہ چیتے کو جیل میں ڈالو چیتے نے احتجاج کیا کہ بادشاہ سلامت بات بھی میری ٹھیک ہے اور جیل بھی مجھے جانا پڑ رہا ہے۔ تو بادشاہ نے کہا کہ "بات سچ اور جھوٹ کی نہیں' تمہارا قصور یہ ہے کہ تم نے ایک گدھے سے بحث کیوں کی۔"

معلومات

☆ برطانیہ کا بادشاہ جارج اول انگریزی نہیں بول سکتا تھا۔

☆ شیکسپیئر کی بیٹی نہ تو پڑھ سکتی تھی اور نہ ہی بول سکتی تھی۔

☆ سقراط اپنے بچپن میں سنگ تراش تھا۔

☆ ابراہام لنکن ایک ڈاکیے اور کلرک سے زندگی شروع کر کے امریکہ کا سولہواں صدر رہا۔

☆ کمال اتاترک ایک معمولی کلرک تھا۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا علیہا السلام "کوہ ابو قیس" میں مدفون ہیں۔

☆ خانہ کعبہ کا نقشہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیار کیا تھا۔

سیدہ لوبا سجاد..... کہروڑپکا

زندگی اور موت

زندگی میں ہمارے نام اور لباس مختلف ہوتے ہیں ..... امیر' غریب' چھوٹا' بڑا' افسر' ماتحت' ڈاکٹر' انجینئر' استاد' شاگرد وغیرہ وغیرہ..... لیکن مرنے کے بعد صرف ایک ہی نام رہ جاتا ہے..... میت (واصف علی واصف)

خوشبو بخاری..... ٹنڈو جام

سیدہ لوبا سجاد، کی ڈائری میں تحریر

فرحت عباس کی غزل

بول سہیلی

بول سہیلی کس نے دل بے چین کیا
ہجر کے اندر دور کہیں پر بین کیا

بول سہیلی کس نے پلکیں لرزائی ہیں
اک آنسو نے ابھی جو رستے ہی میں ہے

بول سہیلی کس نے نیندیں چوری کی ہیں
جو آنکھوں کی نگری میں آباد ہوا ہے

بول سہیلی رات آئی ہے کچھ تو بول
چپ کے ڈسے ہوئے لفظوں میں کیا لکھا ہے

بول سہیلی تنہائی میں کیا کہتی ہے
میرے ساتھ ہی میرا دکھ سکھ سہتی ہے

روبینہ یاسمین، کی ڈائری میں تحریر

وصی شاہ کی نظم

ادھوری باتیں ہی زندگی ہیں
وہ گزری باتیں ہی زندگی ہیں
اگرچہ دل کی اداس اجڑی ہوئی رتوں میں بکھر گئی ہیں
کئی زمانوں سے ساری باتیں
وہ گزری باتیں سلگتی شاموں کے جلتے بجھتے الاؤ میں پگھل گئی ہیں
ادھوری باتیں ـ ضروری باتیں
خواہشوں کے ہمراہ گندھی ہوئی ہیں
یہ آنکھ کی پتلیوں میں تھک کے سوئی ہیں
تمام باتیں درست جاناں
تمام خدشے بجا ہیں لیکن
ہر ایک امکان زندگی میں انہی کی یادیں بھٹک رہی ہیں
انہی کے دم سے ضعیف جذبوں، ٹھٹھرتے لفظوں
کبھی تمناؤں میں رمق ہے
ادھوری باتیں ہی زندگی ہیں
وہ گزری باتیں ہی زندگی ہیں
خیال رکھنا ـ!
ادھوری باتیں بھلا نہ دینا
ضروری باتیں...
وہ گزری باتیں بھلا نہ دینا
خیال رکھنا...
خیال رکھنا...

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

ساغر صدیقی کی غزل

روداد محبت کیا کہیے، کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
دو دن کی مسرت کیا کہیے، کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کچھ حال کے اندھے ساتھی تھے، کچھ ماضی کے عیار سجن
احباب کی چاہت کیا کہیے، کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کانٹوں سے بھرا ہے دامن دل، شبنم سے سلگتی ہیں پلکیں
پھولوں کی سخاوت کیا کہیے، کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب وقت کے نازک ہونٹوں پر مجروح ترنم رقصاں ہے
بیدادِ مشیت کیا کہیے، کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب اپنی حقیقت بھی ساغر، بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کہیے، کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر

مومن خان مومن کی غزل

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

بے وفا کہنے کی شکایت ہے
تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

نارسائی سے دم رکے تو رکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

چارہ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

صبر تھا اک مونس ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں ہوتا

کیوں سنے عرض مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

فرزانہ جاوید، کی ڈائری میں تحریر

فیض احمد فیض کی غزل

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی مداراتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی ملاقاتوں کے بعد

کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد

تھے بہت بے درد لمحے ختم دردِ عشق کے
تھیں بہت بے مہر صبحیں مہرباں راتوں کے بعد

دل تو چاہا پر شکستِ دل نے مہلت ہی نہ دی
کچھ گلے شکوے بھی کر لیتے مناجاتوں کے بعد

ان سے جو کہنے گئے تھے فیض جاں صدقہ کیے
ان کہی ہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد

نادیہ، نجمہ، کی ڈائری میں تحریر

انور شعور کی غزل

اتفاق اپنی جگہ، خوش قسمتی اپنی جگہ،

اتفاق اپنی جگہ، خوش قسمتی اپنی جگہ
خود بناتا ہے جہاں میں آدمی اپنی جگہ

کہہ تو سکتا ہوں مگر مجبور کر سکتا نہیں
اختیار اپنی جگہ، بے بسی اپنی جگہ

کچھ نہ کچھ سچائی ہوتی ہے نہاں ہر بات میں
کہنے والے ٹھیک کہتے ہیں سبھی اپنی جگہ

صرف اس کے ہونٹ کاغذ پر بنا دیتا ہوں
خود بنا لیتی ہے ہونٹوں پر ہنسی اپنی جگہ

دوست کہتا ہوں تمہیں شاعر نہیں کہتا شعور
دوستی اپنی جگہ، شاعری اپنی جگہ

شگفتہ سلیمان

صدف عمران ______ کراچی

تیری محفل سے اُٹھے تھے کسی کو خبر تک نہ تھی
بس تیرا مڑ مڑ کر دیکھنا ہمیں بدنام کر گیا

نمرہ، اقرا ______ کراچی

خاموش فضا تھی کہیں سایہ بھی نہ تھا
اس شہر میں ہم سا کوئی تنہا بھی نہیں تھا
کس جرم میں چھینی گئی مجھ سے میری ہنسی
میں نے تو کسی کا دل دکھایا بھی نہیں تھا

عذرا ناصر ______ کراچی

تم یاد نہیں کرتے تو ہم گلہ کیوں کریں
خاموشی بھی تو اک ادا ہے محبت نبھانے کی

عابدہ نثار ______ کراچی

مجھ سے کیا گلہ تم کو اتنے بدگمان کیوں ہو تم
میں نے تم کو چاہا ہے تم سے تو کچھ نہیں چاہا

آسیہ جاوید ______ علی پور چٹھہ

بس ایک ہی سبق سیکھا ہے زندگی سے
جتنی وفا کرو گے اتنا ہی پریشان رہو گے

عاصمہ ندیم ______ کراچی

ممکن نہیں کہ وہ مجھے بھلا دے گا
وہ تو ہر پل ہر دم مجھے دعا دے گا
پیار دیا ہے اس قدر اس کو ہم نے
کس طرح وہ کسی کو میری جگہ دے گا

ندا، فضہ یوسف ______ گوجرہ

کبھی غم کی آگ میں جل اُٹھے
کبھی داغِ دل نے جلا دیا
اے جنونِ عشق بتا ذرا
مجھے کیوں تماشا بنا دیا

دُعا سرفراز ______ پھول نگر

وہ اس انداز کی مجھ سے محبت چاہتا ہے
کہ میرے ہر خواب پر اپنی حکومت چاہتا ہے
کہتا ہے کہ اس کی ضرورت بن چکا ہوں میں
گویا وہ مجھے حسبِ ضرورت چاہتا ہے

فضہ نور ______ دو بڑی

قصہ غمِ حیات نہ پوچھو ہم سے محسنؔ
بس جی رہے ہیں تو کچھ کمال کر رہے ہیں

خدیجہ سلیم ______ کے ڈی اے

اس کو چاہا بھی تو اظہار نہ کرنا آیا
کٹ گئی عمر ہمیں پیار نہ کرنا آیا
اس نے مانگا بھی اگر کچھ تو جدائی مانگی
اور ہم تھے ہمیں انکار نہ کرنا آیا

صائمہ جبی ______ کراچی

نیندوں کی بغاوت سے یہ نقصان ہوا ہے
اک شخص کے خوابوں کو ترستی رہی آنکھیں

نازش ریحان ______ کراچی

بہت دیر کر دی تم نے میری دھڑکن محسوس کرنے میں
وہ دل نیلام ہو گیا جس کو کبھی حسرت تمہاری تھی

عائشہ، تحریم ______ محراب پور

میں نے یہ سوچ کر تسبیح ہے توڑ دی فرازؔ
کیا گن گن کر مانگوں اس سے جو بے حساب دیتا ہے

سیدہ نسبت زہرا ______ کہروڑ پکا

دیوار کیا گری میرے کچے مکان کی
لوگوں نے میرے گھر سے رستے بنا لیے

ندا طارق ـــــــــ فیصل آباد

ہم نے کہا اگر بھول جاؤ ہمیں تو کمال ہو جائے
ہم نے فقط بات کی اور اس نے کمال کر دیا

ثمرہ عبید ـــــــــ صدر کراچی

رفاقتوں کے نئے خواب خوشنما ہیں مگر
گزر چکا ہے ترے اعتبار کا موسم

سیدہ لوبا سجاد ـــــــــ کہروڑ پکا

ہم سے زندگی کی حقیقت نہ پوچھو وصی
بہت پُر خلوص لوگ تھے جو تنہا کر گئے

اقصیٰ ناصر ـــــــــ کراچی

راز کہہ دیتے ہیں نازک سے اشارے اکثر
کتنی خاموش محبت کی زباں ہوتی ہے

صبا سلیم آسلائش ـــــــــ لاہور

عمر بھر ہم یوں ہی غلطی کرتے رہے غالب
دھول چہرے پہ تھی اور ہم آئینہ صاف کرتے رہے

آمنہ ـــــــــ چیچوکی ملیاں

میں اپنے حصے کے سکھ جس کے نام کر ڈالوں
کوئی تو ہو جو مجھے اس طرح سے پیارا ہو

روبینہ یاسمین ـــــــــ فیصل آباد

تجھے محبت کرنا نہیں آتا
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا
زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں محسن
ایک تجھے نہیں آتا، ایک مجھے نہیں آتا

مدیحہ فہید ـــــــــ مدینہ کالونی

رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے
تم جو بچھڑے تو یہ بھی نہ سوچا
کہ ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

درنایاب ملک ـــــــــ ملتان

تتلیوں کی بے بسی آ بسی ہے پاؤں میں
ایک پل کو چھاؤں میں پھر ہواؤں میں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا ہے
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

زینب احسن ـــــــــ فیصل آباد

کل شام مجھے اُڑتے پرندوں نے نصیحت کی
بہت شام ہو جائے تو اپنے بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں

رُباب راجپوت ـــــــــ بھائی پھیرو

مت پوچھ کہ میرے صبر کی وسعت کہاں تک ہے
تو آزما کے دیکھ لے تیری طاقت کہاں تک ہے
وہ اور ہوں گے جنہیں تم سے امید وفا ہو گی
ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

روبینہ ناز ـــــــــ قصور

کبھی مہرباں کبھی آشناؤں جیسا ہے
مزاج اس کا عجیب دھوپ چھاؤں جیسا ہے
قتیل میں کس دل سے اُس کو بے وفا کہوں
وہ بے وفا نہیں بے وفاؤں جیسا ہے

نورین مہک ـــــــــ برنالی

مجھے بھی پتا تھا کہ بدل جاتے ہیں لوگ
مگر تمہیں کبھی میں نے لوگوں میں گنا ہی نہیں

صائمہ اعوان ـــــــــ کراچی

کتنا رویا تھا میں تیری خاطر
اب جو سوچوں تو ہنسی آتی ہے

فہمیدہ نسرین ـــــــــ کھیوڑہ

تم میری زیست کا حاصل ہو
اتنا کہہ اور معتبر کر دے

سیما کنول ـــــــــ پسرور

گفتگو کیجیے کہ فطرتِ انسان ہے شکیب
جالے لگ جاتے ہیں جب بند مکان ہوتا ہے

فرحت نسرین ـــــــــ کبیر والا

کیوں نہ ہم اس کو آئینہ ہو کر ملیں
بے وفا ہے وہ تو اس کو بے وفا ہو کر ملیں

کرن رحمن ـــــــــ فیصل آباد

اپنے دکھوں پہ ہنسنا، اپنی خوشیوں پہ رونا
کیا کچھ سکھا جاتا ہے کسی کا کسی سے جدا ہونا

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

غم

خوشی تو بہت عارضی' نہایت فانی ہوتی ہے۔ دیرپا اور عمر بھر ساتھ نبھانے والے تو غم ہوتے ہیں۔ درد کا داغ تو پونم کے چاند کی مانند تا عمر روح کی پیشانی پر دمکتا رہتا ہے۔ کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ دکھ بہت طویل ہوتے ہیں اماوس کی راتوں جیسے گرما کی دوپہروں جیسے' ایک ایک پل صدیوں پہ محیط ہوتا ہے۔ آنکھیں ساون کے بادلوں کی طرح برس برس کر صحراؤں کا روپ دھار لیتی ہے مگر روح کی آگ بجھنے نہیں پاتی۔

(بشریٰ سعید۔۔۔ اماوس کا چاند)
ثریا شاہ۔۔۔ کہروڑ پکا

شاعر' صحافی اور وکیل

شاعروں کو ضرور شادی کرنی چاہیے' اگر بیوی اچھی مل گئی تو زندگی اچھی ہو جائے گی اور بیوی اچھی نہ ملی تو شاعری اچھی ہو جائے گی۔ دنیا کی وہ عورت جسے آپ ساری زندگی متاثر نہیں کر سکتے وہ بیوی ہے' اور وہ عورت جسے آپ چند منٹوں میں متاثر کر سکتے ہیں' وہ بھی بیوی ہے۔۔۔ مگر دوسرے کی۔

شیطان کائنات کا سب سے پہلا صحافی ہے' جس نے اللہ تعالیٰ کو خبر دی کہ انسان زمین پر جا کر کیا کرے گا!۔ جی نہیں وہ پہلا وکیل بھی ہے۔ جس نے آدم کو مشورہ دیا پھل کھالو' پھر کوئی تم سے جنت کا قبضہ نہ لے سکے گا' ہمیشہ کے لیے یہیں رہو گے اور فیس مشورے میں جنت لے لی۔

اپنی غلطی تسلیم کرنا دراصل خود کو انسان ماننا ہے' کیونکہ وہ صرف شیطان ہے۔ جس نے آج تک اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔ شاید اس لیے ہم بھی آج کل اپنی غلطی نہیں مانتے۔ (ڈاکٹر یونس بٹ۔۔۔

شیطانیاں)

افشاں سمیع۔۔۔ کراچی

ممتا

امی جی نے کریلے بہت شوق سے خریدے تھے۔

زیبا باجی نے بکتے جھکتے کاٹے تھے۔ امی جی نے عبادت کی طرح خاموشی اور لگن سے پکائے تھے' پر زیبا باجی خفا ہو گئی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ کمرے سے باہر نہ نکل رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ ابا جی کو اس مقدمے کی پیروی کرنا ہی ہو گی۔ میں یہی سوچتی ہوئی ان کے کمرے کی طرف چل پڑی اور دروازے پر ہی جیسے میرے قدم ٹھہر سے گئے۔ امی جی رو رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

"مجھے سہیل بہت یاد آتا ہے جی۔ وہ پچھلی بار فون پر کہہ رہا تھا کہ وہ کبھی بھی گھر آ سکتا ہے۔ آپ کو تو پتا ہے اسے سرپرائز دینے کا کتنا شوق ہے' جانے کب میرا بیٹا گھر آ جائے۔ اسے کریلے بہت پسند ہے نا جی' اسی لیے روز پکا لیتی ہوں۔ سوچیں بھلا کیا سوچے گا میرا بیٹا کہ ماں نے اس کی پسند کے کریلے تک نہ پکا کر رکھے۔ یہ لڑکیاں تو سمجھتی نہیں آپ تو سمجھتے ہیں نا میری بات اب امی جی یقیناً" اپنی غلافی آنکھوں میں سرخ ڈوروں کے ساتھ ابا جی کو تائید میں دیکھ رہی ہوں گی اور ساتھ ساتھ اپنے نیلے سوتی دوپٹے سے اپنی آنکھیں بھی بے دردی سے صاف کرتی جا رہی ہوں گی۔ مجھے یوں لگا جیسے میری ماں کے آنسو میری آنکھوں میں رہنے آ گئے تھے۔ (ڈاکٹر نگہت نسیم۔۔۔ کریلے)

فوزیہ ثمرین۔۔۔ گجرات

تقدیر

میں مانتا ہوں کہ تقدیر کے دو پہلو ہیں۔۔۔ اچھی تقدیر۔۔۔ جب آپ اپنی تقدیر پر ہنسی خوشی قانع ہو جائیں تو یہ اچھی تقدیر ہے اور جب آپ اپنی تقدیر پر قانع نہ ہوں اور دوبدو مخالفت پر اتر آئیں تو یہ بری تقدیر بن جاتی ہے۔ قدرت کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مقابلہ اپنے برابر والوں سے ہوتا ہے۔ قدرت پر راضی ہوا جاتا ہے اس کی لکھی تقدیر پر قانع ہوا جاتا ہے۔ یہ بات تم جتنی جلدی سمجھ لو اتنا اچھا ہے۔ قانع ہونا سیکھو تقدیر کو اوڑھنی بچھونا نہیں' اسے پشت پر نہیں بہاروں کی طرح سینے پر رکھو۔۔۔ تقدیر کو زیر نہیں زیر کرنا سیکھو۔۔۔ (تنزیلہ ریاض۔۔۔ عہد الست)

صدف سمیع۔۔۔ کراچی

جاپان کے آداب معاشرت

"ٹوکیو میں لمبی قطار بنتی ہے لوگ قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں قطاریں بن جاتی ہیں مگر جب بس آتی ہے تو سارا سلیقہ بھول کر قطار توڑ کر لوگ بس پر پل پڑتے ہیں ہم نے اطمینان کا سانس لیا کہ کچھ نہ کچھ مشرقیت کی روح ان لوگوں میں باقی ہے بالکل کرسٹان نہیں ہو گئے۔" (ابن بطوطہ کے تعاقب میں۔ ابن انشاء)

(سیدہ لوبا سجاد۔۔۔ کھوڑ پکا)

وسوسے

محبت وسوسوں کا آئینہ ہوتی ہے' جس زاویے سے بھی اس کا عکس دیکھیں تو کوئی نیا وسوسہ' کچھ الگ ہی خدشہ سر اٹھاتا ہے۔ ایک پل پہلے مل کر جانے والا محبوب بھی موڑ مڑتے ہوئے آخری بار پلٹ کر نہ دیکھے تو دیوانوں کی دنیا اتھل پتھل ہونے لگتی ہے کہ جانے کیا ہو گا؟ کہیں وہ روٹھ تو نہیں گیا' کوئی بات بری تو نہیں لگ گئی اسے۔۔۔؟ اور پھر اگلی ملاقات تک سارا چین و سکون غارت ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی حال میرا بھی تھا لیکن میں کتنا بے بس تھا کہ اپنی مرضی سے قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کبھی کبھی مجھے اس انسانی جسم کی لاچاری پر بے حد غصہ آتا تھا۔ ہمارے جسم کو ہماری

سوچ جیسی پرواز کیوں نہیں عطا کی گئی؟ ایسا ہوتا تو میں اڑ کر اس۔ بے پروا کے در جا پہنچتا کہ اس تغافل کی وجہ تو بتا دے۔

(ہاشم ندیم۔۔۔ عبداللہ)

فائزہ بھٹی۔۔۔ پتوکی

احتجاجی بینر

کہتے ہیں عورتیں دو طرح ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو منہ کے اندر زبان رکھتی ہیں' دوسری زبان کے اندر منہ رکھتی ہیں۔ ویسے ایک بات تمام عورتوں میں مشترک ہے کہ وہ کان نہیں رکھتیں۔ دنیا کا دستور ہے' وہی چیز اپنے پاس رکھی جائے جسے استعمال کر سکیں۔ چنانچہ شوہر اپنے پاس کانوں کا رکھنا بہت ضروری سمجھتے ہیں' رہ گئی بات ڈاڑھی کی تو اسے مرد اپنی مردانگی کے اظہار کے لیے رکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ شوہر بننے کے لیے اکثر مرد ڈاڑھیوں کو منڈا دیتے ہیں' وجہ اس کی ہمیں کوئی خاص معلوم نہیں' صرف اتنا پتا ہے کہ شادی کے بعد مرد' مرد نہیں رہتے' زن مرید بن جاتا ہے' یعنی شادی کے بعد مرد بیوی کا مرید بن جاتا ہے۔ مرد کے چہرے پر مونچھوں کو جو مقام حاصل ہے' وہ احتجاجی بینر کا ہے' چنانچہ اسے عین ناک کے نیچے لہرانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ والدین اپنی ناک کی خاطر مونچھوں کے آگے جھک جاتے ہیں اور بیوی کے آگے مونچھیں۔ فرائڈ سے کسی نے پوچھا کہ عورت کس قسم کا شوہر چاہتی ہے تو بولا' اپنے باپ جیسا' چنانچہ لڑکی اپنے ہونے والے شوہر کا وہی حشر کرتی ہے جو اس کی ماں نے اس کے باپ کا کیا ہوتا ہے' ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت میکے والے دھاڑیں مار مار کر اس کے لیے روتے ہیں کہ انہیں لڑکی کی جدائی کا غم ہوتا ہے۔ حالانکہ لڑکی کی والدہ کی آنکھوں کے سامنے اس وقت اپنے شوہر کا ماضی اور داماد کا مستقبل ہوتا ہے۔

(ڈاکٹر اختر نواز۔۔۔ پہلی غلطی)

عمارہ ناصر۔۔۔ کراچی

محبت کا حربہ

ایک عورت نے اپنے شرابی شوہر کو سدھارنے کے لیے ڈانٹ پھٹکار اور لڑائی جھگڑے کا طریقہ چھوڑ کر محبت کا حربہ آزمانے کی ٹھانی۔ رات گئے جب اس کا شوہر نشے میں دھت گھر آیا تو اس نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔ اس کے جوتے موزے اتارے۔ اسے کھانا کھلایا۔ آرام سے بستر پر لٹایا۔ اس سے پیار بھری باتیں کرنے لگی۔ پھر اس نے شوہر سے کہا۔

"جان اب تم سو جاؤ۔"

شوہر گھبرا کر بولا "یہاں اور میں؟ اگر ساری رات یہاں گزار کر گھر پہنچا تو میری بیوی مجھے کچا چبا جائے گی۔"

نگہت اصغر..... جہلم

جواز

"کیا فرید صاحب کا دماغ چل گیا ہے؟" ایک شخص نے تشویش زدہ لہجے میں اپنے پڑوسی سے پوچھا۔ ان کے گھر کی لائٹیں آج کل دن میں بھی جلی رہتی ہیں۔"

"دراصل وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ان کا اس ماہ کا بجلی کا بل زیادہ آئے۔" پڑوسی نے جواب دیا۔

"وہ کیوں؟" پڑوسی نے حیرت سے پوچھا۔

"دراصل فرید صاحب کی بیگم ایک ماہ سے میکے گئی ہوئی ہیں اور انہوں نے چار دن پہلے انہیں فون پر بتایا تھا کہ وہ روز رات کو کتابیں پڑھ پڑھ کر وقت گزار رہے ہیں۔"

عمارہ ناصر..... کراچی

وجہ

شاکر نے اپنے دوست عاطف سے پوچھا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم آج کل گھر سے زیادہ باہر پھرتے رہتے ہو۔ آخر کیا وجہ ہے؟"

عاطف نے جواب دیا۔ "کچھ نہیں یار! گھر میں چار بیویاں ہیں جنہوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اس لیے میں زیادہ تر باہر رہتا ہوں۔"

شاکر نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ "تمہاری چار بیویاں ہیں۔"

عاطف نے کہا۔ "نہیں بھئی! ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی' یہ دوسروں کی بیویاں ہیں۔ ایک میرے باپ کی' دوسرے میرے بھائی کی' تیسری میرے دادا کی اور چوتھی میرے نانا کی۔"

لبنیٰ خاور..... فیصل آباد

چیمپئن بننے کا گر

ایک کرکٹر کی شادی ہوئی۔ شادی کے پہلے دن کرکٹر نے اپنی دلہن سے کہا۔

"آج ہماری زندگی کا نیا ٹیسٹ میچ شروع ہو گیا ہے۔ میرے والدین کو تمہیں امپائر کی حیثیت سے قبول کرنا ہو گا۔ چاہے وہ تمہیں ایل بی ڈبلیو دے کر واپس پویلین ہی کیوں نہ بھیج دیں۔ ہم اپنی محبت کے رولر سے اپنے گھر کو مضبوط پچ کی طرح بنائیں گے۔ جب بھی میری بہنیں مجھ سے رن آؤٹ کی اپیلیں کریں اور بھائی اسٹمپ کی' ایسے وقت میں تم اپنی خدمت کی بال پھینک کر میرے گھر والوں کا دل جیتنے کی کوشش کرنا۔ تم اپنی خدمت اور محبت کے چوکے چھکے لگا کر اپنی وفاداری سے زیادہ سے رنز بنا کر ہمارے خاندان میں چیمپئن بن سکتی ہو۔"

یاسمین عمران..... چکوال

خاوند

نفسیات کا ایک پروفیسر مختلف مواقع پر انسانی رویوں کی وضاحت کر رہا تھا۔ اس نے کہا "وہ آدمی جو غلطی پر ہو اور ہار مان لے عقل مند ہوتا ہے اور وہ آدمی جو درست موقف رکھنے کے باوجود ہار مان لے۔۔۔"

"خاوند ہوتا ہے" لڑکے نے کھٹ سے کہا۔

عائشہ بی بی۔۔۔ گوجرہ

انتظار فرمائیے

رشتہ کرانے والی عورت نے ایک نوجوان کو بتایا۔

"لو میاں خدا خدا کر کے تمہاری مرضی کے مطابق ایک مناسب لڑکی میں نے تمہارے لیے تلاش کر ہی لی۔ لڑکی اچھے گھرانے کی ہے۔ وہ صاحب جائداد ہے۔ خوب صورت ہے سلیقہ شعار ہے' وکیل ہے' بس کبھی کبھی اس پر دماغی دورے پڑتے ہیں اس وقت وہ غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کرنے لگتی ہے۔"

نوجوان نے کہا "کوئی حرج نہیں' لڑکی مجھے پسند ہے۔ تم بات آگے چلاؤ۔"

رشتہ کرانے والی عورت نے کہا "بات آگے چلانے کے لیے ذرا انتظار کرنا پڑے گا تاکہ اس کے دماغی دورے کے دن آجائیں' مسئلہ تمہارا ابھی ہے کہ وہ بھی تمہیں پسند کرلے۔"

اسما خان۔۔۔ ملتان

ایک سے بڑھ کر ایک

"میرے باس کی بیوی کو تم نے پارٹی میں دیکھا تھا نا۔۔۔ کس قدر خوب صورت ہیں۔" شوہر نے بیوی کو چڑانے کی غرض سے کہا۔ "کچھ روز سے میرے خوابوں میں آرہی ہیں۔"

"اکیلی ہی دکھائی دیتی ہوں گی؟" بیوی نے پریشان ہونے کی بجائے الٹا سوال کردیا۔

"ہاں! لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" شوہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیونکہ آپ کے باس میرے خوابوں میں آرہے ہیں۔" بیوی نے اٹھلا کر جواب دیا۔

نورین اظفر۔۔۔ لاہور

معمر ترین

ٹرین میں ایک اخباری رپورٹر نے ایک انتہائی معمر لیکن خوب تندرست و توانا آدمی کو بیٹھے دیکھا تو اس سے اتنی اچھی صحت کا راز پوچھا۔

معمر آدمی "پتا نہیں میری اچھی صحت کا راز کیا ہے؟ دنیا جہاں کا نشہ کرتا ہوں' دس دس پیکٹ سگریٹ کے پی جاتا ہوں۔"

اخباری رپورٹر حیرت سے "اچھا آپ کی عمر کیا ہے؟"

"معمر آدمی پچیس سال؟"

حنا کرن۔۔۔ قصور

قابل دید

ایک موسیقار یہ ثابت کرنے کے لیے کہ موسیقی سے جانوروں پر سحر طاری ہو جاتا ہے۔ ایک جنگل میں گیا۔ وہاں اس نے ساز بجانا شروع کردیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک ہاتھی' زیبرا اور ریچھ' سانپ' بھیڑیا' لومڑی غرض کہ بہت سے جانور اس کے گرد جمع ہو گئے اور ساکت و جامد ہو کر موسیقی سننے لگے۔

کچھ ہی دیر میں ایک شیر دھاڑتا ہوا وہاں آیا اور اس نے موسیقار پر حملہ کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔

اس کی اس حرکت پر ہاتھی کو بہت غصہ آیا اور اس نے شیر سے کہا۔

"تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"کیا کہا ذرا اور زور سے بولو۔" شیر نے جواب دیا۔

دانیہ عامر۔۔۔ کراچی

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

پھول گوبھی منچورین

اشیاء :

پھول گوبھی	ایک عدد (درمیانی)
انڈے	دو عدد
کارن فلور	تین کھانے کے چمچے
ہری مرچ	چار عدد (لمبائی میں کتر لیں)
پائن ایپل	آدھا کپ (کیوبز میں)
پائن ایپل جوس	آدھی پیالی
لہسن کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
چکن یخنی	ایک کپ
ٹماٹو کیچپ	آدھا کپ
گڑ	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
اجینو موتو	آدھا چائے کا چمچہ
آئل	تلنے کے لیے

ترکیب :

ایک پیالے میں انڈے، نمک اور دو کھانے کے چمچے کارن فلور ڈال کر پھینٹ لیں، پھول گوبھی کے پھول الگ کر لیں۔ فرائی پین میں آئل گرم کریں اور پھول گوبھی کے پھول باری باری انڈے کے بنائے گئے آمیزے میں ڈبو کر گولڈن براؤن ہونے تک تل لیں۔ اب ایک دیگچی میں دو کھانے کے چمچے آئل گرم کریں اور لہسن کا پیسٹ ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں۔ پھر اس میں ٹماٹو کیچپ، کالی مرچ، سفید مرچ، یخنی، گڑ، پائن ایپل جوس ڈال دیں۔ واضح رہے کہ گڑ ڈالنے سے ساس کا رنگ سرخ ہو جائے گا۔ جب آمیزے میں ابال آجائے تو بقایا ایک چمچہ کارن فلور تھوڑے سے پانی میں مکس کر کے اس میں شامل کر دیں۔ جب ساس گاڑھا ہو جائے تو اس میں ہری مرچ، پائن ایپل کیوبز، اجینو موتو اور کٹی ہوئی گوبھی ڈال دیں اور دو سے تین منٹ تک دھیمی آنچ پر پکائیں۔ پھول گوبھی منچورین تیار ہے۔ فرائیڈ رائس کے ساتھ پیش کریں۔

خشخاش بھرے کریلے

اشیاء :

کریلے	ایک کلو
خشخاش (پسی ہوئی)	پچیس گرام

پیاز	درمیانی عدد
ٹماٹر	تین عدد
ہری مرچ	چھ عدد
لہسن	پسا ہوا ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	حسب ذائقہ
اچاری مسالا	ایک چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	آدھی پیالی
آئل	ایک پیالی
سبز دھنیا، پودینہ	تھوڑا سا

ترکیب:

کریلے چھیل کر درمیان سے بیج نکال کر دھوپ میں رکھ دیں۔ خشخاش صاف کر کے کوٹ لیں۔ اب ایک مٹی کی ہانڈی میں دو کھانے کے چمچے آئل ڈال کر چولہے پر رکھیں، جب تیل گرم ہو جائے تو اس میں پیاز، لہسن ڈال کر بھونیں جب لہسن، پیاز براؤن ہو جائیں تو اس میں خشخاش، اچاری مسالا، نمک مرچ اور ہری مرچوں کو لمبائی کے رخ کاٹ کر مسالے میں شامل کر دیں۔ چولہے سے نیچے اتار لیں۔ کریلے دھو کر خشخاش مسالا کریلوں میں بھر دیں اور اوپر سے دھاگا لپیٹ دیں، اب کسی ساس پین میں آئل گرم کر کے تمام کریلوں کو براؤن ہونے تک فرائی کر لیں اور ہانڈی میں رکھتی جائیں اور اب ان پر دہی پھینٹ کر ڈال دیں اور دس منٹ تک دم پر رکھیں۔ اب ڈش میں کریلے نکال لیں اور اوپر سے ہرا دھنیا اور پودینہ کاٹ کر ڈال دیں۔

سوئٹ اینڈ سار ویجیٹیبل اسٹو

اشیاء:

پھول گوبھی	ایک پاؤ
فراش بین (ابلی ہوئی)	ایک پاؤ
آلو (ابلے ہوئے)	ایک پاؤ

چھوٹی پیاز	چار سے پانچ عدد (ثابت)
مٹر (ابلی ہوئی)	ایک پاؤ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
کیچپ	آدھا کپ
اجوائن	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
لال مرچ	آدھ چائے کا چمچہ (کٹی ہوئی)
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	ایک چوتھائی کپ
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ (پسا ہوا)
یخنی	آدھا کپ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

تیل گرم کریں۔ لہسن کچلا ہوا ڈال کر لال کر لیں، اس کے بعد سب سبزیاں ڈال کر فرائی کریں۔ کچھ دیر بعد سویا ساس، سرکہ، کیچپ، اجوائن، لال مرچ چینی اور سرکہ ڈال دیں۔ ساتھ یخنی ڈال دیں۔ دو تین ابال آنے پر کارن فلور ڈال دیں۔ گاڑھا ہونے پر اتار لیں۔ چائنیز رائس کے ساتھ سرو کریں۔

گجراتی دال ڈھوکری

ضروری اشیاء:

ارہر کی دال	140 گرام

(صاف کرنے کے بعد دھو کر پانی نتھار لیں)

ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تین کھانے کے چمچے
ہینگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ثابت زیرہ	تین چوتھائی چائے کا چمچہ
رائی کا دانہ	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن کے جوے	تین عدد (چوپ کرلیں)
کڑی پتا	بیس عدد
ٹماٹر	675 گرام (چوپ کرلیں)
سرخ مرچ پاؤڈر	تین چوتھائی چائے کا چمچہ
مرغی کی یخنی	دو کپ

ترکیب :

ایک بڑے سوس پین میں ارہر کی دال' ہلدی پاؤڈر اور ایک لیٹر پانی ڈال کر دال کو تیز آنچ پر ابال لیں۔ ابال آنے پر آنچ کم کرکے دال کو ہلکا سا ڈھک کر ایک گھنٹے تک پکائیں۔ نمک شامل کرنے کے بعد دال کو میش کرکے آنچ سے اتار لیں۔ دال پکنے کے دوران ایک دوسرے سوس پین میں تیل گرم کرکے اس میں ہینگ پاؤڈر ڈالیں۔ ایک سیکنڈ بعد ثابت زیرہ اور رائی دانہ ڈال دیں۔ رائی دانہ جیسے ہی کڑکڑانے لگے۔ فرائنگ پین میں لہسن ڈال کر چند سیکنڈز چلانے کے بعد کڑی پتے' ٹماٹر' سرخ مرچ پاؤڈر اور نمک شامل کرکے ابال لیں' ابال آنے پر آنچ کم کرکے ڈھک کر پچیس منٹ تک پکائیں۔ ٹماٹر کو میش کرنے کے بعد اس میں دال شامل کرلیں۔ گجراتی دال ڈھوکری تیار ہے گرم گرم سرو کریں۔

لوکی کا حلوہ

ضروری اشیاء :

لوکی	تین سو گرام (کش کرلیں)
کھویا	دو سو پچاس گرام
چینی	آدھا پاؤ
بادام	پچاس گرام
پستہ	پچاس گرام
گھی	آدھا کپ
پانی	حسب ضرورت

ترکیب :

پین میں کش کی ہوئی لوکی اور پانی ڈال کر ابال لیں۔ دوسرے پین میں گھی ڈال کر گرم کرلیں گرم گھی میں ابلی ہوئی لوکی اور چینی ڈال کر بھون لیں پھر کھویا ڈال کر تھوڑی دیر پکالیں۔ آخر میں بادام اور پستے ڈال کر بھون لیں اور گرم گرم پیش کریں۔

✲ ✲

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

سحر عروس ــــ راولپنڈی

س : "دیدہ بھائی ذرا یہ تو بتائیں کہ آپ دیدوں کی کون سی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ویسے سنا ہے۔ (شاید حقیقت ہو) کہ آپ کے دیدوں کا پانی ڈھل چکا ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟"

ج : "جی ہم تو دیدہ ور ہیں۔"

طلعت بانو ــــ راولپنڈی

س : "بھیا! ایک بات تو بتائیں کہ زندگی ایک آزمائش ہے تو قیامت کیا چیز ہے؟"

ج : "اس کا نتیجہ۔"

فریدہ شاہ ــــ لاہور

س : "بھیا! مختلف چیزیں جوڑنے کے لیے کئی سلوشن بازاروں میں دستیاب ہیں۔ لیکن ٹوٹے ہوئے انسان کو کس چیز سے جوڑا جائے؟"

ج : "حسن سلوک کے مرہم سے۔"

سیدہ ناز ــــ احمد نگر

س : "کیا آپ کے حسن کا راز بھی فلمی ستاروں کی طرح انٹرنیشنل لکس ہے؟"

ج : "جی نہیں یہ خداداد ہے۔"

شائستہ امتیاز ــــ گجرات

س : "دنیا کی سب سے حسین شے کون سی ہے؟"

ج : "تمہاری والدہ تو ہمیں کہتی ہیں۔"

شہزادی گلناز ــــ لاہور

س : "ذوالقرنین بھائی! کسی انسان کے اندر اگر کوئی خامی ہو تو وہ کسی اور کے اظہار کرنے پر اس تلخ حقیقت کو کبھی برداشت نہیں کرتا۔ لیکن وہ زندگی جیسی تلخ حقیقت سے کس طرح گزرتا ہے؟"

ج : "بی بی! اتنی چھوٹی عمر میں اتنا گاڑھا فلسفہ!"

مدثرہ ناز ــــ ربوہ

س : "کسی زمانے میں لوگوں کا خیال تھا زندگی اک سفر ہے سہانا مگر اب؟"

ج : "اب سفر کے نام ہی سے ڈاکوؤں کا خیال آجاتا ہے تو!"

زریں فرزانہ ــــ شاہ پور صدر

س : "بھائی جان! کیسے ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں منزل مل جاتی ہے؟"

ج : "چلو مل کر انہیں ڈھونڈیں۔"

ملیحہ کرن

نامے میرے نام

فضا نور۔۔۔ روہڑی

اس بار کرن کا شمارہ جتنی دیر سے موصول ہوا اتنی ہی زبردست تحریریں اس شمارے میں شامل تھیں۔ معصوم سی اور پیاری سی ماڈل سے سجا سرورق بہت خوب صورت تھا۔ اس کے بعد انٹرویو میں عمران اشرف اور یمنیٰ زیدی سے ملاقات اچھی لگی۔

سب سے پہلے کرن کے اس بار ٹاپ بیسٹ ناولٹ کے بارے میں بات ہو جائے۔ "ہم نے تو بس عشق ہے کیا" شبینہ گل بے شک اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے اور وہ ہمارے لیے جو بھی کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ ویل ڈن شبینہ گل۔ "سانول موڑ مہاراں" بنت سحر کا فلسفیانہ انداز بہت زبردست رہا۔ گاؤں کے منظر کو بہت اچھے طریقے سے بیان کیا۔ بنت سحر کے ایک انٹرویو میں نے پڑھا کہ وہ گاؤں میں رہتی ہے کیا واقعی وہ گاؤں میں رہتی ہے۔

مکمل ناول "ردائے سحر" میں حبا کا کردار بہت پسند آیا لیکن تہامی کا اپنی خالہ سے فون پر بات کرنا یہ بات ہضم نہیں ہوئی' اگر وہ اپنی خالہ سے بچپن سے ہی نہیں ملا تو فون نمبر کیسے ہے اس کے پاس۔ "ردائے سحر" کچھ زیادہ ہی حساس لگی آدھی کہانی تو ہیروئن کو مناتے ہوئے گزری۔

افسانے سارے ہی اچھے تھے' لیکن "موازنہ" "شہزادی کائنات کا بہت اچھا لگا یہ تو ہر گھر کی کہانی ہے۔

"راپنزل" اس بار تھوڑی مختصر تھی۔ پلیز اسے تھوڑا زیادہ لکھا کرے تنزیلہ جی۔ ویسے حبیبہ کا مرنا صوفیہ کے لیے زیادہ مشکلات پیدا کر گیا ہے۔ صوفیہ بہت خود غرض ماں ہے۔ کیسے ایک معصوم بچی کو چھوڑ دوسرے ملک میں آرام سے بیٹھی ہے' اس لیے تو نینا اس سے دور' دور رہتی ہے۔

مکمل ناول "دست مسیحا" نگہت سیما نے بہت خوب صورتی کے ساتھ اسے شروع سے لے کر آخر تک نبھایا۔ موحد کو امل سے ملا دیا اور موحد نے ثمرین کو معاف کر دیا یہ بہت ظرف کی بات ہے۔

ناولٹ "سنگ پارس" کی آخری قسط بہت زبردست تھی۔ مہوش نے ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا۔ نگین اور احمر حسن جیسے لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہیے۔ محب جاہ کے مزاح سے بھرپور جملے پڑھ کر مزا آگیا۔ آخر کار طوبیٰ کو نوفل کی محبت کا یقین آہی گیا۔ اختتام بہت اچھا تھا۔ ویری نائس اتنے اچھے ناول اور ناولٹ لکھنے پر میری دونوں رائٹرز نگہت سیما اور مہوش افتخار کو بہت بہت مبارک باد۔ "کرن کرن خوشبو" بہت پسند آیا۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں ارم ذوالفقار اور ایمان سرفراز کا شعر پسند آیا۔ کرن کتاب "نیچرل بیوٹی گائیڈ" بہت فائدے مند ہے۔ اس بار رائٹنگ تھوڑی گندی ہے آخر اتنی جلدی میں رائٹنگ تو گندی آئے گی نہ۔

ج :۔ پیاری فضا لکھائی کا کوئی مسئلہ نہیں ہمارے لیے یہی بہت خوشی کی بات ہے کہ اب لوگ اپنی پسند ناپسند سے آگاہ کرتی ہیں۔ آپ نے غور سے "ردائے سحر" نہیں پڑھا ورنہ آپ جان جاتی کہ تہامی کا فون نمبر لینا اس کی خالہ کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ آپ کی مبارک باد نگہت سیما اور مہوش افتخار تک پہنچائی جا رہی ہے۔

اقرا ممتاز۔۔۔ سرگودھا

اس دفعہ کرن بہت لیٹ ملا۔ اس لیے تبصرہ نہیں کر سکتی۔ ویسے تو سارا کرن زبردست ہوتا ہے۔ اس دفعہ "دست مسیحا" نگہت سیما نے کمال لکھا ہے۔ آخری قسط

بڑی زبردست رہی۔ تھینکس اتنا اچھا ناول پڑھنے کو ملا۔ میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔ خدا آپ کے قلم کو اور ترقی دے۔ (آمین) اور ہمیں اتنے ہی اچھے ناول پڑھنے کو ملے۔

"سنگ پارس" مہوش افتخار کا بڑا زبردست مکمل ناول رہا۔ اس دفعہ تو دونوں ناولوں کی آخری قسط پڑھنے کو ملی۔ اس دفعہ صرف یہ دو ناولز ہی پڑھ ہی سکی۔ لیٹ جو بہت ملا تھا۔ اگر ہم نے دو یا تین چیزیں بھیجنی ہو تو ہم ایک ہی لفافے میں بھیج سکتے ہیں یا دو لفافے میں۔ پلیز! اکمل علی کا انٹرویو بھی ضرور شامل کریں۔

ج :۔ پیاری اقرا ہمیں افسوس ہے کہ کرن تاخیر سے ملنے کی وجہ سے آپ کرن پر پورا تبصرہ نہ کر سکیں۔ آپ ایک ہی لفافے میں الگ الگ صفحات پر اپنی تحریر بھیج سکتی ہیں۔

مسز تقی نقوی علی۔۔۔ ضلع مظفر گڑھ

سب سے پہلے بہت بہت تھینکس۔۔۔ کہ آپ نے میرا خط شائع کیا۔ سب سے زیادہ خوب صورت اس دفعہ مجھے ٹائٹل گرل لگی۔ بس ایک چیز اور ہو جاتی تو بہت زیادہ اچھا لگتا۔ وہ یہ کہ ماڈل کے سر پہ دوپٹا۔ اداریہ سب سے پہلے پڑھا۔ اس کے بعد دعائے مغفرت کی۔ عامر محمود کی والدہ ماجدہ کے لیے۔ اس کے بعد حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ سے دل کو منور کیا۔ پھر بیاد محمود بابر فیصل "آج بھی تم نظر نہ آؤ گے" پڑھا۔ عمران اشرف سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ "میری بھی سنیے" میں یمنیٰ زیدی کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ "آواز کی دنیا سے" یاسر عباس کو پڑھا۔ ان کے کام کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ اب آتے ہیں اپنے پسندیدہ ناول "من مورکھ کی بات نہ مانو" کی طرف آیا۔ آسیہ مرزا جی اس دفعہ فضا بے چاری بھی مار کھا ہی گئی' اپنی اونچی خواہشات کے چکروں سے۔ نہ غلط راہ پہ چلتی۔ نہ ایسا کچھ ہوتا اس کے ساتھ۔ اس دفعہ ناول ایسے لگا جیسے آگے نہ بڑھا ہو۔ حوریہ اور حازم کا تذکرہ کچھ کم کم لگا۔ خیر یہ تو میری سوچ ہے' اب آتے ہیں۔ عبیرہ لطیف صاحبہ کے "ہم ساتھ ساتھ ہیں" کی طرف۔ مختصر اسٹوری اور سبق آموز' موزوں پرانا' اس لیے کہہ رہی ہوں کہ' کیونکہ اس طرح کی اسٹوری کافی بار پڑھ چکے ہیں ہم۔ مگر سبق آموز تھی یہ اس کہانی کا بیسٹ پوائنٹ۔ بشریٰ سیال کا "ردائے سحر"۔ بس سو سو تھا ناول۔ حاشر کا کردار اچھا لگا۔ چلبلا سا' مہوش افتخار کے "سنگ پارس" نے ہمیشہ کی طرح اپنے حصار میں مقید رکھا۔ بہت زبردست اسٹوری اور بہت پیارا اینڈ' بہت مبارک ہو' اتنا پیارا ناول لکھنے کے لیے مہوش جی۔ محب اور ماہ نور کی جوڑی بھی زبردست لگی۔ سب سے بیسٹ کردار نبھایا نوفل کے جگری یار عالی نے۔ ایسے لوگ بہت کم ملتے ہے اس دنیا میں۔ فوزیہ اشرف کی اسٹوری "آپ اپنے دام میں" نے بھی کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔ وہی گھسی پٹی اسٹوری۔ اب آتی ہوں اپنی موسٹ فیورٹ رائٹر نگہت سیما کے "دست مسیحا" کی طرف۔ بہت بہت اچھا ناول لکھنے کے لیے بہت بہت مبارک باد۔ میرا فیورٹ کردار عثمان ملک صاحب' اس کے علاوہ ثمرین پہ اس دفعہ کافی ترس آیا۔ شکر خدا کا کہ موحد نے ماں سے ملاقات کی۔ ال اور موحد کی جوڑی بھی اچھی لگی۔ بٹ ہشام بے چارے پہ بھی بہت ترس آیا۔ بہت بہت پیارا ناول۔ شہزادی کائنات کا "موازنہ" پڑھی۔ سمپل اسٹوری لگی۔ وہی سسرالی مسائل۔ جب اپنی بیٹی کو چوٹ لگے تو پھر درد کا پتا چلتا ہے۔ خیر یہ دستور زندگی بن گیا ہے۔ میرا موسٹ فیورٹ "راپنزل" اس دفعہ مختصر لگا۔ شکر ہے شہرین ٹھیک ہو گئی۔ اللہ کرے ایسے ہی ہنسی خوشی زندگی گزارے۔ (آمین) نینا بے چاری مرجھا گئی ہے۔ کاشف پہ بہت بہت غصہ آتا ہے' انتہائی ذلیل بندہ' حبیبہ جی اپنے انجام کو پہنچی۔ مکافات عمل اسی کا نام ہے۔ بنت سحر مجھے اچھی لگتی ہے۔ "سانول موڑ مہاراں" بھی اچھی لگی۔ "طواف آرزو" عابدہ احمد اچھا لکھا آپ نے۔ اپنی بہنیں کچھ بھی کریں' بیوی پرفیکٹ ہونی چاہیے۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی ملاقات کریں گے۔

ج :۔ پیاری بہن! آپ نے تفصیلی تبصرہ کیا' اچھا لگا' آئندہ بھی رائے سے آگاہ کیجیے گا۔

طاہرہ ملک۔۔۔ جلال پور پیروالا

کرن جونہی ہاتھوں میں سمایا دل خوشی کے احساس سے بھر گیا' کیونکہ ہمیں کرن کی آمد کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے اور یہ خوشی اس وقت دوبالا ہو گئی جب مائی سوئٹ آنٹی مسز تقی نقوی نے میری کمی محسوس کی اور مجھے اپنی محبت کا احساس دلایا۔ محمود بابر فیصل کے بارے میں ہمیشہ پڑھتے ہوئے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں' ان کے لیے مغفرت کی دعا کی' ہمیشہ کی طرح۔ عمران اشرف' یمنیٰ زیدی' یاسر عباس سے ملاقات کی جو خوش گوار رہی۔ "من مورکھ کی بات نہ مانو" لاجواب قسط' بابر کی حرکتیں تو سمجھ سے باہر ہیں۔ اب پھر فضا کو ورغلا رہا ہے اور فضا بے وقوف پھر اس کے چنگل میں پھنس جائے گی' حوریہ کی لائف خوش گوار رہتی اگر وہاں بابر نہ ہوتا۔ "ہم ساتھ ساتھ ہیں" عبیرہ لطیف نے یہ بات باور کرادی کہ عورت ہر دکھ' ہر تکلیف برداشت کر سکتی ہے۔ لیکن سوکن نہیں' سوکن کا لفظ سن کر بزدل عورت بھی بہادر بن جاتی ہے' مرنے مارنے پر تل جاتی ہے۔ "ردائے سحر" اچھا ناول ہے' لیکن افسانوں میں بہت پڑھا ہے کہ امیرو کبیر یاس نخریلی' خوب صورت لڑکیوں کو چھوڑ کر غریب نارمل لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں۔ ایسا حقیقت میں تو شاید کبھی نہ ہوا ہو۔ "سنگ پارس" مائی فیورٹ ناولٹ اپنے خوب صورت اختتام کو پہنچا' طوبیٰ' نوفل' ماہ نور' محب کا خوب صورت ملاپ اور عالی جیسا فرینڈ قسمت والوں کو ملتا ہے اور نگین دوسروں کی زندگیوں سے کھیلنے کی کوشش میں اپنی زندگی ہی خراب کر بیٹھی۔ "آپ اپنے دام میں" نور بانو پہ پوری فیملی Depend کرتی تھی' لیکن نور بانو اپنے ہی چکر میں پڑی رہی یہ تو شکر ہے اس کی ساس کو حقیقت پتا چل گئی' ورنہ انمول فاطمہ بے چاری کو بھگانے میں نور بانو نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ "دست مسیحا" موحد کو تب احساس ہوا جب امل اس کی زندگی سے جا رہی تھی۔ چلیں موحد اور امل کا ملاپ ہو گیا اور ہشام کے دل میں بھی آہستہ آہستہ سکون آ گیا اور ثمرین نے بھی ایک غلطی کی لمبی سزا بھگتی اور موحد کو پایا۔ نیلوفر اپنے لالچ کی بنا پر ملک عثمان کی زندگی سے نکل ہی گئی۔ "موازنہ" ویسے بیٹیوں کے لیے اصول اور ہوتے ہیں' بہوؤں کے لیے اصول تبدیل کر لیے جاتے ہیں۔ "ہم نے تو بس عشق ہے کیا" لائلومہ کی لازوال محبت' بہت اچھا ناولٹ تھا۔ عورت ہمیشہ سے قربانی ہی دیتی آئی ہے' اس کی نسبت مرد قربانی نہیں دے سکتا۔ لائلومہ نے کبھی اپنے شوہر کی ذات پر حرف نہیں آنے دیا۔ لائلومہ کی خوش گوار زندگی اچھی لگی۔ "راپنزل" زری بے چاری کے ساتھ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ محبت کے نام پر کہیں دھوکا نہ ہو اس کے ساتھ۔ صوفیہ اور نینا کی دوری کی وجہ اب سمجھ میں آ گئی۔ سمیع اور شہرین میں دوری نہیں آنی چاہیے۔ شہرین احساس کمتری کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ "سانول موڑ مہاراں" کلثوم قسمت کی اچھی نکلی اس کی محبت رنگ لائی اور عبدل پلٹ آیا۔ "طواف آرزو" حقیقت پر مبنی کہانی مرد خود چاہے جیسا بھی ہو عورت ہمیشہ پاک دامن چاہیے۔ اس کے کردار پر ہلکا سا دھبا بھی اس سے برداشت نہیں ہوتا "کرن کرن خوشبو" فوزیہ ثمریٹ' اقرا ممتاز' نوشین اقبال' کوثر پروین کی پسند اچھی لگی۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" افشاں' غزل' رمشا کے اشعار اچھے لگے۔ "کچھ موتی چنے ہیں' مسکراتی کرنیں' کرن کا دسترخوان" ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔

ج: پیاری طاہرہ آپ کے تبصرہ سے کرن کی پسندیدگی کا پتا چل رہا ہے۔ امید ہے آپ ہر ماہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیں گی۔

ثنا شہزاد۔۔۔ کراچی

اس بار کرن نے بہت انتظار کروایا 15 تاریخ کو ملا۔ جبکہ 9 تاریخ سے بھائیوں اور پاپا کے' نوشین کے چکر لگوانے شروع کروا دیتی ہوں بک شاپ کے' کرن کے انتظار کا بھی اپنا مزا ہے۔ اداریہ اور حمد و نعت ہر ماہ کی طرح سب سے پہلے پڑھا' محمود بابر فیصل کے لیے دعائے مغفرت کی۔ رخ چوہدری نے بڑے اچھے انداز میں ان کی شخصیت کو اجاگر کیا۔ اس بار انٹرویوز بعد کے لیے اٹھا کے رکھ دیے' کیونکہ تبصرہ بھیجنے کی جلدی تھی۔ کرن میں اپنا نام دیکھ کر سیروں خون بڑھتا ہے۔ اس کرن نے مجھے پہچان دی ہے اب تو پاپا بھی سب کو بتاتے ہیں کہ کرن میں ہماری بیٹی کا

خط آتا ہے۔ چلیں جی، بہت باتیں ہو گئیں' اب ذرا کہانی پر اظہار خیال ہو جائے۔ ایک تو اتنے انتظار کے بعد کرن ہاتھ میں آیا اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ ہمارے فیورٹ ناول کے صفحات اتنے کم تھے۔ "راپنزل" کے صرف پانچ پیجز تھے۔ یونہی پڑھنا شروع کیا اور یونہی باقی آئندہ ہمیں منہ چڑانے آگیا دل جل کر راکھ ہو گیا۔ حبیبہ کا قصہ پاک کر دیا کہانی سے' یہ صوفیہ کے حق میں بہتر ہوا۔ شہرین کو پہلے جیسی نازک اندام کر دیجیے گا۔ ویسے تو سمیع اس کا اب بھی دیوانہ ہے' مگر وہ بے چاری اب کمپلیکس کا شکار رہتی ہے۔ خاور کہیں نینا کو پسند تو نہیں کرنے لگا اور پلیز زری کو اچھا سبق دیجیے گا۔ "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ جی لکھا ہے۔ اب کہانی کو نیا رخ دینے والی ہیں یا بر فضا کے ساتھ مل کر یقیناً" حوریہ کے لیے مشکلات کھڑی کرنے والا ہے' کیونکہ اس کے عزائم بہت خطرناک لگ رہے ہیں۔ "طواف آرزو" میں ابرار کا فیصلہ اچھا نہیں لگا۔ "ہم ساتھ ساتھ ہیں" ہلکی پھلکی تحریر مزا دے گئی۔ "موازنہ" شہزادی کائنات نے بہت خوب صورت انداز میں پیش کیا۔ "اپنے دام میں" فوزیہ اشرف نے نور بانو کے ساتھ بہت خوب کیا۔ "سانول موڑ مہاراں" بنت سحر نے اچھا لکھا' عبدل کی ہم سفر کلثوم کو ہی ہونا چاہیے تھا۔ چچی' بھتیجی کی دوستی اچھی لگی' ایک بچ اچھا لگا' اس کہانی میں کہ محبت کا اظہار فوراً" کر دینا چاہیے۔ ورنہ یہ در کسی اور کے لیے وا ہو جاتا ہے اور ہم تہی دست رہ جاتے ہیں۔ "ہم نے تو بس ہے عشق کیا" شبینہ گل کی کہانی پر تو بس اینڈ ہو گیا اس ماہ کی شان دار تحریر تھی جس نے اپنے سحر میں ایسے جکڑا کہ پوری پڑھے بغیر سکون نہیں ملا۔ ایک طرف لاکومہ کو سلام پیش کیا تو دوسری طرف فریدون کو حق بجانب پایا۔ جس نے لاکومہ کو آزاد کر دیا اور مزید گناہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ رب نے لاکومہ کو اس کی محبت کے صلے میں اسے دو جڑواں بیٹے دے کر اس کے قدموں کے نیچے جنت لا دی۔ شبینہ جی ہمیشہ اچھوتے ناول لے کر آتی ہیں جو دل میں گھر کر جاتے ہیں۔ "سنگ پارس" کا اینڈ مہوش افتخار نے بہت اچھا کیا ہر کردار کے ساتھ مکمل انصاف کیا' کہیں کوئی کمی یا خامی نظر نہیں آئی۔ نوفل جاہ اپنے نام کی طرح فیاض نکلا جس نے حسن مجتبیٰ جیسے لالچی انسان کی بیٹی سے شادی کی اور باپ کے گناہ کی سزا نہ بیٹی کو دی اور ان کی فیملی کا بھی خیال رکھا۔ بشریٰ سیال نے "ردائے سحر" اچھا لکھا۔ مجھے اسٹارٹ میں ہی پتا چل گیا تھا کہ سحر اور تہامی کزن ہیں۔ ہاں' البتہ حبا تہامی کی بہن ہے' یہ بعد میں پتا چلا۔ تہامی نام اچھا لگا۔ حبا' حاشر کے ساتھ بہت ناانصافی کرنے والی تھی۔ مگر حاشر نے اپنی محبت کو نہیں چھوڑا۔ مبارک ہو "دست مسیحا" زبردست ناول میری طرف سے۔ ہر ماہ بے چینی سے جس ناول کا انتظار رہتا تھا اس کا اختتام ہو گیا اور بہت خوب ہوا۔ موحد اور اہل کا ملاپ اچھا لگا۔ بہت منفرد موضوع پر قلم اٹھایا۔ نگہت جی نے اللہ پاک آپ سب رائٹرز کو اور زیادہ زور قلم دے۔ (آمین) ایک ریکوئسٹ کرنی ہے پلیز کرن کتاب میں خوابوں کی تعبیر کتاب دے دیں۔

ج :۔ پیاری ثنا! ہمیں بھی ہر ماہ آپ کے خط ملنے کی بے حد خوشی ہوتی ہے۔ آپ ہر ماہ اپنی رائے کا اظہار کر کے کرن کی پسندیدگی کا اظہار کرتی رہیں' شکریہ۔

ڈاکٹر آمنہ حسین آرائیں۔۔۔ شہداد پور

میں پہلی دفعہ کرن میں شرکت کر رہی ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں کرن نہیں پڑھتی تھی۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے شروع کیا۔ اس کا معیار بہت اچھا ہو گیا ہے۔ تنزیلہ ریاض نے "راپنزل" لکھ کر دل خوش کر دیا۔ ہر ماہ شدت سے قسط کا انتظار رہتا ہے۔ نگہت سیما کی پہلی تحریر "باروفا" پڑھی' تب سے ان کی دیوانی ہوں۔ یہ تحریر' ان کی بہت زبردست تھی۔ بشریٰ سیال کو پہلی دفعہ پڑھا۔ "ردائے سحر" اچھا ناول تھا۔ "سنگ پارس" شروع میں کافی اچھا لگا' مگر آخر میں آکر روایتی سی کہانی لگا۔ میں ایم بی بی ایس کی طالبہ ہوں' اس کی وجہ سے بقایا کہانیاں نہیں پڑھ سکی۔ اس کی وجہ میرے امتحان تھے اور اس ماہ میرے منگیتر (حمید خان) جو کہ میرے کزن بھی ہیں' دبئی جاب کے سلسلے میں گئے ہیں تو تھوڑی پریشانی ہے' ان شاء اللہ اگلی دفعہ مکمل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

ج :۔ آمنہ آپ نے کرن پڑھنا شروع کیا' ہمیں بے حد خوشی ہوئی۔ یہ خوشی دگنی ہو گئی جب آپ نے خط لکھا اور

ہماری جو کہانیاں پڑھیں وہ پسند کیں۔ یہ خوشی تبھی ہو جائے گی جب آپ ساری کہانیاں پڑھ کر بھرپور تبصرہ کریں گی۔ اللہ آپ کے منگیتر حمید خان صاحب کو دبئی میں کامیاب کرے۔ (آمین)

فائزہ بھٹی۔۔۔ پتوکی

سامنے نہر کنارے سنبل کے درخت بھی ویسے ہی ہیں، بکائن کے پتے ہلکے ہلکے زرد ہونا شروع ہوئے ہیں۔ انار کے پودوں نے بھی ابھی ابھی اپنے پتے گرانے شروع نہیں کیے۔ امرود اور املی کے پودے سبز پتے لیے پھر بھی اداس، گلابی اور سرخ پھولوں کے پودے کسی کے انتظار میں سر نیہوڑائے غم زدہ کھڑے ہیں۔ کینو نے بھی ابھی اپنے پتے نہیں گرائے، پھر بھی ہواؤں میں خزاں رسیدہ ٹوٹے بکھرے پتوں کی آہیں اور سسکیاں ہیں۔ (ہمارے گھر کے صحن میں لگے سنبل کے علاوہ پودوں کا منظر ہے یہ) آہ یہ اداسیوں کا موسم۔ ایسے موسم میں ہمیں بھی اپنے من چاہے "من موہنے" "کرن" کا انتظار تھا۔ کرن آیا، خوش ہوئے، سرورق پر نظر دوڑائی، ماڈل گرل کا انداز دل ربائی پسند آیا۔

فہرست کو دیکھا دل خوش کرنے کا سامان موجود تھا۔ "حمد و نعت" سے مستفیض ہونے کے بعد سب سے پہلے "من مورکھ کی بات" پر پڑاؤ ڈالا۔ حازم تو اچھا شوہر ثابت ہونے کی کوششوں میں مصروف عمل نظر آیا۔ حوریہ کی جان کا عذاب بابر۔ حوریہ کو چاہیے جتنی جلدی ممکن ہو حازم کو شریک راز کرے۔ بعض چیزیں چھپانے کی بجائے عیاں ہو جائیں تو بہتر ہوتا ہے۔ فضا تو اچھی پھنسی۔ اسی لیے کہتے ہیں لڑکیوں کو قدم قدم پر دیکھ کر چلنا چاہیے۔

"راپنزل" تنزیلہ ریاض نے بھی اچھا لکھا۔ صوفیہ نے نینا کے ساتھ واقعی میں اچھا نہیں کیا۔ اپنے قریبی رشتوں کی بے اعتنائی جونک کی طرح خون چوس لیتی ہے۔ پھر نینا جیسا ہو جانا بڑی بات تو نہیں۔ "سنگ پارس" آخری قسط جان دار رہی۔ کہیں کسی مقام پر بھی بوریت کا احساس نہیں ہوا۔ نگین کے ساتھ تو اچھا ہوا۔ طوبیٰ اور نوفل کی جوڑی اچھی رہی آخر تک۔ ایک مکمل خوش حال فیملی کے تصور کو حقیقت کا رنگ دیا گیا۔

"دست مسیحا" نگہت سیما نے بھی اس کو آخری ٹچ دے دیا۔ بھیگی آنکھوں کے ساتھ کہانی پڑھی۔ موحد کا تڑپنا دیکھا نہ گیا۔ بے اختیار اپنے پیاروں کی زندگی کے لیے دعا مانگی۔ آخری قسط میں بہت اچھے سے ہر چیز کو ہینڈل کیا گیا۔ پھر بھی یہ قسط پڑھنے کے بعد میں ڈسٹرب رہی۔

"ساٹول موڑ مہاراں" بنت سحر نے بھی اچھا لگا۔ بعض دفعہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی کہانیاں یکسانیت کا شکار ہیں۔ ہر کہانی میں لڑکی پیار کی دیوی اور لڑکا جگہ جگہ کی خوشبو کو سانسوں میں اتار کر آخری آپشن کے طور پر واپسی کی راہ لیتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

"ہم نے تو بس عشق کیا ہے۔" شبینہ گل کا ناول بہت خوب صورتی لیے ہوئے تھا۔ لاکومہ کچھ عجیب سا نام تھا۔ مگر اس کا عشق سچا اور پاک تھا۔ فریدون کے فیصلے کو وقت نے صحیح ثابت کر دیا۔

"ردائے سحر" بشریٰ سیال اچھا لکھا گیا۔ لیکن کچھ معاملات کو طول دینے کی کوشش کی گئی۔ مجموعی طور پر کہانی اچھی رہی۔

"طواف آرزو" عابدہ احمد نے تو لگا ہمارے ہاں کی اچھی بری چیزوں کو کہانی کا نام دے دیا ہے۔

"اپنے دام میں" "جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ نور بانو کو تو اچھا سبق ملا۔ اگر اس جیسی "جٹھانی نامی مخلوق" اگر سبق سیکھ لے تو۔۔۔ "موازنہ" "یہ حقیقت ہے" بعض چیزوں میں چاہتے ہوئے بھی موازنہ ہونے لگتا ہے۔ جو کہ اس وقت تو درست معلوم ہوتا ہے، مگر بعد میں بعض دفعہ پچھتاوا بھی مقدر بن جاتا ہے۔ "ہم ساتھ ساتھ ہیں" یہ تو عورتوں کی خام خیالی ہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر حضرات کے بغیر باخوشی زندگی گزار سکیں۔ مگر وہ تو بعد میں غبارے سے ہوا نکلتی ہے، ناہید کی طرح۔۔۔ "آج بھی تم نظر نہ آؤ گے" رخ چوہدری نے بہت اچھے سے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ جانے ان کے الفاظ زیادہ پر اثر تھے یا پھر ذوالقرنین صاحب کی زندگی سے بھرپور وہ تصویر کہ جسے دیکھنے کے بعد پتا چلا۔ یہ جو ہواؤں میں ٹوٹے بکھرے پتوں کا دکھ ہے، بے سبب

نہیں ہے۔ کچھ بھی بے وجہ نہیں ہوتا۔ بہرحال اس کے بعد دوسرے لوگوں (انٹرویو) کو پڑھا ہی نہیں گیا۔ اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی والدین کی بھی۔ (آمین)

ج: فائزہ! کرن کی پسندیدگی کا شکریہ' آئندہ بھی آپ کے تبصرہ کا انتظار رہے گا۔

ارم بشیر۔۔۔ اسلام آباد

اس ماہ کا کرن ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ کیوں کہ ماڈل میری فیورٹ ہے اور پہلے بھی آچکی ہے' اس کے لیے سلیکٹرز کا شکریہ۔ سب سے پہلے دوڑ لگائی "من مورکھ کی بات" کی طرف دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ بے چاری حوریہ کے لیے نہ جانے بابر اب آگے چل کر کیا کرنے والا ہے۔ بہرحال پوری قسط اچھی تھی۔ آخر کی جو لائنز تھیں شاید فضا خواب دیکھ رہی ہے یا کہیں وہ خودکشی نہ کرلے پلیز ایسا تو نہ ہی ہو' مجھے تو اب اس پر بھی ترس آنے لگا ہے۔ "سنگ پارس" اف شکر ہے سب کی غلط فہمیاں دور ہوئیں اور ہیپی اینڈ ہوا۔ تھینک یو مہوش افتخار بہت اچھی اسٹوری تھی۔ افسانوں میں "ہم ساتھ ساتھ ہیں" کچھ خاص نہیں لگی' ایسی کہانیاں پہلے بھی بہت دفعہ پڑھی ہیں۔ "آپ اپنے دام میں" اچھی تھی۔ "موازنہ" حقیقت سے قریب لگی۔ نہ جانے کب تک ہمارے معاشرے میں بہو' بیٹی کا یہ فرق چلتے رہے گا۔ مکمل ناول میں "ردائے سحر" سچ پوچھیں تو یہ کہانی پڑھ کر مجھے لگا میں اپنا کرن نہیں کوئی اور رسالہ پڑھ رہی ہوں۔ مجھے پڑھنے میں پسند نہیں آیا۔ باقی تمام سلسلے اچھے تھے اور آخر میں پلیز مجھے کچھ بتادیں' میرے افسانے کا کیا بنا' اگر قابل اشاعت نہیں تو بھی بتادیں۔

ج: پیاری ارم! کرن پر تبصرہ کرنے کا شکریہ۔ آپ کا افسانہ قابل اشاعت ہونے کی صورت میں شائع کردیا جائے گا۔

صائمہ مشتاق۔۔۔ سرگودھا

مجھے آپ سے ایک گلہ ہے کہ آپ نے میرا لیٹر شامل نہیں کیا؟ (اچھا جی کوئی گل نہیں۔) اب آتی ہوں اکتوبر کے شمارے کی طرف' ٹائٹل گرل کا ہیئر اسٹائل بہت پسند آیا۔ پھر ہم سے صبر نہ ہوا تو سب سے پہلے "دست مسیحا" پڑھا۔ واہ جی واہ نگہت جی کیا کہنے آپ کے' ہماری توقع کے عین مطابق ناول کا اینڈ ہوا بہت اچھا لگا۔ نگہت سیما جی اب جلدی سے دوسرا ناول بھی شروع کریں۔ اس کے بعد "سنگ پارس" پڑھا۔ مہوش جی کیا خوب اینڈ کیا۔ نوفل اور طوبیٰ کی ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں' دوسری جانب نگین کے ساتھ اچھا ہوا' اس کو صلہ ملا کہ کسی کے گھر کو برباد کرنے کی کیا سزا ہوتی ہے۔ اس کو اس کے میاں نے سب کچھ دیا' بس اس کو وفا نہ دی' مہوش جی بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد مکمل ناول میں جو اسٹوری ٹاپ پر رہی وہ "ردائے سحر" بشریٰ سیال کا مکمل ناول بشریٰ جی آپ کے ناول میں عمدہ الفاظ کا چناؤ بہت پسند آیا۔ آپ کا لکھا ہوا ہر لفظ دل میں اتر گیا۔ سحر کو تو آخر تباہی کا ہی ہونا تھا' کیوں کہ نجل جیسی لڑکی تباہی کو سوٹ نہیں کرتی تھی۔ اس کے بعد "من مورکھ کی بات" آسیہ مرزا کا ناول بہت اچھا لگا' ایک طرف سے حوریہ کو حازم کا ساتھ ملا' تو دوسری طرف پریشانی کی شکل میں بابر۔ پلیز آسیہ جی حوریہ کے ساتھ اچھا کرنا' حوریہ کو مومنہ جیسے دکھ نہ دینا۔

ناولٹ میں بنت سحر کا ناولٹ "سانول موڑ مہاراں" ہلکی پھلکی سی تحریر لگی۔ اس کے بعد "طواف آرزو" عابدہ احمد کا افسانہ پڑھا ابرار کو صبیحہ کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ عابدہ احمد جی آپ کی اسٹوری دل کو چھو نہ سکی۔ ایک ہوتی ہے نہ کہانی چاہے اس کا موضوع کوئی بھی ہو' لیکن الفاظوں کا چناؤ دل کو نہ بھائے تو اچھا نہیں لگتا۔ امید کرتی ہوں آپ برا نہیں منائیں گی۔ اس کے بعد ناولٹ شبینہ گل کا "ہم نے تو بس عشق ہے کیا" شبینہ گل جی میں کیا کہوں اتنی اچھی اسٹوری کے بارے میں' قسم سے دل کانپ کر رہ گیا۔ لائقومہ خان کا اتنا صبر کرنا کام آگیا اور فریدون خان کو بھی جینے کا سہارا مل گیا۔ ویسے لائقومہ خان کی بھابھی اس کے ساتھ ایسا رویہ نہ رکھتی تو وہ کبھی بھی غم سے نہیں نکل سکتی تھی۔ شبینہ جی میری جو کیفیت ہے وہ میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی۔ ویل ڈن شبینہ گل جی۔ اس کے بعد سارے افسانے اچھے تھے۔ اس دفعہ "مقابل ہے آئینہ" کیوں غائب تھا اور ہاں آپی جی میری اسٹوری کا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کیا بنا پلیز بتادیں۔

ج: پیاری صائمہ! آپ کا خط ہمیں تاخیر سے ملا تھا' اس لیے شائع نہ ہوسکا مگر پڑھ ضرور لیا تھا۔ آپ بہنیں اپنی کہانیوں کے لیے بہتر یہ ہی ہے کہ فون پر ہم سے رابطہ کریں' تاکہ بتایا جاسکے کہ قابل اشاعت ہیں یا نہیں۔

فوزیہ ثمر بٹ' ہانیہ عمران.... گجرات

معصوم سی لڑکی بہت اچھی لگی۔ بریسلٹ یونیک سا تھا اور ہیئر اسٹائل کی بات ہی کیا تھی۔ آج کل میری زندگی کا فوکس بیوٹی پارلر ہیں۔ جناب اداریہ کی باتیں سنیں۔ دعائے مغفرت پڑھا۔

حمد باری تعالیٰ' نعت رسول مقبول" ہمیشہ کی طرح ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔ "آج بھی تم نظر نہ آؤ گے" رخ صاحب کا بابر فیصل کو خراج تحسین بہت اچھا لگا۔ یہ حقیقت ہے اچھے لوگ ہمیشہ دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ "من مورکھ" کو پڑھا اسٹوری سلو سلو لگ رہی ہے۔ حوریہ بے چاری کو تو بابر نے ڈرا کے ہی ختم کردینا ہے۔ حوریہ' حازم کو شادی تو انجوائے کرنے دیں۔ فضا کے کردار کو ختم نہ کیجیے گا اور کیا فضا خودکشی کرنے لگی ہے۔ ارے ایسا نہ کرنا قصور ابن آدم' بنت حوا کی بیٹی دونوں کا برابر ہے' پھر سزا صرف بنت حوا کا نصیب کیوں۔

"راپنزل" کہانی میں سب واضح ہوگیا۔ شہرین' سمیع بھی خوش باش رہنے لگے ہیں۔ کیا رائٹر صنا اور مہر کے چاچو کی جوڑی بننے جارہی ہے۔

"سنگ پارس" چلو جی ایک اچھی اسٹوری کا ہیپی اینڈ ہوگیا۔ ویسے اپنی کم عقلی کی وجہ سے طوبیٰ نے بہت تپایا ہے نوفل کو۔ خیر ایک سوبر سے کرداروں کی سوبر سی کہانی کا ہیپی اختتام اچھا لگا۔

مکمل ناول "ردائے سحر" رائٹر کی اچھی کاوش تھی۔ سحر اپنے نام کی طرح ہی لگی۔ روشن اور ٹھنڈی مزاج کی۔ ویسے اسٹوری تو وہی ٹیپکل رہی۔ مگر ہیرو' تمامی شکل بے مثال لگا۔ ہاں ہاں "سانول موڑ مہاراں" بنت سحر' محبت کے آٹے سے گندھے الفاظ لگتی ہے۔ تم جس قلم سے لکھتی ہو اسے پہلے محبت کی شرینی میں ڈبو لیتی ہو۔ تمہارے الفاظ دل پر اثر کرتے ہیں۔ خیر تمہارے تحریر میں فلسفہ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ آئندہ کسی تحریر میں حق باہو۔ محمد بخش کے کلام کو زیادہ لکھنا۔ ہر ماہ تمہاری تحریر کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

"ہم نے تو بس عشق ہے کیا" شبینہ گل زندگی کی حقیقت کو اجاگر کیا ہے۔ دین سے بے خبری ایسے ہی انسانوں کو بے خبر مار دیتی ہے۔ بے ترتیبی نہ چیزوں میں اچھی لگتی ہے' نہ رشتوں میں' پر وہاں انسان کیا کرے کہ ہزار جتن کرکے بھی نصیبوں کی ترتیب درست نہیں کرپاتا۔ پھر بات اسی پر ختم کہ یہ مقدر پر ختم ہوتی ہے اور مقدر لکھنے والے سے کوئی اور زبردستی تھوڑی کرسکتا ہے۔ صرف التجا صرف التجا ہی ہوسکتی ہے۔ مان جائے تو صد شکر' نہ مانے تو اس کی رضا۔ افسانے ایک دو' تین' چار چاروں اچھے تھے۔ سب سے پہلے پہلا "طواف آرزو" کو پڑھا۔ ابرار کی کم ظرفی پسند نہیں آئی۔ لوگ تو طوائفوں سے بھی شادی کرلیتے ہیں۔ یہ کیا اس نے ایک ڈانسر سے شادی نہیں کی۔ کون سا وہ شوق سے کررہی تھی' مجبوری تھی۔ اصل میں ابرار کی محبت کمزور نکلی اور اناشہ زور' دوسرا افسانہ "اپنے دام میں" واہ! کیا خوب موضوع پکڑا ہے رائٹر نے یہ عورت کی سائیکلوجی بھی عجیب ہوتی ہے۔ ہوتے ہیں کچھ لوگ فطرت کے ہاتھوں مجبور جو انہیں برے فعل کرواتی ہے۔ اینڈ برے کا لگا۔ اچھا تھا چکرا کر گرم توے پر ہی گرتی نور بانو' مزا آتا اس کو بھی۔ "موزانہ" بھی اچھا تھا۔ ہر گھر میں شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔ اصل میں جہاں سب خود کو مظلوم سمجھیں تو پھر ظالم کون کہلائے گا جناب! "ہم ساتھ ساتھ ہیں" بھی اچھا لگا۔ ایک عورت کی نفسیات لڑکیاں تو اپنے ڈیزائن کپڑوں کے پسندیدہ چیزیں کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتی۔ کہاں پھر ایک شوہر کو شیئر کرسکتی ہے۔

ہمیشہ کی طرح مستقل سلسلے لاجواب تھے۔

میرا وجدان مجھ سے کہتا تھا پی بی اس بار خط یا تو ٹوکری کی نذر ہوگیا یا پھر بلکہ عمران بھائی نے غداری کردی۔ خط دراز میں پڑا رہ گیا۔

ج: پیاری فوزیہ ثمر حسب معمول آپ کا دلچسپ تبصرہ پڑھ کر بہت مزا آیا' آپ کا خط ہم نہ شائع کریں' ایسا نہیں ہوسکتا' پچھلے ماہ ہمیں آپ کا خط موصول نہیں ہوا۔